اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اردو)

مقالہ نگار

عبدالعزیز خان

زیرِ نگرانی

مریٹوریس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال

رئیس کلیہ فنون، جامعہ کراچی

شعبہء اردو، جامعہ کراچی

۲۰۱۲ء

کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

تصدیق نامہ

عبدالعزیز خان نے ''اُردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' کے موضوع پر میری نگرانی میں پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ تحریر کرلیا ہے۔

اس بات کی تصدیق بھی کی جاتی ہے کہ مذکورہ مقالہ اوریجنل مواد پر مشتمل ہے۔ اور ہر قسم کے سرقہ جات سے پاک ہے۔

میں اس مقالے کے معیار سے مطمئن ہونے کے بعد جانچ کی غرض سے پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

9/3/12

DEAN
Faculty of Arts
University of Karachi

پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال

پیش گفتار

اردو نعت کے موضوع پر پی۔ایچ۔ڈی کی سطح کے متعدد مقالات قلم بند ہو چکے ہیں۔لیکن تا حال صرف دو مقالے ایسے سامنے آئے ہیں جن میں جزوی طور پر نعت پر تنقید کے ضمن میں کچھ لکھا گیا ہے:

(اول)ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' (سنِ اشاعت ۲۰۰۱ء، پنجاب یونیورسٹی)، جس کے صفحہ نمبر ۲۲۷ پر دو عنوانات قائم کیے گئے ہیں:[الف] ''نعتیہ شاعری پر تنقید......قباحتیں اور نزاکتیں'' اور [ب] ''نعتیہ شاعری کو پرکھنے کی صورتیں اور معیارات''۔

(دوم)۔ اِفضال احمد انور کا مقالہ ''اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ'' (سنِ تکمیل ۲۰۰۷ء، پنجاب یونیورسٹی، غیر مطبوعہ) جس کے صفحات ۴۴ تا ۵۲ پر ''نعت پر تنقید'' کے زیرِ عنوان لکھا گیا ہے۔

اردو میں نعت نگاری تو اردو کی پہلی معلومہ مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' مصنفہ فخر الدین نظامی (جو ۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء اور ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء کے درمیان لکھی گئی) ہی سے شروع ہو گئی تھی، لیکن نعتیہ شاعری کے مضامین اور اسالیب کی پرکھ پر باقاعدہ تنقید، طویل مدت تک نہیں ہو سکی۔ محسن کاکوروی (متوفی ۱۹۰۵ء) سے قبل کسی شاعر نے نعتیہ شاعری میں ایسا فنی کمال بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ ناقدین اس کی شاعری کو تنقیدی مطالعے کے لیے درخورِ اعتنا جانتے۔ محسن کے نعتیہ قصیدے

ع سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل......

کی دھوم مچی تو اس پر اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ کہا گیا کہ اس قصیدے کی تشبیب غیر مشروع ہے۔ شرعی حوالوں سے کسی نعت کے متن کو پرکھنے کی یہ پہلی سنجیدہ کوشش تھی جس کے باعث نعتیہ شاعری بھی زیرِ بحث آئی۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' میں پہلی بار ایک نعت گو شاعر کے حوالے سے محسن کے کلام پر سیر حاصل گفتگو کی تھی۔ محسن ہی ایسے نعت گو شاعر ٹھہرے جن کے کلام پر ۱۹۵۹ء میں محمد حسن عسکری نے تنقیدی مضمون لکھا تھا۔ محسن کاکوروی کے علاوہ کوئی ایسا نعت گو نہیں تھا جس کے شعرِ عقیدت پر کسی مستند نقاد نے کوئی تنقیدی رائے دی ہو۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' سن ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی جو پاکستان میں اپنے موضوع کے اعتبار سے اولین کاوش قرار پائی۔

پاکستان میں اسی کی دھائی میں، نعتیہ شاعری کے فروغ کا آغاز ہوا۔ سرکاری سطح پر نعت کی پذیرائی نے اس صنفِ شریف کی ترویج کے شوق کو مہمیز دی۔ کچھ ادبی رسائل نے نعتیہ شاعری کی اشاعت بھی شروع کر دی۔ بہت سے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آئے جن میں صاحبانِ نقد و نظر نے تقریظیں لکھیں۔ کچھ نعتیہ انتخاب بھی شائع کیے گئے جن میں ممتاز حسن کا انتخاب ''خیر البشر ﷺ کے حضور میں'' (سن اشاعت ۱۹۷۵ء) ایک وقیع انتخاب تھا۔ اس نعتیہ انتخاب کا مقدمہ، شعرِ عقیدت کے چند تنقیدی نکات کے باعث ایک اہم تحریر کے طور پر نمایاں ہوا۔ پروفیسر اقبال جاوید نے بھی ''مخزنِ نعت'' (مطبوعہ ۱۹۷۹ء) میں مقدمہ لکھا تھا جس میں تنقیدی اشارے موجود تھے۔ راقم الحروف نے بھی ایک مجموعہ ''جواہر النعت'' کے نام سے ۱۹۸۱ء میں پیش کیا تھا اور اس میں ایک مقدمہ لکھ کر نعت پر تنقید کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ (واضح

رہے کہ میں نے تاریخی ریکارڈ درست کرنے کی غرض سے اپناذ کر دیا ہے لیکن اس مقالے میں اپنی کسی سابقہ تحریر سے کوئی اقتباس نہیں دیا ہے، کیوں کہ یہ مقالہ نگاری کے اصولوں کے خلاف ہے)۔ راجا رشید محمود نے نعتیہ انتخاب ''نعت کائنات'' (سنِ اشاعت ۱۹۹۳ء) کے مقدمے میں ''نعت پر تنقید'' کا عنوان قائم کر کے کچھ باتیں لکھ دی ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ تخلیقی اور تحقیقی کاموں کی حد تک نعتیہ شاعری کے موضوع کو برتنے میں جو کوتاہیاں ہوتی رہی تھیں ان کا کچھ نہ کچھ ازالہ تو اسّی کے دھے میں (پاکستان کی حد تک) نعتیہ ادب کے فروغ میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ہی ہونے لگا تھا۔لیکن نعتیہ شاعری پر تنقید کا دروازہ پھر بھی نہیں کھل سکا تھا۔کتابوں اور مقالوں میں تنقید کی ضرورت پر زور دیئے جانے کے باوجود تنقید کے میدان میں مردانِ کار نے قدم نہیں رکھا تھا۔اس کی وجوہات میں دو عوامل کارفرما تھے(الف) خوفِ فسادِ خلق...... اور......(ب) نعت کے لیے شرعی اور شعری تقاضوں سے آ گاہی کا فقدان۔

سن ۱۹۹۵ء میں کراچی سے ''نعت رنگ'' کی اشاعت عمل میں آئی اور نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ لینے کی باقاعدہ تحریک نے جنم لیا۔نعت رنگ کے قلمی معاونین میں بہت سے اہلِ علم شامل تھے۔ان اہلِ قلم میں، تنقیدی تحریریں پیش کرنے والوں میں رشید وارثی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی، پروفیسر شفقت رضوی، ادیب رائے پوری، پروفیسر اقبال جاوید اور پروفیسر محمد اکرم رضا کے علاوہ بھارت سے ڈاکٹر سید طلحہ رضوی، برقؔ،، ڈاکٹر محمد یحییٰ نشیط ،اسماعیل آزاد فتحپوری اور ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کے اسماء شامل ہیں۔

نعتیہ تنقید کا کام کچھ آگے بڑھا تو اس موضوع پر کتب کی اشاعت بھی ہوئی۔ان کتب میں شرعی پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا گیا تھا اور شعری تحسین بھی کی گئی تھی۔کتابوں کی تفصیل تو مقالے میں پیش کردی گئی ہے۔یہاں عرض کردوں کہ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں اضافہ کرنے والی کتب میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، رشید وارثی، ادیب رائے پوری، مولانا کوکب نورانی، پروفیسر شفقت رضوی وغیرہم کی کتب شامل ہیں۔راقم الحروف نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا ہے لیکن اپنے کام کا ذکر صرف اسی قدر ضروری ہے کہ اب تک اس موضوع پر چار کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

اب جب کہ نعتیہ ادب میں تنقید کا دروازہ کھلا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ بھی کیا جائے اور مستقبل کے لیے نعت کے موضوعات کی تطہیر کے لیے کچھ تجاویز بھی پیش کردی جائیں۔ علاوہ ازیں موضوع کی نزاکت کے حوالے سے تنقیدی معیارات کی تعیین کی طرف بھی توجہ مبذول کروائی جائے۔چنانچہ راقم الحروف نے ''اردو نعت کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور الحمدللہ! جامعہ کراچی میں یہ تحقیقی موضوع قبول ہو گیا۔سن ۲۰۱۰ء میں مجھے کام کی اجازت ملی اور الحمدللہ! مارچ ۲۰۱۲ء میں میں اس قابل ہو سکا ہوں کہ اپنا یہ مقالہ پیش کردوں۔

اس مقالے کے آٹھ ابواب ہیں۔

بابِ اول میں تنقید کی تعریف بھی پیش کی گئی ہے اور عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں میں تنقید کے جو معانی متعین کیے گئے ہیں ان کا بھی احصاء کیا گیا ہے۔ لیکن اختصار کی غرض سے صرف چند نکات ہی بیان میں آسکے ہیں کیوں کہ تفصیل کی نہ تو مقالے میں گنجائش تھی اور نہ ضرورت۔

بابِ دوم میں قرآن وسنت (احادیثِ نبوی) میں نعت کے متن کی صحت کے لیے جو اصولی اشارے پائے جاتے ہیں ان کا ذکر ہے۔ اور مقامِ رسالت مآب ﷺ کی تفہیم کے لیے قرآن واحادیث کی روشنی میں بات کی گئی ہے۔

بابِ سوم میں شعراء کا تنقیدی شعور منعکس کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ہر تحریر کے وجود میں آنے سے قبل تخلیق کار کا تنقیدی شعور عمل آراء ہوتا ہے۔ اس لیے نعتیہ شاعری اور حضورِ اکرم ﷺ کے مقام ومرتبے کے ادراک کے جو شواہد نعت کے تخلیقی سرمائے میں پائے جاتے تھے ان کی ہلکی سی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

بابِ چہارم ان تحریروں کی تنقیدی جانچ پڑتال کے لیے وقف ہے جو نعتیہ شعری مجموعوں میں مقدمہ، تقریظ یا دیباچوں کی شکل میں لکھی گئی تھیں۔

بابِ پنجم میں نعتیہ انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقیدی آراء کا احوال قلم بند ہوا ہے۔

بابِ ششم میں نعت رنگ اور دیگر کتابی سلسلوں، مجلوں اور رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بابِ ہفتم میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے وجود میں آنے والی تنقیدی کتب کا جائزہ لیا گیا ہے............اور

بابِ ہشتم میں تنقیدِ نعت کے چند نمونے پیش کر کے مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کے تخلیقی اور تنقیدی اصول متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ گو نعتیہ ادب میں تنقیدی تحریروں کی مقدار بہت کم ہونے کے باوجود تحقیقی مقالوں، تقریظوں، مقدموں، دیباچوں اور مضامین کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے راقم الحروف نے صرف ان تحریروں پر توجہ دی ہے جن میں ''کلیم'' سے زیادہ ''کلام'' پر گفتگو کی گئی تھی۔ کیوں کہ تنقید کی بنیادی شرط ہی لکھے ہوئے حرف پر بات کرنے سے پوری ہوتی ہے۔ تخلیق کار کی شخصیت اور اس کے ذاتی احوال کا تعلق تذکرہ نگاری سے جڑتا ہے۔ تحقیقی مقالوں میں کلیم اور کلام پر ساتھ ساتھ گفتگو چلتی ہے اس لیے ان مقالوں میں سے بھی صرف تنقیدی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیقی مضامین کا بھی بیشتر ذکر کر دیا گیا ہے لیکن ان کا بھرپور جائزہ لینے سے گریز کیا گیا ہے۔

یہ وضاحت بھی ناگزیر ہے کہ راقم الحروف نے اپنی کسی سابقہ تحریر سے اقتباس تو پیش نہیں کیا ہے لیکن موضوع کی وحدت اور تنقیدی جہت کی یکسانیت کے باعث، اس مقالے میں کچھ باتیں ایسی ضرور آگئی ہیں جن پر میں نے اس سے قبل بھی اظہارِ خیال کیا تھا۔ تاہم میں نے یہ احتیاط برتی ہے کہ اشعار یا کتب کے اصل مآخذ سے رجوع کرتے ہوئے نئے

سرے سے غور و خوض کر کے کچھ نکات پیش کیے جائیں۔

تکمیلیت (Perfection) کا دعویٰ نہ کرنے کے باوجود، یہ اعتراف ضروری ہے کہ ممکن ہے کسی اہم تحریر پر میں اس مقالے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکا ہوں یا جو تحریریں زیادہ توجہ کی مستحق تھیں انہیں مطلوبہ توجہ نہ دے سکا ہوں......اس کے لیے ان کتب کے مصنفین یا مضمون نگاروں سے معذرت ہی کر سکتا ہوں۔ مرحومین کے لیے بھی صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے۔

اس بات کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ تنقیدی مضامین میں بیشتر کسی شاعر کے شعرِ عقیدت پر لکھے ہوئے مضامین ہیں ۔ظاہر ہے ایسے مضامین میں زیادہ تر دل جوئی کا پہلو پیش نظر ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر تحریروں میں ہر شاعر کو ''اچھا شاعر'' ہی کہا گیا ہے۔ کئی شعراء اچھے بھی ہیں لیکن ان کے ہاں بھی کچھ کمزور شاعری کے نمونے پائے جاتے ہیں جن سے تقریظ نگاروں نے صرف نظر کیا ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے عمومی نوعیت کے مضامین بہت لکھے گئے ہیں۔

اس حقیقت کے بیان میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی کہ اب تک نعتیہ تنقیدی ادب کے سرمائے میں کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں تنقید کے چاروں پہیئے (Four Wheels) استعمال کیے گئے ہوں۔ یعنی وہ چار معروف تنقیدی اصول: (i) تقابل (Comparison)، (ii) تجزیہ (Analysis)، (iii) امتیاز (Discrimination) (iv) اور تعیینِ قدر (Evaluation) جن کو بروئے کار لا کر کسی ایک شاعر کا کلام بالکل معروضی انداز سے پرکھا گیا ہو۔ معروضیت کا فقدان عمومی ادبی تنقید میں بھی محسوس کیا جاتا ہے، لیکن مذہبی شاعری میں اس فقدان کی وجوہات سہ ابعادی ہیں:

(الف) شاعر سے عقیدت ۔(ب) موضوع کا احترام......اور (ج) مسلکی شدت پسندی

تاہم جزوی طور پر ہر تنقیدی تحریر میں کچھ نہ کچھ نکات مل جاتے ہیں۔

یہ بات بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ ادب میں تنقیدی ساکھ قائم کر لینے والے نقادوں (Recognised and Reputed Critics) میں سے صرف چند ایک ہی نے نعتیہ شاعری پر کچھ لکھنے کی زحمت کی ہے، باقی تنقید نگار ابھی عمومی شاعری کے چنگل ہی سے نہیں نکلے ہیں۔ مذہبی شاعری پر تنقید کرنے کے معاملے میں مسلکی جنگ شروع ہونے کا خدشہ بھی رہتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں بعض مقتدر ہستیوں کی شاعری میں کمزوریوں کی نشاندہی سے ان کے معتقدین ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یا تو کوئی قلم ہی نہیں اٹھاتا، اور اگر کچھ لکھتا بھی ہے تو تنقید کو تحسینی (Appreciative) دائرے میں ہی محدود رکھتا ہے۔ اسی لیے اس معمورے میں معروضی تنقید کم کم نظر آتی ہے۔

بایں ہمہ، راقم الحروف نے تنقیدی مضامین کے مزاج اور انداز کے غالب رجحان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہی ان تحریروں کو کسی نہ کسی تنقیدی دبستان سے وابستہ قرار دیا ہے۔

آخر میں میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی تحریک پر اور جن کے تعاون سے یہ مقالہ وجود میں آیا۔

ڈاکٹر پروفیسر فرمان فتحپوری صاحب میرے شکریئے کے مستحق ہیں اس لیے کہ انہوں نے سن ۱۹۹۵ء میں میرے

ایک مضمون کو دیکھ کر مجھے خصوصی طور پر اپنے دولت کدے پر بلا کر پی۔ایچ۔ڈی، کرنے کا مشورہ دیا تھا۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت وتندرستی کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے(آمین)!

مرینورلیس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب نے، مقالے کے خاکے کی تیاری اور اس کی منظوری سے لے کر مقالے کی آخری سطر لکھنے تک، قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ ان کا شکریہ ادا کروں۔اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضل وکرم کے دروار کھے(آمین)!

سید صبیح الدین صبیح رحمانی میرے شکریے کے اس لیے مستحق ہیں کہ انہی کی تحریک پر میں نے تنقیدی مضامین لکھے اور انہی کے اصرار پر (رٹائرمنٹ کے بعد) پی۔ایچ۔ڈی کی سطح کا مقالہ لکھنے کا ڈول ڈالا۔علاوہ ازیں نعتیہ ادب سے متعلق کتب کی فراہمی کی جان لیوا محنت سے بھی انہوں نے مجھے، بہت حد تک بے نیاز کر دیا۔الحمدللہ! نعت ریسرچ سینٹر ہی کی کتب کم نہ تھیں۔انہوں نے ان کتب کے علاوہ بھی دوسرے ذخیروں سے کتب حاصل کر کے مجھے فراہم کیں۔اللہ انہیں سدا خوش رکھے(آمین)!

ڈاکٹر شاداب احسانی بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں جن کے پر خلوص مشورے میرے لیے مشعل راہ بنے رہے۔اللہ انہیں خوش وخرم رکھے(آمین)!

مدینہ منورہ سے میرے پیرومرشد حضرت علامہ قاضی شفیق احمد فاروقی دامت برکاتہم العالیہ، تقریباً روزانہ مقالے کی پیش رفت کے بارے میں استفسار فرما کے اپنے قیمتی مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے رہے، اللہ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ درازیء عمر عطا فرمائے!(آمین)

میرے گھر والوں میں میری اہلیہ، طلعت عزیز خان، نے تحقیق کے کام سے عدم دلچسپی کے باوجود مجھے اس کام میں اتنی مہلت ضرور دی کہ میں یکسوئی سے اس مقالے کی تیاری کو وقت دے سکا۔اگر ان کا تعاون حاصل نہیں ہوتا تو میں یہ صبر آزما کام کر ہی نہیں سکتا تھا۔میرے بیٹے فاروق عزیز خان اور محمد جنید عزیز خان نے بھی مجھ بوڑھے طوطے کے لکھنے پڑھنے میں مدد کی۔میری ہمشیرہ شازیہ اظہر، میرا بیٹا کامران عزیز خان اور بہو کیلی جین فیفنن عرف عالیہ خان، میری بڑی بیٹی کرن اور داماد زاہد فیض، چھوٹی بیٹی کنول اور داماد شاہد خان نے پاکستان سے دور رہ کر بھی میری علمی سرگرمیوں کو سراہا اور میرے حوصلے بڑھائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کو صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ وپائندہ رکھے(آمین)!

ڈاکٹر محمود حسین لائبریری، جامعہ کراچی، کے مہتمم جناب محمد حنیف اور ان کے عملے کے تمام اراکین کا شکر گزار ہوں جن کے تعاون کے باعث مجھے کتب کے حصول میں سہولت رہی۔سیمینار شعبہء اردو، جامعہ کراچی، کے مہتمم بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں۔اللہ سب کو اجرِ جزیل عطا فرمائے(آمین)!

سید معراج جامی، فدا خالدی دہلوی کے شاگرد ہونے کے باعث میرے استاد بھائی ہیں۔انہوں نے مقالے کی کمپوزنگ کے اصولوں سے مجھے آگاہ کیا اور ہر مرحلے پر میری مدد کی۔ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی کا تحقیقی مقالہ جس پر مرحومہ

کو سن ۱۹۹۰ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند ملی تھی۔ جامی صاحب نے اس مقالے کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور سن ۲۰۱۱ء میں اسے شائع کر دیا...... پھر بہ نفسِ نفیس میرے غریب خانے پر تشریف لا کر "اردو نعت کے جدید رجحانات" کا ایک نسخہ مجھے عطا کیا۔ ان کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں، مجھے الفاظ کی بے بضاعتی کا احساس ہو رہا ہے۔ اللہ انہیں ہر طرح خوش و خرم رکھے (آمین)!

انجمنِ ترقی اردو کے کتب خانہء خاص کے مہتمم سید معروف، ان کے معاونین لال حسین شاہ اور جاوید اختر اور بیدل لائبریری کے مہتمم جناب محمد زبیر اور ان کے معاون امان اللہ شیخ بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے بھی کتب کی فراہمی میں میرے ساتھ بڑا تعاون کیا۔

اس تحقیقی کام میں جہاں جہاں خوبی نظر آئے، اسے مریٹوریس پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال صاحب کی خصوصی توجہ کا نتیجہ سمجھنا چاہیے اور جہاں کوئی کوتاہی محسوس ہو اس کا ذمہ دار اس عاجز راقم الحروف ہی کو گردانا جائے۔

عبدالعزیز خان (عزیز احسن)

جمعۃ المبارک ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

مطابق: ۱۰ فروری ۲۰۱۲ء

بابِ اول

تنقید کی تعریف اور اردو میں تنقیدی روایت

مقالے کا بابِ اول تین ذیلی عنوانات میں تقسیم ہے:

۱۔ عربی اور فارسی تنقیدی آراء کا احوال

۲۔ انگریزی تنقیدی آراء کا احصا

۳۔ اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ

۱۔ عربی اور فارسی تنقیدی آراء کا احوال:

اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہوئے سب سے پہلے ہمیں ادب کی نوعیت جاننی ہوگی کیوں کہ تنقید کا مطالعہ، پورے ادب کا مطالعہ ہے۔(۱) ادب کی تعریف تو تقریباً طے شدہ ہے اس لیے زیادہ تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ متخیلہ کی حامل ہر تحریر ادب کے زمرے میں آئے گی۔(۲)

لفظ ادب کا انگریزی مترادف لٹریچر (LITERATUR) ہے، لیکن لفظ لٹریچر کے کثیر المعانی استعمالات کے باعث اس کی دو اہم شاخوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ بقول ڈاکٹر احسن فاروقی، ''ٹامس ڈی کوئینسی'' نے انیسویں صدی کے شروع میں لٹریچر کی دو اقسام بتائی تھیں۔ (الف) LITERATURE OF KNOWLEDGE یا معلوماتی ادب اور (ب) LITERATURE OF POWER یا زوردار ادب۔(۳)

انگریزی لفظ کی کثیر المعویت کے لحاظ سے اس کی دو شاخیں ضرور ملتی ہیں لیکن اردو میں رائج، عربی لفظ ''ادب'' اپنی معنویت خود ظاہر کر دیتا ہے اور اس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر احسن فاروقی اسی لیے کہتے ہیں:

> ''ہمارا لفظ، ادب ان معنوں میں لٹریچر سے بہتر ہے کہ وہ زوردار [متاثر کن] تحریروں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے''۔(۴)

ادب کی تخلیقی اصناف دو ہیں، ''شاعری'' اور ''نثر'' اور بقول پروفیسر مجنوں گورکھپوری:

> ''ادب کی سب سے زیادہ قدیم، سب سے زیادہ فطری اور سب سے زیادہ مقبولِ عام شکل 'شاعری' ہے''(۵)

شعر کی تعریف اور اس کے محاسن:

اس مرحلے پر ہمیں ''شعر'' کی شناخت اور اس سے متعلق پیدا ہونے والے سوالات کا بھی کچھ ادراک ہونا چاہیے کیونکہ ہمیں بالآخر نعتیہ ادب میں ''سخن نعت'' یا ''شعرِ عقیدت'' ہی پر بات کرنی ہے۔ اس لیے پہلے دیکھتے ہیں کہ علمائے ادب نے 'شعر' کی کیا تعریف کی ہے۔

عبدالحلیم ندوی نے بتایا ہے کہ عربوں نے 'فنِ شعر' کو 'ادب عالیہ' کا نام دیا ہے جس میں شعر کے علاوہ نقاشی، پینٹنگ اور موسیقی بھی آتی ہے۔

ماہرینِ عروض اور دیگر نقادانِ ادب سے استشہاد کرتے ہوئے عبدالحلیم ندوی نے شعر کی کچھ تعریفیں لکھی ہیں، مثلاً

> ''شعر موزوں و مقفّی کلام کو کہتے ہیں''۔(۶)

لیکن اس تعریف سے بھی وہ مطمئن نہیں ہیں اور کہتے ہیں:

''کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ خصوصیات کیا ہیں؟ وہ ہیں 'اچھوتے خیالات وافکار، لطیف جذبات واحساسات' کی ایک خاص نہج سے تعبیر۔ چنانچہ نقاد شعر کی یوں تعریف کرتے ہیں: ''شعر وہ فصیح و بلیغ کلام ہے، جس میں وزن کے علاوہ نادر اور اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات واحساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل ودماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے''۔(۷)

عبدالحلیم ندوی نے قدامہ ابن جعفر، ابن طباطبا، ابن قتیبہ، ابن رشیق اور دکتور احمد احمد بدوی کے افکار وخیالات کی کی روشنی میں بتایا ہے:

''ان نقادوں کے نزدیک شعر کے اجزائے ترکیبی میں چونکہ ندرت خیال اور لطافت جذبات واحساسات اور وزن کے ساتھ اثر اندوزی کو اولیت حاصل ہے اس لیے اس میں سے بعض نے ہر اس کلام کو جس میں یہ صفات موجود ہوں شعر کا نام دیدیا ہے، چاہے وہ نثر ہی کیوں نہ ہو''۔(۸)

نثر کو شعر بتانے کی تقریب یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسانؓ کے بیٹے کو کسی کیڑے نے کاٹ لیا تھا اور وہ اس کیڑے کا نام نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بیان دیا کہ " **كانه ملتف فى بردى حبره** "وہ [کیڑا] ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ حیرہ کی دو چادروں میں لپٹا ہو''۔ کیڑے کی شناخت کے حوالے سے یہ خوبصورت بیان سن کر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ پھڑک اٹھے اور بے ساختہ فرمایا "**شعر و رب كعبه**" (رب کعبہ کی قسم یہ تو شعر ہے)۔(۹)

شعر کے لیے وزن کی قید ہے کہ نہیں اس پر مولانا الطاف حسین حالؔی نے بھی لکھا ہے۔ حالی شعر کے وزن کو وہی اہمیت دیتے ہیں جو ''راگ کے لیے بول'' کی ہوتی ہے۔

لیکن پھر بتاتے ہیں کہ جس طرح راگ الفاظ کا محتاج نہیں اسی طرح شعر بھی وزن کا محتاج نہیں۔ پھر وہ انگریزی ادب میں پوئٹری POETRY اور ورس VERSE کی بات کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

''جس طرح ان کے ہاں وزن کی شرط پوئٹری کے لیے نہیں، بلکہ ورس کے لیے ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں بھی یہ شرط شعر میں نہیں بلکہ نظم میں معتبر ہونی چاہیے''۔(۱۰)

حالی نے بتایا ہے کہ قدیم عرب کے لوگ بھی شعر کے لیے وزن ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ

''جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی موثر اور دلکش تقریر کرتا تھا، اسی کو شاعر جانتے تھے''۔(۱۱)

قرآن کریم میں وزن کا مطلق التزام نہ ہونے کے باوجود اس کو عربوں نے شاعری قرار دیا تو اس کی وجہ بھی حالؔی کے نزدیک قرآن کی ''نرالی عبارت'' تھی۔

حالی نے محقق طوسی کی کتاب ''اساس الاقتباس'' کے حوالے سے بتایا ہے:

''عبری اور سریانی اور قدیم فارسی شعر کے لیے وزن حقیقی ضروری نہ تھا عرب سے پہلے وزن کا التزام عرب

نے کیا ہے"۔(۱۲)

صاحب بحرالفصاحت نے لکھا ہے :

"منطقیوں کے نزدیک وزن، شعر کی ماہیت میں معتبر نہیں۔ان کے نزدیک جو کلام قضایائے تخییلیہ سے بنے وہ شعر ہے۔ ۔۔چنانچہ شیخ بوعلی سینا کتاب شفا کی بحث منطق میں فرماتا ہے۔[لا نظر للمنطقی فی شیء من ذلک الا فی کونه کلاما مخیلا] یعنی منطقی کی نظر وزن اور قافیے کی طرف نہیں اس کے نزدیک تو یہ چاہیے کہ وہ کلام تخیل ہو۔دوسری جگہ کہتا ہے۔[انما ینظر المنطقی فی الشعر من حیث هو مخیل] یعنی وہ شعر میں اس حیثیت سے غور وفکر کرتا ہے کہ وہ کلام تخیل ہے"۔(۱۳)

صاحب بحرالفصاحت نے امام رازی کی رائے بھی نقل کی ہے۔عیون الحکمہ میں وہ فرماتے ہیں:

"[ان نظر فیه من حیث انه یفید تخیلا قائما مقام التصدیق و الترغیب فذلک هو المنطق] یعنی منطق میں شعر اس حیثیت سے قابل لحاظ ہے کہ وہ تخیل کے لیے تصدیق وترغیب کے مقابلے میں مفید ہے"۔(۱۴)

نجم الغنی نے متخیلا اور وزن کے ضمن میں محقق طوسی کی توضیح بھی نقل کی ہے:

"[نظر منطقی خاص است بہ تخیل و وزن را از ان جہت اعتبار کنند، کہ بوجہے اقتضائے تخیل کند و صناعت منطق باحث بالذات از تخیل شعر ست و بالعرض از دیگر احوال] یعنی منطقی کی نظر بہ تخیل خاص ہے اور وزن اس لیے اعتبار کرتے ہیں کہ ایک طرح تخیل کا تقاضہ کرتا ہے، اور صنعت منطق میں تخیل مقصود بالذات شعر ہے، اور دوسری حالتیں بالعرض ہیں"۔(۱۵)

شعر کے وزن کی شرط پر اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ کچھ اہل نقد نے وزن کو لازمی بتایا ہے اور کچھ نے اضافی۔یہی وجہ ہے کہ صاحب بحرالفصاحت نے لکھا ہے:

"منطقیین کی اصطلاح میں شعر اور چیز ہے اور شعرا کے نزدیک شعر اور چیز ہے" (۱۶)

شعر کے وزن کے مسئلے سے نمٹ کر شعر کی تعریف پر غور کرتے ہیں۔عبدالحلیم ندوی نے عرب ناقدین کے خیالات کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے:

"شعر کے معنی ہیں دل سے کسی بات کو محسوس کرنا اور اس طرح موزوں کئے ہوئے کلام کو اصطلاح میں 'شعر فنی' کہتے ہیں"۔(۱۷)

قاضی عبدالعزیز جرجانی لکھتے ہیں:

"شعر ایسا فن ہے جس میں طبیعت (جذبات) روایت (نقالی) اور ذکاوت (تخیل) کو دخل ہوتا ہے"۔(۱۸)

ابن رشیق "کتاب العمدہ" میں رقم طراز ہیں:

"شعر ایسا کلام ہے جو موزوں اور مقفیٰ ہو اور بالارادہ لکھا گیا ہو"۔(۱۹)

عبدالحلیم ندوی نے شعرفنی کے تین عناصر ترکیبی لکھے ہیں:

۱۔ایسے معانی اور مطالب کا پایا جانا جنہیں خیال نے جنم دیا ہو۔

۲۔ایسے خوبصورت اور چیدہ الفاظ کا پایا جانا، جن سے شعر کے تخیل اور موسیقیت میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔

۳۔ان الفاظ کا ایک خاص سج دھج سے اس طرح ترتیب دینا کہ ان کے ذریعے اثر اندازی کی شان دوبالا ہو جائے اور یہ صفت 'وزن' کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔(۲۰)

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

"یونانی زبان میں شاعر کو POET یعنی صانع اور خالق کہتے تھے۔اور اہل روما شاعر اور نبی یعنی غیب کی خبر دینے والے کے لیے ایک ہی لفظ VATES استعمال کرتے تھے۔عربی، فارسی اور اردو میں شاعر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے اصل معنی، باخبر اور ادراک کرنے والے کے ہیں"۔(۲۱)

مجنوں گورکھپوری نے بتایا ہے کہ شعر کی تمام تعریفوں میں دو خصوصیات پر زور دیا گیا ہے[۱] جذباتی ماہیت اور [۲] موسیقیت اور یہ دونوں داخلی حقیقتیں ہیں۔مجنوں نے مغربی ناقدین کی شعری تفہیم کے ملفوظی اظہار کو اپنی زبان میں اس طرح لکھا ہے:

۱۔ڈاکٹر جانسن نے شعر کو 'موزوں تصنیف کہا ہے۔[METRICAL COMPOSITION]

۲۔جان اسٹورٹ مل پوچھتا ہے 'شاعری ایسے خیال اور الفاظ کے سوا جن میں جذبات کو بے ساختہ ظاہر کر سکیں اور کیا ہے؟'

۳۔کارلائل شاعری کو 'مترنم خیال' بتاتا ہے۔

۴۔شیلے 'تخیل کے اظہار کو شاعری کہتا ہے'۔

۵۔ہیزلٹ کے نزدیک شاعری 'تخیل اور جذبات کی زبان ہے'۔

۶۔لے ہنٹ کا خیال ہے کہ 'انسان کے اندر حقیقت، حسن اور قوت کی طلب کا جو پرخروش جذبہ ہے اسی کے بے اختیار اظہار کا نام شاعری ہے، اور اس اظہار کے لیے تخیل اور الفاظ کا متناسب اتار چڑھاؤ لازمی ہیں'۔

۷۔کولرج کے تصور میں 'شاعری علم و حکمت کی ضد ہے اور اس کا نصب العین'

۸۔ورڈس ورتھ کی لغت میں 'شاعری تمام علم انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح ہے۔شاعری جذبات کی وہ پرجوش علامت ہے جو تمام علم و حکمت کے چہرے میں نمایاں ہوتی ہے'۔

۹۔ایڈگر ایلن پو کے خیال کے مطابق 'شاعری حسن کی پرآہنگ اور مترنم تخلیق کا نام ہے'۔۱۰۔واٹس ڈنٹن WALTS DUNTON کا قول ہے: 'شاعری جذباتی اور مترنم زبان میں شعور انسانی کے محسوس اور جمالیاتی اظہار کا نام ہے'۔(۲۲)

پروفیسر عبدالقادر سروری نے بھی کچھ مغربی ناقدین کی آراء کو اردو ترجمے کی شکل میں پیش کیا ہے مثلاً

ا۔"شعر الفاظ کا ایسا استعمال ہے کہ اس سے تخئیل دھوکا کھا جائے۔ مصور رنگ کی مدد سے جو کام کرتا ہے اس کو الفاظ کے ذریعے انجام کرنے کی صنعت کا نام شاعری ہے" (مکالے، اے سے آن ملٹن)۔

۲۔"شاعری تنقید حیات ہے ان اصولوں کے تحت جو شاعرانہ صداقت اور شاعرانہ حسن کے مقرر کردہ ہیں" (میتھیو آرنلڈ' اسٹڈی آف پوئٹری)

۳۔"شعر حیات کی تبدیل ہیئت ہے یا الفاظ دیگر وہ ہماری مرئی اشیاء محسوسات اور خیالات کا تخئیلی اظہار ہے" (الفرڈ آسٹن، مقدمہ ہیومن ٹریجڈی)

۴۔شعر ایسی متوازن اور تخئیلی زبان ہے، جو مذاق، اختراع، خیالات، جذبات اور بطون انسان کو ظاہر کرتی ہے" (ای۔سی۔اسٹڈمن، نیچر اینڈ ایلیمنٹ آف پوئٹری)۔

۵۔"شعر مطلق بطون انسانی کا مجسم اور حسن کارانہ اظہار ہوتا ہے جس کے لیے پر جوش اور مسجع زبان استعمال کی ہے" (تھیوڈر واٹسن۔ مضمون' انسائکلوپیڈیا برٹانیکا')

۶۔شاعری مسرت زا صنعت گری ہے جس میں تخئیلی حقائق مجمع زبان میں ادا کئے جاتے ہیں" (ڈبلیو۔جے کورتھوپ، دی لبرل موومنٹ ان انگلش پوئٹری)

۷۔"شاعری موضوع کے مناسب مجمع زبان بلکہ بحر میں ان اشیاء کا جو پر معنی ہوں تخئیلی اور جذباتی اظہار یا ایماء ہے" (سی۔ایم۔گے لے، دی پرنسپلس اینڈ پروگرس آف انگلش پوئٹری)

۸۔"شاعری ادب ہے جو عام طور سے انسان سے گہرا اور اعلیٰ علاقہ رکھتا ہے۔ نسانی دلچسپی کے جز کے علاوہ اس میں جمالی دلچسپی بھی بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں میں جن میں تفکر کا ذریعہ ایسی زبان ہے جس میں شعر لکھا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ جمالی حس کے ایسے نفیس سانچے تیار ہو جاتے ہیں کہ خیالات کو حسن کارانہ رنگ عطا کر کے پڑھنے والوں کے قلوب کو متاثر کر سکتے ہیں" (ایم۔ایچ۔لڈل، مقدمہ' سائنٹیفک اسٹڈی آف پوئٹری) (۲۳)

ادب کا مقصدِ تخلیق:

ادب کی تعریف اور اس کی شعری اور نثری اصناف میں شناخت کے احوال سے فارغ ہو کر ایک اور مسئلے کی طرف دھیان جاتا ہے۔ وہ مسئلہ ہے "مقصدیت" کا۔ کیوں کہ ایک گروہ کے نزدیک ادب صرف اور محض تفریح طبع کے خیال سے تخلیق کیا جاتا ہے اور اس کے ابلاغ کا بھی تفریحی مقصد ہوتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ادب کو زندگی کے تابع ہونا چاہیے اور اس میں زندگی کے لیے کوئی افادی قدر رہنا ضروری ہے۔

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" کے مرتب کا خیال ہے کہ:

"ادب برائے ادب [ART FOR ARTS SAKE] کے نظریے کے علم بردار ادب کو ایک خالص جمالیاتی

چیز قرار دیتے ہیں اور ادب میں مقصدیت اور ادب کی سماجی افادیت کے قائل نہیں۔ان کے نزدیک ادب کا منصب فقط یہ ہے کہ وہ قارئین کو جمالیاتی مسرت سے ہم کنار کرے۔ان کا خیال ہے کہ ادب سے جمالیاتی مسرت کے سوا کسی قسم کے سیاسی پیغام، اخلاقی مقصد یا سماجی افادیت کی توقع کرنا بدمذاقی ہے"۔ (۲۴)

''ادب برائے زندگی'' یا[ART FOR LIFE SAKE] کے ضمن میں صاحب ''کشاف'' نے لکھا:

''ادب کا اولین کام یہ ہے کہ وہ قارئین وسامعین کو مسرت بہم پہنچائے۔ادب کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں ہماری آگہی میں اضافہ کرے یعنی ہمیں اپنی ذات اور اپنے ماحول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔ چنانچہ کسی نہ کسی شکل میں سماجی زندگی سے اعتنا ادب کے لیے لازم ہے تو اس صورت میں اگر ادب سے زندگی کے حسن کو نکھارنے، اس کے معائب کو دور کرنے کی توقع کی جائے تو یہ بے جا توقع نہیں۔اور یہی ادب برائے زندگی کا نظریہ ہے۔ (۲۵)

اس صورت حال میں ادب کی تنقید کے لیے بھی اضافی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔تنقید کے اصول اور تنقید کے مقاصد کا تعین خود فن پارے کے صوری اور معنوی جمال اور اس میں پوشیدہ مقصد کی روشنی ہی میں کیا جا سکتا ہے۔اگر فن پارے کی بنت میں لامقصدیت کا جوہر ہو تو بات صرف حسن کارانہ اسلوب کی اور فن کے اصولوں کی رہ جائے گی بصورت دیگر فن پارے کے مقصد تخلیق کے حوالے سے فن پارے کا مافیہ، نفس مضمون یا content اہم ہو گا اور فن پارے کے صوری اور صنفی جمال کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کی اصابت یا کجی کا بھی لحاظ رکھ کر بات کی جائے گی۔

ادب کی لامقصدیت یا صرف زندگی کی سادہ نقالی کے تصور کو تو ہم رد کرتے ہیں کیونکہ ہمارا بنیادی قضیہ یا thesis ہی یہ ہے کہ ادب کو افادی قدروں کا حامل اور معاشرے کے لیے مفید ہونا چاہیے۔اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری کی رائے جان لینا ہی کافی ہوگا۔وہ فرماتے ہیں:

''ادب یا حسن کاری اگر زندگی کی محض سادہ نقل ہے تو یقیناً ایک فعل عبث ہے جو زیادہ سے زیادہ تفریح کا ذریعہ بن سکتا ہے اور افلاطون نے اگر اس کو اپنی جمہوریت سے خارج کر دیا تو بہت ٹھیک کیا''۔ (۲۶)

قرآن کریم میں جن شعراء کی مذمت آئی ہے وہ ایسی شاعری کرنے والے طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو ادب کو برائے ادب یعنی محض تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتے تھے۔جن کی شاعری وقتی تلذذ کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ادب کا تفریحی استعمال دین اسلام کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شعراء کے لیے بھی اچھی اور بری شاعری میں فرق کر کے بتا دیا۔سورۂ شعراء میں ارشاد ہوا:

''وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ط'' رہے شعراء، تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور

جنھوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا"۔(۲۷)

ان آیات میں اللہ رب العزت نے بری شاعری کرنے والوں اور اس شاعری سے لطف اندوز ہونے والوں کو بہکے ہوئے لوگ کہا لیکن استثنائی صورت میں ان شعراء کا ذکر فرمایا جو ایمان، اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اپنے مخالفین کی بدگوئی یعنی ہجویہ شاعری کا اسی انداز میں صرف جواب دیدیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والے شعراء اور ہجو کہنے اور سننے، سنانے والے گروہ کے معاملے میں بھی یہ بات پسند نہیں فرماتے کہ ان لوگوں کی طرف سے ہونے والی زیادتی کا بدلہ بھی خود ان کے ظلم کی مقدار سے بڑھ جائے!

معروف جرمن مستشرق خاتون اینی میری شمل نے لکھا ہے:

"ادب برائے ادب کی مذمت قران حکیم کی تعلیمات کے مطابق ہے۔۔۔قرآن مجید کی سورۃ الشعراء[نمبر۲۶] میں جھوٹے اور خیال باف شعراء کی مذمت آئی ہے"۔(۲۸)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دربارِ خاص یعنی مسجدِ نبوی میں ایسے ہی شعراء کو کفار کی ہجویہ شاعری کا جواب دینے اور اسلام کے محاسن بیان کرنے کے لیے جمع فرمایا تھا۔اللہ کے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ نے اچھے اشعار کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"ان من الشعر لحکمه"(بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں)(۲۹)

امیہ ابن الصلت کا کلام سن کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"امِنُ شِعْرہٗ وَ کفر قلبهٗ"(اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے)(۳۰)

حضورِ اکرم ﷺ نے، دورِ جاہلیت کے دو شعراء امراء القیس اور عنترہ کے متعلق دو جداگانہ، مختلف اور جچی تلی آراء کا اظہار فرمایا تھا۔ امراء القیس کے بارے میں ارشاد ہوا تھا:

"اشعر الشعراء و قائد هم الی النا"(یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے)

عنترہ کا درج ذیل شعر حضرت رسالت مآب ﷺ کو سنایا گیا:

ولقد ابیت علی الطویٰ اظله

حتیٰ انال بد کریم الما کل

(میں نے بہت سی راتیں تحت مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکل حلال کے قابل ہوسکوں)

یہ شعر سن کر حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات پیدا نہیں کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے نگارندہ کے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے"۔

حضورِ اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے حوالے سے علامہ اقبال نے لکھا تھا:

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امراء القیس کی شاعری میں وہ کون سی باتیں ہیں جنھوں نے حضور سرور کائناتﷺ سے یہ رائے ظاہر کروائی۔ امراء القیس کے دیوان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں شراب ارغوانی کے دور، عشق و حسن کی ہوش ربا داستانوں اور جاں گداز جذبوں، آندھیوں سے اڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈروں کے مرثیوں، سنسان، ریتیلے ویرانوں کے دل دہلانے والے منظروں کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اور یہی عرب کے دور جاہلیت کی کل تخیلی کائنات ہے۔ امراء القیس، قوت ارادی کو جنبش میں لانے کے بجائے اپنے سامعین کے تخیل پر جادو کے ڈورے ڈالتا ہے اور ان میں بجائے ہوشیاری کے بے خودی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہﷺ نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنون لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر، پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھادے"۔ (۳۱)

اقبال نے رسول اللہﷺ کے تبصرے کے حوالے سے عنترہ کی شعری اقدار پر اس طرح روشنی ڈالی:

"رسول اللہﷺ نے جو عزت عنترہ کو بخشی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ عنترہ کا شعر ایک صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی، بولتی چالتی تصویر ہے۔ حلال کمائی میں انسان کو جو سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، جو کڑیاں جھیلنی پڑتی ہیں ان کا نقش پردہ خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔ حضور خواجہ دو جہاںﷺ (بابی وانت و امی) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی ہے اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت، حیات انسانی کے تابع ہے، اس پر فوقیت نہیں رکھتی۔ ہر استعداد جو مبدء فیاض نے فطرت انسانی میں ودیعت کی ہے اور ہر وہ توانائی جو انسان کے دل و دماغ کو بخشی گئی ہے، ایک مقصد وحید اور ایک غایت الغایات کے لیے وقف ہے۔ یعنی قومی زندگی، جو آفتاب بن کر چمکے، قوت سے لبریز ہو، جوش سے سرشار ہو۔ ہر انسانی صنعت اس غایت آفریں کے تابع اور مطیع ہونی چاہیے اور ہر شے کی قدر و قیمت کا معیار یہی ہونا چاہیے کہ اس میں حیات بخشی کی قابلیت کس قدر ہے۔۔۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کے وجدان حقیقی نے عنترہ کے شعر کی خوبیوں کا جو اعتراف کیا اس نے اصل الاصول کی بنیاد ڈالدی کہ صنعت کے ہر کمال کی صحیح ارتقا کیا ہونی چاہیے"۔ (۳۲)

اس کے باوجود کہ ہمارا مطمح نظر صرف ادب برائے زندگی ہے، ہم نقاد میں ہر قسم کے ادب کی پرکھ اور اس کے تجزیے کی استعداد دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ کیونکہ حضور اکرمﷺ نے قابل اعتراض شاعری کے بھی حسن کارانہ بیان کو اتنی اہمیت دی تھی کہ امراء القیس کو "اشعر الشعراء" قرار دے دیا۔ اس لیے ادب کی مجرد حیثیت کی تنقید کے سلسلے میں نقاد پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کے لیے ہمیں ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں۔ ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں:

"ادب کے مطالعے کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں:

ا۔ادب کو اپنے ذوق اور تاثر کی روشنی میں پڑھنا اور اس کے بارے میں رائے رکھنا یا رائے دینا۔

۲۔جمالیات کے عقلی یا فلسفیانہ اصولوں کی روشنی میں ادب پارے کو حسن کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور رائے دینا۔

۳۔ادب پارے میں حسن کے علاوہ افادیت کے عنصر کو بھی دیکھنا اور اس کے مطابق رائے دینا"۔(۳۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ تنقید نگار کا مقصد اصلی ہی ادب کی قدر شناسی Evaluation قرار دیتے ہیں جو دو بنیادوں پر ہوتی ہے (الف) بربنائے حسن اور (ب) بربنائے افادہ۔(۳۴)

اس تمام تفصیل سے یہ متبادر ہوا کہ تنقیدی عمل کی بنیاد "ادب" کی تفہیم اور اس تفہیم کے اظہار پر قائم ہے۔ اب ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ تنقید کی لغوی اور مروجہ تعریف کی طرف متوجہ ہوں۔

عربی اور فارسی لغات میں تنقید کے معنی:

عربی:عربی لغات میں نَقَدَ،نَقْدُ اَوْنَقَاذًا کے معانی ہیں سکوں (دراہم) کو پرکھنا۔کھوٹے کھرے کو جانچنا۔نَقْدًا و انتقادًا ۔الدَرَاھِم ۔یَنَاقَدَ۔الدراھم۔دراہم پرکھنا۔انتقدا۔الدراھم۔روپے نقد وصول کرنا۔کھوٹے روپے الگ کرنا۔
نَقَدَ۔نقدًا و نتقادًا کے معانی میں کلام کی خوبی اور برائی ظاہر کرنا۔اِنْتَقَدَ الشِّعْرَ علیٰ قَائِلِہ۔۔۔۔کے معنی ہیں شعر کے عیب ظاہر کرنا۔اسی نسبت سے جب اسم بنا تو "اَلنَّقَادُ" ہوا جس کے معانی ہوئے روپے پرکھنے والا۔تنقید کرنے والا۔(۳۵)

فارسی: فارسی لغات میں "انتقاد" کا مطلب ہے(i) نقد لینا (ii) بھوسے سے دانے جدا کرنا،غلہ صاف کرنا(iii) پرکھنا (iv) تنقید کرنا۔نقاد: پرکھنے والا۔روپے اشرفی کو پرکھنے والا۔کھوٹے کو کھرے سے الگ کرنے والا۔ (۳۶)

۲۔انگریزی تنقیدی آراء کا احصا:

انگریزی :انگریزی میں تنقید یا انتقاد کے لیے CRITICISM کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ Fallon's اردو انگریزی ڈکشنری میں لکھا ہے:

> Criticism, n : critical examination دقیقہ شناسی۔دقیقہ سنجی۔حسن و قبح کی دریافت۔[تبصرہ۔نقد۔تنقیدی مضمون۔نکتہ چینی۔انتقاد]۔۔۔نکتہ چینی۔حرف گیری۔خردہ گیری۔کسی کتاب کا سختی کے ساتھ عیب نکالنا یا بتانا۔Critic۔ n ،دقیقہ سنج۔باریک بیں۔نکتہ سنج۔نکتہ دان۔سخن چیں۔محقق[نقاد۔رائے زن۔معترض]۔(۳۷)

پینگوین انگریزی ڈکشنری میں تحریر ہے:

> Criticism [kRiticizm] n art or precess of judging merits of artistic or literary work; analysis or review of such work;

principles guiding critic's method; expression of unfavourable opinion, pointing out of faults.

Critic [kRitik] n expert judge of literary or artistic merit; professional reviewer of books, drama etc; one expert in study of manuscripts and texts; severe judge, fault.finder. (۳۸)

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہے:

''عربی میں نقد یا انتقاد کے بنیادی معنی کھوٹا کھرا پرکھنا ہے۔ یونانی زبان میں Krinein کا مطلب ہے:'' To Judge or to discern''۔

انگریزی کتابوں، لغات اور دائرۃ المعارف کے مطالعے سے ڈاکٹر سید عبداللہ نے مندرجہ ذیل نکات اخذ کیے ہیں:

۱۔ تنقید کامل بصیرت و علم کے ساتھ، موزوں و مناسب طریقے سے، کسی ادب پارے یا فن پارے کے محاسن و معائب کی قدر شناسی یا اس کے بارے میں ''حکم لگانا'' [فیصلہ صادر کرنا] ہے۔ Webster, New International, 2nd ed:

۲۔ کسی ادب پارے یا فن پارے کے خصائص اور ان کی نوعیت کا تعین کرنا۔ نیز کسی نقاد کا عمل یا منصب یا وظیفہ۔ New English Dictionary

۳۔ محدود معنوں میں تنقید کا مطلب کسی ادب پارے کی خوبیوں اور کمزوریوں کا مطالعہ ہے۔ وسیع معنوں میں، اس میں تنقید کے اصول قائم کرنا اور ان اصولوں کو تنقید میں استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ گویا اس میں کچھ نہ کچھ فلسفہ بھی داخل ہو جاتا ہے، کیونکہ اصول بندی فلسفیانہ عمل ہے۔ انسائکلوپیڈیا امریکانا، (۱۹۴۶ء ایڈیشن)

۴۔ ایڈمن گوس Ed. Goss کا خیال ہے کہ کسی ''جمال پارے'' (ادبی یا فنی) کے خصائص اور ''قیمت'' کے بارے میں محاکمہ کرنے۔ یا فیصلہ صادر کرنے کا فن 'تنقید' کہلاتا ہے۔ بعد ازاں اس نے ادب پارے کے خصائص کا لکھا ہوا ہونا بھی لازمی شرط کے طور پر لکھا ہے۔ انسائکلوپیڈیا برطانیکا، ۱۱ واں ایڈیشن۔

۵۔ آئی۔ اے۔ رچرڈز کا خیال ہے کہ تنقید کا کام کسی مصنف کے کام کا تجزیہ، اس کی مدلل توضیح اور بالآخر اس کی جمالیاتی قدروں کے بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔

۶۔ تنقید فکر کا وہ شعبہ ہے جو یا تو یہ دریافت کرتا ہے کہ ''شاعری کیا ہے؟'' اس کے فوائد و وظائف کیا ہیں؟ یہ کن خواہشات کی تسکین کرتی ہے؟ شاعر شاعری کیوں کرتا ہے؟ اور لوگ اسے کیوں پڑھتے ہیں؟۔۔۔ یا پھر یہ اندازہ لگاتا ہے کہ کوئی شاعری یا نظم اچھی ہے یا بری ہے۔ (ٹی ایس ایلیٹ)۔ (۳۹)

اردو: اردو لغات میں ''تنقید'':

تنقید:(فت ت، سک ن، ی مع) کے معانی ہیں: (i) ایسی رائے جو برے بھلے یا صحیح اور غلط کی تمیز کرا دے، پرکھ، چھان بین، کھوٹا کھرا جانچنا۔(ii) وہ تحریر جس میں کسی فن پارے کے حسن و قبح پر فنی اصول و ضوابط کی روشنی میں اظہار رائے کیا گیا ہو۔(iii) نکتہ چینی، اعتراض۔

اِنْتِقاد (کس ا، سک ن، کس خف ت) کے معنی ہیں (صحت و عدم صحت کی)(i) پرکھ، پرکھنا۔(ii) نقد و نظر، تنقید، نکتہ چینی۔

اِنْتِقادی (کس ا، سک ن، کس مج ت) صف۔ نقد و تبصرے یا تنقید سے متعلق (الفاظ یا خیالات وغیرہ)۔

اِنْتِقادِیت / اِنْتِقادِیَّت (کس ا، کس مج ت، کس د، فت ی / شدی بفت) امذ۔☆صحت و عدم صحت پرکھنے کا طریقہ اور اس کے اصول۔

نَقْدُ الْاَدَب: ادبی تنقید، ادب کے محاسن اور معائب کا اندازہ، ادب و فن پر رائے، ادب پرکھنا۔

نَقْدُ الشِّعر: شعر کے فن پرکی جانے والی تنقید، شعر کو پرکھنا۔ (۴۰)

نَقَّاد (فت ن، شد ق) صف۔(i) جو کھرے کھوٹے سکوں کو پرکھے، کھرا کھوٹا خوب پرکھنے والا، پارکھ، صراف۔(ii) حق و باطل کو پرکھنے والا، خیر و شر میں امتیاز کرنے والا۔(iii) شعر و ادب کو پرکھنے والا، کسی تحریر یا کتاب وغیرہ کو جانچنے والا، ماہر، استاد فن، تنقید نگار۔(۴۱)

لغات کی ورق گردانی کے بعد ہم اس مرحلے پر تنقید کا وہ مفہوم بھی جاننا چاہیں گے جو ادباء، شعراء یا ناقدین نے سمجھا ہے۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

> "ادبیات کے مطالعے کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہم چیز جو نہ صرف اپنے ذوق کی تسکین بلکہ دوسروں کے نتائج فکر کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے بھی از بس ضروری ہے اصولاً اس فن کو جاننا ہے جسے انگریزی میں CRITICISM کہتے ہیں اس کا ماخذ یونانی لفظ ہے، جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اردو میں عام طور پر اس کا ترجمہ تنقید کیا جاتا ہے، لیکن زیادہ صحیح لفظ نقد یا انتقاد ہے، جس کا مفہوم پرکھنا یا جانچنا ہے اور ہر وہ شخص جو یہ خدمت انجام دیتا ہے اسے نقاد کہتے ہیں"۔(۴۲)

حامد اللہ افسر رقم طراز ہیں:

> "لفظ تنقید عربی صرف و نحو کے اعتبار سے صحیح نہیں، اس کی جگہ نقد یا انتقاد ہونا چاہیے۔ لیکن اردو میں اب یہ لفظ اس قدر رائج ہو گیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرے لفظ کا استعمال مناسب نہ ہوگا۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے اسے صحیح سمجھنا چاہیے"۔ (۴۳)

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی تنقید کے منصب پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

> "تنقید کے مختلف منصب بتائے گئے ہیں۔ تحسین، تشریح، حسن و قبح کی توضیح، تجزیہ، فن پارے کی قدر کا تعین وغیرہ۔ مگر تنقید کا سب سے مفید کام یہ ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ تخلیقی بنانے کے متعلق سوال اٹھاتی

ہے"۔(۴۴)

سید وقار عظیم رقم طراز ہیں:

''تنقید، اچھائی برائی جانچ پرکھ کی ایسی کسوٹی ہے جس میں اصول وضابطے بھی کام کرتے ہیں اور ذاتی پسند اورناپسندیدگی بھی'' (۴۵)

تنقید چونکہ لکھے ہوئے ایسے لفظ پر کی جاتی ہے جس میں انبساط کا پہلو بھی ہوتا ہے اور اس لفظ میں انبساط کی ترسیل کی قوت بھی ہوتی ہے۔ وہ لفظ اپنے لغوی انسلاک کے علاوہ لکھنے والے کے احساسات کا امین بھی ہوتا ہے اور ان احساسات کو قاری تک منتقل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔اس لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہلِ فن، ادب یا لٹریچر اور ادبی نثر اور شاعری کو کیا سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک ادب وشعر کی کیا اہمیت ہے۔تخلیقِ شعر وادب کے معیارات کیا ہیں؟ ان نکات کی جانکاری ہی دراصل تنقید کی ابتداء ہے۔

اس مقالے میں ہمارا سروکار، مدحتِ رسول ﷺ یعنی نعتیہ شاعری سے ہے اس لیے ہم شعر کے ضمن میں اہل علم کی آراء بھی جاننا چاہیں گے تاکہ تنقید کا عملی پہلو اجاگر کیا جاسکے۔

بقول جیلانی کامران، ہندوستانی مسلمانوں کی ادبیات کے پیچھے ہمیشہ علم الشعر کے نظریات کارفرما رہے ہیں۔ادبی تنقید کو مسلمانوں کی علمی روایت میں ''علم الشعر'' کہا گیا ہے۔چنانچہ فن کو اس کے باطنی کشف سے جدا کرکے اس کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی گئی ہے۔

جیلانی کامران، شاعری کے فن پر کیے جانے والے مسلمانوں کے کام کو پورے یورپ سے زیادہ قرار دیتے ہیں۔کیوں کہ بحور وعروض کا مطالعہ اپنی تفصیل میں، مسلمانوں کا ایک نہایت جامع اور منفرد کارنامہ ہے۔(۴۶)

جیلانی کامران نے جن باتوں کی طرف اشارے کیے ہیں ان کی تفصیل ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب ''اشاراتِ تنقید'' میں فراہم کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے علوم شعر اور علوم ادب کئی ہیں اور اس ذوقی تنقید میں، جس کا مسلمانوں میں بڑا رواج رہا ہے، یہ سب علوم کام میں لائے جاتے رہے ہیں:

۱۔معانی یا (بلاغت): یہ علم عبارت (کلام) کے سیاق اور اس میں کلمات کی منطقی ترتیب اور اجزا کی مناسب ترکیب کا علم ہے۔کلام سے مراد نظم بھی ہے، نثر بھی اور گفتگو بھی۔۲۔بدیع: صنعتوں کا علم۔۳۔علم قافیہ۔۴۔عروض: شعر کے وزن کو ناپنے کا علم۔۵۔ادب: ان سب فنون کا مجموعہ ہے جن کی مدد سے زبان وبیان پر قدرت حاصل ہوسکتی ہے جو بہترین اظہار کی نمائندگی کرتے ہیں۔۶۔انشا: تخلیقی اور ادبی نثر۔۷۔ترسل: خطانگاری کے لیے فصیح وبلیغ نثر۔(۴۷)

مولوی نجم الغنی، رامپوری نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف ''بحر الفصاحت'' میں جہاں شعری اصناف کو ہیئت کے اعتبار سے غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ کی صورت میں تقسیم کرکے بیان کیا ہے وہیں شعر کے معنوی اوصاف کے حوالے سے بھی اصناف

شعر کا ذکر کیا ہے۔ شعر کے معنوی جمال کی یہ تفصیل دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے شاعری کو کن کن زاویوں سے پرکھا ہے اور کس عرق ریزی سے اس کے صوری و معنوی حسن کو اجاگر کر کے، شعر کی ہر معنوی سطح کو ایک نام دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ شعر مطبوع: ایسا شعر جو پسندیدہ وزن میں بنایا جائے جیسے مومن کا شعر

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے

فلس ماہی کے، گل شمع شبستاں ہوں گے!

۲۔ نامطبوع: جس کا وزن ثقیل ہو جیسے:

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے

کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے (غالب)

۳۔ ملائم: ایسا شعر جس کے الفاظ آسان اور شیریں اور دل پسند ہوں، جیسے:

نزاکت اس گل رعنا کی دیکھ اے انشا

نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

۴۔ متنافر، ملائم کی ضد، جیسے

ترے عہد میں ہیں معطل بتوں کے

سہام جفون وسیوف حواجب (میر)

۵۔ ایسا شعر جس کے لطائف و معانی سمجھنا آسان ہو جیسے میر تقی میر

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد

نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

۶۔ سہل شعر کی ضد معتف (سیدھے ہاتھ سے پھر جانے والی) کہلاتی ہے، جیسے غالب:

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا

تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

۷۔ سہل ممتنع: لغت میں سہل آسان کے معنی میں ہے اور ممتنع دشوار کے معنی میں۔ اصطلاح میں ایسے شعر کو کہتے ہیں جس کی مثال بنانا دشوار ہو، اگر چہ بظاہر سہل معلوم ہوتا ہے، جیسے بقا:

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں

اس کا میں چاہنے والا ہوں بقا، واہ رے میں

۸۔ جزل: لغت میں تمام اور بڑے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں ایسے شعر کا نام ہے، جس میں الفاظ عمدہ اور زوردار ہوں، ان کی نشست مضبوط ہو۔ معانی عالی اور متین ہوں۔ پھس پھسے الفاظ اور بھسپھنڈی بندش سے پاک ہو۔ لفظاً اور معناً اس میں کسی طرح کا نقصان متصور نہ ہو، جیسے غالب:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شب غم بری بلا ہے مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

۹۔ مرتجل: ارتجالاً بلا سوچے سمجھے فی البدیہہ شعر بنانا جیسے ناسخ نے ایک مصرعہ کہا

ع ہے چشمِ نیم باز، عجب خواب ناز ہے

اور دوسرے مصرعے کی فکر میں تھے کہ خواجہ وزیر آ گئے۔ خاموشی کا سبب پوچھا۔ ناسخ نے مصرعہ پڑھا تو انہوں نے فی البدیہہ مصرعہ کہہ دیا ع فتنہ تو سو رہا ہے، در فتنہ باز ہے

۱۰۔ فکری: یعنی وہ شعر جو غور و فکر کے بعد بنایا جائے۔ یہ مرتجل کی ضد ہے۔

۱۱۔ ذوالنوعین: ایسا شعر جس میں دو قسم کی صنعتیں جمع ہوں، جیسے:

نہ وہ پہنچا نہ کلائی ہے ہات

نہ وہ پہنچا، نہ کل آئی ہیہات

اس میں ایک جگہ "پہنچا" عضو کا نام ہے۔ دوسری جگہ مصدر پہنچنا سے ماضی کا صیغہ ہے۔ ایک جگہ "کلائی" ہاتھ کے خاص حصے کا نام ہے۔ دوسری جگہ "کل آئی" چین اور آرام کے معنی میں ہے۔ ایک جگہ "ہاتھ" ایک عضو ہے اور "ہے" کا لفظ رابطہ غیر زمانی ہے۔ جبکہ دوسری جگہ "ہیہات" عربی کا لفظ ہے جس کے معنی افسوس کے ہیں۔

۱۲۔ ... اگر دو سے زیادہ صنعتیں جمع ہوں تو اسے متنوع کہتے ہیں۔

۱۳۔ خمریات: ایسے اشعار جن میں شراب کے اوصاف اور ساقی اور آرائش محفل کے حالات ہوں۔ جیسے: سید محمد خاں رندؔ:

ساقیا، پلوا تنک ظرفوں کو چلو بھر شراب

میں ہوں دریا نوش، کیا دیتا ہے اک ساغر شراب

نجم الغنی رامپوری نے اپنی مذکورہ تصنیف میں "المعجم" کے حوالے سے لکھا ہے:

"شعر کی بنیاد اچھے وزن، شیریں الفاظ، عمدہ معانی، درست قوافی، سہل ترکیب اور لطیف مضامین پر ہو۔۔۔ استعارات بعیدہ، مجازات شاذہ، تشبیہات کاذبہ، اور تجنیسات مکروہ سے خالی ہو۔ ہر بیت کے لفظ و معنی پورے پورے اس میں موجود ہوں۔ سوائے سیاق کلام اور سلسلہ معانی کے دوسرے اعتبار سے غیر بیت پر موقوف نہ ہو۔ الفاظ و قوافی کا درو بست بخوبی ہو"۔ (۴۸)

قصیدے کے ضمن میں نجم الغنی نے بتایا ہے کہ وہ مکمل ایک ہی طرز پر ہو۔ عبارت کہیں عمدہ اور کہیں خراب نہ ہو۔ معانی بھی کبھی مرتب اور کبھی مضطرب نہ ہوں۔ الفاظ کا باہم میل بنا رہے۔ متروک الفاظ سے پاک ہو۔ وہ لکھتا ہے:

"اس امر کو تفویف کہتے ہیں جو لغت میں کپڑے پر رنگ برنگ کے خطوط بنانے کے معنی میں ہے"۔ (۴۹)

بحر الفصاحت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے تخلیقی ادب کے موضوع پر کتنی گہرائی سے سوچا اور علمِ ادب کو کتنی عرق ریزی کے ساتھ مع جزئیات، مدون کر دیا ہے۔

نقاد کی ذمہ داری:

درج بالا تمام تفصیلات دینے اور علوم و معارف کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "نقدِ ادب" کے سلسلے میں نقاد کو کن کن خوبیوں کا خیال رکھتے ہوئے اشعار کو پرکھنا ہوتا ہے، اس کا بھی ایک دھندلا سا نقشہ بن جائے!

ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"عربوں میں شعر فہمی اور سخن سنجی کا ملکہ خداداد تھا۔ بازار عکاظ میں جب شعر گوئی کے بڑے بڑے معرکے ہوتے تھے تو ان کو سمجھنے کے بعد تنقید بھی کی جاتی تھی۔۔۔ابن جعفر قدامہ نے اپنی کتاب نقد الشعر میں سبعہ معلقہ کے شعرا کے متعلق مختلف تنقیدی اقوال نقل کیے ہیں۔ ان اقوال سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے اس وقت کے تنقیدی نظریات کا اندازہ ہوتا ہے:

۱۔ عہد جاہلیت میں الفاظ کا زیادہ خیال نہیں کیا جاتا تھا، عام طور پر تنقید کے وقت معانی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

۲۔ اظہار معنی میں وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ شاعر نے جو بات کہی ہے وہ ان قبائلی عقائد اور سوسائٹی کے رسوم سے کہاں تک منطبق ہے۔

۳۔ کسی شاعر کے بڑے شاعر ہونے کا دارومدار اس بات پر تھا کہ اس میں تشریحی وتوضیحی عنصر کہاں تک ہے۔

۴۔ ایسے شاعروں کو ترجیح دی جاتی تھی جن کے یہاں جذبات آفرینی اور ولولہ انگیزی زیادہ ہو"۔(۵۰)

"قابوس نامہ" امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر کی تصنیف ہے جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ۴۷۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کتاب میں امیر کیکاؤس نے اپنے بیٹے کو عملی زندگی گزارنے کے لیے بہترین نصیحتیں کی ہیں۔ اس کتاب کے پینتیسویں [۳۵] باب میں "شاعری اور اس کے آداب و اسلوب" کے زیر عنوان وہ لکھتا ہے:

"فرزند: اگر اتفاق سے تو شاعر ہو تو کوشش کر کہ شعر سہل ممتنع ہو۔ مشکل اور ثقیل الفاظ سے پرہیز کر۔ وہ کیا بیان ہوا کہ جسے صرف تو سمجھ سکے اور دوسرا کوئی نہ سمجھے یا جس کی تشریح کی ضرورت پیش آئے۔ شعر تو آخر لوگوں کے لیے ہی ہوتا ہے۔ صرف اپنے لیے نہیں ہوتا۔ وزن اور قافیے میں نئی راہیں تلاش کر۔ صنعت اور ترتیب کے بغیر شعر مت کہہ کیوں کہ سیدھا سادا شعر اپیل نہیں کرتا۔ مرصع کاری اور مبالغہ آرائی ہر حال میں ہونی چاہیے"۔(۵۱)

قابوس نامہ میں شعری حسن پیدا کرنے کی تراکیب بھی دی گئی ہیں اور مختلف اصناف سخن کے مزاج اور اسالیب کا ذکر بھی ہے علاوہ ازیں ان اصناف سخن کے لیے مخصوص زبان و بیان کے پیرائے بھی بتائے گئے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کی تصنیف میں حیرت انگیز طور پر ایسی ہدایات ہیں جو آج کے شعری مذاق سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اگر تیری خواہش ہو کہ تیری شاعری بلند درجہ کی اور ہمیشہ باقی رہ جانے والی ہو تو شعروں میں استعارہ

استعمال کر۔۲۔استعارہ ممکنات کے متعلق ہو۔۳۔مدح میں استعارے سے کام لے۔۴۔اگر غزل یا ترانہ ہو تو اسے آسان اور نرم زبان میں ادا کر۔۵۔قافیے کی زمین معروف ہونی چاہیے۔۶۔اجنبی اور نامانوس تراکیب سے پرہیز کرے۔۷۔انداز بیان عاشقانہ اور پیرایہ لطیف ہو۔۸۔عمدہ عمدہ امثال استعمال کر جو خاص و عام کو پسند آسکیں۔۹۔عروض، علم شعر اور القاب اور شعر کی تنقید کو با قاعدہ سیکھ۔۱۰۔شعر کی خواہ کوئی قسم ہو غزل ہو، ہجو گوئی ہو، مرثیہ ہو، نعت ہو، اس سے انصاف کر۔۱۱۔جو بات نثر میں کہنے کے لائق نہیں، نظم میں بھی نہ کہہ۔۱۲۔غزل ہو کہ گیت، شوخ ہونا چاہیئے۔۱۳۔قصیدے میں جراءت اور شان و شوکت ہونی چاہیئے۔ ۱۴۔ہر شخص کی قدر و قیمت اور مقام کا خیال رکھ اور اس کی مدح و تعریف اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق کر۔ ۱۵۔شاعر کے لیے لازم ہے کہ ممدوح کی طبیعت سے واقف ہو اور اسے معلوم ہو کہ ممدوح کو کونسی بات اچھی لگتی ہے۔اس کے بعد اس کی تعریف اس طرح کرے کہ اسے پسند آئے۔۱۶۔نعت اور حمد کہنے کی لیاقت ہو تو اس میں کوتاہی نہ کر کیونکہ دونوں جہانوں کی سرخروئی اس میں ہے۔۱۷۔جو کچھ بھی تو کہے وہ تیرا اپنا تخیل ہو، دوسرے لوگوں کا چبایا ہوا نوالہ نہ ہو۔۱۸۔پامال اور دوسروں کے مستعار مضامین سے نہ تو تیرے شعر کا میدان فراخ ہوگا اور نہ تیری طبیعت میں کشادگی پیدا ہوگی۔(۵۲)

نظامی عروضی سمرقندی نے 'چہار مقالہ' میں ''شعر کی حقیقت اور شاعر کی صلاحیت کے بیان میں'' مقالہ دوم قلم بند کیا ہے۔وہ لکھتا ہے:

''شاعری ایک ایسے فن کا نام ہے کہ شاعر اس فن کے ساتھ وہمی مقدمات کو ترتیب دیتا ہے اور قیاسات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ادنیٰ بات کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ ظاہر کرتا ہے۔خوبصورت چیز کو برے لباس میں اور بری چیز کو اچھے لباس میں جلوہ نما کرتا ہے اور صنعت ایہام کی بنا پر غضبی اور شہوانی قوتوں کو ابھارتا ہے یہاں تک کہ اس ایہام سے طبیعتوں میں رنج اور خوشی پیدا ہوتی ہے اور شاعری دنیا میں بڑے بڑے کاموں کے انتظام کا سبب بنتی ہے''۔(۵۳)

شاعروں کے لیے اس نے جو ہدایات رقم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆شاعر کو سلیم الفطرت، بلند وعمدہ فکر، باریک بیں، درست طبع، مختلف علوم کا ماہر اور اپنے ماحول کے رسم ورواج کا دانندہ ہونا چاہیے۔

☆متقدمین کے بیس ہزار اشعار اور متاخرین کے نشانات سے دس ہزار جملے شاعر کو یاد ہونے چاہئیں۔

☆شاعر کو چاہیے کہ ہمیشہ اساتذہ کے دواوین پڑھتا رہے۔

☆علم عروض بھی پڑھے۔(۵۴)

چہار مقالہ میں، احمد عبداللہ خجستانی کا واقعہ لکھا کہ وہ ایک گدھوں والا تھا بعد میں خراسان کا امیر بن گیا۔جب اس سے اس غیر معمولی ترقی کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ حنظلہ بادغیسی کا یہ شعر پڑھ کر اس منصب کے لیے کوشش

کرنے لگا تھا۔اس شعر کا مفہوم یہ ہے:

"اگر سرداری شیر کے حلق میں ہے تو اسے جا کر آفتیں برداشت کر کے بھی نکال لا۔یا تو بزرگی، عزت، نعمت اور مرتبہ حاصل ہوگا یا جوانمردوں کی مانند مر کر چلا"۔

اس کے بعد تاثیرِ شعر کے سلسلے میں اس نے لکھا کہ رودکی نے نصر بن احمد کے سامنے قصیدہ پڑھا تو وہ، پڑاؤ کی اپنی پسندیدہ جگہ کو چھوڑ کر تخت سے اتر کے بغیر موزہ پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر بخارا کی جانب چل دیا۔ حالانکہ اس کا دل یہاں سے کوچ کرنے کو نہیں چاہتا تھا اور یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے چار سال ہو گئے تھے۔ نظامی نے رودکی کے وہ اشعار بھی لکھے ہیں۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہے یاد یار مہرباں آید ہے
پائے مارا پرنیاں آید ہے ریگ آموے درشتیہائے او
خنگ مارا تا میاں آید ہے آب جیحون و شگر فیہائے او
شاہ سویت میہماں آید ہم اے بخارا شاد باش و شاد ذی
ماہ سوئے آسماں آید ہے شاہ ماہ ہست و بخارا آسماں
سرو سوئے بوستاں آید ہے شاہ سر و است و بخارا بوستاں

(ترجمہ: مولیاں نہر کی بو آرہی ہے۔گویا کہ یارِ مہربان کی بو آرہی ہے۔☆دریا آموں کی ریت اور اس کے راستے کی سختی میں سے پاؤں کے نیچے ریشم کی طرح معلوم ہوتی ہے۔☆دریائے جیحوں کا پانی دوست کے چہرے کی خوشی سے ہمارے گھوڑے کی کمر تک آتا ہے۔☆اے بخارا! تجھے خوش ہونا چاہیے اور تو دیر تک سلامت رہے۔امیر تیری طرف خوشی کی حالت میں آرہا ہے۔☆امیر چاند کے مانند ہے اور بخارا آسمان ہے۔چاند آسمان کی طرف آرہا ہے۔☆امیر سرو ہے اور بخارا باغ ہے اور سرو باغ کی طرف آرہا ہے)۔(۵۵)

ابن خلدون پیدائش تونس ۱۳۳۲ء تا ۱۴۰۶ء) نے بھی شعر کی ماہیت پر روشنی ڈالی ہے اور اچھے شعر کے اوصاف بتائے ہیں۔عربوں کے شعری معیارات کی بھی بات کی ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ ابن خلدون سے بھی کچھ استفادہ کر لیا جائے۔ابن خلدون لکھتا ہے:

۱۔عربوں کے نزدیک کلام میں شعر کا فن بڑا شریف سمجھا جاتا ہے۔۲۔شعر اپنی کٹھن منزل اور غرابت فن کی وجہ سے طبائع پرکھنے کی کسوٹی ہے کہ کون اس کے عمدہ سے عمدہ اسالیب پیش کر سکتا ہے اور کون نہیں۔۳۔[شعر] افکار کی تیزیاں جانچنے کا معیار ہے کہ کون کلام کو شعروں کے سانچوں میں خوبصورتی سے ڈھال سکتا ہے اور کون نہیں۔۴۔اس [شعر] میں مطلق کلام عربی کا ملکہ ہی کافی نہیں بلکہ خاص طور سے عربوں کے مخصوص اسالیب کی رعایت پیش نظر رکھنے کی اور انہیں لطیف پیرایوں میں ادا کرنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔(۵۶)

ابن خلدون نے شعراء کی رہنمائی کے لیے کچھ نواہی کا بھی ذکر کیا ہے۔نواہی کی اس فہرست سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن شعراء کے کلام میں اس قسم کے اجزا ہونگے جو نہیں ہونے چاہئیں تو وہ کلام تنقیدی نقطہ نظر سے غیر معیاری ہوگا۔ ابن خلدون کے خاص خاص نواہی درج ذیل ہیں:

۱۔غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔معانی کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا جائے۔

۳۔بازاری اور رذیل الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

۴۔کان کو برے لگنے والے الفاظ چاہے کتنے ہی وزن والے کیوں نہوں، ان کے استعمال سے مکمل پرہیز لازم ہے۔

ہمارے نزدیک (اور ہمارے موضوع سے ہم رشتہ) یہ بات بڑی اہم ہے کہ ابن خلدون نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ:

''حمد و نعت کے اشعار عموماً زور جمال سے خالی ہوتے ہیں اس لیے ان مضامین پر اچھے اشعار چوٹی کے شعراء ہی پیش کر سکتے ہیں''۔

ابن خلدون کے نزدیک بہترین شعر وہ ہیں:

(الف) جن پر منظم کرنے کے بعد تنقیدی نظر ڈالی جائے۔

(ب) لوگ سنیں تو سمجھیں ہم بھی ایسے اشعار کہہ سکتے ہیں لیکن جب کہنے بیٹھیں تو عاجز ہو جائیں۔(۵۷)

اردو میں بھی شعراء کی ایسی تنقیدی آراء ملتی ہیں جن سے ان کا تنقیدی شعور جھلکتا ہے۔ ملا وجہی، قطب شاہی عہد کا شاعر ہے جس نے اپنی مثنوی موسوم بہ ''قطب مشتری'' میں اپنا شعری آدرش منظوم کیا ہے۔ یہ مثنوی خود مصنف کے بقول ۱۶۱۰ء کی تصنیف ہے۔ اس مثنوی کا ایک باب ہے ''در شرح شعر''۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے مثنوی کے مذکورہ باب کی تسہیل کرنے کی غرض سے اسے اپنی سلیس اردو میں لکھا ہے۔ ہم ''مقدمات عبدالحق'' کی اس عبارت کی تلخیص کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔شعر سلیس ہونا چاہیے۔ ۲۔شعر کم کہے جائیں، لیکن اچھے۔ ۳۔شعر میں نزاکت ہونی چاہیے۔ ۴۔شعر کے لفظ و معنی میں وحدت ہو۔ ۵۔لفظ موزوں، منتخب اور ان کے معنی بلند ہوں۔ ۶۔شعر کے معنی میں زور ہونا چاہیے۔ ۷۔شعر کو سنوارنا چاہیے۔ ۸۔شعر میں کوئی جدت ہونی چاہیے۔ ۹۔تقلید سے بچ کر اپنے دل سے نئی بات پیدا کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ ۱۰۔ملا وجہی کہتا ہے کہ ''میں تو اس رنگین بات کا قائل ہوں جو دل میں بیٹھ جائے، جس سے دل میں ولولہ پیدا ہو اور آدمی اچھل پڑے''۔(۵۸)

ایک فرانسیسی نقاد، نکولا بولو پروا (۱۶۳۶ء تا ۱۷۱۱ء) کے خیالات، مشرقی مفکرین اور ناقدین کے خیالات سے کتنے ملتے ہیں، اس کا اندازہ نکولا کے منتخب نظریات کی ایک جھلک دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔ نکولا بولو پرو اشعراء کو مشورے دیتا ہے:

۱۔اپنی شعر گوئی کی صلاحیت کو جنس سمجھ کر فضول شعر گوئی میں وقت ضائع نہ کرو۔ ۲۔اپنی شعری تخلیق کے لیے عقل سے حسن، قوت اور روشنی حاصل کرو۔ ۳۔اپنی تحریر کی خوب قطع برید کرتے رہو۔ ۴۔ایسا لکھو جس سے پڑھنے والا خوش ہو جائے۔ ۵۔آسان مصرعوں کا انتخاب کرو۔ ۶۔وزن اور بحر پر توجہ دو۔

۷۔ کرخت آوازوں کے شور سے بچو۔ کریہ الصوت لفظ مت لکھو!......۸۔ زبان کی درستگی کا ہر حال میں لحاظ رکھو!......۹۔ سوچنے اور غور کرنے پر وقت لگاؤ، جلد بازی مت دکھاؤ اور زود نویسی پر فخر مت کرو۔۱۰۔ بری شاعری میں خدا کی حمد پڑھ کر ملحد بھی کانپ اٹھے گا!......۱۱۔ اعلیٰ خیالات، دلکش انداز، ٹھوس طریقے اور گہرائی کے ساتھ آسان لفظوں میں پیش کرو۔۱۲۔ حیرت واستعجاب سے فن میں جان ڈالنے کی کوشش کرو۔۱۳۔ شعری تخلیق کا ہر مصرعہ کوئی نئی بات سامنے لائے۔۱۴۔ سارا مواد مناسب طریقے سے گوندھوتا کہ [قاری کا] ذہن متاثر ہو۔۱۵۔ فن شاعری، اچھے اور خراب کے درمیان سمجھوتہ نہیں کرتا۔ ۱۶۔ اس فن میں اوسط درجے کے شاعر کے لیے کوئی جگہ نہیں۔(۵۹)☆☆

اردو میں تنقیدی روایت:

اردو ادب کی تاریخ میں شعر و شاعری کا ذکر تو بہت زیادہ ہوا ہے لیکن نقدِ شعر کا باقاعدہ نظام بہت بعد میں قائم ہوا۔ حالی، شبلی اور محمد حسین آزاد سے قبل تذکرہ نگاری عام تھی۔ تذکروں میں زیادہ تر تو شعراء کے کوائف درج ہوتے تھے اور کلام کے نمونے بھی دیدیئے جاتے تھے لیکن تنقیدی رائے دو چار جملوں اور لگے بندھے فقروں سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

آزاد نے آب حیات کے دیباچے میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انگریزی سے واقف اہل علم ہمارے تذکروں کے اس نقص پر حرف رکھتے ہیں کہ:

☆ان سے نہ کسی شاعر کی زندگی کی سرگزشت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

☆نہ کسی شاعر کے مزاج، عادات واطوار کا حال کھلتا ہے۔

☆نہ کسی شاعر کے کلام کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

☆نہ کسی شاعر کے کلام کی صحت وسقم کی کیفیت کھلتی ہے۔

☆نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس (شاعر) کے معاصروں میں اور اس کے کلام میں کن کن باتوں میں کیا نسبت تھی۔

☆سال ولادت اور تاریخ رحلت کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ (۶۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بھی ان تذکروں میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی کچھ کمزوریوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

☆شعر کے محاسن میں زیادہ تر صنائع لفظی ومعنوی کو اہمیت دی گئی ہے اور حسب ضرورت ان کو ظاہر کیا گیا ہے۔

☆☆(شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے "شعری ماہیت کے مسئلہ پر مشرق اور مغرب کی تنقید تقریباً ہم آہنگ ہے۔ بہت سی باتیں جو ہمارے نقاد مغرب کے حوالے سے کہتے ہیں اور کچھ قارئین کے نزدیک مغرب پرستی کے جرم ٹھہرتے ہیں، وہی باتیں مشرقی مفکرین نے بھی کہی ہیں"۔ (شعر میں اظہار، ترسیل اور ابلاغ کی نوعیت، شمس الرحمٰن فاروقی، مشمولہ نگار پاکستان، سالنامہ ۱۹۶۸ء، مسائل ادب نمبر، ص ۲۵۸) اس موقع پر شمس الرحمٰن فاروقی نے نظامی عروضی سمرقندی اور شبلی کی مماثلت کے چند حوالے دیے ہیں)۔ (عبدالعزیز خان)

☆تنقیدی لب ولہجہ پر اخلاقی جوش غالب ہے اور عموماً سب کو اچھے الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔

☆اکثر تذکروں پر ایک دوسرے کی تقلید کا اثر نمایاں ہے اور تازگی و ندرت بہت کم نظر آتی ہے۔

☆اکثر شعراء کے اسلوب وسلیقۂ شعر کے لیے مبہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے شاعر کی حیثیت واضح نہیں ہوتی۔(۶۱)

اس کے باوجود ڈاکٹر فرمان فتح پوری، تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تذکروں کو ان کے عہدِ تصنیف کے مروج معیارات کی روشنی میں پرکھا جائے۔

''ہمیں ان کی تنقیدی قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے لفظی تنقید کے ان اصول و ضوابط کو سامنے رکھنا ہوگا جو انیسویں صدی کے وسط تک شعروادب کا پیمانہ خاص خیال کیے جاتے تھے''۔(۶۲)

ڈاکٹر موصوف نے میر تقی میر کے تذکرے ''نکات الشعراء'' سے ان تنقیدی اصولوں کی فہرست بھی اخذ کی ہے جن کو میر نے بار بار دہرایا ہے:

۱۔ربط کلام۔۲۔خوش فکری۔۳۔تلاش لفظ تازہ۔۴۔صفائی گفتگو۔۵۔ایجاد مضامین۔۶۔تہ داری۔۷۔درد مندی۔۸۔طرز خاص۔ (۶۳)

ڈاکٹر ساجد امجد اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے (اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات) میں بتا تے ہیں کہ اردو میں تنقیدی فکر کا دائرہ ،فارسی کے تتبع میں اظہار کی خوبی اور لسانی برجستگی تک محدود تھا۔ کیونکہ فارسی تنقید کا محل 'ادب برائے ادب' کے نظریے کی بنیادوں پر استوار ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''فارسی تنقید، ادب برائے ادب کی قائل تھی جس میں معنی سے زیادہ لفظوں کے دروبست کو پرکھا جاتا تھا۔فارسی کے اثر سے اردو میں بھی یہی تنقیدی اصول مروج رہے''۔(۶۴)

ڈاکٹر ساجد امجد سے ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان تنقیدی اصولوں کی بازگشت،سب سے پہلے دیوانِ فائز دہلوی کے دیباچے میں سنی گئی تھی۔ فائز دہلوی کے دیباچے سے جو اقتباس ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالے کی زینت بنایا ہے، وہ اقتباس یہاں نقل کر دینے سے ہماری بات زیادہ واضح ہو جائے گی:

''تمام اقسامِ شعر میں چاہیے کہ نظم بدیع ہو، قافیے درست ہوں، معنی لطیف ہوں، الفاظ شیریں ہوں، عبارت صاف ہو، یعنی اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہو بیان میں تکلف نہ ہو، حروف زائد سے پاک ہو اور الفاظ صحیح ہوں ☆☆ شاعر کے لیے لازم ہے کہ نظم کے طور و ترکیب کو پہچانتا ہو۔ تشبیہ کے قاعدوں، استعارے کی قسموں اور زبان کے محاوروں سے واقف ہو۔ قدما کی تاریخ اور نظم سے باخبر ہو اور حکماء کے کلام کا تتبع نہ کرے اور اپنی طبع سلیم سے جزیل اور رکیک لفظوں میں امتیاز کرے۔ جھوٹی تشبیہوں، مجہول اشاروں، ناپسندیدہ ایہاموں، غریب وصفوں، بعید استعاروں، نادرست محاوروں اور نامطبوع تکلفوں سے پرہیز کرے''۔(۶۵)

الفاظ و محاورات کے درست استعمال پر ہر عہد کے لوگوں نے توجہ مرکوز کی ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ نے عمومی طور پر اپنے کلام کو ظاہری عیبوں اور سقموں سے پاک رکھا انہوں نے کلام میں، ترکیب کی چستی اور گرمی میں فرق تو گوارا کر لیا لیکن اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔(۶۶)

ناسخ نے شاعری میں تازہ گوئی کی شعوری کوشش کی جس کو ان کے شاگردوں نے ایک تحریک کے طور پر آگے بڑھایا۔ ناسخ کی اصلاحات اور ان کی شاعری کے اختصاصی پہلوؤں کی نشاندہی رشید حسن خاں نے "انتخابِ کلامِ ناسخ" میں کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی "تاریخِ ادبِ اردو" (جلد سوم) میں کچھ تفصیل دی ہے۔ ہم ان دونوں محققین کے بیان کردہ نکات کی تلخیص درج ذیل کرتے ہیں:

☆ زبانِ اردو کو پہلے ریختہ کہتے تھے۔ ریختہ کا لفظ نظم کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ ناسخ کے عہد سے زبان کے لیے "اردو" کا لفظ مقرر ہوا۔(۶۷)

☆ غزل کے لیے 'ریختہ' کا لفظ رائج تھا۔ ناسخ نے 'غزل' کو رواج دیا۔(۶۸)

☆ افعال کے بعض استعمالات کی بنا پر ناسخ دہلوی شعراء کے مماثل ہیں - (۶۹)

☆ بہ حالتِ عطف و اضافت، اعلانِ نون سے گریز کی ناسخ اور آتش کے ہاں مکمل پابندی ملتی ہے۔(۷۰)

☆ آئے ہے، جائے ہے، جیسی افعال کی صورتیں، نیز کسو، کبھو اور 'جا' [جگہ] کے لیے 'جائے' وغیرہ کے استعمال کی مثالیں بھی ناسخ کے ہاں نہیں ملتیں۔(۷۱)

☆ ناسخ نے اپنے پیشروؤں کے متروکات کے ترک کی سختی سے پابندی کی۔ (۷۲)

☆ ناسخ نے لکھنوی معاشرے کے لئے ایک نیا شعری اسلوب بلکہ پیرایہ اظہار دیا جس میں اس معاشرے کی طرح ظاہری بلند آہنگی، ظاہرداری، رعایتوں اور تلازموں کی چمک دمک تھی۔(۷۳)

☆ ناسخ کی تشبیہات اور استعاروں میں نیا پن تھا اور معاشرت کی پسندیدہ چیزیں بھی منعکس تھیں۔(۷۴)

☆ شاعری میں خارجیت کے پہلو نمایاں ہوئے۔ سادہ گوئی، غزل کی اقلیم سے خارج ہوئی۔(۷۵)

☆☆ ہمارے تنقیدی نظریات کو قدیم بتایا جاتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جدید ترین مغربی مفکرین اور ناقدین کے ہاں بھی ہمارے تنقیدی نظریات کی گونج سنائی دیتی ہے۔ فائز دہلوی نے زائد حروف سے پاک شاعری کو اچھا کہا ہے تو ایذرا پاؤنڈ (۱۸۸۵ء تا ۱۹۷۲ء) بھی یہی کہتا ہوا نظر آتا ہے "فاضل کوئی لفظ استعمال نہ کریں۔ ایسی کوئی صفت نہ برتیں جس سے کسی خاص بات کا اظہار نہ ہو۔ کوئی ترکیب (Expression) اس طرح استعمال نہ کیجیے جیسے امن کی مدھم سر زمینیں' اس سے امیج مردہ ہو جاتا ہے"۔ (Modern Poets on Modern Poetry , James Scully,William Collins Ltd. London 1973)

☆لفظوں کے تلازموں کے نئے زاویے اور خیال آفرینی کی نئی وسعتیں سامنے آئیں جس سے نئے امکانات روشن ہوئے۔(۷۶)

☆ناسخ کی اصلاحات کے باعث، دبستانِ لکھنؤ کو سند کا درجہ ملا۔(۷۷)

☆ناسخ طرزِ جدید کے بانی اور سب سے ممتاز نمائندہ ہیں۔(۷۸)

☆طرزِ جدید میں خارجیت، نیا معیارِ سخن ٹھہری، عشق غائب ہوا۔ 'حسن' کا بیان اور معنی حقیقی کے بجائے قیاسی اور فرضی شاعری کے لیے غالب عناصر تسلیم کیے گئے۔(۷۹)

☆صحتِ زبان پر زور دیا گیا۔ عربی فارسی کے الفاظ اصل زبانوں کے قواعد کے مطابق اردو میں استعمال کیے گئے۔(۸۰)

☆ناسخ کے طرزِ جدید کی وجہ سے زبانِ اردو دھل منجھ کر صاف اور مضبوط ہو گئی۔(۸۱)

دنیائے سخن میں داغ دہلوی نے بھی زبان و بیان پر خاص توجہ دے کر فن کے اصولوں کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ اپنے شاگردوں کے لیے ایک "ہدایت نامہ" بھی نظم کر دیا تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنا کلام جانچنے کے قابل ہو جائیں۔ اس ہدایت نامے میں اس عہد کی تنقید کے اصول بڑی خوبی سے نظم ہو گئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدایت نامہ جوں کا توں یہاں نقل کر دیا جائے:

اپنے شاگردوں کی ہے مجھ کو ہدایت منظور
کہ سمجھ لیں تہِ دل سے وہ بجا و بے جا
شعر گوئی میں رہیں پیش نظر یہ باتیں
کہ بغیر ان کے نہیں ہوتی فصاحت پیدا
چست بندش ہو نہو سست یہی خوبی ہے
وہ فصاحت سے گرا، شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں
حرف علت کا برا ان میں ہے دبنا گرنا
الف وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں
لیکن الفاظ میں اردو کے یہ گرنا ہے روا
جسمیں گنجلک نہو تھوڑی سی صراحت بھی رہے
وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ
عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امر نازک
پہلے کچھ اور تھا اب رنگ زباں اور ہوا
یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے
اہل دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا
مستند اہل زباں خاص ہیں دہلی والے
اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا
جوہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے
ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا
بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں
ایک کو ترک کیا ایک کو قایم رکھا
ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل
اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا
گرچہ تعقید بری ہے مگر اچھی ہے کہیں
ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا
شعر میں حشو و زوائد بھی برے ہوتے ہیں
ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا
گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے
وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنی
استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ
اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا
اصطلاح اچھی مثل اچھی ہو بندش اچھی
روز مرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا
ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی بھی نہ ہو
ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا
عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے
وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا
لف و نشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے
اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بے جا

شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر
کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا
جو نہ مرغوب طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف
شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہو بے ڈھنگا
ایک مصرعے میں ہو تم دوسرے مصرعے میں ہو تو
یہ شتر گربہ ہوا، میں نے اسے ترک کیا
چند بحریں متعارف ہیں فقط اردو میں
فارسی میں عربی میں ہیں مگر اس سے سوا
شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی
گر عروض اس نے پڑھا ہے وہ سخنور دانا
مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد
دین، اللہ کی ہے، جس کو یہ نعمت ہو عطا
بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام
اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا
گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر
کسبِ فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا
پند نامہ جو کہا داغ نے بے کار نہیں
کام کا قطعہ ہے یہ، وقت پہ کام آئے گا (۸۲)

اس ہدایت نامے میں داغ نے فنِ شعر کے حوالے سے جن اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، ان کا تعلق شعری حسن و قبح سے ہے۔ یہی اصطلاحات اس عہد کی تنقید کی بھی تھیں۔ ان ہی نکات پر غور و فکر کر کے شعری معیارات مقرر کیے جاتے تھے یعنی ،فصاحت کا ہونا، شعری بندش میں چستی کا ہونا استعارے اور تشبیہات کا برمحل استعمال، روزمرہ کی نگہداشت، لف ونشر مرتب اور غیر مرتب کا استعمال، ایہام گوئی، ردیف کا چست اور درست بیٹھنا، قافیے کا درست ہونا وغیرہ تو محاسن میں شمار کیے جاتے تھے، اور شتر گربہ کا ہونا، عروضی سقم ہونا، حرف کا دبنا یا گرنا، حرف علت کا دبنا یا گرنا، مفہوم کا گنجلک ہونا، عیب تعقید، عیب تنافر، حشو و زوائد اور ایطائے جلی کا شعر میں ہونا عیب سمجھے جاتے تھے۔ فن کے یہ تمام عیوب تو آج بھی عیوب ہی ہیں لیکن محاسن کلام میں فکری رو کا عمل دخل اور نظریوں کی آمیزش سے تنقید کی وسعتوں میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے۔

۳۔ اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ:

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ''نکات الشعراء'' از میر تقی میرؔ [مرقومہ ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء] سے ''آب حیات'' از محمد حسین آزاد [مرقومہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء] کل ۶۷ تذکروں کی فہرست فراہم کی ہے (ایضاً ص ۶۲۷۔۶۳۲)۔ ان تذکروں میں سے بیشتر نے نعت گو شعراء کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ بعض تذکروں میں کرامت علی خاں شہیدی اور امیر مینائی کا ذکر تو ہے۔ لیکن ان کی غزل کے ذکر پر بات ختم کر دی گئی ہے۔ مثلاً نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ جو کرامت علی خاں شہیدی کے ہم عصر ہیں ،شہیدی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''شہیدی تخلص، کرامت علی نام، باشندہ ءلکھنؤ۔ طبع خوشے دارد و در عروض دست گاہے معقول و در حساب مکانتے مقبول''۔۔۔۔ اس کے بعد شہیدی کی غزلوں کے گیارہ اشعار منتخب کیے ہیں۔ (۸۳)

سعادت خاں ناصرؔ نے اپنے تذکرے ''خوش معرکہ ء زیبا'' [مرقومہ ۱۲۶۰۔۶۲ھ/۱۸۴۴۔۴۶ء] میں بھی شہیدی کی غزل گوئی کا ذکر کر کے چند اشعار غزلوں کے نقل کر دیے ہیں اور بس۔ شہیدی کی نعت کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا ہے۔ البتہ اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ:

''ایک مدت ہوئی کہ وہ عازم بیت اللہ ہوا تھا، پھر حال اس کا ظاہر نہ ہوا کہ زندہ ہے یا سائل مرگ کا لبیک گویاں ہوا''۔ (۸۴)

تذکرۂ شعرائے اردو ''گلِ رعنا'' از مولانا حکیم سید عبدالحی ء میں بھی شہیدی کے حوالے سے غزل کے اشعار پر کچھ

گفتگو کی گئی ہے لیکن ان کی نعت گوئی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ صرف اس مشہور نعت کے چند اشعار لکھ دیئے گئے ہیں جس میں روح کے قفس عنصری سے اس وقت نکلنے کی آرزو کی گئی تھی جب وہ مدینہ منورہ کی حدود میں پہنچ جائیں۔ شہیدی کے حج اور وفات کا احوال گلِ رعنا میں اس طرح لکھا ہے:

"۱۲۵۵ھ میں حج وزیارت کے ارادہ سے گھر سے نکلے، اسی سال فریضہ حج ادا کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ راستہ میں بیمار پڑے، ۲۴ صفر ۱۲۵۶ھ کو جس وقت تمام منزلیں طے کرتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے روضہ مطہرہ نظر آتا تھا، ایک حسرتناک نظر اس پر ڈالی، اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، ان کے مشہور قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ طلب ہیں، جن میں انھوں نے اسی کی تمنا کی ہے، کیسے خوش نصیب تھے، کہ جن کی آرزو ایک حد تک پوری ہوگئی:

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب | میسر ہو طواف اے کاش مجکو تیری مرقد کا
کبھی نزدیک جا کر آستانہ پر ملوں آنکھیں | کبھی گر دور بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا
فراغ دل سے گرواں زندگی کا کوئی دم گزرے | حسد ہو خضر و عیسٰی کو مرے عیش مخلد کا
مدینہ کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ | کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے | قفس جس وقت ٹوٹے طائر روحِ مقید کا" (۸۵)

سن ۱۹۹۹ء میں پروفیسر شفقت رضوی نے مولانا حسرت موہانی کا "تذکرۃ الشعرا" مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس تذکرے میں مولانا حسن رضا بریلوی کا ذکر بھی محض غزل گو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔
اسی تذکرے میں شہیدی کا ذکر بھی محض غزل گو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اشعار بھی غزل کے لکھے ہیں۔ ہاں ایک نعت کے اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں، لیکن ان پر نعت کے حوالے سے کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ شہیدی کی ایک غزل کے چند اشعار درج کیے ہیں:

دلجوئی عشاق سے فرصت نہیں ملتی | یا ناز سے اپنے تمھیں رخصت نہیں ملتی
جانے کی رضا یار سے حاصل ہوئی ہر چند | پر اس دل مضطر سے اجازت نہیں ملتی
فرش قدمِ بت ہے مرا جامہء احرام | بے خوار ہوئے عشق میں لذت نہیں ملتی
ناکامیء جاوید کی ہم مانتے منت | افسوس شہیدی تری تربت نہیں ملتی

ان اشعار پر حسرت نے تنقیدی خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

"مرقومہ بالا تمام اشعار میں صفائی اور سادگی ہی کی شان زیادہ تر نمایاں ہے اور یہی شہیدی کا خاص رنگ ہے بھی، لیکن ایک دو جگہ بلندی قافیہ کی ضرورت سے انہوں نے بلاغت کے میدان میں بھی اشہب فکر کو اس آن بان سے جولان کیا ہے کہ طبیعت ستائش پر مجبور ہو جاتی ہے۔۔ کیا خوب لکھا ہے:

گر نہیں ہے باغباں گلشن میں طغیانِ بہا　　جام عمر بلبلاں بھردے گا طوفانِ بہار!

کس کے باغ حسن کی رکھتی ہے گل چینی ہوس　　چاک ہو گا مثل گل سو جا سے دامان بہار

مضمون والفاظ کی دل پذیری ورنگینی کے ساتھ ترکیب فارسی کی خوبی نے اس غزل کو لاجواب اور شہیدی کو اساتذۂ قدیم کا ہم پلہ ثابت کردیا ہے"۔(۸۶)

حسرت موہانی نے شہیدی کی ایک نعت، شامل انتخاب کی ہے اور ایک شعر پر اطلاعی نوٹ بھی لکھدیا ہے۔نعت کا مطلع اور اور مذکورہ شعر درج ذیل ہیں:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا　　سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے　　قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا☆

☆شہیدی کی یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ مدینہ منورہ میں روضے کے سامنے جاں بحق تسلیم ہوئے(حسرت)"(۸۷)

حسن رضا بریلوی کے بارے میں حسرت موہانی لکھتے ہیں:

''شاگردانِ داغ میں حسن مرحوم بریلوی کا پایہ شاعری بہت بلند ہے۔وہ بجائے خود استاد و مستند تھے۔انہوں نے اپنے اندازِ سخن کو استاد کے رنگ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر موقعوں پر داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے''۔(۸۸)

حسن رضا بریلوی کے نعتیہ دیوان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''دیوانِ نعتیہ زیر طبع تھا کہ آپ نے سفر حج سے واپس آکر ۱۳۲۶ھ میں انتقال کیا''۔

چند اشعار بھی ایک نعتیہ غزل کے درج کر دیئے ہیں لیکن ان پر کوئی ناقدانہ رائے نہیں دی ہے، صرف ''از دیوانِ نعتیہ لکھ دیا ہے:

اس کے جلوے سے نہ کیوں کافور ہو ظلمات کفر　　پیشگاہ نور سے آیا ہے فرمانِ جمال (۸۹)

خوبرویانِ جہاں کو بھی یہی کہتے سنا　　تم ہو شانِ حسن، جانِ حسن، ایمانِ جمال

تاریخ شعرائے روھیلکھنڈ کے مؤلف سید تعظیم علی نقوی نے چار ضخیم جلدوں میں بہت سے شعراء کا تذکرہ کیا ہے ۔ان شعراء میں نعت کہنے والے شعراء بھی شامل ہیں۔لیکن اس تاریخ میں بھی نعتیہ کلام پر کوئی تنقیدی تبصرہ نہیں ہے۔کہیں کہیں شاعری کی دوسری اصناف پر کچھ گفتگو کی گئی ہے لیکن بیشتر شعراء کے بود و باش اور نوشت و خواند کے احوال رقم ہیں۔اس تاریخ میں شعراء کا تذکرہ استادی شاگردی کے خصوصی ذکر کے ساتھ ملتا ہے۔

مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی جن کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ ان کو فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ''شہنشاہ نعت'' کہتے تھے، ان کا ذکر بھی صرف ان کے احوال وکوائف تک محدود ہے۔مثلاً لکھا ہے:

''۲۲/اپریل ۱۸۵۸ء کو انگریزوں کا مرادآباد پر قبضہ ہو گیا تو مولانا کافی گرفتار ہوئے۔پھانسی کا حکم ہوا تو مسرور و شاداں قتل گاہ کی طرف گئے اور راستے میں مندرجہ ذیل نعت بہ آواز بلند پڑھتے گئے:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو — اس تن بے جان پر خالی کفن رہ جائے گا

نام شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں — حشر تک نام و نشانِ پنجتن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے او پر درود — آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہوجائیں گے کافی ولیکن حشر تک — نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا" (۹۰)

اردو نعتیہ ادب میں تنقیدی آراء کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اردو ادب کے ابتدائی نقوش میں نعت کا حوالہ کمیاب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد کا کلچر ہی "غزل" کا کلچر تھا اور شعراء اسی میدان میں توسن فکر کو دوڑاتے تھے، اسی کی تحسین کی جاتی تھی۔ نعتیہ اشعار نہ تو بہت زیادہ کہے جاتے تھے نہ ان کی تحسین، فنی یا شرعی نقطہ نظر سے کرنے کا رواج عام ہوا تھا۔

اردو نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے دینے کا رواج اس لیے عام نہیں ہوا تھا کہ اردو میں نعتیہ شعری سرمایہ اتنا نہیں تھا کہ نقادوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوتی۔ سچی بات یہ ہے کہ محسن کاکوری سے قبل کسی شاعر نے نعتیہ شاعری میں ایسا اختصاص بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ ناقدین اس طرف متوجہ ہوتے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی رائے سے استشہاد کرنا ہی کافی ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

"نعت گوئی اگرچہ ہمیشہ سے موجود تھی لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسنؔ سے پہلے اختیار نہیں کیا اور جن لوگوں نے عقیدت کی بنا پر صرف نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا نہیں کیا، شعراء کے اردو فارسی کے جتنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور تاریخیں راقم السطور کی نظر سے گزریں ان میں ایسے شعراء کا حال دستیاب نہ ہوا، جن کا مسلک شعری محض نعت گوئی رہا ہو اسی ایک بات کو ملحوظ رکھیں تو بھی محسنؔ کا درجہ اس سے کہیں بلند ہو جاتا ہے، جو اب تک انہیں دیا جاتا رہا ہے"۔ (۹۱)

شعر الہند عبدالسلام ندوی کی تصنیف، دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے دوسرے حصے میں مصنف نے 'مذہبی شاعری' کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں نعت پر علاحدہ بحث تو نہیں ہے لیکن اتنا ذکر ضرور ملتا ہے کہ قدما کے ہاں نعت اور منقبت کے لیے 'قصائد' مخصوص تھے جبکہ مولوی غلام امام شہید نے ان میں شعری اصناف کے لحاظ سے وسعت پیدا کی۔ غلام امام شہید امیٹھوی کا سالِ وفات، شفیق بریلوی نے اپنی کتاب 'ارمغانِ نعت' میں ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء لکھا ہے اور انہیں "شہید امیٹھوی" لکھا ہے۔ (۹۲)

شعر الہند میں غلام امام شہید کے حوالے سے لکھا ہے:

"قدما کے دور میں نعت و منقبت کے لیے صرف قصائد مخصوص تھے، اور مومن و غالب نے بھی انہی کی تقلید کی، لیکن اس دور میں مولوی غلام امام شہید نے اس میں زیادہ وسعت پیدا کی، اور غزل و مثنوی، قصیدہ و

ترجیع بند میں نعت لکھی، چنانچہ مولود شہید میں انہوں نے اپنی جو نعتیہ نظمیں شامل کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ترجیع بند (متعلق تذکرۂ معراج)......۲۔ خمسہ شہید بر غزل خسرو...... ۳۔ قصہ حضرت بلالؓ......۴۔ غزل در وصف قدم شریف......۵۔ قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ ......۶۔ روایت استن حنانہ، غزلیں اور قصائد الگ ہیں اور وہ دوسری کتابوں میں ملتے ہیں"۔ (۹۳)

عبدالسلام ندوی نے شہید کے کلام پر تنقیدی رائے کے ساتھ کچھ نعتیہ کلام بھی نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگرچہ شعرائے دکن نے بھی نعتیہ مثنویاں، معراج نامے، اور جستہ جستہ نعتیہ غزلیں لکھی تھیں لیکن ان میں شاعری بہت کم تھی، صرف واقعات کو نظم کر دیا تھا، لیکن مولوی غلام امام شہید نے ان میں شاعرانہ رنگ کی آمیزش کی اور تشبیہات و استعارت سے اس کو دلچسپ بنا دیا"۔ (۹۴)

کلام پر تبصرے کے ساتھ ہی شعر الہند میں شہید کی شاعری کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں مثلاً

ترجیع بند

قد رعنا کی ادا جامہ زیبا کی پھبن   سرمہ چشم غضب ، ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبینِ روشن   اور وہ مکھڑے کی تجلی وہ بیاضِ گردن
وہ عمامہ عربی (اور)وہ نیچا دامن   دلربایانہ وہ رفتار وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبان کفن   اٹھ چلے قبر سے بجناب زباں پر یہ سخن
'مرحبا سید مکی مدنی العربی'   دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی' (۹۵)

اس کے ساتھ ہی 'قصہ حضرت بلالؓ، قصہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور 'روایتِ استن حنانہ' کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ایک مسجع قصیدہ جو بحر طویل میں لکھا گیا تھا، شعر الہند میں اس کے بھی دو بیت لکھے ہیں جو درج ذیل کئے جاتے ہیں:

باغ جہاں آباد ہے یاں سرو بھی آزاد ہے قمری نہایت شاد ہے نہ صید نہ صیاد ہے
ہاں محفل میلاد ہے، وقت مبارکباد ہے، جبریل کو ارشاد ہے، مشہور کر دے یہ سخن
نور خدا پیدا ہوا، خیرالورای پیدا ہوا، بحر عطا پیدا ہوا، ابر سخا پیدا ہوا
نجم الہدیٰ پیدا ہوا، بدرالدجیٰ پیدا ہوا، شمس الضحیٰ پیدا ہوا، پیدا ہوا شاہ زمن (۹۶)

صاحب شعر الہند نے غلام امام شہید کی ایک نعتیہ غزل کے بھی چند اشعار نقل کئے ہیں، جس کا مطلع ہے۔

سینہ ہے مرا روکش صحرائے مدینہ   دل ہے جرس محمل لیلائے مدینہ (۹۷)

شعر الہند کے مصنف نے نعت کے مخصص شعراء کے ذکر کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھا:

"غالباً اس دور میں لطف علی خان لطف نے بھی نعت گوئی کو اپنا خاص موضوع بنالیا اور جو کچھ لکھا صرف مدح رسول ﷺ میں لکھا، چنانچہ تذکرہ مہر جہاںتاب میں ہے [و دیوانش بتمامہا در نعت]"۔ (۹۸)

شعر الہند کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے بھی دی گئی ہے۔ تنقید نگار کا کام یہ بھی

ہوتا ہے کہ وہ کسی شاعر کے کلام کا موازنہ کسی دوسرے شاعر سے کرتے ہوئے اس کے کلام کی درجہ بندی کرنے کی کوشش کرے۔ عبدالسلام ندوی نے غالباً پہلی بار، نعتیہ شاعری کے ضمن میں، یہ کام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر چہ وہ (لطف علی خاں لطف) مولوی غلام امام شہید کا زور واثر اپنے کلام میں پیدا نہ کر سکے، تاہم ان کا کلام بھی جوشِ مذہبی سے خالی نہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

خدا کا صاف یہ قرآں میں حکم ناطق ہے — مرے نبی پہ تم اے مومنو درود پڑھو
خدا خدا کے فرشتے درود پڑھتے ہیں — خبر نہیں تمہیں کیا غافلو درود پڑھو
ابتو بلالو اپنے در پہ مرے پیمبر — کب تک پھرا کروں میں در در مرے پیمبر (۹۹)

صاحب شعر الہند نے کرامت علی شہیدی کے بارے میں وہی معلومات مہیا کی ہیں جو ہم نے اس مقالے میں پہلے ہی درج کر دی ہیں۔ یعنی روضہء اقدس کو دیکھتے ہی ان کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تھا۔

شعر الہند میں جلال کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بھی نعتیہ شاعری کی طرف توجہ دی لیکن عبدالسلام ندوی کو ان کے کلام میں کوئی دلکشی نظر نہیں آئی اس لیے ان کے کلام کا نمونہ بھی انہوں نے پیش نہیں کیا۔ منشی امیر احمد (مینائی) کے ساتھ بھی انہوں نے یہی سلوک کیا ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کا ذکر کر کے کوئی نمونہء کلام دینے کی زحمت گوارا نہیں کی اور کوئی تنقیدی رائے بھی نہیں دی۔ (۱۰۰)

محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری کے اختصاصی پہلو کا البتہ صاحب شعر الہند نے تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسی فن کے باعث محسن کی غیر معمولی شہرت بھی ہوئی۔ تاہم جناب ندوی کو لکھنؤ کی 'برخود غلط' شاعری کا استعمال پسند نہیں آیا اور انہوں نے نورالحسن نیر (محسن کاکوروی کے صاحبزادے، نوراللغات کے مولف) کی محسن کے کلام پر رائے کو اپنی مخالفانہ رائے کے لیے استعمال کیا۔ نورالحسن نیر نے لکھا تھا:

''اون (محسن) کی سدا بہار طبیعت، حسرت ویاس کے مضامین سے الگ رہتی ہے، شگفتگیِ طبع اور زندہ دلی کی برقی روشنی ہر بیان میں اپنی چمک دکھاتی ہے، مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان وشکوہ، بندش کی چستی، ان کا خاصہء طبیعت ہے، اس میں شبہ نہیں ہے کہ بوجہ دقت مضامین و بلندیِ خیالات وتلمیحات قصہ طلب کے ان کے ان کا کلام کم استعداد کے حضرات کی سمجھ سے باہر ہے''۔ (۱۰۱)

عبدالسلام ندوی نے نورالحسن نیر کی تحریر کے اس اقتباس کے بعد محسن کے کلام میں 'رعایتِ لفظی' کے نمونے دکھائے ہیں اور بڑی بھرپور تنقیدی رائے دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر کر دیا ہے، کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبہ سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیستاں ہے، نعت نہیں ہے۔ البتہ استعارات کی جدت، تشبیہات کی لطافت، بندش کی چستی اور الفاظ کی متانت اور جزالت میں کلام نہیں۔ ان باتوں کے ساتھ جہاں صفائی اور سادگی کی

بھی آمیزش ہوگئی ہے، وہاں ان کا کلام کیف واثر سے خالی ہوتو ہو، لیکن لطف سے خالی نہیں''۔(۱۰۲)

عبدالسلام ندوی نے محسن کاکوروی کے کلام سے نمونے پیش کرتے ہوئے 'سراپا'، 'صفت براق'، 'تشریف آوری بیت اللہ'، 'خاتمہ ومناجات' کے عنوانات قائم کر کے اشعار دیے ہیں۔ مولانا ندوی نے نعت گوشعراء کے بارے میں عمومی رائے دیتے ہوئے کچھ نکات اٹھائے ہیں۔ چونکہ یہ نکات کسی تذکرے میں پہلی بار مربوط شکل میں سامنے آئے ہیں اس لیے ان تمام نکات کا یہاں درج کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ا۔رسول اللہ صلعم کی شان میں عاشقانہ الفاظ مثلاً وصل، ہجر، شوق اور بیتابی وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے اور اسی حیثیت سے آپ ﷺ کے خط وخال، زلف وگیسو، لب ودہن اور چہرہ ورخسار وغیرہ کی تعریف کی گئی ہے، اور یہ ان شعراء کا قصور نہیں، بلکہ ہمارے صوفیہ کا قصور ہے......۲۔معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا گیا ہے، یعنی جدید استعارے پیدا کیے گئے ہیں، اور رعایتِ لفظی اور صنعتِ تضاد وغیرہ سے بھی کام لیا گیا ہے...... ۳۔بہت سی موضوع روایتیں اور فرضی معجزات نظم کیے گئے ہیں۔چنانچہ منشی امیر احمد صاحب خود اپنے نعتیہ دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں 'اس سے پہلے مسدسات جن کے اسامیہ ہیں، ذکرِ شاہِ انبیا، صبح ازل، شامِ ابد، لیلۃ القدر، میں نے موزوں کئے ہیں اور وہ چھپ کر شائع ہوئے ہیں ان میں بعض روایات جیسے عکاشہ بن محصن کا قصہ ذکر شاہ انبیا میں ہے، قطعاً غیر صحیح ہیں اور جو روایات نامعتبرہ ان مؤلفات میں موزوں ہو گئے ہیں، ان سب سے میں توبہ کرتا ہوں......۴۔شاعرانہ مبالغہ طرازیوں میں صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بھی بدل گئی ہے لیکن خود رسول اللہ صلعم کے فضائل، اخلاق، وعظ وپند وہدایات وارشادات، میں ان سب سے زیادہ درد واثر ہے۔(۱۰۳)

عبدالسلام ندوی نے درج بالا نکات لکھتے ہوئے مسدسِ حالی کے نعتیہ اشعار کے بارے میں بڑی مثبت رائے دی ہے:

> ''اردو شاعری میں اس سے زیادہ صحیح، اس سے زیادہ مستند اور اس سے زیادہ پر اثر کوئی نعتیہ نظم نہیں مل سکتی''۔(۱۰۴)

اب تک کے مندرجات سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اردو نعتیہ سرمائے میں تنقیدی رجحان محسؔن کاکوروی کے نعتیہ کلام پر رائے زنی سے شروع ہوا اور بالخصوص ان کے قصیدۂ لامیہ (ع سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل) کے سلسلے میں مخالفت اور موافقت میں جو کچھ کہا گیا وہ تنقیدِ نعت کے ابتدائی نقوش کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ عبدالسلام ندوی کی رائے درج کی جا چکی ہے۔ ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' کے مطالعے سے یہ مبرہن ہوگیا کہ محسن سے قبل نعت کو فن کے طور پر اختیار کر کے بھرپور طریقے سے تمام تخلیقی توانائیاں اس صنفِ شریف کی آبیاری کے لیے وقف کر دینے والے شعراء تھے ہی نہیں۔ محسن کے حوالے سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''محسن نے جب سے ہوش سنبھالا اور شاعری شروع کی تو ادب کا تقلیدی دور تھا۔ یہ ان کا کمال کہئے کہ وہ

ان دشواریوں سے گزر کر نعت گوئی کی معراج کمال پر پہنچے"۔(۱۰۵)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے محسن کے کلام کو باقاعدہ فنی خوبیوں کی روشنی میں پرکھنے کی بناڈالی۔انہوں نے محسن کے کلام میں لکھنؤ کی اس عہد میں رواج پانے والی شعری اقدار کے عکس کو محسوس کیا اور اسے تنقیدی زبان میں بیان کر دیا۔چنانچہ انہوں نے صنعت،رعایتِ لفظی، تلمیحات اور تشبیہات کی نادرہ کاری کے ضمن میں دل کھول کر محسن کے کلام کو سراہا۔انہوں نے بتایا کہ محسن کے کلام کی ظاہری خوبصورتی بھی اسی لکھنوی روش کی مرہونِ منت ہے۔ڈاکٹر صدیقی لکھتے ہیں:

"ان کی رعایت بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ان تکلفات کی وجہ سے کلام میں کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔تلمیحات بھی ہیں اور بکثرت ہیں لیکن بندش کی چستی اور نظم کی روانی ایسی ہے کہ طبیعت اس پر رک کر نہیں رہ جاتی۔اس اعتبار سے ان کا کلام اگر ایک طرف تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جاذبیت رکھتا ہے تو دوسری طرف عوام الناس بھی اس کی خوبیوں پر سر دھنتے ہیں"۔ (۱۰۶)

محسن کی خوش قسمتی کہ ان کی شاعری کے حوالے سے،تنقیدی ادب میں سب سے پہلا اور اہم تنقیدی مضمون محمد حسن عسکری نے لکھا۔عسکری نے بتایا کہ محسن کی تمام شہرت کا دارومدار انکے قصیدۂ لامیہ پر ہے اور پھر سوال اٹھایا کہ

"اس قصیدے میں وہ کیا چیز تھی جو لوگوں کے لاشعور میں اترتی چلی گئی اور جس نے لوگوں سے بے ساختہ سبحان اللہ کہلوالیا"۔(۱۰۷)

اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ کٹھ ملاؤں نے ان کے مذکورہ قصیدے پر اعتراضات کیے تھے کہ اس کی تشبیب غیر مشروع ہے اس کے باوجود وہ قصیدہ زبان زدِعام ہو گیا۔اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے انہوں نے کچھ باتیں کی ہیں۔مثلاً

☆آورد کو آمد بنانے والی چیز ایک تو خود موضوع کی وسعت ، پیچیدگی اور ہمہ گیری ہے۔

☆محسن کا ایمان ایسا کچھ نہیں جو رکاکت سے ڈر جائے وہ رکاکت سے بھی ایک مضمون نکال لیتے ہیں۔

☆چونکہ جمال محمدی کی صحیح تعریف صرف اس کا خالق کرسکتا ہے اس لیے جو چیز عام انسان کے حق میں ابتذال ہوتی وہ یہاں لطافت بن گئی۔

☆موضوع کے تقدس اور بیان کی شوخی کے اجتماع ضدین ہی سے نعت میں ان کا امتیازی رنگ پیدا ہوا ہے۔(۱۰۸)

یہ لکھنے کے بعد عسکری نے محسن کاکوروی کے فرزند (نوراللغات کے مؤلف) سے استشہاد کرتے ہوئے محسن کے کلام کے تین اجزائے ترکیبی کا ذکر کیا ہے:

۱۔موضوع کی متانت......۲۔مضمون آفرینی اور بلند پروازی ......۳۔شوخی۔(۱۰۹)

محمد حسن عسکری نے یہ مضمون سن ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا۔تنقیدی دنیا کی اہم شخصیت کا یہ مضمون اردو نعتیہ انتقادی سرمائے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے بعد بہت سے نقادوں نے محسن کی شاعری پر توجہ دی۔بہت سارے تحقیقی مقالوں میں بھی محسن کا کمالِ فن اور شعری امتیاز زیرِ بحث آیا۔تاہم اس تمام انتقادی سرمائے کا جائزہ کسی اور باب میں لیا جانا ہے اس لیے

ہم اپنی بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

☆☆☆

بابِ اول: مآخذ و منابع

۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۴

۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید تنقید، انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳

۳۔ احسن فاروقی، ڈاکٹر محمد، زبان اور ادب کے رشتے، نگار پاکستان، ماہنامہ، مسائل ادب نمبر، سالنامہ ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۔۲۱

۴۔ ایضاً ص ۲۰۔۲۱

۵۔ مجنوں گورکھپوری، شعر اور غزل، نگار پاکستان، ماہنامہ، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۲۴

۶۔ عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۳۲

۷۔ ایضاً ص ۱۳۲

۸۔ ایضاً ص ۱۳۲

۹۔ ایضاً ص ۱۳۲

۱۰۔ حالی، خواجہ الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، کتب خانہ علم و ادب، دہلی، بھارت، س۔ن، ص ۳۶

۱۱۔ ایضاً ص ۳۶

۱۲۔ ایضاً ص ۳۷

۱۳۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ اول، مرتبہ قدرت نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۱

۱۴۔ ایضاً ص ۱۳۱

۱۵۔ ایضاً ص ۱۳۱

۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۰

۱۷۔ عبدالحلیم ندوی

۱۸۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، شعر کیا ہے؟، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۸

۱۹۔ ایضاً ص ۸

۲۰۔ عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ ص ۱۳۲

۲۱۔ مجنوں گورکھپوری، شعر اور غزل، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، اصناف شاعری نمبر، سالنامہ ۱۹۶۷ء، ص ۲۷

۲۲۔ ایضاً ص ۳۳

۲۳۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، شعر کیا ہے؟، نگار پاکستان، ص ۸

۲۴۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۹

۲۵۔ایضاً ص ۱۰

۲۶۔احتشام حسین، سید،تنقیدی نظریات،لکھنؤ یونیورسٹی، بھارت،س۔ن، ص ۹۱

۲۷۔القرآن:سورہ الشعراء نمبر ۲۶: آیات نمبر ۲۲۴۔۲۲۶

۲۸۔این میری شمل، شہپر جبریل، مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض، گلاب پبلیشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۸۷

۲۹۔ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۵۴۸

۳۰۔ایضاً ص ۵۴۸

۳۱۔عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہ دروسیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶، میکلوڈ روڈ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۹۰ء، ص ۱۶۵

۳۲۔ایضاً ص ۱۶۷

۳۳۔سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۱۴

۳۴۔ایضاً ص ۲۱۴

۳۵۔المنجد

۳۶۔فیروز اللغات، فارسی

۳۷۔فیلنز اردو انگریزی ڈکشنری

۳۸۔پینگوین انگلش ڈکشنری

۳۹۔سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، ص ۹۔۱۱

۴۰۔اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی

۴۱۔ایضاً

۴۲۔نیاز فتحپوری، انتقادیات، حصہ اول ودوم، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، سالنامہ دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۳۶۱

۴۳۔افسر، حامد اللہ، تنقیدی اصول اور نظریے، بحوالہ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص ۵۰

۴۴۔سجاد باقر رضوی، تہذیب وتخلیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۷ء، ص ۵۰

۴۵۔وقار عظیم، تنقید آزاد اور اس کا مخصوص مزاج، آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، مرتبہ سید سجاد، نئی مطبوعات، سرکلر روڈ، لاہور، بار اول: ۱۹۶۶ء، ص ۵

۴۶۔جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ عالیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن، ص ۱۹

۴۷۔سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، ص ۱۳۴

۴۸۔نجم الغنی رامپوری، بحر الفصاحت، حصہ اول ص ۱۵۳

۴۹۔ایضاً ص ۱۵۳

۵۰۔عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۹۴ء، ص ۸۳۔۸۴

۵۱۔امیر کیکاؤس بن سکندر بن قابوس، قابوس نامہ، مترجم میاں محمد افضل، شاہکار بک نمبر ۴۷، لاہور، س۔ن، ص ۴۳

۵۲۔ایضاً ص ۴۳۔۴۴

۵۳۔ایضاً ص ۴۳۔۴۴

۵۴۔ایضاً ۴۳۔۴۴

۵۵۔نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ترجمہ مطبوعہ لاہور، [بقیہ تفصیل ندارد] ص ۸۲۔۸۳

۵۶۔ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، طبع یازدہم، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۰۸

۵۷۔ایضاً ص ۴۱۴

۵۸۔عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، مقدمات عبدالحق، تفصیل ندارد، ص ۱۲۸

۵۹۔جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم: ۱۹۸۵ء، ص ۲۶۵۔۲۸۵

۶۰۔آزاد، محمد حسین، آب حیات، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س۔ن، ص ۴

۶۱۔فرمان فتحپوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: نمبر ۲، ۱۹۷۲ء، ص ۸۲

۶۲۔ایضاً ص ۸۲

۶۳۔ایضاً ص ۸۳

۶۴۔ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۸

۶۵۔ایضاً ص ۱۸۸

۶۶۔آزاد، محمد حسین، آب حیات، ص ۳۴۰

۶۷۔رشید حسن خاں، انتخاب کلام ناسخ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، پہلی اشاعت ۱۹۹۶ء، ص ۷۸

۶۸۔ایضاً ص ۷۸

۶۹۔ایضاً ص ۹۴

۷۰۔ایضاً ص ۹۴

۷۱۔ایضاً ص ۱۰۲

۷۲۔ایضاً ص ۱۰۶

۷۳۔ایضاً ص ۱۰۸

۷۴۔ایضاً ص ۱۰۸

۷۵۔ایضاً ص ۱۰۸

۷۶۔ایضاً ص ۱۰۸

۷۷۔ایضاً ص ۱۰۸

۷۸۔جمیل جالبی،ڈاکٹر،تاریخ ادب اردو،مجلس ترقی ادب،لاہور،ج سوم،طباعت دوم:اپریل ۲۰۰۸ء،ص ۲۶۸

۷۹۔ایضاً ص ۲۶۸

۸۰۔ایضاً ص ۲۶۹

۸۱۔ایضاً ص ۲۶۹

۸۲۔آزاد،مولانا مولوی محمد نعیم الحق،حیات اشعراء،بلدیہ میرپورخاص،باراول ۱۹۶۹ء، ص ۲۰۷۔۲۰۹

۸۳۔شیفتہ،نواب مصطفیٰ خاں،گلشن بے خار،مرتبہ کلب علی خاں فائق،مجلس ترقی ادب،لاہور،طبع اول ۱۹۷۳ء،ص ۲۸۳۔۲۸۴

۸۴۔ناصر،سعادت خاں،تذکرۂ خوش معرکہ زیبا،مرتبہ مشفق خواجہ،مجلس ترقی ادب،لاہور،طبع اول:۱۹۷۰ء،ص ۳۵۔۳۶

۸۵۔عبدالحیٔ،مولانا حکیم سید،تذکرہ شعرائے اردو،گلِ رعنا،مطبع معارف اعظم گڑھ،طبع چہارم ۱۳۷۰ھ،ص ۳۳۷

۸۶۔حسرت موہانی،تذکرۃ الشعراء،مرتبہ:شفقت رضوی،ادارۂ یادگار غالب،ناظم آباد،کراچی،۱۹۹۹ء،ص ۳۵۰۔۳۵۲

۸۷۔ایضاً ص ۳۵۰۔۳۵۲

۸۸۔ایضاً ص ۳۵۰۔۳۵۲

۸۹۔ایضاً ص ۳۵۰۔۳۵۲

۹۰۔تعظیم علی نقوی،سید،شاہاں بریلوی،تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ،نارتھ ناظم آباد،کراچی،جلد اول،۱۹۹۱ء،ص ۹۱

۹۱۔ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر،لکھنؤ کا دبستانِ شاعری،غضنفر اکیڈمی پاکستان،اردو بازار،کراچی،طبع ثانی:۱۹۸۷ء،ص ۵۳۵

۹۲۔شفیق بریلوی،ارمغانِ نعت،مرکز علوم اسلامیہ،۵۔گارڈن،کراچی،اشاعت دوم:مارچ ۱۹۷۵ء،ص ۱۳۵

۹۳۔عبدالسلام ندوی،شعر الہند،حصہ دوم:ص ۲۰۶

۹۴۔ایضاً ص ۲۰۶

۹۵۔ایضاً ص ۲۰۶

۹۶۔ایضاً ص ۲۰۹

۹۷۔ایضاً ص ۲۰۹

۹۸۔ایضاً ص ۲۰۹

۹۹۔ایضاً ص ۲۱۰

۱۰۰۔ایضاً ص ۲۱۱

۱۰۱۔ایضاً ص ۲۱۲

۱۰۲۔ایضاً ص ۲۱۲

۱۰۳۔ایضاً ص ۲۱۶

۱۰۴۔ایضاً ص ۲۱۶

۱۰۵۔ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ص ۵۴۷

۱۰۶۔ایضاً ص ۲۶۳

۱۰۷۔محمد حسن عسکری، مجموعہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۴۰۸

۱۰۸۔ایضاً ص ۴۱۸

۱۰۹۔ایضاً ص ۴۱۸

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بابِ دوم

قرآن وسنت (احادیثِ نبویؐ) میں نعت کے متن کی صحت کے اصولی اشارے

باب دوم کو تین ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔قرآنِ پاک میں شعراء کی راست سمتی کے لیے رہنمائی

۲۔احادیث میں شعری تحسین کے نمونے اوران کا فنی جائزہ

۳۔قرآن واحادیث کی روشنی میں مقامِ رسالت کی تفہیم

۱۔قرآنِ پاک میں شعراء کی راست سمتی کے لیے رہنمائی:

شاعری وہبی صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے۔اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کو کوئی صلاحیت بے وجہ عطا نہیں ہوئی۔اس لیے شاعری بھی اپنے وجود کے لیے جواز چاہتی ہے۔اس جواز کی تفصیل جاننے کے لیے ہمیں انسان کا مقصدِ تخلیق جاننا ہوگا۔انسان کا مقصدِ تخلیق بلا شبہ صرف اور صرف اس (انسان) کا خالق ہیں بتا سکتا ہے۔چنانچہ ہمیں خالق سے دریافت کرنا ہوگا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟......اس مرحلے پر ہمیں قرآن کریم کی رہنمائی ملتی ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" اورنہیں پیدا کیا ہے میں نے جن وانس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔(۱)

تفسیرِ مظہری میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ

''حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا ہے''میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا،مگر صرف اس لیے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں۔یعنی اپنے احکامات کا مکلف بناؤں۔اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے 'وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا [سورۂ توبہ،آیت ۳۱]'یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔(۲)

تفسیرِ مظہری میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ایک حدیث بھی درج کی ہے:

''حدیث مبارک ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ" ہر ایک کے لیے وہ کام آسان کردیا جاتا ہے(یعنی اس کام کی توفیق دی جاتی ہے) جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے''۔(۳)

ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم میں،اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عبادت کا لفظ اس آیت میں محض نماز روزے اور اسی نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔۔۔اس کا پورا مفہوم یہ ہے جن اور انسان اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش،اطاعت، فرمانبرداری اور نیازمندی کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں''۔(۴)

قرآن کی درج بالا آیت اور تفسیری حاشیوں کے مطالعے سے درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔عبادت، صرف روزہ نماز، حج، زکوۃ ہی کا نام نہیں ہے۔

۲۔انسان (اور جن) کی پوری زندگی اگر اللہ کی اطاعت میں صرف ہوتو وہ عبادت ہے۔

۳۔عبادت (یعنی خالق کے منشاء کے مطابق کام کرنے) کے لیے صلاحیت، خود خالق نے مخلوق میں رکھ دی ہے۔

۴۔انسان (اور جن) میں اطاعت اور نافرمانی کی استعداد رکھی گئی ہے۔

۵۔انسان (اور جن) سے شعوری طور پر اپنی صلاحیتوں کا ایسا استعمال مطلوب ہے جو خالق کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

۶۔انسان (اور جن) سے اللہ کی اطاعت اختیار کرنے کا مطالبہ بھی جبر پر مبنی نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ○	بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ امتحان لیں اس کا اس لیے بنایا ہے ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا[۲]
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○	ہم نے دکھا دیا ہے اسے راستہ اب چاہے (بن جائے) شکر کرنے والا یا کفر کرنے والا[۳](۵)

یہی بات بڑے واضح انداز میں سورۃ الکھف میں بھی فرمادی گئی ہے:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ"	"اور کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے انکار کردے" (۵،الف)

منشائے تخلیقِ انسانی، مقصدِ زندگی اور ایمان یا کفر کے اختیار کرنے کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے فرمادیا کہ موت اور زندگی اس بات کی آزمائش ہے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے:

اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ[۲]	وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ آزمائش کرے تمہاری کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں۔[۲](۶)

شاعر چوں کہ پہلے انسان ہے لہٰذا اسے خسران سے بچنے کا نسخہ پہلے جاننا چاہیے جو سورۃ العصر میں واضح کردیا گیا ہے:

"وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○	"قسم ہے زمانے کی[۱] یقیناً، انسان خسارے میں ہے[۲] سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک عمل اور نصیحت کرتے رہے ایک دوسرے کو صبر کی۔(۷)

درج بالا آیات میں پوری نوع انسان کو خسارے میں دکھایا گیا ہے۔ استثنا صرف چار کام کرنے والوں کا ہے۔ یعنی جو لوگ [۱] ایمان قبول کریں [۲] ایمان کی روشنی ظاہر کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ اختیار کریں [۳] حق یعنی

دین کی طرف لوگوں کو بلائیں اور [۴] ایمان اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہیں۔

دراصل حق کی ترویج واشاعت ہی مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے۔ شاعر کو چوں کہ خصوصی صلاحیتوں سے نوازا جاتا ہے اس لیے اس پر حق کے پرچار کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں عرب دنیا میں پروپیگنڈے کا سب سے مؤثر ذریعہ شعر تھا۔ اسی لیے حضورِ انور جناب رسالت مآب ﷺ نے شعراء کو دین کی اچھائیاں ظاہر کرنے اور مخالفین کے ذاتِ نبوی پر رکیک حملوں کے جواب کے لیے ابھارا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس چیز کا قدرے تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا، یہاں ہم "حق اور صبر" کی تلقین کرنے والے فرد کے حوالے سے پیر محمد کرم شاہ الازہری کی نگارش کا اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں:

> "اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو مٹا کر نہ رکھ دے، وہ دریا ہی کیا ہوا جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشکِ فردوس نہ بنا دے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہءاثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کرلیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر واستقامت کا درس دیتے رہیں"۔(۸)

دنیائے آب وگل میں رہتے ہوئے خسارے سے بچنے کے لیے بنی نوعِ انسان کو جن الفاظ میں چار نکاتی پروگرام عطا کیا گیا ہے۔ تقریباً اسی لہجے اور انہی الفاظ میں شعراء سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْ م بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ط وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝	اور رہے شعراء تو چلا کرتے ہیں ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ ۝ کیا نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں ۝ اور بلا شبہ وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں ۝ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک عمل اور ذکر کیا اللہ کا کثرت سے اور بدلہ لیا انہوں نے اس کے بعد کہ زیادتی کی گئی ان پر اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی کہ کس انجام سے وہ دوچار ہوتے ہیں"۔(۹)

سورۂ العصر میں تمام بنی نوعِ انسان کو خسارے میں بتایا تھا اس کے بعد چار شرطوں کے پورا کرنے والے انسانوں کو خسارے سے محفوظ فرمایا گیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح شعراء کی پوری برادری کو ایسا ظاہر کیا گیا جس کے پیچھے چلنے

والے لوگ سب گمراہ ہیں اور شعراء بدرجہ اولیٰ گمراہ ہیں۔ پھر سورۃ العصر کا اسلوب برقرار کھتے ہوئے ایسے شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا جو ایمان لا کر اعمالِ صالحہ کے عملی مظاہرے کریں۔ لیکن سورۃ الشعراء میں موقع کی مناسبت سے جو تیسری شرط رکھی گئی وہ اللہ کے ذکر کی کثرت ہے۔ کیوں کہ شعراء اپنے کلام میں جس قدر بھی اللہ کا ذکر کریں گے، وہ دین کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بنے گا۔ (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے تفسیری حاشیے میں "وَذَکَرُ اللّٰہَ کَثِیْرًا" کی تشریح میں "فی الشعر" کے الفاظ ہی لکھے ہیں)۔ (۱۰)۔ چوتھی شرط یہ لگائی کہ دنیائے کفر کی جانب سے جو ہرزہ سرائی اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے حوالے سے کی جائے، اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے ظلم کے لیے بدلہ لینے کے ذکر سے مملو آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا"۔ (۱۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ بدلہ لیتے وقت بھی اعتدال کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں بھی مبالغہ آمیز جواب کی راہ مسدود کر دی گئی ہے۔

سورۃ العصر کا خطاب پوری نوعِ انسان سے تھا اور سورۃ الشعراء کی مذکورہ آیات میں شاعروں کی پوری برادری کو مخاطب کیا گیا ہے۔ دونوں مواقع پر اسلوب کی یکسانیت اس بات کی غماز ہے کہ ایمان، اعمالِ صالحہ، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی جو اہمیت بنی نوعِ انسان کے لیے ہے۔ انسانی معاشرے کے لیے "شاعروں" کے افعال (ان کی تخلیق [شعر] اور ان کے اعمال) کی اہمیت ویسی ہی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں متعدد بار اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی حضور محمد مصطفےٰ ﷺ شاعر نہیں ہیں۔ سورۃ یٰسٓ میں تو صاف صاف فرما دیا کہ فنِ شعر نبی ﷺ کے شایانِ شان ہی نہیں ہے اس لیے انہیں یہ فن نہیں سکھایا گیا۔

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ" "اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی ﷺ کو شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز" (۱۲)

نبی علیہ السلام کے لیے علمِ شعر کی نفی کا صاف مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ہر بات یقینی ہے جبکہ شعر میں تخیل کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ تخیل کسی قدر ہی راہِ راست پر کیوں نہ چلے "وحی" کے ذریعے عطا کیے جانے والے علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ جو قطعیت اور یقین کی کیفیت، وحی کے ذریعے عطا کیے جانے والے علم میں ہوتی ہے وہ انسانی کوشش سے لکھی جانے والی کسی تحریر میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود وحیِ ربانی کے تحت حاصل ہونے والی ہدایت اور اتباعِ نبوی میں عمل کی راست سمتی، جس کو بھی حاصل ہو جائے، وہ عام انسان بھی اللہ کا پسندیدہ بن جاتا ہے اور اگر وہ شاعر ہو تو اس کے مراتب اور بلند ہو جاتے ہیں۔ احادیث کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شعراء کے لیے اللہ کے نبی جناب رسالت مآب ﷺ سے تخاطب کا اسلوب اختیار کرنے کے حوالے سے قرآنِ کریم میں کیا احکامات ملتے

ہیں؟۔۔۔اس ضمن میں ہمیں امت کے عام لوگوں کے لیے جو اصول قرآنِ کریم میں ملتے ہیں انہی کا اطلاق شعراء پر بھی کرنا ہوگا۔ کیوں کہ شاعر پہلے رسول ﷺ کا امتی ہے اور بعد میں اپنے فنِ شعر کا مظاہرہ کرنے والا نظم گو ہے۔ محمد اکرم اعوان نے ''اسرار التنزیل'' میں بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''شاعر محض خیالی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں جبکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نہ کرتے ہیں اور نہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ سوائے ان شاعروں کے جو ایمان سے مالا مال ہوئے اور نیک اعمال اپنائے یعنی شعروں میں بھی نیکی، اللہ کی تعریف اور رسول اللہ ﷺ کی نعت اور اطاعت کی بات کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں، قلبی، عملی اور زبانی ہر طرح سے کہ ان کا شعر بھی اللہ کی یاد دلاتا ہے اور کفار کے مقابلہ میں ظلم کا جواب دینے کے لیے جنہوں نے شعر کہے یہ ان کا حق تھا کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ لہٰذا آپؐ کے متبع تو دنیا کے مثالی انسان ہیں''۔ (۱۳)

لفظ راعنا کے استعمال کی ممانعت:

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ط اے لوگو جو ایمان لائے ہو، راعنا نہ کہا کرو، بلکہ اُنظُرنا کہو، اور توجہ سے بات کو سنو! (۱۴)

ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم میں لکھا ہے:

> ''جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران میں یہودیوں کو بھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریے، ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجیے، تو وہ راعنا کہتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ذرا ہماری رعایت کیجیے یا ہماری بات سن لیجیے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا، جس کے معنی تھے ''سُن، تو بہرا ہو جائے''۔ اور خود عربی میں اس کے معنی صاحب رعونت اور جاہل واحمق کے بھی تھے۔ اور گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بھی بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو، تو ہم تمہاری سنیں۔ اور ذرا زبان لچکا دے کر راعینا بھی بنالیا جاتا تھا، جس کے معنی ''اے ہمارے چرواہے'' کے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرو اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو۔ یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیے یا ذرا ہمیں سمجھ لینے دیجیے۔ پھر فرمایا کہ ''توجہ سے بات کو سنو''، یعنی یہودیوں کو تو بار بار یہ کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ وہ نبی کی بات پر توجہ نہیں کرتے اور ان کی تقریر کے دوران میں وہ اپنے ہی خیالات میں الجھے رہتے ہیں، مگر تمہیں غور سے نبی کی باتیں سننی چاہییں تا کہ یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے''۔ (۱۵)

یہاں اس بات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے کہ مسلمان اور وہ بھی اصحاب رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے کوئی ایسا لفظ نہیں بول سکتے تھے جس میں

آپ ﷺ کی ذات کے لیے ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ راعنا، کے لفظ میں یقیناً اچھے معنی بھی تھے یعنی "ہماری رعایت فرمائیے یا ہماری بات بھی سماعت فرمالیجیے"۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ رب العزت مسلمانوں کے دلوں کا حال بھی جانتے تھے کہ وہ کبھی بھی اپنے نبی ﷺ کی توہین کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتے۔ ایسی صورت میں صرف یہ حکم دینا شاید کافی ہوتا کہ یہودی اس لفظ "راعنا" میں ذم کے پہلو تلاش کرتے ہیں، اے ایمان والو! تم اس لفظ کے استعمال میں محتاط رہنا!۔۔۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے اس لفظ ہی کو اسلامی لغت سے خارج کر دینے کا حکم آیا۔ اس کے بجائے "انظرنا" کا لفظ رائج کیا گیا جو ہر طرح اچھے معانی کا حامل تھا۔

سورۂ البقرۃ کی درج بالا آیت میں آنے والی ممانعت سے ظاہر ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے!۔۔۔ اس موقع پر مجھے سورۂ الحجر کی ایک آیت یاد آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ لوط علیہ السلام کے ذکر میں ان کی بدمستی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیارے نبی حضور ختمی مرتبت ﷺ کو "قسم" کھا کر یہ واقعہ سنایا۔ اور قسم بھی "حضورِ اکرم ﷺ" کی جان کی کھائی۔ فرمایا:

"لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○	"قسم ہے تمہاری جان کی (اے نبیؐ) بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے"۔(۱۶)

اسی حوالے سے غالبؔ نے شعر کہا تھا:

"ہر کس قسم بدآنچہ عزیزست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است"

[ہر کوئی اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اسے عزیز ہوتی ہے، چناں چہ خدا تعالیٰ، جانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قسم کھاتا ہے"۔(۱۷)

نبی علیہ السلام سے مُخَاطَبَت کے آداب:

سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے ایمان لانے والوں سے خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنے نبی حضور علیہ السلام سے مُخَاطَبَت کے آداب سکھائے ہیں:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ○ بلاشبہ وہ لوگ جو پست رکھتے ہیں اپنی آواز رسول اللہ کے حضور،

اِنَّ الَّـذِیْـنَ یُـنَـادُوْنَکَ مِـنْ وَّرَآءِ لْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ O

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے تقویٰ کے لیے ان کے لیے ہے مغفرت اور اجرِ عظیم O درحقیقت وہ لوگ جو پکارتے ہیں تمھیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر بے عقل ہیں O(۱۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''اس آیت طیبہ میں بھی بارگاہِ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جارہی ہے۔۔۔بتایا جارہا ہے کہ اگر تمھیں وہاں شرفِ باریابی نصیب ہو اور ہم کلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمھاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب واحترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذرا سی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے اعمالِ حسنہ ہجرت، جہاد، عبادات وغیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی یاایھا الذین امنوا سے خطاب ہو چکا تھا۔ یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیشِ نظر دوبارہ اہلِ ایمان کو یاایھا الذین امنوا سے خطاب کیا۔ انھیں جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول و نامقبول ہونے کا انحصار ہے''۔(۱۹)

حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر اب بھی اپنی آواز پست رکھنے کا حکم برقرار ہے۔ عام زندگی میں حکمِ قرآن اور حکمِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرا سی بھی سرتابی، ایسی ہی ہوگی جیسے حضورِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں اپنی آواز کا بلند کرنا۔ چناں چہ یہ لازمی ہے کہ قرآن وحدیث کا واضح حکم پا کر کوئی مسلمان اپنی رائے نہ دے۔

شعراء کا ہر شعر مُخاطَبَت کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے تصور میں کائنات کی صامت اشیاء سے بھی مخاطبت کے عادی ہوتے ہیں۔ اپنے مجازی محبوب کو بھی اس کی غیر موجودگی میں موجود تصور کر کے ہی شاعری کرتے ہیں۔ اس لیے حضورِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں نعت لکھتے ہوئے ان کا یہ تصور کہ وہ خود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہیں، بڑا قوی ہونا چاہیے۔ ایسی صورت میں ان کا تخاطبہ، اپنے آقا ﷺ سے کس نوعیت کا ہونا چاہیے اس کا انھیں ہر لفظ لکھتے ہوئے خیال رکھنا پڑے گا۔ غرضیکہ قرآن کریم کی درجِ بالا آیات اور ان کی تفسیر سے شعراء کو نعت کے لیے آداب سیکھنے چاہییں۔

حکمِ ''صلوٰۃ علی النبی ﷺ'':

قرآنِ کریم میں صلوٰۃ علی النبی ﷺ کا حکم ''نعت'' نگاری کے حوالے سے اہم ترین حکم ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا ہے کہ:

''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ ''بلاشبہ اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر،اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو○''۔(۲۰)

قرآن کریم کی درج بالا آیت سے قبل بھی ایک آیت میں ''یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ'' کے الفاظ آئے ہیں،ذرا ان کا ذکر ہوجائے۔سورۂ احزاب ہی کی آیت نمبر ۴۳ میں ہے:

''هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا○ ''وہی ہے جو رحمت فرماتا ہے تم پر اوراس کے فرشتے بھی (تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ نکال لائے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہے وہ مومنوں پر بہت مہربان''۔(۲۱)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿هوالذی یصلی علیکم﴾ کے معانی لکھے ہیں ''یغفر لکم''، اور ﴿وملائکته﴾ کے معانی لکھے ہیں ''یستغفرون لکم''۔(۲۲) ان الفاظ کی تفسیر میں شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی نے لکھا:

''وہ اللہ تم پر اپنی رحمت اتارتا ہے،تم کو بخشتا ہے،اس کے فرشتے تمہارے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں''۔(۲۳)

اب اس حکمِ الٰہی کو سمجھنے کے لیے تفسیر سے رجوع کرتے ہیں جو صلوٰۃ علی النبی کے حوالے سے سورۂ احزاب کی محولہ بالا آیت ۵۶ میں آیا ہے۔پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''اس آیت کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔آیتِ کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔[۱] اللہ تعالیٰ [۲] فرشتے [۳] اہل اسلام۔

جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کرتا ہے۔فھی منه عزوجل ثناء ہ علیه عندالملائکه و تعظیمه۔[رواہ بخاری عن ابی العالیه]۔

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں تو تعظیمه تعالیٰ ایاہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ و اظہار دینه و ابقاء العمل بشریعته و فی الآخرۃ تبشفیعه فی امته و اجزال اجرہ و مثوبته و ابداء فضله للاولین بالمقام المحمود و تقدیمهٗ علی کافة المقربین بالشہود'' (ترجمہ) اللہ تعالےٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کرکے،اس کے دین کو غلبہ دے کر اوراس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت وشان بڑھاتا ہے اور روزِ محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت

قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا کر کے اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔

اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ و ملائکتہ 'الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔۔۔ تو اے اہلِ ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعت شان کے لیے دعا مانگا کرو۔۔۔ اس آیت میں ہمیں بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔ (۲۴)

قرآنِ کریم فرقانِ حمید کی زیرِ غور آیت کے تحت اگر ہم حضور علیہ السلام کی رفعتِ شان کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کا اعلانِ ربانی سامنے رکھیں تو بات اور واضح، صاف اور اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ ط اور بلند کر دیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا ذکر

(۲۵)

اس سورہ کے تفسیری حاشیے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

'' پھر آیت آئی کہ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند نہیں کیا اور اس کو شائع نہیں کیا، ہم نے اپنے نام کے ساتھ آپ کے ناموں کو ملا کر اذان و اقامت و دعا و کلمہ شہادت میں ذکر نہیں کیا کہ جب ہمارا ذکر ہو تو آپ کا ذکر بھی ساتھ ہی ہو؟، حضور ﷺ نے اقرار کیا اور کہا: نعم [ہاں]''۔ (۲۶)

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کی شہادت ہر زمانے میں ملتی رہی ہے۔ اذان، اقامت، دعا و کلمہء شہادت کے علاوہ انسانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم فرمایا کہ امت کا ہر فرد زیادہ سے زیادہ حضورِ اکرم ﷺ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہتا ہے۔ شعراء کو تو خصوصی طور پر یہ وصف عطا ہوا ہے کہ آپ ﷺ کا ذکر محبت بھرے تخلیقی لہجے میں کرتے رہیں۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی حضورِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت کے گن گاتے رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

حق بات کہنے کا حکم:

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔

یعنی اللہ کو جو بات ناپسند ہے، اس سے پرہیز کرو، ایذاءِ رسول کا ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے سدیدًا کا ترجمہ کیا ہے "صحیح بات"۔ قتادہ نے کہا: انصاف کی بات۔ بعض نے کہا: سیدھی بات۔ کچھ لوگوں نے کہا: حق تک پہنچنے کا قصد رکھنے والی بات۔ تمام اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے یعنی سچی بات جو قطعاً جھوٹ نہ ہو اور نہ اٹکل پر مبنی ہو۔ کیوں کہ جھوٹ فنا ہو جاتا ہے اور سچ باقی رہتا ہے"۔ (۲۷)

کام میں نفاست کا حکم:

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں خبر دی:

"وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ○ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ... "اور ہم نے ان [داؤدؑ] کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا۔ جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے۔۔۔ [ہم نے ان کو حکم دیا] کی ایسی کشادہ پوری لمبی زرہیں بناؤ جو زمین میں گھسٹتی چلیں۔ اور [کڑیوں کے جوڑنے میں] اندازہ رکھو۔ [سرد۔ کھال کو سینا، مجازاً مراد ہے زرہ بننا، یعنی زرہ کی بناوٹ میں ایک خاص انداز رکھو، کڑیاں اور کیلیں خاص تناسب کے ساتھ بناؤ۔ نہ اتنی پتلی کہ پھٹ جائیں، نہ اتنی موٹی کہ کڑیاں ٹوٹ جائیں"۔ (۲۸)

یہاں اس بات کا احساس دلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو زرہ بنانا سکھایا تھا تو اس کام میں نفاست پیدا کرنے کی تعلیم بھی دی تھی۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے یہ نکتہ بیان کیا ہے:

"جو کام کرو بڑے سلیقہ اور ہنرمندی سے کرو، جو چیز بناؤ اس میں پختگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے دلی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیبا نہیں"۔ (۲۹)

اللہ تعالیٰ کی صنعت میں کوئی کجی نہیں ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌO".

"وہ ذات جس نے بنائے سات آسمان تہ بہ تہ ،نہ دیکھو گے تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بے ربطی۔ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو بھلا نظر آتا ہے تم کو کوئی خلل؟O پھر دوڑاؤ نظر بار بار پلٹ آئے گی تمہاری طرف نگاہ تھک کر اور وہ نامراد ہوگی (خلل کی تلاش میں)(۳۰)

ان آیات کلام اللہ سے شاعر اپنے کلام کو آراستہ کرنے کا درس لے سکتا ہے۔کیوں جب اللہ تعالیٰ زرہ جیسی مادی شے کے بنانے میں سلیقے اور معیار کو برقرار رکھنے کا حکم دے رہا ہے تو غیر مادی اور آفاقی قدروں کے ہنر"شاعری" میں نہ تو فکری کجی پسند فرمائے گا اور نہ ہی بیان میں جھول کو سند قبول سے نوازے گا۔اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھی جبلتاً گھونسلے بنا نا سکھایا ہے اور بعض پرندے بڑی نفاست سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں۔شاعر کو جو صلاحیتِ شعر گوئی ودیعت کی گئی ہے اور جو شعور عطا کیا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ بھی اپنی تخلیق کو سنوارے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کی داد لینے کے لیے اس میں کجی کی نفی نہیں فرمائی ہے بلکہ انسان کو اپنی بے داغ تخلیقات کی طرف اس لیے متوجہ کیا ہے کہ وہ غور وفکر سے کام لے۔اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے،اس لیے انسانی کوشش سے وجود میں آنے والی اشیاء اور لطیف تخلیقات میں بھی حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔

خلاصہء کلام:

قرآن کریم کی جو آیات ہم نے حوالے کے طور پر اوپر نقل کی ہیں ان سے حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت کے اظہار کے ساتھ ساتھ امت کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کی بلندی میں شامل ہونے کی ترغیب بھی ملتی ہے اور شعراء کے لیے رہنمائی بھی کہ کس طرح حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت میں زبان کھولیں اور کس طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنا نذرانہء عقیدت و محبت پیش کریں۔کس طرح آپ ﷺ سے مخاطب ہوں؟علاوہ ازیں تخلیق کے معیار کے اشارے بھی آیاتِ الٰہیہ سے متبادر ہیں۔

ان آیاتِ قرآنی میں معانی کا ایک جہان آباد ہے۔ہر آیت کا ہر لفظ اپنی تشریحات کے لیے عمرِ خضر کا متقاضی ہے۔پورا قرآنِ کریم ہی حضورِ اکرم کی شان کے بیان سے مملو ہے۔۔۔ع ہمہ قرآن در شانِ محمد (ﷺ)،اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کی ہر آیت انسان کو تعلیم جمال دینے کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم نے اختصاراً شعراء اور نقادانِ شعر کے لیے نعت کے متن کی تحسین اور پرکھ کے لیے چند آیات کا حوالہ دے کر سمت نمائی کا فریضہ انجام دینے کی سعی کی ہے، اور بس۔

۳- احادیث میں شعری تحسین کے نمونے اوران کا تقی جائزہ:

قرآنِ کریم میں شعروشاعری اور شعراء کے لیے حزم واحتیاط کے جو اصول لفظوں میں بیان کیے گئے ہیں، اللہ کے نبی جنابِ رسالت مآب ﷺ نے عملی طور پر ان اصولوں کی نگہداری کا مظاہرہ فرما کر دنیائے اسلام میں شعروشاعری کے آفاقی اصولوں کو نقش کالحجر کر دیا ہے۔

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے اپنی پسند اور ناپسندیدگی ظاہر فرما کر شعر کا معیار قائم فرمادیا۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ جب سورۂ شعراء کی محولہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ان میں استثنائی آیات نہیں تھیں، اس پر عبداللہ بن رواحہؓ، کعبؓ بن مالک اور حسانؓ بن ثابت حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے:

> ''یا رسول اللہ! اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں، اب ہم تو غارت ہو گئے۔ اس پر اللہ نے آیت "اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا...... نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں''۔ (۳۱)

امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف میں کچھ احادیث ''بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ'' (بیان اور شعر کا بیان) کے تحت جمع کی ہیں۔ ہم ان احادیث سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (رواہ البخاری)

۱۔ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض بیان سحر ہوتا ہے''۔

۲۔ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً (مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ)

۲۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

۳۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلَاثًا (رواہ مسلم)

۳۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے یہ کلمات تین مرتبہ فرمائے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

۴۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهٖ وَلِسَانِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَكَاَنَّمَا تَرْمُوْنَهُمْ بِهٖ نَضْحَ النَّبْلِ. (رواہ فی شرح السنۃ)

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن شخص کفار کے ساتھ اپنی تلوار اور زبان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم کفار کو شعر اس طرح مارتے ہو جس طرح تیر مارا جاتا ہے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)(۳۲)

درج بالا احادیث میں ایک حدیث، بعض اشعار میں حکمت کے عنصر کی موجودگی ظاہر کرتی ہے۔ اس حدیث مبارک کو اگر ہم قرآنِ کریم کی ایک آیت سے ملا کر پڑھیں تو بات اور روشن ہو جاتی ہے:

"وَمَنْ يُّؤتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط" "اور جسے مل گئی حکمت سو در حقیقت مل گئی اسے خیر کثیر"۔(۳۳)

اب اس حدیث میں بیان کردہ حقیقت اور واضح ہوگئی۔ حضور اکرم ہی نے ایک اور مقام پر فرمایا:

"اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ، حَيْثُ مَا وَجَدَ هَا فَهُوَ احَقُّ بِهَا "(راہ ابن ماجہ) "کلمہء حکمت تو مومن کی متاع گم شدہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حقدار ہے"۔(۳۴)

اس سے ظاہر ہوا کہ حکمت کی باتیں غیر مسلموں کے ہاں بھی مل سکتی ہیں۔ یہ الگ بات کہ حکمت سے آگاہ ہونے کے باوجود غیر مسلموں نے سب سے بڑی حکمت "الٰہِ واحد کی پہچان" تک رسائی حاصل نہ کی۔

حکمت کی باتوں کی شعروں میں موجودگی کو جنابِ رسالت مآب محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی سراہا ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ بلوغ الارب میں لکھا ہے کہ عنترۃ بن شداد العبسی کے اشعار، حضور اکرم نے سماعت فرما کر اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ عنترۃ بن شداد العبسی کے اشعار درج ذیل ہیں:

بَكَرَتْ تُخَوِّ فُنِيَ الْمَنُوْنَ كَاَنَّنِيْ	"اس نے جلدی سے مجھے موت سے ڈرایا
اَصْبَحْتُ عَنْ غَرَضِ الْمَنُوْنِ بِمَعْزِلٍ	جیسا کہ میں موت کے نشانے سے ہٹ کر ایک
فَاَجَبْتُهَا اِنَّ الْمَنِيَّةَ مَنْهَلٌ	طرف ہوگیا ہوں۔ میں نے اسے جواب دیا
لَا بُدَّ اَنْ اُسْقَى بِكَاسِ الْمَنْهَلِ	کہ موت تو ایک گھاٹ ہے (جہاں سب کو
فَاقْنَيْ حَيَاءَ كِ لَا اَبَا لَكِ وَاعْلَمِيْ	وارد ہونا ہے) مجھے بھی ضرور اس گھاٹ کا
اِنِّيْ امْرُؤٌ سَاَمُوْتُ اِنْ لَمْ اُقْتَلِ	پیالہ پلایا جائے گا۔ تمھارا باپ مرے۔ حیا
اور جب اس کا یہ شعر پڑھا گیا	کرو اور یہ جان لو کہ اگر میں قتل نہ بھی ہوا تو
وَلَقَدْ اَبِيْتُ عَلَى الطَّوَى وَاَظَلُّهُ	جب بھی عنقریب مر جاؤں گا۔۔۔ میں دن
حَتّٰى اَنَالَ بِهٖ كَرِيْمَ الْمَاكَلِ	بھر بھوکوں گزار لیتا ہوں اور رات بھی، کھاتا
	اس وقت ہوں جب عزت کی روٹی ملے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی بدوی نہیں ہے جس کے اوصاف میرے سامنے بیان کیے گئے ہوں اور مجھے اس کے دیکھنے کی خواہش ہوئی ہو، سوا عنترۃ کے"(۳۵)

عنترۃ کے آخری شعر میں حلال رزق اور عزت کی روٹی کمانے کی طرف جو اشارہ ہے وہ عین اسلامی تعلیم کے مطابق ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کے اشعار پسند بھی فرمائے اور اس کی فکر کی تعریف فرماتے ہوئے اس سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَبِيْد کے شعر کی تعریف فرمائی اور اُمَيَّةُ بْنِ اَبِي الصَّلْتْ کو اسلام سے قریب تر فرمایا:

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَا لَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : ((اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَا لَھَا الشَّاعِرُ کَلِمَۃُ لَبِیْدٍ)) اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَا طِلٌ، وَ کَادَ اُمَیَّۃُ بْنُ اَبِیْ الصَّلْتِ اَنْ یُسْلِمَ.

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ سچا کلام جو شاعروں نے کہا لبید کا یہ مصرع ہے 'حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے معدوم ہے (یعنی فنا ہونے والا ہے) اور امیہ بن ابی ا لصلت شاعر تو قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے! (۳۶)

محمود شکر آلوسی نے بلوغ الارب جلد چہارم میں امیہ بن ابی ا لصلت کے حوالے سے بتایا ہے:

"اس نے توحید اور حکمت میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کے اشعار مومن کے سے اشعار ہیں مگر دل کافر کا سا"۔ (۳۷)

اسی امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سننے کی حضور اکرم ﷺ نے فرمائش بھی کی:

"وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِؓ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ ھَلْ مَعَکَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّۃَ بْنِ اَبِیْ الصَّلْتِ شَیْءٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ھِیْہِ فَاَنْشَدْتُہُ بَیْتًا .فَقَالَ ھِیْہِ ثُمَّ اَنْشَدْتُہُ بَیْتًافَقَالَ ھِیْہِ حَتّٰی اَنْشَدْتُہُ مِائَۃَ بَیْتٍ

"عمرو بن شرید اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہا ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا امیہ بن صلت کے اشعار تجھ کو یاد ہیں میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا پڑھو میں نے آپ کو ایک بیت سنایا۔ فرمایا اور پڑھو پھر میں نے ایک بیت پڑھا فرمایا اور پڑھو میں نے (تقریباً) سو اشعار آپ کو سنائے (روایت کیا اس کو مسلم نے) (۳۸)

صاحب بلوغ الارب نے امیہ بن صلت کے کچھ اشعار دیئے ہیں۔ ہم تین اشعار یہاں نقل کرتے ہیں تا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پسندیدگی کی وجہ معلوم ہو سکے۔

أأذْکُرُ حَاجَتِیْ اَمْ قَدْ کَفَانِیْ حَیَاؤُکَ؟ اِنَّ شِیْمَتَکَ الْحَیَاءُ
کیا میں اپنی حاجت کا ذکر کروں یا تمہارا حیا ہی کافی ہے، کیوں کہ حیا تمہاری سرشت ہے۔

وَعِلْمُکَ بِالْحُقُوْقِ وَ اَنْتَ قَرْمٌ لَکَ الْحَسَبُ الْمُھَذَّبُ و السَّنَاءُ
تم لوگوں کے حقوق سے بخوبی واقف ہو تم عظیم المرتبہ سردار ہو، تمہارے کارنامے شائستہ ہیں، تمہیں رفعت حاصل ہے۔

کَرِیْمٌ لَا یُغَیِّرُہُ صَبَاحٌ عَنِ الْخُلُقِ الْجَمِیْلِ وَلَا مَسَاءُ
یہ ایسا شریف انسان ہے جسے صبح و شام (کی گردش) اچھے اخلاق سے پھیر نہیں سکتی۔ (۳۹)

ان تینوں اشعار میں اخلاقی مضامین آئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ اخلاقی صفات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ غالباً ایسے ہی اشعار سماعت فرما کر حضور انور ﷺ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہوگا!

حضور اکرم ﷺ جب خیبر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو ایک صاحب عامر بن الاکوع نے حدا کے اشعار

پڑھنے شروع کیے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ بتایا گیا عامر بن الاکوع تو آپؐ نے فرمایا: ''یَرْحَمُهُ اللّٰه'' [یہ ان کی شہادت کی طرف اشارہ تھا، چنانچہ وہ خیبر میں شہید ہو گئے]۔ جو اشعار حضرت عامر بن الاکوع نے پڑھے تھے وہ بخاریؒ نے نقل کیے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   گر نہ ہوتی تیری رحمت اے شہ عالی صفات
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا   تو نمازیں ہم نہ پڑھتے اور نہ دیتے ہم زکوٰۃ
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا   تجھ پہ صدقے جب تلک دنیا میں زندہ ہم رہیں
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا   بخش دے ہم کو لڑائی میں عطا فرما ثبات
وَاَلْقِيَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   اپنی رحمت ہم پہ نازل کر شہِ والا صفات
نَا اِذَاصِيْحَ بِنَا اَتَيْنَا   جب وہ ناحق چیخئے سنتے نہیں ہم ان کی بات
وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا   چیخ چلا کر انہوں نے ہم سے چاہی ہے نجات

(۴۰)

اسی طرح بعض مواقع پر حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، میں سے کسی نے کچھ اشعار پڑھے اور حضور ﷺ نے سماعت فرمائے اور کبھی کبھی خود بھی کوئی شعر پڑھ دیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

''عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ   انس بن مالکؓ [سے روایت ہے] کہ آنحضرت
قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ:   نے [خندق کھودتے وقت] یہ شعر پڑھا:
لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ   ہے زندگی تو آخرت کی زندگی جو ہے سدا
فَاَصْلِحِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ   نیک کر انصار اور پردیسیوں کو اے خدا (۴۱)

ایک اور روایت خندق کھودتے ہوئے شعر پڑھنے کی اس طرح بھی ہے:

''عَنْ اَنَسِ ابْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ   انس ابن مالکؓ [سے روایت ہے کہ] انصار خندق
قَالَ: كَانَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ تَقُوْلُ:   کے دن یہ شعر پڑھتے تھے:
نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا   اپنے پیغمبر محمدؐ سے یہ بیعت ہم نے کی
عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيِيْنَا اَبَدًا   جب تلک ہے زندگی لڑتے رہیں گے ہم سدا
فَاَجَابَهُمْ:   آنحضرت ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:
اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ   زندگی جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کی زندگی
فَاَكْرِمِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَةِ   قدر کر انصار اور پردیسیوں کی اے خدا (۴۲)

علاوہ ازیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے موقع پر بھی اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، شعر پڑھتے تھے اور حضورِ اکرم ﷺ ان کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ وہ شعر درج ذیل ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرَ الْآخِرَةِ فائدہ جو کچھ کہ ہے وہ آخرت کا فائدہ
فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَةِ کرمدد انصار اور پردیسیوں کی اے خدا(۴۳)

حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اشعار سماعت فرمائے اور پسندیدگی کے اظہار کے طور پر اپنی چادر عطا فرمائی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے تفصیلاً ان کے ایمان لانے کا واقعہ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ پہلے پہل وہ اپنے بھائی کے ایمان لانے پر مشتعل ہو کر حضورِ اکرم ﷺ کی شان اقدس میں کچھ ہجو یہ اشعار کہہ بیٹھے اور جب ان اشعار کی بنیاد پر رسولِ کریم ﷺ کی طرف سے ان کا خون مباح قرار پایا تو ڈر کے انہوں نے توبہ کا ارادہ کیا اور ایک مدحیہ قصیدہ "بانت سعادُ" لے کر سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی اجازت سے شعر پڑھنا شروع کیا اور جب درجِ ذیل شعر پڑھا تو حضور ﷺ نے اپنی چادر شاعر کو عطا فرمادی:

"ان الرسول لنور يستضاء بـه "رسول اللہ (ﷺ) ایک نور ہیں جن سے
وصارم من سيوف الهند مسلول" اجالا حاصل کیا جاتا ہے، اور وہ نور ایک مضبوط
فولاد کی بے نیام تلوار کے مانند ہے"(۴۴)

عبداللہ عباس ندوی نے فوٹ نوٹ میں لکھا ہے:

"دوسری روایت کے مطابق "و صارم من سيوف الله مسلول" (اللہ کی تلواروں سے ایک برہنہ تلوار ہے)۔(۴۵)

لیکن مشہور یہ ہے کہ شاعر نے "سیوف الھند" کہا تھا" اور حضورِ اکرم ﷺ کی اصلاح کے بعد "سیوف اللہ" پڑھا تھا۔ اس واقعے کو علامہ اقبال نے مثنوی رموزِ بیخودی میں نظم کیا ہے:

پیشِ پیغمبر ؐ چو کعبؓ پاک زاد
ہدیہ آورد از "بانت" سعاد
در ثنائش گوہرِ شب تاب سفت
سیف مسلول از "سیوف الھند" گفت
آں مقامش بر تر از چرخِ بلند
نامدش نسبت باقلیمے پسند
گفت "سیف ِ من سیوف اللہ" گو
حق پرستی، جز براہِ حق مپو

ایک پاک فطرت حضرت کعبؓ نے حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں "بانت سعادُ" کے عنوان سے قصیدہ پیش کیا۔ اس قصیدے میں گویا الفاظ کے موتی رولے تھے۔ ایک جگہ آپ ﷺ کو ہندی تلواروں میں سے برہنہ تلوار کی تشبیہ دی تو آپ ﷺ نے، جن کا رتبہ آسمانوں سے بھی بلند ہے، کسی ملک سے اپنی نسبت کو پسند نہیں فرمایا۔ انہیں اصلاح دیتے ہوئے فرمایا "سیف من سیوف اللہ"

کہو۔تم حق پرست ہو، سوائے حق پر چلنے کے دوسری
راہ اختیار مت کرو"۔(۴۶)

لیکن علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت کا ذکر ہمیں "مدارج النبوت" مصنفہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، میں بھی نہیں ملا۔انہوں نے کعب بن زہیرؓ کے شعر کا پہلا مصرع بھی مختلف لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس نے کہا "اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِهٖ" بے شک یہ رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ "مُهَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلٌ" ۔اللہ کی تلواروں میں سے تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی"۔(۴۷)

فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑ سکتے کہ کونسی روایت زیادہ صحیح ہے؟ تاہم علامہ اقبال کی بیان کردہ روایت اس لیے مضبوط لگتی ہے کہ ایک ہی مصرع دو طرح سامنے آیا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ شاعر نے خود ہی دونوں طرح پڑھا ہو۔ارشاد شاکر اعوان کی کتاب "عہدِ رسالت میں نعت" (مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۱) اور ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مضمون "نعت اور نقدِ نعت" (نعت رنگ ۱۵ میں صفحہ ۱۸۳) میں حضور ﷺ کی اصلاح کا ذکر ملتا ہے، لیکن حوالہ نہیں ملتا۔سند کا درجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، یہ روایت ہے، بہت مشہور۔فکری بلندی عطا کرنے کے حوالے سے یہ اصلاح، حضور اکرم ﷺ کے اعلیٰ شعری ذوق اور بے پناہ تنقیدی شعور کی غماز ہے۔نعتیہ شاعری کی تنقید میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی یہ اصلاح ابدالآباد تک نقادوں کی رہنمائی کے لیے منارۂ نور رہے گی۔

اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ نے خود بھی بعض اشعار پڑھے تھے۔حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ:

"اَبَا هُرَیْرَةَ فِیْ قَصَصِهٖ یَذْكُرُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ:
((اِنَّ اَخَالَكُمْ لَا یَقُوْلُ: الرَّفَثَ)) یَعْنِیْ بِذَالِكَ
ابْنُ رَوَاحَةَ قَالَ:
فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ یَتْلُوْ كِتَابَهٗ
اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعٌ
اَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوْبُنَا
بِهٖ مُوْقِنَاتٌ اَنَّ مَا قَالَ وَاقِعٌ
یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَهٗ عَنْ فِرَاشِهٖ
اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِیْنَ الْمَضَاجِعُ
(۴۸)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ حالات اور قصے بیان کرتے کرتے آنحضرت ﷺ کا ذکر کرنے لگے۔آپ ﷺ فرماتے تھے، تمہارا بھائی (شاعر) جو بیہودہ نہیں بکتا وہ یوں کہتا ہے۔آپ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ کو مراد لیا:

ایک پیغمبر خدا کا پڑھتا ہے اس کی کتاب
اور سناتا ہے ہمیں جب صبح کی پو پھٹتی ہے
ہم تو اندھے تھے اسی نے راستہ بتلا دیا
بات ہے اس کی یقینی دل میں جا کر کھبتی ہے
رات کو رکھتا ہے پہلو اپنے بستر سے الگ
کافروں کی خواب گہہ کو نیند بھاری کرتی ہے

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے ہجو کے جواز کے لیے بہت پتے کی بات کی ہے:

''ہجو کفار تقابلی سیاست میں ایک ضرورت کے طور پر اپنی اہمیت منوالیتی ہے کیوں کہ مدِ مقابل کا ہر حربہ ناکام کرنا جنگ میں اپنے دفاع کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو آنحضرت ﷺ نے اس کی ترغیب دی اور شعر کو بطور دفاع استعمال کرنے پر تحسین فرمائی''۔ (۴۹)

اس سلسلے میں حضرت حسانؓ کے انتخاب اور ان کے اعزاز کے معاملات پر کچھ احادیث درج ذیل کی جاتی ہیں:

''عَنِ الْبَرَآءِ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ قُرَیْظَۃَ لِحَسَّانِ ابْنِ ثَابِت اُھْجُ الْمُشْرِکِیْنَ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ مَعَکَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِحَسَّانِ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ''

''براءؓ سے روایت ہے کہ قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کہو، جبریلؑ تمہارے ساتھ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حسانؓ کے لیے فرمایا کرتے تھے میری طرف سے جواب دو۔ اے اللہ، روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما''۔ (۵۰)

مسجد میں منبر رکھوا کر شاعری سننے کی نظیر بھی خوب ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے:

''عَنْ عَآئِشَۃَ ؓ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَضَعُ لِحَسَّانِ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْہِ قَائِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ یُنَافِحُ وَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے تھے وہ اس پر کھڑے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فخر کرتے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مدافعت کرتے، رسول اللہ ﷺ فرماتے جب تک حسانؓ میری طرف سے فخر یا مدافعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ، جبریلؑ کے ذریعے اس کی مدد کرتا ہے''۔ (۵۱)

شاعری کے اچھے اور برے ہونے کا معیار وہی ہے جو ایمان اور اعمالِ صالحہ سے مشروط زندگی کے لیے ہے، کہ اس میں ہر وہ کام جو اللہ کی مرضی کے تابع، سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں اور انسانیت کی فلاح کے لیے ہے، وہ خیر ہے باقی سب شر۔ چناں چہ حضورِ اکرم ﷺ نے بڑے بلیغ انداز میں فرمادیا:

''عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالی عنھا قَالَتْ ذُکِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے شعر کا تذکرہ ہوا آپ ﷺ نے فرمایا ''شعر کلام ہے، اس کا اچھا، اچھا ہے، اگر کلام برا ہے وہ برا ہے۔ روایت کیا اس کو دار قطنی نے اور شافعی نے عروہ سے مرسل بیان کیا۔ (۵۲)

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ شعر کے مافیہ (Content) سے اس کی اچھائی برائی ظاہر ہوتی ہے، محض اسلوب سے نہیں۔ اسلوب سے تو شعر خوشنما یا بدنما لگ سکتا ہے لیکن مغز تو اس کے معانی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب

ﷺ نے امرا ؤ القیس (جس نے اسلام سے چالیس سال قبل کا زمانہ پایا تھا) کے بارے میں حسبِ ذیل رائے ظاہر فرمائی:

"اَشْعَرُ الشُّعَرَاءُ وَقَائِدُ هُمْ اِلَى النَّارِ" "یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے"۔(۵۳)

حضورِ اکرم ﷺ کے درج بالا تنقیدی تبصرے کے حوالے سے علامہ اقبال نے لکھا:

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امراء القیس کی شاعری میں وہ کون سی باتیں ہیں جنہوں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے یہ رائے ظاہر کروائی۔ امراء القیس کے دیوان پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں شرابِ ارغوانی کے دور، عشق و حسن کی ہوش ربا داستانوں اور جاں گداز جذبوں، آندھیوں سے اڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈروں کے مرثیوں، سنسان، ریتلے ویرانوں کے دل ہلا دینے والے منظروں کی تصویریں نظر آتی ہیں اور یہی عرب کے دورِ جاہلیت کی کل تخیلی کائنات ہے۔ امراء القیس، قوتِ ارادی کو جنبش میں لانے کے بجائے اپنے سامعین کے تخیل پر جادو کے ڈورے ڈالتا ہے اور ان میں بجائے ہوشیاری کے بے خودی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنونِ لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، یہ کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل السافلین کا تماشا دکھا دے۔ شاعری دراصل ساحری ہے اور اس شاعر پر حیف ہے جو قومی زندگی کے مشکلات و امتحانات میں دل فریبی کی شان پیدا کرنے کی بجائے فرسودگی و انحطاط کو صحت اور وقوت کی تصویر بنا کر دکھا دے اور اس طور پر اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف لے جائے"۔(۵۴)

اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ نے جو عنترہ کا شعر (ولقد ابیت علی الطویٰ و اظلہ ☆حتیٰ انال بد کریمُ الماکل۔[ترجمہ] میں نے بہت سی راتیں محنت مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکلِ حلال کے قابل ہو سکوں) سن کر اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ علامہ اقبال نے لکھا:

"رسول اللہ ﷺ نے جو عزت عنترہ کو بخشی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ عنترہ کا شعر ایک صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی، بولتی چالتی تصویر ہے۔ حلال کمائی میں انسان کو جو سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، جو کڑیاں جھیلنی پڑتی ہیں، ان کا نقش پردۂ خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔ حضور خواجۂ دو جہاںؐ (بابی وانت وامی) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی ہے اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت حیاتِ انسانی کے تابع ہے، اس پر فوقیت نہیں رکھتی"۔(۵۵)

خلاصہ ءکلام:

قرآن واحادیث کے مطالعے سے جو نتائج اخذ ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت نے جو صلاحیت جس انسان کو بھی دی ہے اس صلاحیت کا استعمال اللہ کی مرضی اور منشائے تخلیق کے مطابق ہوتو جائز ورنہ ناجائز۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے ذریعے اچھی اور انسانی فلاح کی باتوں کو پسند فرمایا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عملاً ایسے نظائر قائم فرمائے ہیں کہ امت کے ہر فرد کے ذہن میں کھرے کھوٹے کا معیار پیوست ہو جائے۔

۳۔ شاعری بھی اللہ کی عطا کردہ صلاحیت کے تحت وجود میں آتی ہے، اس لیے اس کی اچھائی برائی بھی دینی معیارات کے تحت ہی طے کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے جنابِ نبیء کریم ﷺ نے اچھی شاعری کو خود دہرایا بھی، اچھی شاعری سماعت بھی فرمائی اور اچھی شاعری پر انعام بھی عطا کیا۔ یہ اعزاز بھی صرف اور صرف شاعر کے حصے میں آیا کہ دینی خدمت کے لیے وقف شاعری کرنے پر اسے (حضرتِ حسانؓ کو) مسجدِ نبوی میں منبر پر بیٹھ کر اپنی شاعری پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

۴۔ بری شاعری (بلحاظِ مضمون) کرنے یا اسے پڑھنے کے حوالے سے بھی حضور علیہ السلام نے دوٹوک رائے دے دی۔ کلام میں مبالغہ کرنے والوں کی ہلاکت کا پیغام بھی حدیث شریف میں دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بری شاعری کے سلسلے میں ذرا سخت الفاظ میں مذمت بھی ملتی ہے۔ مثلاً

"عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیؓ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ نَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِالْعَرْجِ اِذْ عَرَضَ شَاعِرٌ یُنْشِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خُذُوْا الشَّیْطَانَ اَوِ اَمْسِکُوْا الشَّیْطٰنَ لَاَنْ یَمْتَلِیءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَمْتَلِیءَ شِعْرًا".

"ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرج مقام میں چل رہے تھے ایک شاعر شعر پڑھتا ہوا سامنے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑو۔ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار کے ساتھ بھرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے) (۵۶)

اس حدیث کا مطالعہ، امراءالقیس کی شاعری پر حضورِ اکرم ﷺ کے تبصرے کے ساتھ کریں تو بات اور واضح ہو جاتی ہے۔

۵۔ شاعری میں حسنِ بیان اور ظاہری جمال کو بھی حضورِ اکرم ﷺ نے سراہا ہے، تبھی تو امراءالقیس کو "اشعر الشعراء" فرمایا۔

۶۔ اس سے متبادر ہوا کہ شاعری میں جہاں مافیہ، نفسِ مضمون یا Content کی اہمیت ہے وہیں حسنِ بیان کی بھی اہمیت ہے۔

۷۔ بیان کا زبان کے عام معیارات کے تابع ہونا، بیان کے جمالیاتی تقاضوں کو پورا کرنا اور فن کے مروجہ معیارات کا لحاظ رکھ کر بات کرنا، باعثِ تحسین ہے۔

۸۔اچھے شعر کی شرط صرف مافیہ (Content) کا انسانی زندگی کے لیے کارآمد ہونا اور شعر میں سچائی کا پایا جانا ہے۔

۳۔قرآن واحادیث کی روشنی میں مقام رسالت کی تفہیم:

قرآنِ کریم میں مقامِ رسالت مآب ﷺ کا اظہار:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت وشان خوب خوب بیان فرمائی ہے گویا کہ پورا قرآن ہی حضور ﷺ کی شان میں نازل فرمادیا ہے۔ ع ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ

اس لیے ہم صرف چند آیات نقل کرتے ہیں تاکہ اللہ کے رسول جنابِ محمد مصطفےٰ ﷺ کی عظمت کا ایک تصور قائم ہوسکے۔شعراء کو اپنے اشعار میں اور نقادانِ شعرِ عقیدت کو اپنے مضامین میں جنابِ رسالت مآب ﷺ کی عظمتوں کے ذکر میں قرآنِ کریم کی آیات، ہر صورت ذہن میں رکھنی چاہییں۔

حضورِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالمِ انسانی کے لیے داعی الی الحق بنا کر بھیجا ہے۔آپ ﷺ کی بعثت سے قبل، کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں تشریف لا چکے تھے لیکن وہ سب اپنی اپنی قوم، اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے عہد کے لیے ہی پیغامِ ہدایت لائے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان انبیائے کرام کی شریعتوں میں بعد کے زمانوں میں آنے والے انبیاء نے عصری تقاضوں کے تحت اللہ کے حکم سے تبدیلیوں کا اعلان فرمایا۔پھر اللہ رب العزت نے ان کی لائی ہوئی شریعت کو دوام بخشنے اور عالم گیر سطح پر ان میں دیئے گئے احکامات کے عملی ہونے کا اعلان بھی نہیں فرمایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی لائی ہوئی شریعت کے آثار کو محفوظ رکھنے کا بھی کوئی اعلان نہیں فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آج ان تمام شریعتوں کے بنیادی مآخذ یعنی کتبِ سماوی، نہ تو اپنی اصل زبان میں موجود ہیں نہ ہی اصل حالت پر قائم ہیں۔ان میں اتنی تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں کہ

ع پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

شریعتوں کی تبدیلی اور عہد بہ عہد حالات کے تقاضوں کے مطابق احکامات کی تنزیل اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کی پختگی کے لیے کچھ مراحل مقرر فرمادیئے تھے۔جب تک انسانی عقل وشعور کی بلوغت کے آثار نمودار نہیں ہوئے، دیگر انبیائے کرام مبعوث ہوتے رہے اور وقتی ضرورتوں کے تحت انسانی معاشرے کے لیے ہدایت نامے جاری ہوتے گئے۔لیکن جب انسانی عقل وشعور پختہ ہوگئے اور انسانی ذہن بالغ ہوگیا، اللہ رب العزت نے اپنا آخری اور غیر متبدل کلام ایک ایسی ہستی کے ذریعے عام فرمادیا جس کا ہر عمل اور ہر قول اللہ کی مرضی کے عین مطابق تھا۔اللہ تعالیٰ کے برپا کیے ہوئے نظام میں نہ تو ایسی شخصیت، اس دنیائے آب وگل میں پہلے مبعوث کی گئی تھی نہ ایسا پیغام بھیجا گیا تھا جس کے دوام اور استمرار کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے لیا ہو۔

اس صورت حال کے پیشِ نظر، قرآنِ کریم کی بعض آیات جو پیغام کے استمرار اور دوام کے لیے نازل کی گئیں اور جو انسانیت کے لیے اللہ کے پیغام کی تکمیلیت کے اعلان کے طور پر نازل کی گئیں وہ درج کی جاتی ہیں:

۱۔پیغامِ ربانی کی حفاظت کا اعلان:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O" "بے شک ہم نے ہی نازل کی ہے یہ کتاب نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"۔ ۱۵:۹ (۵۷)

خالقِ کائنات نے دنیائے انسانی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبروں پر کوئی پیغامِ ہدایت نازل فرمایا، چاہے وہ کتب کی شکل میں ہو یا کسی پچھلی شریعت کے اتباع کے احکامات کی شکل میں، وہ سب وقتی ضرورتوں کے تحت تھے، اس لیے کسی بھی صحیفہء آسمانی میں ایسی کوئی آیت نازل نہیں کی گئی کہ ہم ہی نے یہ پیغام نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔ یہ اعزاز صرف اور صرف قرآنِ کریم کے حصے میں آیا ہے۔

۲۔ پیغامِ ربانی کی تکمیلیت کا اعلان:

پیغامِ ربانی کی تکمیلیت یعنی دین کے مکمل ہونے کا اعلان بھی قرآنِ پاک کی اس آیت سے قبل عالمِ انسانیت کو دیئے جانے والے کسی صحیفے میں نہیں تھا۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط" "آج مکمل کر دیا ہے میں نے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین" (۵:۳) (۵۸)

اس آیت کی تفسیر کا مختصر ترین پیرایہ مفتی احمد یار خان نعیمی نے اختیار کیا ہے چناں چہ ہم وہی یہاں نقل کرتے ہیں:

یعنی عقائد کا بیان، احکام کی آیات کا نزول، اجتہاد کے قوانین آج سب مکمل ہو چکے، اس کے بعد حکم کی آیت کوئی نہ آئے گی اور تمہارا دین منسوخ بھی نہ ہوگا۔۔۔ اس آیت سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صرف اسلام خدا کو پیارا ہے یعنی دینِ محمدی، باقی سب دین مردود۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد قیامت تک اسلام کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ اصولِ دین میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی۔ اجتہادی فرعی مسئلے ہمیشہ نکلتے رہیں گے اس لیے دینکم فرمایا مذھبکم نہ فرمایا۔ چوتھے یہ کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ دین کامل ہو چکا۔ سورج نکل آنے پر چراغ کی ضرورت نہیں"۔ (۵۹)

دین کی تکمیل کا اعلان کرنے والی اس آیتِ قرآنی کے نزول پر یہودیوں کی یہ گواہی بھی صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہے:

"ایک مرتبہ چند علمائے یہود، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پر ایک جشنِ عید مناتے۔ فاروقِ اعظمؓ نے سوال کیا، وہ کونسی آیت ہے۔ انہوں نے یہی آیت۔۔۔ الیوم اکملت لکم دینکم ، پڑھ دی"۔ (۶۰)

یہودی علماء کی یہ گواہی بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ یا اس سے ملتی جلتی کوئی آیت، قرآنِ کریم سے قبل، کسی نبی یا رسول کے صحیفے میں نازل نہیں کی گئی تھی۔

اسلام کی طرف دعوت دینے والے رسول جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کا دائرہ پوری انسانیت کو محیط ہے:

اللہ تعالیٰ نے جہاں دینِ اسلام کے زمانی استمرار ار Perpetuity کی بات کی ہے وہیں نبی آخرالزماں کے دائرہ نبوت کو تمام عالم انسانی تک پھیلا دینے کا واضح اعلان بھی فرمادیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر)[۳۴:۲۸] (۶۱)

دینِ اسلام چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے محمد مصطفےٰ ﷺ تک ایک ہی پیغام کے طور پر دنیا میں نشر ہوا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابہام سے پاک، واضح اور محکم آیات میں اسلام کے ایمانیاتی نظام میں اس بات کو داخل فرمادیا کہ جو کچھ صاحبِ قرآن کریم جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل کیا گیا ہے مسلمانوں کو اس پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے قبل دنیا میں بھیجے جانے والے انبیاء اور ان کے لائے ہوئے پیغام کو سچا جاننا اور ایمانیاتی سطح پر قبول کرنا ہے۔ بعد کے کسی زمانے میں کوئی اس قسم کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا، مردود اور کافر ٹھہرے گا۔ کیوں کہ تکمیلِ دین متین کے بعد نہ تو کسی نئے پیغام کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی پیغامبر کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج ''اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تم سے پہلے''۲:۴ (۶۲)

نظامِ رسالت کی تکمیل کا اعلان ایک اور آیت مبارکہ میں بھی فرمادیا گیا:

وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (بلکہ وہ [محمد ﷺ] اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)[۳۳:۴۰] (۶۳)

اس حقیقت کو احمد ندیم قاسمی نے بڑے حسین انداز میں شعری قالب میں ڈھالا ہے:

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

نظامِ رسالت کی تکمیلیت کا تاج جس ہستی کے سرِ مبارک پر رکھا گیا اس ہستی کو اللہ رب العزت نے تمام جہانوں کی رحمت کے لقب سے ملقب فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے) [۲۱:۱۰۷] (۶۴)

درج بالا آیاتِ قرآنی میں حضور رسالت مآب ﷺ کی بعثت کے دوام اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی لوحِ جہاں پر ہمیشگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ذات کے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے کا اعلان تھا۔ ایک ایسی ہستی جس کو اتنے اعزازات حاصل تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ رہتی دنیا تک کے لیے اس کے قول و فعل و تقریر (آپ ﷺ کے سامنے کوئی عمل کیا گیا اور آپ نے اس عمل کی نہ تو تحسین فرمائی اور نہ ہی مذمت، چناں چہ آپ کا سکوت ہی اس عمل کے مباح ہونے کا باعث بن گیا) کو مثالی نمونہ عمل قرار نہ دیا جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" "یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ" ۳۳:۲۱ (۶۵)

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو نمونہ عمل بنا کر اس لیے دنیا کے سامنے پیش فرمایا گیا کہ آپ ﷺ اور صرف آپ کا قول، عمل اور تقریر ہی دینِ اسلام ہے باقی سب کفر۔ یہی وجہ ہے کہ دوٹوک الفاظ میں فرمادیا گیا کہ اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے:

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف" "بلاشبہ 'دین' اللہ کے نزدیک صرف 'اسلام' ہے"۔ ۳:۱۹ (۶۶)

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اب قیامت تک دین اللہ کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہوگا اور دین اللہ کی عملی شکل بھی وہی قبول ہوگی جو اللہ کے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرمائی، جس عمل کی تحسین فرمائی، ترغیب دی یا جس عمل کو کسی صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے کیا اور آپ نے منع نہیں فرمایا یعنی سکوت اختیار فرمایا۔

قرآنِ کریم کی ان چند آیات کے معنوی سلسلے کو مربوط کر کے مطالعہ کیا جائے تو ہر ہر زاویئے سے جنابِ محمد مصطفی ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی دینِ اسلام کی مرکزی شخصیت بن کر ابھرتی ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اعلان فرمادیا:

"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج" "اور جو کچھ دے تمہیں رسول سو اسے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسول، پس رک جاؤ (اس سے)"۔ ۵۹:۷ (۶۷)

اس طرح دینِ اسلام میں، احکاماتِ الٰہیہ کی بجا آوری کے سلسلے میں ہدایت دینے کا مکمل "اختیار" صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے نبی مکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ کے کارِ رسالت کو انجام دینے کے لیے، چار نکاتی ہدف مقرر فرماتے ہوئے ہدایت پانے والوں کو اپنے اس احسان سے آگاہ فرمایا:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O ن" "درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے"۔ ۳:۱۶۴ (۶۸)

یعنی اللہ کا نبی ایمان والوں کو ہدایت کی شاہراہ پر لانے کے لیے، چار کام انجام دیتا ہے:

۱۔ آیاتِ ربانی پڑھ کر سنانا۔

۲۔تزکیہ کرنا۔

۳۔کتاب کی تعلیم دینا، اور

۴۔حکمت کا درس دینا۔

ان تمام موضوعات پر کتب نہ صرف موجود ہیں بلکہ قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ ہمارے لیے یہاں اتنا لکھ دینا ہی کافی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت تمام انسانوں کی رہبری کے لیے ہوئی ہے، اسی لیے آپ ﷺ کو انسانوں کے سامنے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے، امتیوں کی روحانیؒ جلا کرنے کی غرض سے ان کا تزکیہ کرنے، انہیں کتاب کی تعلیم دینے اور کتاب میں پوشیدہ حکمتوں سے آگاہ کرنے کے لیے خصوصی طور پر ایک معلم کے فرائض سونپے گئے۔ اس تمام تعلیماتی نظام کو جاری رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب جناب نبی کریم ﷺ سے فرمادیا:

"قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج" "تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے"۔۷:۲۰۳ (۶۹)

یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ کریم جب بنی نوعِ انسان سے خطاب فرماتے ہیں تو وہ خطاب بزبانِ نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے۔ اس لیے وحیِ ربانی کی پیروی کا ذکر بار بار کیا گیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا جاتا ہے:

"اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ ج" "میں کوئی کام نہیں کرتا مگر جو بھی کرتا ہوں وہ اس وحی سے کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے"۔۱۰:۱۵ (۷۰)

سورۂ نجم میں اللہ رب العزت نے خود اعلان فرمایا:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O" "وہ (نبی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ ان کا ہر ارشاد تری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے"۔۵۳:۴،۳ (۷۱)

ان وضاحتوں کے بعد یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکامات بھی نازل کیے جاتے تھے وہ اپنی اصلی صورت میں عالمِ انسانی کو پہنچانا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذمے تھا۔ احکاماتِ الٰہیہ پہنچانے کے معاملے میں خالق اور مخلوق کے درمیان حضورِ اکرم ﷺ ہی کی ذات تھی۔ احکاماتِ ربانی کی تعمیل بھی پہلے خود حضورِ اکرم نے کر کے دکھائی یا تعمیل کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اس ضمن میں بھی آپ کی طرف سے قرآنِ کریم کی زبان میں اعلان کروایا گیا:

"اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ O" "میں ہوں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں"۔۶:۱۶۳ (۷۲)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے تفسیری حاشیے میں لکھا ہے:

"عموماً مفسرین "وانا اول المسلمین" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں۔ لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث "کنت نبیا و ادم بین الروح

والجسد کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔شاید مترجم[محمود الحسنؒ] محقق قدس سرہٗ نے ترجمہ میں ''سب سے پہلا فرمانبردار ہوں'' کی جگہ ''سب سے پہلے فرمانبردار ہوں'' کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہو''۔(۷۳)

حضورِ اکرم ﷺ سے پہلا فرمانبردار ہونے کا اعلان اس لیے کروایا گیا کہ آپ ﷺ کے کمالات لا انتہا دیکھ کر بنی نوعِ انسان آپ ﷺ کو بھی غیر قوموں کی طرح کا اوتار مان کر پوجنے نہ لگ جائیں۔ثانیاً آپ کے اس اعلان سے یہ بھی باور کرانا مقصود تھا کہ عالمِ انسانیت کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم پر خود عمل کر کے نہ دکھائے ، دوسرے لوگ اس حکم کی بجا آوری میں سست پڑ جاتے ہیں،لہٰذا ایسے تمام احکامات پر حضورِ اکرم ﷺ نے عمل کر کے دکھایا جن پر عملی مظاہرہ کرنا ممکن تھا۔مثلاً آپ ﷺ نے نظامِ صلوٰۃ قائم فرمایا اور نماز کی امامت خود فرمائی۔روزے بھی رکھے۔جہاد بھی فرمایا۔توحیدِ خالص کا اعلان بھی فرمایا۔زکوٰۃ اس لیے ادا نہیں کی کہ آپ ﷺ نے صاحبِ نصاب ہونا پسند ہی نہیں فرمایا۔ہاں زکوٰۃ کا نصاب تعلیم فرما دیا۔عائلی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے عملی مثال، عالمِ انسانی کے سامنے پیش فرما دی۔حکمرانی کے طریق بھی سکھائے اور فقر کی زندگی بسر کرنے کا درس بھی عملی صورت میں دیا۔اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے تاکیداً اعلان کروایا گیا:

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ..'' ''کہہ دیجیے میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے''۔۴۱:۶ (۷۴)

اس آیہء مبارکہ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے نعیم مراد آبادی نے لکھا:

''سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انا بشر مثلکم فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں۔چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا،ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے،تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہے''۔ (۷۵)

حضورِ اکرم ﷺ سے قرآنِ کریم کی زبان میں بشریت کا اعلان کروانا اس لیے ناگزیر ٹھہرا کہ انسانوں کو پیروی کے لیے انسانی زندگی کا نمونہ ہی فراہم کرنا تھا۔کسی فرشتے یا جن کی پیروی انسانوں کے لیے نمونہء عمل نہیں ٹھہر سکتی تھی۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیشتر مقامات پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے والوں کی تحسین فرمائی ہے اور ان سے اس دنیا میں اور آخرت میں اچھے ''اجر'' کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ایمان اور اعمال صالحہ کا نمونہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے معمولاتِ حیات سے اخذ کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی

بسر کرنے والے بھی اگر یہ دعویٰ کریں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دعویٰ اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتا جب تک ان کا ہر عمل اللہ کے حبیب جناب رسولِ کریم ﷺ کے عمل سے مشابہ نہ ہو جائے۔ ہاں اگر ان کا دعویٰ اس کسوٹی پر کسنے سے سچا ثابت ہو جاتا ہو، تو پھر واضح اعلان کیا گیا ہے کہ خود "اللہ تعالیٰ" ان انسانوں سے محبت کرنے لگے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط

"اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا"۔ ۳:۳۱ (۷۶)

اس آیتِ مبارکہ سے مترادر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے محبت کے لیے ایک ہی معیار مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے "اتباعِ نبوی ﷺ"۔ یہی نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ (یعنی اعمالِ نبوی ﷺ کی مشابہت) والی زندگی گزارنے والے ہر شخص کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا O ط"

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام عنقریب پیدا کردے گا ان کے لیے رحمٰن (دلوں میں) محبت"۔ ۱۹:۹۶ (۷۷)

اس ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ اتباعِ نبوی کے نتیجے میں یہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازتا ہے بلکہ دنیا میں بھی ایسے لوگوں کو مقبول و محبوب بنا دیتا ہے جو اللہ کے محبوب ﷺ کی کامل اتباع کا ثبوت "ایمان اور اعمالِ صالحہ" کے ذریعے فراہم کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امتِ محمدیہ علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کی محبت جوامت کے دلوں میں پیوست ہے، اس کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفےٰ ﷺ کی اداؤں کو اپنانے والے لوگوں کی محبت عامۃ المسلمین کے دلوں میں ڈال کر اعلانِ قرآنی کو "حقیقتِ مشہود" بنا دیا ہے۔ اس ایک آیت اور اس کے "مشہود" مظاہر کو دیکھ کر ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب جنابِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کتنی محبت ہے!

اپنے رسول ﷺ سے جو اللہ تعالیٰ کو محبت ہے اس کا مظاہرہ قرآنِ کریم کی آیات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ہم صرف ایک آیت ہی یہاں پیش کردیں تو بات مبرہن ہو جائے گی:

"لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَO"

"قسم ہے تمہاری جان کی (اے نبیؐ) بے شک وہ اس وقت اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے"۔ ۱۵:۷۲ (۷۸)

نعیم مراد آبادی نے کنز الایمان کے حاشیئے میں لکھا ہے:

''اور مخلوق الٰہی میں سے کوئی جان بارگاہ الٰہی میں آپ کی جان پاک کی طرح عزت وحرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر وحیات کی قسم نہیں فرمائی یہ مرتبہ صرف حضور ہی کا ہے''۔ (۷۹)

اب ہم کچھ آیاتِ قرآنی درج کرتے ہیں جن سے اللہ کے پیارے رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام عظمت کا اظہار ہوتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ	''ایمان لایا یہ رسول [کریم] اس [کتاب] پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے''۔ [۲:۲۸۵] (۸۰)
لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ ط	''تا کہ فیصلہ کریں آپ، لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھایا آپ کو اللہ تعالیٰ نے''۔ (۴:۱۰۵) (۸۱)
یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ	''اے لوگو! تحقیق آ گیا ہے تمھارے پاس رسول، حق کے ساتھ تمھارے رب کی طرف سے''۔ (۴:۱۷۰) (۸۲)
یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا	''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل آ گئی (یعنی نبی کریم) اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور نازل کیا''۔ ۴:۱۷۴ (۸۳)
قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ○	''بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور [محمد مصطفیٰ ﷺ] تشریف لائے اور روشن کتاب''۔ (۵:۱۵) (۸۴)
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ..	''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو''۔ (۱۷:۱) (۸۵)
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○	''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے''۔ ۲۱:۱۰۷ (۸۶)
لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْکُمْ	''تا کہ ہو جائے رسول [کریم] گواہ''۔ ۲۲:۷۸ (۸۷)
اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ	''نبی [کریم] مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں''۔ ۳۳:۶ (۸۸)
وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط	''عیسیٰ نے کہا: اور [میں] مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام [نامی] احمد ہوگا''۔ ۶۱:۶ (۸۹)

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْ لٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِا لْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْ فٌ رَّ حِيْمٌO

(اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول تشریف لائے جن کو تمہارا تکلیف میں پڑنا سخت ناگوار ہے، وہ تمہاری بھلائی بہت زیادہ چاہنے والے ہیں، وہ مسلمانوں پر تو نہایت شفیق [اور] مہربان ہیں) [۹:۱۲۸] (۹۰)

مُحَمَّدٌ رَّ سُوْ لُ اللّٰهِ

"[جانِ عالم] محمد، اللہ کے رسول ہیں"۔ ۴۸:۲۹ (۹۱)

وَالَّذِيْ جَآ ءَ بِا لصِّدْقِ

"اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی"۔ ۳۹:۳۳ (۹۲)

وَمَا كَا نَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْ مِنَةٍ اِذَا قَضَى ا للّٰهُ وَ رَسُوْ لُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَ ةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط

(نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کو کہ جب فیصلہ فرمادے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملے میں) [۳۳:۳۶] (۹۳)

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰـهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاO

(اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا) [۳۳:۳۶] (۹۴)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ

([یہ وہ ہیں] جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے) [۷:۱۵۷] (۹۵)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاO

(اے نبی [مکرم] ہم نے بھیجا ہے آپ کو [سب سچائیوں کا] گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بر وقت ڈرانے والا) [۳۳:۴۵] (۹۶)

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًاO

(اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور آفتاب روشن کردینے والا) [۳۳:۴۶] (۹۷)

اِ نَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍO

(آپ تو [کجروی کے انجام بد سے] ڈرانیوالے ہیں اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں)۔ [۱۳:۷] (۹۸)

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآ فَّةً لِّلنَّا سِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًاO

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) [۳۴:۲۸] (۹۹)

وَلٰكِنْ رَّ سُوْ لَ اللّٰهِ وَ خَا تَمَ ا لنَّبِيّٖنَ

(بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) [۳۳:۴۰] (۱۰۰)

وَ اِ نَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ O

اور بے شک آپ عظیم الشان خُلق کے مالک ہیں۔ [۶۸:۴] (۱۰۱)

وَرَفَعنا لکَ ذِکْرَکَ (اور ہم نے بلند کردیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو)[۹۴:۴] (۱۰۲)

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ O (بے شک ہم نے آپ کو [جو کچھ عطا کیا] بے حد و بے حساب عطا کیا)[۱:۱۰۸] (۱۰۳)

"عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" "عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود میں اٹھائے گا۔۱۷:۷۹ (۱۰۴)

درج بالا آیات کے علاوہ بھی بہت سی قرآنی آیات، اللہ کے نبی، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ سب سے اہم وہ آیت ہے جس سے نعتیہ شاعری کا جواز پیدا ہوا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاO "بلا شبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کروO"۔۳۳:۵۶ (۱۰۵)

شبیر احمد عثمانی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"صلوٰۃ النبی" کا مطلب ہے "نبی کی ثناء و تعظیم، رحمت و عطوفت کے ساتھ"۔۔۔ اللہ بھی نبی کریم صلعم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے"۔ (۱۰۶)

درج بالا قرآنی حکم میں "حضور اکرم ﷺ" کی ثناء کا حکم داخل ہے اس لیے مدحِ آقا ﷺ کا جواز آپ ﷺ کے امتیوں کو ابھارتا ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں قصیدہ خوانی کریں۔ سورۂ فتح میں حضور اکرم کی تعظیم کا تاکیداً حکم آیا ہے:

"وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ ط" "اور تعظیم و توقیر کرو رسول کی"۔(۴۸:۹) (۱۰۷)

"مقامِ رسول ﷺ" کے مصنف نے شیخ احمد صاوی مالکی کے حاشیہء جلالین سے جو اقتباس دیا ہے وہ درج بالا آیتِ کریمہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے:

"اس آیت تعزروہ و توقروہ سے ثابت ہوا کہ جو صرف تعظیم خدا کرے یا صرف تعظیم رسول کرے وہ مومن نہیں، بلکہ مومن وہ ہے جو تعظیم خدا و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کرے، لیکن ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کی تعظیم، رب کو صفاتِ حوادث سے منزہ بتانا اور وصف کمالات سے موصوف ماننا ہے اور تعظیم رسول یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ حضور، اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تمام مخلوق کے لیے خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے ہیں علاوہ ازیں حضور کے عالی مرتبہ اوصاف اور پسندیدہ خصلتوں کا معتقد ہو"۔ (۱۰۸)

دراصل قرآنِ کریم کی ہر آیت کسی نہ کسی زاویے سے حضور اکرم ﷺ ہی کے ذکر سے مملو نظر آتی ہے۔ مثلاً

☆ قرآنِ کریم کی آیات سے آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی مبرہن ہیں۔

☆مختلف کتبِ سماویہ اور صحفِ آسمانی سے آپ ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں بھی قرآنِ کریم میں نقل کی گئی ہیں۔

☆تذکرہ ہائے انبیاء علیہم السلام میں نبیِ کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کا حوالہ یا آپ ﷺ کی آمد کے لیے دعا کے الفاظ قرآنِ کریم کی زینت بنے ہیں۔

☆کہیں اللہ رب العزت نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین حضورِ اکرم ﷺ کو صادق جانتے ہیں۔

☆ کہیں نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فضیلت اور خاتمیت کا بیان ہے۔

☆ کسی جگہ نبیِ کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ واوصافِ حمیدہ کا تذکرہ ہے۔

☆کہیں رسول اللہ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اقارب کا مکلف بشرع ہونا مرقوم ہے۔

☆ کہیں کہیں آپ ﷺ کے زلّات اور ان کے حوالے سے نازل ہونے والی وحیِ ربانی کے الفاظ قرآنِ کریم کا حصہ بنے ہیں۔

☆کہیں آپ ﷺ کے اصحابِ کرام کا تذکرہ ہے اور ان کے فضائل بیان ہو رہے ہیں۔

☆ کہیں آپ کی طرف سے پیش کردہ دینِ اسلام کی گفتگو ہے۔

☆کہیں آپ ﷺ کی ازواج سے تخاطب ہے اور ان کی فضیلت کا اظہار ہے۔

☆کہیں آپ ﷺ کے معجزات کا بالخصوص شق القمر اور معراج کا ذکر ہے۔

☆ کہیں آپ ﷺ کے غزوات کا ذکر ہے۔

☆کہیں آپ ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ اپنا تعارف کروا رہا ہے۔

☆کہیں جمیع انسانیت کو پیغام دیا جا رہا ہے کہ محمد ﷺ تمام عوالم کے لیے رحمت ہیں اور یہ کہ یہ ہر زمانے، ہر مقام اور ہر خطے کے رہنے والے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

☆اسی لیے تمام عالمِ انسانی کو پیغام دیا گیا ہے کہ اب عملی زندگی کا نمونہ وہی اللہ کے ہاں قبول کیا جائے گا جو رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی یعنی اسوۂ مبارکہ سے ملتا ہوا ہوگا!

☆کہیں حضورِ اکرم ﷺ کے تخاطب کا ادب سکھایا جا رہا ہے.................تو

☆کہیں آپ ﷺ کی اتباع پر زور دیا جا رہا ہے اور واضح الفاظ میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ **"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"** اس رسول [ﷺ] کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی (۸۰:۴)۔

ان تمام موضوعات پر قرآنِ کریم کی آیات کا احاطہ کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے یہاں ہم صرف چند عنوانات کے تحت قرآنی آیات کے حوالے پیش کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں کچھ اور آیات مع ترجمہ نقل کر دی جائیں گی۔

قرآنِ کریم میں سیدِ ولدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا اجمالی جائزہ:

ا۔ آپ ﷺ کی نبوتِ عامہ کے دلائل پر مبنی آیات :۲۔ نبی ﷺ کی بابت سابقہ کتبِ سماویہ میں پیشگوئیاں:

البقرہ ۱۱۹ اور ۱۵۱
النساء ۷۹
الاعراف ۱۵۸
الرعد ۳۰
ابراہیم ۴
النحل ۴۳،۴۴،۶۴
بنی اسرآئیل ۱۰۵تا۱۰۹
الانبیآء ۱۰۷
الفرقان ۱،۵۶
الاحزاب ۴۵تا۴۷

البقرہ ۸۹،۱۳۳تا۱۳۶
الانعام ۲۰
الاعراف ۱۵۷
ھود ۱۷
الرعد ۴۳
المومنون ۶۹
طٰہ ۱۳۳
الفتح ۲۹
الصف ۶

سبا ۲۸
فاطر ۲۴
الفتح ۸تا۱۰
المزمل ۱۵

اہل کتاب ومشرکین کا آپ ﷺ کو صادق جاننا:

البقرہ ۴۱،۴۲،۷۵،۸۹،۱۰۹،۱۴۴،۱۴۶
آل عمران ۸۶،۹۹
الانعام ۱۱۴
الرعد ۳۶،۴۳
القصص ۵۲،۵۳،۵۷

الطور ۲۹تا۳۲

التوبہ ۴۰،۶۱،۱۲۸،۱۲۹
یوسف ۱۰۳،۱۰۴
الحجر ۸۸
الکھف ۶
الانبیاء ۱۰۷،۱۰۹تا۱۱۱
المومنون ۷۲
الفرقان ۵۷،۵۸
الشعراء ۳،۴
الاحزاب ۵۳،۸۳
سبا ۴۷
الفاطر ۸
ص ۸۶
الشوریٰ ۲۳
الاحقاف ۹

<u>نبی ﷺ کی فضیلت و خاتمیت:</u>

آل عمران ۱۱۰
النسآء ۱۱۳
بنی اسرائیل ۱،۷۹
الفرقان ۱،۵۶
الاحزاب ۴۰،۴۵،۴۶،۵۶
النجم ۵تا۱۸
الضحیٰ ۱تا۸
الم نشرح ۱تا۴
الکوثر ۱تا۳

<u>رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل:</u>

آل عمران ۱۳،۶۱
النساء ۱۶۳،۱۶۶
الانعام ۱۰،۱۱،۱۰۴،۱۰۵
الاعراف ۱۸۴
یونس ۱۶
یوسف ۱۰۹تا۱۱۱

المزمل	۱تا۱۰	التوبہ	۲۵،۲۶،۳۸،۳۹،۴۰تا۵۹،	الفتح	۱۰،۱۸،۱۹،۲۶،۲۹
المدثر	۱تا۷		۸۱تا۸۳	الحشر	۸تا۱۰
الدھر	۲۳تا۲۶	الاحزاب	۹تا۲۷		(۱۱۰)
الم نشرح	۱تا۸	الفتح	۱تا۱۲		☆(۱۱۱)
الکوثر	۲	الحشر	۲تا۶		
النصر	۳				

<u>آپؐ کے ازواجؓ</u> <u>اہل بیت (امہات المؤمنینؓ) کا ذکر:</u>

<u>اور فرمانِ الٰہی:</u>

آل عمران	۱۲۸	النور	۲۶

درج بالا تمام آیات میں حضور رسالت مآب ﷺ کا ذکرِ خیر بڑا واضح ہے۔ ان آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیاتِ قرآنی میں حضورِ اکرم کا ذکر بالواسطہ آیا ہے مثلاً

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۴۶

جن کو ہم نے دی کتاب اس☆ کو وہ ہیں پہچانتے جس طرح بیٹوں کو اپنے ہیں (بخوبی) جانتے ہیں انہیں میں سے (مگر) ایسے بھی کچھ افراد (ہاں) دیدہ و دانستہ کر لیتے ہیں جو حق کو نہاں (۱۱۲)

مقامِ رسالت کے ادراک کے لیے قرآنِ کریم کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے۔ شاعر اور نقاد دونوں کا فرض ہے کہ نعت کہنے اور نعت کی تفہیم کے عمل سے گزرنے کے لیے قرآنی تلمیحات بہت حزم و احتیاط سے استعمال کی جائیں اور انہیں سمجھ کر تنقیدی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ ہم چند ایسی آیات نقل کرتے ہیں جن میں حضورِ اکرم ﷺ کو "ارسلنک"، "انک"، "کذالک"، "ربکم" یا "قل" کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝ ۱۱۹ (البقرہ)

دینِ حق دے کر یقیناً تم بھی ہو بھیجے گئے مژدہ دینے اور (کافر) کو ڈرانے کے لیے اہلِ دوزخ کی نہ تم سے پوچھ گچھ ہوگی (ولے) (۱۱۳)
(البقرہ، آیت ۱۱۹) (ایضاً)

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ؕ وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَھِیْدًا ۝

(اے مرے بندے) جو پہنچے تجھ کو کوئی فائدا (یہ سمجھ) اللہ کی جانب سے ہے وہ (برملا) اور اگر نقصان پہنچے (تو سمجھنا چاہیے) تجھ کو یہ نقصان پہنچایا ہے تیرے نفس نے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ ۗ
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

ہم نے بھیجا تم کو لوگوں کے لیے پیغامبر
(صرف اک) حق کی شہادت کافی ہے (اس بات پر)
جس نے مانا (صدق دل سے واقعی) حکمِ رسول
اس نے (گویا اپنے) خالق کی اطاعت کی قبول (۱۱۴)
ہو جو رو گرداں کوئی (تو تم نہ ہونا سرگراں)
تم نہیں بھیجے گئے ان کے بناکر پاسباں

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ
۝۳۰ (الرعد)

ایک امت میں تمھیں بھیجا ہے ہم نے (اے نبی)
ان سے پہلے امتیں گزری ہیں (بیشک) اور بھی
تا جو تم پر وحی آئے وہ سنادو تم انہیں
اور وہ رحمٰن سے ہوتے ہیں منکر (مفت میں)
ان سے کہدو صرف اک اللہ ہی رب ہے مرا
بندگی (جائز) کسی کی بھی نہیں اس کے سوا
ہے بھروسہ اس پہ، میں اس کی طرف مائل ہوا
(ایضاً) (۱۱۵)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ
اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ (بنی اسرآئیل)

رب تمھارا تم کو ہے اچھی طرح پہچانتا
وہ اگر چاہے تو کردے رحم تم پر (برملا)
اور اگر چاہے عذاب (سخت) دے وہ کردگار
اور نہیں بھیجا بناکر تم کو ان کا ذمہ دار (۱۱۶)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝
(بنی اسرائیل آیت ۱۰۵)

ہم نے حق کے ساتھ ہے قرآن کو نازل کیا
اور وہ سچائی ہی کے ساتھ ہے نازل ہوا
ہم نے بھیجا ہے تمھیں مژدہ سنانے کے لیے (۱۱۷)
اور (عذابِ حق سے) لوگوں کو ڈرانے کے لیے

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا
وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا
نَذِيْرٌ ۝

دینِ برحق دے کے بھیجا ہے (تمھیں تبلیغ کو)
مژدۂ (رحمت) سنانے، ڈر سنانے (قہر کا)
اور نہیں امت کوئی ایسی کہ جس میں (برملا) (۱۱۸)
ڈر سنانے والے، بھیجے ہوں نہ ہم نے انبیاء

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ

(اے نبی) اس پر بھی گر منہ پھیر لیں یہ (خویش ہیں)
تو بنا کر پاسباں ان کا تمھیں بھیجا نہیں (۱۱۹)
ہے تمہارے ذمے پہنچانا فقط احکام کا

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّکَ بِاَعْيُنِنَا (۴۸، الطور)

منتظر حکمِ خدا کے صبر سے بیٹھے رہو
تم ہماری نظروں میں ہو (اور نگرانی میں ہو)
(۵۲:۴۸)(ایضاً) (۱۲۰)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ (الحجر)

ہم ہی کافی ہیں (نپٹنے کو) تمہاری سمت سے
ٹھٹھہ کرنے والے کے (اور ہنسنے والوں کے) لیے (۱۲۱)
(۱۵:۹۵)(ایضاً)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج (۳۲، آلِ عمران)

کہدو وہ مانیں خدا کا حکم اور حکمِ نبیؐ
(۳:۳۲)(ایضاً) (۱۲۲)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

(ڈرتے کیوں ہو) تم کو لوگوں سے بچالے گا خدا
(۵:۶۷)(ایضاً) (۱۲۳)

ان آیاتِ قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو براہِ راست مخاطب کر کے یا تو انہیں صبر آزما مرحلوں پر تسلی دی ہے، یا آپ ﷺ کو یقین دلایا ہے کہ لوگوں سے اللہ خود نمٹ لے گا اور یہ کہ اپنے نبی ﷺ کی لوگوں سے حفاظت بھی فرمائے گا۔ آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف وحی الٰہیہ کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ بنی نوعِ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ترغیب بھی اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کے ذریعے دی ان سے ہی کہلوایا کہ اللہ اور رسول کا حکم مانیں۔ بلکہ یہ تک فرما دیا کہ اگر انسان اپنے اوپر ظلم کر بیٹھیں تو نبی ﷺ کے پاس آئیں خود بھی توبہ کریں اور اگر نبی ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت چاہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دے گا۔ بات نبی ﷺ کی حیاتِ دنیوی کی ہے لیکن آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر بھی اس آیت کے حوالے سے مغفرت طلب کی جا سکتی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝
(۴:۶۴)(ایضاً)

ظلم جن لوگوں نے خود ڈھایا تھا اپنے نفس پر
وہ تمہارے رو برو اس وقت آجاتے اگر
اور پھر اللہ سے (اپنے) وہ ہوتے عذر خواہ
بخشواتے پھر رسول (اللہ) بھی ان کے گناہ (۱۲۴)
پاتے وہ آمرزگار و مہرباں ذاتِ الٰہ

ان آیات کے علاوہ نبی علیہ السلام کی عبدیت کو بھی ظاہر کرنے کے لیے آیات نازل فرمائی گئی ہیں اور خود نبی ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے کہ نہ تو میرے پاس خزانے ہیں، نہ میں ذاتی علمِ غیب رکھتا ہوں اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اللہ کے حکم کی پیروی کرنے والا ہوں:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۚ (۶:۵۰)(ایضاً)	ان سے کہہ دو، تم سے میں یہ تو نہیں کہتا کہ (ہاں) ہیں خزانے میرے پاس اللہ کے، ہوں غیب داں میں فرشتہ بھی نہیں کہتا ہوں اپنے کو (کبھی) جوخدا کا حکم ہو، کرتاہوں اس کی پیروی (۱۲۵)

پھر یہ بھی جتادیا کہ اللہ کے رسول غیب کی خبریں پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ (۸۱:۲۴)(ایضاً)	غیب کی باتوں پہ بخل اس کو نہیں ہے (ز۔بہار) (۱۲۶)

یہ بھی ہوا کہ نبی ﷺ کی شدتِ احساس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غم نہ کرنے کی تلقین فرمائی:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۚ (۳۵:۸)(ایضاً)	ان کے افسوس اور غم میں تم نہ دیدو اپنی جاں (۱۲۷)

اور ایسا بھی ہوا کہ بعض معاملات پر اللہ تعالیٰ نے مشفقانہ انداز میں ٹوکا بھی۔ ایسی چند آیات کے نمبر شمار "آپ ﷺ کے زلّات اور فرمانِ الٰہی" کے زیرِ عنوان اوپر لکھ دیئے گئے ہیں۔

درج بالا چند آیاتِ قرآنی سے مقامِ رسالت مآب ﷺ کی تفہیم میں سہولت ہوجاتی ہے۔ نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے نقاد کو حضور اکرم ﷺ کے رفیع الشان مقام کا ادراک حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر کرتے رہنا چاہیے، تاکہ شاعر کوئی بات آپ ﷺ کے مرتبے اور مقام سے فروتر یا برتر نہ کہے اور نقاد اس کی تفہیم میں کوئی غلطی نہ کرے۔ کیوں کہ نقاد کے لیے، کلام کی تحسین اور تجزیہ کرتے ہوئے ان نکات کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

تنقیدِ نعت میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ علمائے کرام کے فکری اختلافات کے باعث کسی کا شعر ایک طبقے کے لیے قابلِ مذمت ہوتا ہے تو دوسرے طبقے کے لیے وجہِ افتخار! چنانچہ نقاد کو درمیانی راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے اپنی رائے دینے کا حق ہے لیکن کسی کے خلاف فتویٰ دینے کا حق قطعی نہیں ہے۔ صریح گمراہی کی نشاندہی البتہ اسے کردینی چاہیے۔

احادیث کی روشنی میں مقامِ رسالت کی تفہیم:

حضور رسالت مآب ﷺ کے مقامِ رسالت کی تفہیم کے لیے ذخیرۂ احادیث میں سب سے اہم حدیث آپ ﷺ کی اس عظمت کے حوالے سے ملتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کروایا جاتا ہے کہ "حضور اکرم ﷺ ہی وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں"۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی معروف تصنیف "الخصائص الکبریٰ" جلد اول میں، حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ کے حوالے سے وہ حدیث نقل فرماتے ہیں جس کے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے التجا کی: اے رب! بہ حقِ محمد ﷺ مجھے بخش دے!۔۔۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟۔۔۔عرض کیا' جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرش اعلیٰ کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذات اقدس کا نام نامی تیرے اسمِ گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ و محترم ہوگا'۔ رب عظیم نے فرمایا: 'اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو'۔ حدیث قدسی ہے ''لَوْ لاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلا کَ'' ۔ اس حدیث قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالمِ اجساد، صدقہ ہے وجودِ باجود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا'' (۱۲۸)

درج بالا حدیثِ قدسی کے الفاظ پر اہلِ فن نے کلام کیا ہے لیکن مفہوم صحیح بتایا ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سوال کے جواب میں اصل حدیث کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے ہیں:

''خلقت الخلق لاعرفهم کرامتک و منزلتک عندی ولو لاک ما خلقت الدنیا''

[یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ میں نے تمام مخلوق اس لیے بنائی کہ تمہاری عزت اور تمہارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا'' (۱۲۹)

علامہ کوکب نورانی نے اپنی کتاب 'نعت اور آدابِ نعت' میں تفسیر عزیزی (فتح العزیز) کے حوالے سے حدیث قدسی کے الفاظ یوں لکھے ہیں:

''لَوْ لاکَ لَمَا اَظْهَرْ تُ الرَّ بُوْ بِيَّۃَ'' یعنی آپ کی خاطر ربوبیت ظاہر ہوئی۔ (۱۳۰)

حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کا اظہار خود حضورِ اکرم ﷺ کے الفاظ میں اس طرح بھی احادیث میں مروی ہے:

''ایکم مثلی؟'' (کون ہے تم میں سے میری طرح)

''لست مثلکم'' (میں تمہاری طرح، تم جیسا نہیں ہوں) (۱۳۱)

علامہ طاہر القادری نے بھی اپنی کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' میں 'حقیقتِ محمدیہ' کے ضمن میں کچھ احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً

''انہ لما تعلقت ارادۃ الحق بایجاد خلقه، و تقدیر رز ابرز لحقیقۃ المحمدیۃ من الانوار الصمدیۃ فی الحضرۃ الا حدیۃ، ثم سلخ منها العوالم کلها، علوها و سفلها، علیٰ صورۃ

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو وجود دینے اور اس کے رزق کو مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انوار صمدیت سے بارگاہ خداوندی میں حقیقت محمدی ﷺ کو ظاہر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی ﷺ سے عالم پست

"انه لما تعلقت ارادة الحق بايجاد خلقه، و تقدير رز ابرزلحقيقة المحمدية من الانوار الصمدية فی الحضرة الا حدية، ثم سلخ منها العوالم كلها، علوها و سفلها، علیٰ صورة حكمه، كما سبق فی سابق ارادته و علمه، ثم اعلمه بنبوته، و بشره برسالته، هذاو آدم لم يكن الا كما قال بين الروح و الجسد، ثم انبجست منه ﷺ عيون الارواح فظهر بالملاء اعلیٰ، و هو بالمنظر الاء جلی، فكان لهم المورد الا ء حلی، فهو ﷺ الجنس العالی علیٰ جميع الاجناس، والادب الاكبرلجميع الموجودات والناس"

وبالاکو اپنے حکم کے مطابق جیسا کہ اس کے علم اور ارادۂ قدیم میں طے ہو چکا تھا پیدا کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کی نبوت کا علم عطا کیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی بشارت دی۔ اس وقت کہ جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔ پھر آپ ﷺ سے ارواح کے چشمے جاری ہوئے پھر آپ ﷺ کی حقیقت نے عالم بالا کی مخلوق (ملائکہ) میں اعلیٰ درجے کا ظہور فرمایا آپ ﷺ فیض رسانی کمالات کے اعتبار سے کل انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی کے لیے شیریں چشمہ تھے۔ آپ ﷺ اپنی پیدائش کے لحاظ سے تمام اجناس کی جنس عالی ہیں (جو ہر ہونے کے اعتبار سے اصل کائنات ہیں، اس سے اوپر کوئی اور چیز نہیں ساری کائنات اس کے نیچے ہے۔) اور جمیع موجودات اور انسانوں کے لیے بڑے باپ (اصل کائنات) ہیں اس لیے کہ جمیع کائنات اور جمیع انسان آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں"۔ (۱۳۲)

حقیقتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں امام نبہانی، شیخ الا کبر ابن عربی سے استشہاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ کی روح اور آپ ﷺ کی حقیقت جملہ حقائق کی اصل ہے۔ آپ ﷺ روح کے اعتبار سے آدم علیہ السلام کے بھی باپ ہیں اور جسم کے لحاظ سے آدم علیہ السلام آپ ﷺ کے باپ ہیں۔ آپ ﷺ باطن کے اعتبار سے سب سے پہلے نبی ہیں اور ظاہر کے لحاظ سے سب سے آخری، آپ ﷺ جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سلطان اعظم ہیں اور وہ آپ ﷺ کی ماتحتی میں گویا نائب ہیں جو اپنی امتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ اگر انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور تبلیغ میں آپ ﷺ کو ظاہری لحاظ سے پاتے تو امت وسط کے زمرے میں شامل ہوتے"۔ (ایضاً ۵۸) (۱۳۳)

حضور ﷺ کے نور کی تخلیق، تخلیقِ اول تھی، اس ضمن میں حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ معروف ہے۔ امام نبہانی نے جواہر البحار میں لکھا ہے:

"حدیثِ جابرؓ ہے' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی روح منور کو پیدا فرمایا پھر عرش و

کرسی اور لوح اور عالم پست وبالا (وغیرہ تمام اشیاء کو اس روح مقدس سے پیدا فرمایا) اور حدیث
پاک میں ان اشیاء کی تخلیق کی ایسی واضح ترتیب بیان کردی گئی ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ
تمام اشیاء حضور نبی اکرم ﷺ کی فرع ہیں اور آپ ﷺ ان کی اصل ہے" (۱۳۴)

حضورِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلِ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَ أَجْمَلَهُ ، إِلَّا مَوْ ضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهِ وَيَعْجَبُوْنَ لَهُ وَيَقُوْلُوْنَ : هَلَّا وُ ضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ".

"میری اور اگلے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا، اس کو خوب آراستہ وپیراستہ کیا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس گھر میں پھرتے ہیں تعجب کرتے ہیں (ایسا آراستہ گھر) یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی، فرمایا: تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں"۔ (۱۳۵)

حضورِ اکرم ﷺ کی ذات، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہء رحمت:

انما ان رحمة مهداة

(میں رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی ہے) (۱۳۶)

پھر حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

ارسلت الى الخلق كافة "میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ (۱۳۷)

جامع ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے، جس میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے ان کے درجات پر تعجب کا اظہار فرما رہے تھے کہ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا:

قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ وَعِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ أَلَا وَأَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ

"(رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے دوست ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے چنے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی طرح ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمہء کن سے پیدا ہوئے ہیں، یہ بھی اسی طرح ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے اختیار کیا ہے وہ

مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

بھی اسی طرح ہیں۔ جان لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہہ رہا۔ میں ہی حمد کے جھنڈے کو قیامت کے دن اٹھاؤں گا۔ یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجیر کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے اسے کھولیں گے۔ پھر میں اس میں مؤمن فقراء کیساتھ داخل ہوں گا۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا اور میں گزشتہ اور آنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہوں۔ یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ بتانے کے لیے کہہ رہا ہوں) یہ حدیث غریب ہے۔ (۱۳۸)

نبوّت کب عطا کی گئی:

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ".

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی روح اور جسم تیار ہو رہا تھا"۔ (۱۳۹)

شفاعت:

بخاری شریف، باب تفسیر میں حدیث نمبر ۱۸۲۰، شفاعت کے سلسلے میں بڑی طویل حدیث آئی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ قیامت کے دن کی سختی سے گھبرا کر لوگ، سفارش کے لیے کسی کو تلاش کرتے ہوئے پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے "اذهبوا الىٰ غيرى" [تم کسی اور کے پاس جاؤ]۔ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھی یہی جواب ملے گا۔ اخیر میں سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں گے۔ حضورِ اکرم نے فرمایا کہ لوگوں کی پریشانی دیکھ کر اور ان کی فریادیں سن کر کہ "ہماری سفارش کیجیے"، میں سجدے میں جا کر دعا کروں گا:

"فَاَنْطَلِقُ فَآتِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى اَحَدٍ قَبْلِيْ، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَه

"میں یہ سنتے ہی (میدانِ حشر سے) چلوں گا اور عرش کے تلے پہنچ کر اپنے پروردگار کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پروردگار اپنی تعریف اور خوبی کی وہ وہ باتیں میرے دل میں ڈال دے گا (میری زبان سے نکلوائے گا) جو کسی کو

"وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِیْ فَأَقُوْلُ: أُمَّتِیْ یَارَبِّ أُمَّتِیْ یَا رَبِّ، فَیُقَالُ: یَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِکَ لَا حِسَابَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَیْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَکَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الْأَبْوَابِ"

نہیں بتلائیں۔ پھر ارشاد ہوگا محمد! (ﷺ) سر اٹھا، مانگ جو مانگتا ہے۔ وہ ملے گا جس کی سفارش کرے گا ہم سنیں گے۔ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا، پروردگار میری امت پر رحم فرما، پروردگار میری امت پر رحم فرما، ارشاد ہوگا: اپنی امت میں سے ان (ستر ہزار آدمیوں) کو جن کا حساب و کتاب نہیں ہوگا، بہشت کے داہنے دروازے سے بہشت میں لے جا اور یہ لوگ باقی دروازوں سے بھی اور لوگوں کی طرح جا سکتے ہیں"۔ (۱۴۰)

مولانا وجیہ الدین احمد خان نے اپنی کتاب "مسلکِ اربابِ حق" میں درج بالا حدیث کا حوالہ دے کر قرآنِ کریم کی اس آیت سے بھی استشہاد کیا ہے:

"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO" "اور عنقریب (وہ کچھ) عطا کرے گا تمہیں، تمہارا رب کہ خوش ہو جاؤ گے تم!" ۹۳:۵ (۱۴۱)

اس سے ظاہر ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو راضی کرنے کا مرحلہ آپ ﷺ کی امت کی شفاعت کے موقع پر آئے گا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دیگر انبیاء پر فضیلت:

اس ذیل میں بھی بہت ساری احادیث ہیں۔ ہم یہاں چند ایک احادیث نقل کرتے ہیں:

"أَنَا أَکْثَرُ الْأَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ" "قیامت کے دن سب نبیوں سے بڑھ کر میرے تابعدار ہوں گے"۔

"فُضِّلْتُ عَلَی الْأَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طُهُوْرًا وَّ أُرْسِلْتُ إِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً وَّ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ"۔ "چھ باتوں کی مجھ کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ غنائم میرے لیے حلال کر دی گئیں ہیں۔ زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے۔ میں سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے ساتھ انبیاء ختم کیے گئے ہیں"۔ (۱۴۳)

"إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَکَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَکَمَالِ مَحَاسِنِ الْأَفْعَالِ"۔ "مجھ کو مکارم اخلا اور محاسن اخلاق تمام کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے"۔ (۱۴۴)

"أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ"۔ "میں انبیاء و مرسلین کا قائد ہوں اور یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا"۔ (۱۴۵)

درجِ بالا چند احادیث میں مدحِ مصطفیٰ ﷺ کرنے والوں اور مدحتِ سرکار ﷺ کی جانچ پڑتال کرنے والے نقادوں کے لیے رہنمائی کا بڑا لوازمہ موجود ہے۔

اس موقع پر یہ لکھ دینا بھی ضروری ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کی تفہیم قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں ہونے کے باوجود اسلامی دنیا میں دو طرح کے رجحانات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

ا۔ایک طبقے کا Perception یا ادراک خالص شریعت کے ظاہر الفاظ پر مبنی ہوتا ہے۔جبکہ

۲۔دوسرے طبقے کا فہم و ادراک نبوت کی کنہہ اور اصلیت جاننے کے سلسلے میں ایک خاص تجسس اور لفظوں کی روح تک رسائی کی کوشش کے نتیجے میں ظہور میں آتا ہے۔

اس طرح پہلا طبقہ، اپنی نعتیہ تخلیقات میں صرف الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دیتا ہوا نظر آتا ہے۔جبکہ دوسرے طبقے کے لوگ اپنے باطنی احوال پر مبنی شخصی تجربات کی روشنی میں مدحتِ سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اساس قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اپنی آسانی کے لیے ان دونوں طبقوں کو ہم: (الف) شریعتی، اور (ب) طریقتی، کا نام دے سکتے ہیں۔یعنی الفاظ کے ظاہری معانی پر زور دینے والوں کو "شریعتی" اور الفاظ کے باطنی معانی کا کھوج لگانے کی کوشش کرنے والوں کو "طریقتی" اندازِ فکر کا مدعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

مقامِ رسالت کی تفہیم کے یہ دونوں انداز "نعتیہ شاعری" میں واضح نقوش قائم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس لیے نقاد کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دو طبقوں کے نکتہ ءنظر کو جان کر صرف ایسی باتوں سے گریز کا مشورہ دے جو صریحاً شریعتِ مطہرہ سے متصادم ہوں۔ایسی باتوں کو قطعی زیرِ بحث نہ لائے جن میں علماء و صوفیائے کرام کے درمیان تاویلات اور تفہیمات کا علاحدہ نظام موجود ہے اور جس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے سلسلے میں اب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا ہے۔ایسی باتوں میں الجھنے کے نتیجے میں نور و بشر، حاضر و ناظر، علمِ غیب، اختیارِ نبوت، شفاعت کی حدود اور دیگر بحثیں چھڑ سکتی ہیں۔اس لیے نقاد کو ان مباحث کے خارزار میں الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

☆☆☆

بابِ دوم:

مآخذ و منابع:

ا۔القرآن:۵۶:۵۱ (آیت ۵۶:سورۃ الذاریات ۵۱)

۲۔تفسیرِ مظہری۔جلد گیارہ۔ص ۱۷

۳۔ایضاً ص ۷۲

۴۔تفہیم القرآن، جلد پنجم: ص ۱۵۶

۵۔القرآن:۳،۲:۷۶

۵۔الف۔القرآن ۱۸:۲۹

۶۔القرآن:۶۷:۶

۷۔ایضاً:۱تا۳:۱۰۳

۸۔ضیاءالقرآن،جلدپنجم:ص۶۵۴

۹۔القرآن:۲۲۴تا۲۲۷:۲۶

۱۰۔تفسیرابن عباسؓ:ص۳۷۶

۱۱۔تفہیم القرآن:جلدسوم:ص۵۴۹

۱۲۔القرآن:۶۹:۳۶

۱۳۔اسرارالتنزیل:جلد۷،ص۳۴

۱۴۔القرآن:۱۰۴:۳

۱۵۔تفہیم القرآن،ج اول:ص۱۰۱

۱۶۔القرآن:۷۲:۱۵

۱۷۔شرح کلیات غالب(فارسی)،ص۹۳

۱۸۔القرآن:۲تا۴:۴۹

۱۹۔ضیاءالقرآن،جلدچہارم:ص۵۷۸

۲۰۔القرآن:۵۶:۳۳

۲۱۔ایضاً۴۳:۳۳

۲۲۔تفسیرابن عباسؓ،ص۴۲۳

۲۳۔تفسیرابن عباس[مترجم]جلددوم:ص۲۹۰

۲۴۔ضیاءالقرآن،جلدچہارم:ص۸۹

۲۵۔القرآن:۴:۹۴

۲۶۔تفسیرابن عباس[مترجم]جلددوم:ص۷۸۵

۲۷۔القرآن:۷۰:۳۳

۲۸۔القرآن:۱۰:۳۴

۲۹۔ضیاءالقرآن،ج چہارم:ص۱۱۴

۳۰۔القرآن:۳،۴:۶۷

۳۱۔تفسیرمظہری:جلدہشتم،ص۳۸۵

۳۲۔مشکوۃ شریف:جلددوم:ص۴۱۲تا۴۱۳

۳۳۔القرآن:۲۶۹:۲

۳۴۔برصغیرپاک وہندمیں عربی نعتیہ شاعری،ص۲۲۰

۳۵۔بلوغ الارب،جلدچہارم ص۵۴

۳۶۔صحیح بخاری[کتاب الادب]،جلدسوم:ص۴۸۶

۳۷۔بلوغ الارب:جلد۴،ص۶۴

۳۸۔مشکوۃ شریف:جلددوم،ص۴۱۲

۳۹۔بلوغ الارب:جلد۴،ص۶۴

۴۰۔ صحیح بخاری: ج:۳، ص ۴۸۶

۴۱۔ ایضاً [کتاب المناقب]، جلد دوم: ص ۴۸۰

۴۲۔ ایضاً ص ۴۸۱

۴۳۔ ایضاً ص ۵۴۵

۴۴۔ عربی میں نعتیہ کلام، ص ۵۹

۴۵۔ ایضاً ص ۵۹

۴۶۔ اسرار ورموز، [فارسی اردو ترجمہ]، ص ۱۸۱

۴۷۔ مدارج النبوت: ج دوم: ص ۳۶۲

۴۸۔ صحیح بخاری، جلد سوم: ص ۴۸۸

۴۹۔ برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۲۲۴

۵۰۔ مشکوۃ شریف: جلد دوم، ص ۴۱۳

۵۱۔ ایضاً جلد دوم: ص ۴۱۶

۵۲۔ ایضاً جلد دوم: ص ۴۱۶

۵۳۔ سلسلہ درسیات اقبال: سوم، ص ۱۶۴/۱۳

۵۴۔ ایضاً ص ۱۶۵/۱۳

۵۵۔ ایضاً ص ۱۶۶/۱۳

۵۶۔ مشکوۃ شریف: جلد دوم، ص ۴۱۶

۵۷۔ القرآن: ۱۵:۹

۵۸۔ ایضاً ۵:۳

۵۹۔ نورالعرفان، ص ۱۷۰

۶۰۔ معارف القرآن: جلد ۳، ص ۳۳

۶۱۔ القرآن: ۳۳:۲۸

۶۲۔ ایضاً ۳:۴

۶۳۔ ایضاً ۳۳:۴۰

۶۴۔ ایضاً ۲۱:۱۰۷

۶۵۔ ایضاً ۳۳:۲۱

۶۶۔ ایضاً ۳:۱۹

۶۷۔ ایضاً ۵۹:۷

۶۸۔ ایضاً ۳:۱۶۴

۶۹۔ ایضاً ۷:۲۰۳

۷۰۔ ایضاً ۱۰:۱۵

۷۱۔ ایضاً آیات ۳،۴ سورۃ ۵۳

۷۲۔ القرآن: ۶:۱۶۳

۷۳۔ تفسیر عثمانی ص۲۰۰

۷۴۔ القرآن:۴۱:۶

۷۵۔ حاشیہ کنزالایمان:ص۲۹۰

۷۶۔ القرآن:۳:۳۱

۷۷۔ ایضاً ۱۹:۹۶

۷۸۔ ایضاً۱۵:۷۲

۷۹۔ حاشیہ کنزالایمان:ص۳۸۴

۸۰۔ القرآن:۲:۲۸۵

۸۱۔ ایضاً ۳:۱۶۴

۸۲۔ ایضاً۴:۱۷۰

۸۳۔ ایضاً۴:۱۷۴

۸۴۔ ایضاً۵:۱۵

۸۵۔ ایضاً۱۷:۱

۸۶۔ ایضاً۲۱:۱۰۷

۸۷۔ ایضاً۲۲:۷۸

۸۸۔ ایضاً۳۳:۶

۸۹۔ ایضاً۶۱:۶

۹۰۔ ایضاً۹:۱۲۸

۹۱۔ ایضاً ۴۸:۲۹

۹۲۔ ایضاً۳۹:۳۳

۹۳۔ ایضاً۳۳:۳۶

۹۴۔ ایضاً۳۳:۳۶

۹۵۔ ایضاً۱۷:۱۵۷

۹۶۔ ایضاً۳۳:۴۵

۹۷۔ ایضاً ۳۳:۴۶

۹۸۔ ایضاً۱۳:۷

۹۹۔ ایضاً۳۴:۲۸

۱۰۰۔ ایضاً۳۳:۴۰

۱۰۱۔ ایضاً۶۸:۴

۱۰۲۔ ایضاً۹۴:۴

۱۰۳۔ ایضاً۱۰۸:۱

۱۰۴۔ ایضاً۱۷:۷۹

۱۰۵۔ ایضاً۳۳:۵۶

۱۰۶۔تفسیر عثمانی ص ۵۶۷

۱۰۷۔القرآن: ۴۸:۹

۱۰۸۔مقامِ رسول ﷺ: ص ۵۰

۱۰۹۔القرآن ۴:۸۰

۱۱۰۔تفسیر احسن البیان، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، ریاض، ص ۳۵۔۳۸

۱۱۱۔☆ کچھ ترمیمات کی گئی ہیں۔ مثلاً اہلِ بیت، شق القمر، بنات النبی ﷺ، کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۱۲۔القرآن ۲:۱۳۶ (وحیِ منظوم، سیماب اکبرآبادی)

۱۱۳۔القرآن ۲:۱۱۹، ایضاً

۱۱۴۔القرآن ۴:۸۰،۷۹، ایضاً

۱۱۵۔القرآن ۱۳:۳۰، ایضاً

۱۱۶۔القرآن ۱۷:۵۴، ایضاً

۱۱۷۔القرآن ۱۷:۱۰۵، ایضاً

۱۱۸۔القرآن ۳۵:۲۲، ایضاً

۱۱۹۔القرآن ۲۲:۴۸، ایضاً

۱۲۰۔القرآن ۵۲:۴۸، ایضاً

۱۲۱۔القرآن ۱۵:۹۵، ایضاً

۱۲۲۔القرآن ۳:۳۲، ایضاً

۱۲۳۔القرآن ۵:۶۷، ایضاً

۱۲۴۔القرآن ۴:۶۴، ایضاً

۱۲۵۔القرآن ۶:۵۰، ایضاً

۱۲۶۔القرآن ۸۱:۲۳، ایضاً

۱۲۷۔القرآن ۳۵:۸، ایضاً

۱۲۸۔الخصائص الکبریٰ، فی معجزات خیر الوریٰ: جلد اول، ص ۵۱

۱۲۹۔نعت رنگ ۱۸، ص ۵۷۲

۱۳۰۔نعت اور آدابِ نعت (مہرِ منیر اکیڈمی [انٹرنیشنل])، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۰

۱۳۱۔ایضاً ص ۲۳

۱۳۲۔میلادِ مصطفیٰ ﷺ: ص ۵۰

۱۳۳۔ایضاً ص ۵۸

۱۳۴۔ایضاً ص ۱۸۲

۱۳۵۔صحیح بخاری، باب خاتم النبیین ﷺ، جلد دوم: حدیث ۳۴۷، ص ۲۸۳

۱۳۶۔ضیاء القرآن: ج: سوم، ص ۱۹۲

۱۳۷۔مقامِ رسول ﷺ: ص ۳۷۹

۱۳۸۔جامع ترمذی: جلد دوم: ص ۶۷۸

۱۳۹۔ایضاً ص ۶۷۵

۱۴۰۔صحیح بخاری: ج ۲: ص ۹۰۹

۱۴۱۔مسلکِ اربابِ حق: ص ۲۱۶

۱۴۲۔مشکوٰۃ شریف: ج ۳: ص ۱۱۵

۱۴۳۔ایضاً ص ۱۱۷

۱۴۴۔ایضاً ص ۱۲۲

۱۴۵۔ایضاً ص ۱۲۱

☆☆☆

b.2.final.feb.d

بابِ سوم

نعتیہ شاعری میں فارسی اور اردو شعراء کے تنقیدی شعور کا انعکاس

اس باب میں تین عنوانات کے تحت گفتگو کی جائے گی:

۱۔نعتیہ موضوع کی نزاکت کا شعری اظہار

۲۔اشعار میں عجزِ بیان کے مظاہر

۳۔مقامِ رسالت کی شاعرانہ تفہیم کا جائزہ

۱۔نعتیہ موضوع کی نزاکت کا شعری اظہار:

مدح سرکارِ دو عالم ﷺ کا موضوع بڑا نازک اور حساس ہے۔یہی وجہ ہے کہ بیشتر شعراء نے یا تو براہِ راست موضوع کی نزاکت کی طرف اپنے اشعار میں اشارے کیے ہیں یا پھر اس موضوع کا حق ادا کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا ہے۔موضوع کی نزاکت کے احساس ہی نے بیشتر شعراء سے ایسے اشعار کہلوائے ہیں جن سے عجزِ بیاں مترشح ہے۔ بیان کے عجز اور اظہار کی دشواریوں سے مملو اشعار کے نمونے پیش کرنے سے قبل صرف چند اشعار موضوع کی نزاکت کے حوالے سے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست — آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن — نعتِ شہِ کونینؐ و مدیحِ کے و جم را

(۱)عرفی شیرازی

دعویٰ کن نعت لائق تو — رسوائے جہان آفرینش
دارد بہ عنایت تو عرفی — حرفے ز ، زبانِ آفرینش

(۲)عرفی شیرازی

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(۳)عزت بخاری

جب بھی اس نورِ مجسم کا سراپا لکھنا — کوئی بھی رخ ہو اسے جلوۂ یکتا لکھنا
اسؐ کی تشبیہ کی جراءت ہے خلافِ آداب — چاند کو چاند ستارے کو ستارا لکھنا
اسؐ کی تمثیل کا ہر وہم و گماں بے ادبی — ہے کہاں ارض و سما میں کوئی اس سا لکھنا

(۴)سعید وارثی

کہاں سے لاؤں زبان و قلم کے پیمانے — ہے بیکراں تری عظمت ، مری نظر محدود

(۵)احسان دانش

سرکار کی توصیف رقم کرنے سے پہلے — رکھتا ہے قلم حرفِ مناجات پہ سر بھی

(۶)بدر ساگر

حریف نعت پیمبر نہیں سخن حالی — کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لیے (۷)الطاف حسین حالی

شرط لازم ہے جو اوصاف نبی کی خاطر — وہ جزالت نہ فصاحت نہ بلاغت اپنی

ہاتھ آیا کوئی پیرایہ اظہار کہاں — ہو سکی قیدِ نہ الفاظ میں چاہت اپنی (۸)سید انور ظہوری

نعت اس کی کہاں، کہاں یہ زباں — ہاں نکلتی ہے صرف دل کی بھڑاس (۹)صبا اکبر آبادی

ذکر پاک ان کا اور تو فضلی — بے ادب سیکھ عشق کے آداب (۱۰)فضل احمد کریم فضلی

اردو میں نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا احوال براہِ راست بھی رقم ہوا ہے۔ بہت سے شعراء نے "نعت کیا ہے؟" کے زیرِ عنوان اپنے خیالات نظم کیے ہیں جن سے ان کے اس احساس کی عکس گری ہوتی ہے جو میرؔ نے اپنے اس شعر میں سمو دیا ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا (۱۱)میر تقی میرؔ

میرؔ کے اس شعر کا اطلاق اگر کسی صنفِ سخن پر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف نعتیہ شاعری ہے کیونکہ اس کا مافیہ (content) اور اسلوب (style) معنیاتی اور بیانیہ خوبیوں کا متقاضی ہے۔ ایسے شعری نمونوں میں جن میں نعت کے شعری اور شرعی تقاضوں کا ادراک جھلکتا ہے، حفیظ تائب مرحوم کی نظم بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اس نظم کی ردیف، نعت گو کے لیے خود ترغیبی کا حکم بھی رکھتی ہے اور دیگر شعراء کے لیے نعتیہ شاعری کے حدود و قیود سے آگاہی کا باعث بھی ہے۔

نعت گوئی کے لیے حسنِ ارادت شرط ہے — ساتھ کچھ فہمِ کتاب و علمِ سیرت شرط ہے

اس میں ہے لازم جمالِ فن بھی اوجِ فکر بھی — جتنی ممکن ہو خیالوں کی طہارت شرط ہے

گر ادب پہلا قرینہ ہے ثنا کے شہر میں — ہر قدم اس راہ میں عجزِ طبیعت شرط ہے

ہے محبت آپؐ کی ایمانِ کامل کی کلید — ہاں مگر جوشِ محبت میں اطاعت شرط ہے (۱۲)حفیظ تائب

نعت کیا ہے؟ حسن کے سردار جذبے کا جمال — چشمِ عشق و اشک سے دیکھے ہوئے منظر کی آل

نعت کیا ہے؟ مدحتِ پروردگارِ دو جہاں — خالق و مخلوق کے مابین ربطِ لازوال

نعت، صادق چاہتوں کے باغ کا کھلتا گلاب — حضرتِ حسانؓ بن ثابت کا گلزارِ خیال

نعت، نسبت کے سہانے نور کی صبحِ ظہور — شب کے تنہا موسموں میں گونجتی بانگِ بلالؓ

نعت، دل کی بستیوں میں عہدِ خوش حالی کا راز — اک عقیدت مند سرشاری کا شہرِ بے مثال

حسنِ کامل کی ازل سے تا ابد توصیف، نعت — جس کے وردِ پاک سے فیروزؔ، کٹتے ہیں ملال (۱۳)محمد فیروز شاہ

نعت فنِ شاعری کا اک دمکتا آفتاب — نعت گلزارِ صداقت کا تر و تازہ گلاب

نعت اصنافِ سخن کا سب سے بہتر انتخاب — نعت الہامی صحیفہ، کائناتی انتساب (۱۴)قیصری

لیکن اس کے واسطے تائیدِ غیبی چاہیے — یعنی جیسے آپؐ ہیں توصیف ویسی چاہیے کانپوری

احتیاط اس کو برتنے میں نہایت احتیاط — حرف املاءِ مصدرِ حمد و امینِ نعت ہیں (۱۵)جعفر بلوچ

ولائے میر اممؑ ہو تو نعت ہوتی ہے　　خدا کا خاص کرم ہو تو نعت ہوتی ہے
اطاعتِ شہِ والاؐ میں زندگی گزرے　　یہ جذب و شوق بہم ہو تو نعت ہوتی ہے
نگاہ و دل ہوں محبت اساس و عجز شعار　　نیاز کیش قلم ہو تو نعت ہوتی ہے (۱۶) جعفر بلوچ

لفظوں کا طور اس میں، معنی کا نور اس میں　　اک جلوہء محبت، نعتِ رسولِ اکرمﷺ
ہر نعت گو ہے رہبر پاکیزہ منزلوں کا　　ہر راہ رو کی قوت، نعتِ رسول اکرمﷺ
یہ سیرتِ منور کی ضو فشانیاں ہیں　　ہے کتنی خوبصورت، نعتِ رسول اکرمﷺ (۱۷) سبطین شاہجہانی

تسلسل کی فضا میں لکھنے والے عمر بھر لکھیں　　مگر سرکارؐ کی توصیف کم ہے جس قدر لکھیں
قمر چاہیں سند مقبول ہونے کی جو طیبہ سے　　تو پھر نعت نبیؐ عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر لکھیں (۱۸) قمر وارثی

اگر ہم نعتیہ شعری نزاکتوں سے مملو اشعار کا شمار کرنا چاہیں تو دفتر کے دفتر درکار ہونگے اور پھر بھی ایسے اشعار کا احاطہ ممکن نہیں ہوسکے گا، کیونکہ تقریباً ہر باشعور شاعر نے کسی نہ کسی زاویئے سے نعت کے حساس موضوع کی اہمیت اور اس کے برتنے میں پیش آنے والی دشواریوں کا احساس شعری عمل میں روشن کیا ہے۔ درج بالا مثالیں اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ نعت کہتے ہوئے شعراء کے ذہن میں اس مقدس موضوع سے متعلق کیا تحفظات تھے۔ نعتیہ موضوع کی نزاکتوں کے شاعرانہ اظہار سے جو احساس اجاگر ہوتا ہے وہ نثری اظہارات کے مرقعوں میں بڑا واضح اور غیر مبہم شکل میں سامنے آتا ہے، اس لیے مقالے کے اگلے ابواب میں تنقیدی آراء کی روشنی میں نعتیہ شاعری کی مقتضیات پر گفتگو کا در وا کیا جائے گا۔

۲۔ اشعار میں عجزِ بیاں کے مظاہر:

ہر ادب پارے کی تخلیق خود ادب پارے کی صفات کے حوالے سے تخلیقی شعور کی متقاضی ہوتی ہے۔ شعر میں بھی شاعر کا تخلیقی شعور کارفرما ہوتا ہے۔ تخلیقِ شعر کے پہلے مرحلے میں شاعر، شاعری کی ہیئتی اصناف میں سے ایک صنف منتخب کرتا ہے، پھر کوئی عروضی بحر، شاعر کے میلانِ طبع کے مطابق، اس کے حیطہء فکر میں آتی ہے۔ الفاظ کا چناؤ بھی تنقیدی شعور کے تحت ہوتا ہے۔ موضوعات کے حوالے سے مضامین کی چھان پھٹک بھی ہوتی ہے۔ پھر متن اس طرح بنا جاتا ہے کہ حسنِ بیاں برقرار رکھتے ہوئے شعر کا مافیہ بلاکم و کاست ترسیلِ مفہوم کی منازل طے کر سکے۔ نعتیہ شاعری کرتے وقت بھی ہمارے شعراء کے تحت الشعور میں یہ تمام تخلیقی تقاضے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر شاعر نے نعتیہ شاعری کے ضمن میں اپنی بے بضاعتی، کم علمی، مقامِ رسالت کی عدم آگہی اور موضوع کی عظمت اور اپنی نارسائی کا ذکر کیا ہے۔

ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> ''شاعر کے تخلیقی عمل میں اسکے تنقیدی شعور کا اہم رول ہوتا ہے۔ تنقیدی شعور کے بغیر شاعر اپنے کلام کے حسن و قبح اور دوسرے فنی تقاضوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ اس کا تنقیدی شعور اسے فن پارئے پر نظر ثانی کے لیے مجبور کرتا ہے اور یہی شعور اس کی شاعری کے ارتقا کا ضامن ہوتا ہے''۔ (۱۹)

نعتیہ شعری ادب کے سرمائے میں ہمیں شعراء کے ایسے اشعار زیادہ ملتے ہیں جن سے شعورِ فن کی کمی کا احساس جھلکتا ہے اور اپنے جذبات کی ترسیل میں اظہار کی نارسائی کا خیال نمایاں ہوتا ہے۔ نعت کے میدان میں بیشتر شعراء اپنی بے بضاعتی کا اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عام قصائد، غزل یا نظم میں شعراء نے تعلی کو اپنا شیوہ ضرور بنایا ہے لیکن نعتیہ شاعری کرتے ہوئے بیشتر شعراء نے عجز کا ہی اظہار کیا ہے۔ ادیب رائے پوری نے اس حوالے سے لکھا ہے:

> ''شاعر جب اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ میں طاقتِ بیان نہیں، میں حبیب رب کی ثنا کا اہل نہیں، یہ مقام بے حد مشکل ہے وغیرہ اس طرح کے اظہار میں خوف پوشیدہ ہے وہ یہ کہ جذبہ کا اظہار، جوشِ محبت، شوق آرزو، تمنائے وصال، طلب دیدار کے بیان میں شایانِ رسالت، علوئے مراتب، لفظوں کے انتخاب میں لغزش، عرفی کے اشعار کے مصداق نہ ہو جائے۔ یہ بظاہر عجز و انکسار کا پہلو ہے لیکن نعت کہنے میں جو ادب و احتیاط شرط ہے اسی شعور کا مظہر ہے۔ یہ شعور فارسی کے شعراء میں بھی ہے اور اردو میں بھی''۔ (۲۰)

نعت گو شعراء کا تنقیدی شعور جاننے کے لیے فارسی اور اردو کے ایسے اشعار کا انتخاب پیش کرنے کی سعی کی جارہی ہے۔ جن میں شعراء کا عجزِ بیاں اور انکسارِ ہنر جھلکتا ہے:

چہ دولت بایدم تحمید ذات مصطفیٰؐ گویم
کہ در دریوزہ صوفی گرد اصحاب کرم گردد (۲۱) شیخ سعدی

زباں را درکش اے سعدی زشرح علم او گفتن
تو در علمش چہ دانی باش تا فردا علم گردد (۲۲) شیخ سعدی

چہ نعتِ پسندیدہ گویم ترا
علیک السلام ای نبی الورا

ندانم کدامی سخن گویمت
کہ والا تری زانچہ من گویمت

ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسں بس است (۲۳)

چہ وصفت کند سعدی ناتمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام شیخ سعدی

در نعت او زبانِ فصاحت کرا رسد
خود پیشِ آفتاب چہ پرتو دہد سُہا (۲۴) شیخ سعدی

ہزار بار بشستم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن مرا نمی شاید (۲۵) خواجہ ہمام تبریزی

نہ جبرئیل، نہ حسانم و نہ جوہر فرد
مدیح خواجہ بخوانم، کمال بے ادبیست (۲۶) غلام قادر گرامی

چو او نمود بعجز اعتراف لا احصی
ثناش گفت بقرآں صدائے عالمِ غیب (۲۷) خواجہ معین الدین چشتی"

زباں در وصف ذاتت گنگ و لالست
کہ وصفِ چوں توی کردن محالست (۲۸) جمال خان جمالی، کنبوہ دہلوی

چو نعتت می سراید ایزد پاک
چہ باشد در صفات زہرۂ خاک

ندارم تابِ نعتِ آں امامِ انبیاء گفتن
کہ آں ہرگز نمی دارد نظیرِ خود نشانِ خود (۲۹) عزیز الدین احمد عظامی

جامی کجاست نعت تو اما بکلکِ شوق
ہر لوح صدق زد رقمے کیف ما اتفق (۳۰) عبدالرحمٰن جامیؔ

مسیح از خام طبعی لب نہ بستی
ادب باید درینجا گرچہ مستی (۳۱) سعد اللہ پانی پتی، مسیح

یا نبیؐ الابطحی ۔ من کہ و مدحت کجا رشتہ نہ بندد بچرخ ، ساز طنین ذُباب (۳۲) میرزا عبدالقادر بیدلؔ، عظیم آبادی

غالب ثنائے خواجہ بیزدان گزاشتیم کان ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است (۳۳) غالبؔ

دعویٰ کن، نعتِ لائق تو رسوائے جہانِ آفرینش (۳۴) محمد جمال الدین عرفیؔ شیرازی

آناں کہ وصفِ حسنِ تو تفسیری کنند خواب ندیدہ را بہ تعبیری کنند (۳۴) عرفیؔ شیرازی

اگر در نعتِ آیم تا قیامت نیارم گفت یک وصفت تمامت (۳۵) فریدالدین عطارؔ

لیکن ترا اجمال بیاں نیست در درود لیکن ترا قبول سخن نیست در ثناء

دست دعا وسیع و سمند تو ناتواں بام ثناء رفیع و کمند تو نارسا

گیرم کہ در کلام تو تاثیر کیمیا است دانا بکانِ زر، نہ کند عرضِ کیمیا

گیرم کہ عنبریں سخت نافہ خطاست کس نافہ ارمغاں نبرد جانب خطا

کرمان و زیرہ؟ بصرہ و خرما؟ بدخش و لعل؟ عمان و در؟ حدیقہ و گل؟ جنت و گیا؟

زین بیش در طبق چہ نہی جنس ناپسند زین بیش بر محک چہ زنی نقدِ نارو ا

گر راست از مدیح شناسائی است و بس خود راشناس تانہ کنی مدح ناسزا (۳۶) حکیم قاآنی

کارِ نعتِ مصطفیٰؐ را بر خدا بگزاشتم نعتِ شہ او خوب کردن می تواند جای من (۳۷) احمد حسن محدث نیازی

ثنائش گو و لے چوں نیست ایفائش ز تو ممکن باایں یک بیت مدحش را علی الاجمال ایفا کن (۳۸) شیخ عبدالحق حقی

نخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن محدث دہلوی

خدا در انتظار حمد ما نیست محمدؐ چشم بر راہ ثنا نیست

خدا مدح آفرین مصطفیٰؐ بس محمد حامد حمدِ خدا بس

مناجاتے اگر باید بیاں کرد بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد (۳۹) میرزا مظہر جان جاناں

محمد از تو می خواہم خدا را الٰہی از تو حب مصطفیٰؐ را

دگر لب وا کن مظہر فضولیست سخن از حاجت افزوں فضولیست

حق گزار مدح او کس نیست جز یزدان پاک رائے من ایں شد و شد روح الامیں ہم رائے من (۴۰) مولٰنا احمد حسن محدث

کار نعت مصطفیٰؐ را بر خدا بگزاشتم نعت شہؐ او خوب کردن میتواند جائے من کچھرایونی نیازی

لکھوں نعت اس کی میں کس طرح ساری براق ادنیٰ تھا جس کی اک سواری (۴۱) سعادت یار خاں رنگین دہلوی

ثنا تیری بیاں کیا ہو، صفت تیری رقم کیا ہو نہ اس قابل زباں نکلی، نہ اس لائق قلم نکلا (۴۲) آزاد بیکانیری

مرے بیان و زباں کی بساط ہی کیا ہے ترے جمال کی تعریف خود خدا نے کی (۴۳) ازہر درانی

عجز ادراک سے ہے تیری ثنا کا آغاز کس کو دعویٰ ہے کہ سمجھا ہے وہ رتبہ تیرا اسلم انصاری

کس عبارت سے کریں تیرے شمائل کا بیاں کون لکھ سکتا ہے لفظوں میں سراپا تیرا (۴۴) اسلم انصاری

کس عبارت سے کریں تیرے شمائل کا بیاں   کون لکھ سکتا ہے لفظوں میں سراپا تیرا (۴۴)اسلم انصاری

مجھ کو اس بزم میں کیا جراءت گویائی ہو   جس میں حسانؓ کی گفتار بھی شرمائی ہو (۴۵)محمد افضل کوٹلوی

نعت کہنے کو جب بھی اٹھایا قلم، میرے جذبات کو جانے کیا ہو گیا (۴۶)انور جمال

خامشی لب پہ مدحت سرا ہو گئی، اشک آنکھوں میں حرفِ دعا ہو گیا

ثنا خواں کس طرح ہو کوئی اس محبوبؐ یکتا کا   زباں میں یہ کہاں قدرت، قلم کو یہ کہاں یارا

آیا ہے ترا اسم مبارک مرے لب پر   گرچہ یہ زباں اس کی سزاوار نہیں ہے (۴۷)صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

ورائے فکر و نظر اس کی رفعتوں کے مقام   جو ایک گام میں طے کر گیا نظر کی حدود (۴۸)حافظ لدھیانوی

ثنائے خواجہ کروں یہ کہاں بساط مری   کہ میرا فکر بھی عاجز، خیال بھی محدود

کیوں کر حیات اس کی تعریف کوئی لکھے   خلاق ہر دو عالم خود جس کا مدح خواں ہے (۴۹)حیات وارثی لکھنوی

میری کہاں بساط، کہوں نعت مصطفےٰؐ   جو شعر بھی ہوا ہے، ہوا آپ کے طفیل (۵۰)خالد شفیق

کس رخ سے تیری مدح ترے مدح جو کریں   کس تار سے حروف کے دامن رفو کریں (۵۱)خالد احمد

ان کا کرم نہ کرتا اگر رہبری خلیل   مقدور کب تھا مجھ کو ثنائے حضور کا (۵۲)مفتی خلیل خاں برکاتی

ثنا کس منہ سے ہو خورشید ان کی   خدائے پاک جن کا مدح خواں ہے (۵۳)خورشید ملیح پوری

ہفت افلاک سے یا کاہکشاں سے لاؤں   نعت کہنے کے لیے لفظ کہاں سے لاؤں (۵۴)رفعت سلطان

دل میں ہے مدحتِ حضرتؐ کی تمنا لیکن   روئے قرطاس پہ کیا عجز بیاں سے لاؤں

تری نعت اور روحی تہی فکر   تری محفل میں کیا بندہ چلے گا (۵۵)روحی کنجاہی

تیری توصیف کہاں اور کہاں میرا قلم   فکرِ ناقص مرا، تو مظہرِ اسرارِ قدم (۵۶)طاہر شادانی

یوں تو کہنے کو کہیں سینکڑوں نعتیں طاہرؔ   کونسی نعت کہی آپ کے شایانِ رسولؐ (۵۷)طاہر سردھنوی

ہم کہاں عادل، کہاں نعت شہ کون و مکاں   سب طفیل مصطفیٰ یہ عزت افزائی ملی (۵۸)وہاب عادل

نعت ہوتی نہیں جب تک آرزو بھی نہ ہو باوضو   دھول میں پھول اگانے کے فیروز الگ اپنے آداب ہیں (۵۹)محمد فیروز شاہ

دامن نعت کے قابل کوئی گوہر لائے   کون ایسا ہے جو مٹھی میں سمندر لائے (۶۰)قیصر بارہوی

تصویر تحیر ہے عالم یارائے بیاں زیبا ہی نہیں   امکان ثنائے ختم رسل لفظوں میں سما سکتا ہی نہیں (۶۱)ہوش ترمذی

خدا تیرا معترف ہے ملک تیرے موصف ہیں   نہیں حد بشر کہنا ترے اوصاف بے حد کا (۶۲)شیخ امام بخش، ناسخ لکھنوی

ارادہ جب کروں اے ہم نشیں مدح پیمبر کا   قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریل کے پر کا (۶۳)آغا شاعر قزلباش دہلوی

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضورؐ   تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی (۶۴)احمد رضا خاں بریلوی

مدحت شاہ دوسرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح   تنگ مرے تصورات پست مرے تخیلات (۶۵)نواب بہادر یار جنگ

دل نعتِ رسولِ عربی کہنے کو بے چین   عالم ہے تحیر کا زباں ہے نہ قلم ہے (۶۶)مفتی محمد شفیع

فیض طیبہ ہے یہ انداز ثنا بھی حسرت — ورنہ کیا رنگ مرا، کیا مرے اشعار کی بات

(۸۱) پروفیسر محمد یونس حسرت

مجال انسان کی کیا ہے کہ ہو مداح حضرت کا — کلام اللہ جب ناطق ہوا خوئے محمدؐ کا

(۸۲) شیخ امیر الدین آزاد

لکھوں کس طرح نعتِ مصطفےٰ کیا میرا رتبہ ہے — خدا قرآں میں تعریف ان کی آپ کرتا ہے

(۸۳) محمد اشفاق علی اشفاق

وصف احمد لکھوں مجال کہاں — اتنا نازک مرا خیال کہاں
منہ ترا اور جناب کی تعریف — سوچ رزاق ہے خیال کہاں

(۸۴) محمد عبدالرزاق خاں، رزاق

جز خداوند دو عالم کس سے مدحت ہو سکے — وصف میں ان کے سبھی جن و بشر ناچار ہیں

(۸۵) خواجہ احمد حسن

رفعت کو دیکھتے ہوئے اٹھتی نہیں نگاہ — کیا وصفِ حدِ عظمتِ آقا کریں گے ہم

(۸۶) محمد سعادت حسین، شیدا

یہ نام وہ ہے کہ جس کی ثنا نہیں ممکن — کہ آپ کہتا ہے سبحان ، یارسول اللہ

(۸۷) مرزا عباس بیگ، عباس

نور ہے خالق کا اور ممدوح خالق کا ہے وہ — خلق کا منہ مدح کہنے کے بھی کب قابل ہوا

(۸۸) محمد حسن علی

صفت لکھنے کو نور مصطفےٰ کی — زباں لاؤں کہاں سے میں خدا کی

(۸۹) سید محسن علی، محسن

جو ان کا حق تعالیٰ مدح خواں ہے — لکھوں میں نعت ، کیا تاب و تواں ہے؟

(۹۰) سید سلطان احمد، نامی

یہ عاجزی بھی قیامت ہے نعت میں صہبا — بیاں کی تاب نہیں اور خیال سامنے ہے

(۹۱) صہبا اختر

میری کتاب نعت کا یہ آخری ورق — اک جبر مفلسی کے سوا کچھ نہیں حضورؐ
دامن کشاں خیال ہے وہ تنگ دامنی — کرتی ہے دل کا خون جو ہر حال میں ضرور
دنیا کا ظرف بھی ہے نگاہوں کے سامنے — اس واسطے کتاب کی محدود ہیں سطور
ورنہ حضورؐ آپؐ کی مدحت میں یہ قلم — ہر دامنِ سحر کو بناتا حدیثِ نور
سرکارؐ کا سپاس گزارِ ازل یہ دل — اکرامِ منقبت سے ہوا ہے ہمہ شکور
پابندیء ضخامت و تعدادِ شعر سے — کب مطمئن ہوا ہے ، مرا قلب ناصبور

بندہ عاجز، فقیر کج بیاں — کیا کرے گا مدح ممدوح خدا

(۶۷)ڈاکٹر سید انعام احسن، فقیر

صفات بوقلموں لا تعد و لا تحصی — ثنائے خواجہ میں معذور ہیں زبان و قلم

(۶۸)عبدالعزیز خالد

منزل نعت نبی افسر نہ ہم سے طے ہوئی — پاؤں رکھتے ہی یہاں ہوش اڑ گئے ادراک کے

(۶۹)منظور احمد صدیقی، افسر امروہوی

نعت سرکار دو عالم کی میں لکھوں کیونکر — میں گنہگار، وہ معصوم، میں عامی وہ رسول

(۷۰)راغب مراد آبادی

ان کی مدحت کا جریدہ نہ مکمل ہوگا — جتنے ممکن ہیں شماروں پہ شمارے لکھنا

(۷۱)راز کاشمیری

جب ان کی ثنا کا وقت آیا — لفظوں کا وجود ڈگمگایا

(۷۲)شمس قادری

تیری توصیف کو تحریر میں لاؤں کیسے — حسن خورشید کو آئینہ دکھاؤں کیسے

(۷۳)صفدر صدیق رضی

ہم غلاموں کی یہ اوقات نہیں ہوسکتی — عجز اظہار ہے بس، نعت نہیں ہوسکتی

(۷۴)سجاد سخن

میں کس طرح سے نام شہ دوسرا کا لوں — بہر کلام لفظ نہ طاقت سخن میں ہے

(۷۵)ادا، بیگم سلطانہ ذاکر

بشر کیا خدا بھی ہے جس کا ثنا خواں — کروں اس کی توصیف میں کس زباں سے

(۷۶)قمر سلطانہ سید

ہو بشر سے کس طرح وصف محمد کا بیاں — کس طرح سے بند کوزے میں ہو بحر بے کراں

(۷۷)نور بدایونی

ادا حق مدحت خیر البشر ہو کس طرح نوری — تو حافظ ہے نہ رومی ہے نہ سعدی ہے نہ جامی ہے

(۷۸)مسرت جہاں نوری

اوصاف بیاں آپ کے کس طرح ہوں مجھ سے — کیا منہ جو کروں مدحت سردار دو عالم

(۷۹)شاہدہ سلطانہ، ناز

مدح سرکار ہے کس کے امکان میں — آپ کی مدحتیں تو ہیں قرآن میں (۸۰)محشر بدایونی

فیض طیبہ ہے یہ انداز ثنا بھی حسرت — ورنہ کیا رنگ مرا، کیا مرے اشعار کی بات

(۸۱) پروفیسر محمد یونس حسرت

مجال انسان کی کیا ہے کہ ہو مداح حضرت کا — کلام اللہ جب ناطق ہوا خوئے محمدؐ کا

(۸۲) شیخ امیرالدین آزاد

لکھوں کس طرح نعتِ مصطفےٰ کیا میرا رتبہ ہے — خدا قرآن میں تعریف ان کی آپ کرتا ہے

(۸۳) محمد اشفاق علی اشفاق

وصف احمد لکھوں مجال کہاں — اتنا نازک مرا خیال کہاں

منہ ترا اور جناب کی تعریف — سوچ رزاق ہے خیال کہاں

(۸۴) محمد عبدالرزاق خاں، رزاق

جز خداوند دو عالم کس سے مدحت ہو سکے — وصف میں ان کے سبھی جن و بشر ناچار ہیں

(۸۵) خواجہ احمد حسن

رفعت کو دیکھتے ہوئے اٹھتی نہیں نگاہ — کیا وصفِ حدِ عظمتِ آقا کریں گے ہم

(۸۶) محمد سعادت حسین، شیدا

یہ نام وہ ہے کہ جس کی ثنا نہیں ممکن — کہ آپ کہتا ہے سبحان ، یارسول اللہ

(۸۷) مرزا عباس بیگ، عباس

نور ہے خالق کا اور ممدوح خالق کا ہے وہ — خلق کا منہ مدح کہنے کے بھی کب قابل ہوا

(۸۸) محمد حسن علی

صفت لکھنے کو نور مصطفےٰؐ کی — زباں لاؤں کہاں سے میں خدا کی

(۸۹) سید محسن علی، محسن

جوان کا حق تعالیٰ مدح خواں ہے — لکھوں میں نعت ، کیا تاب و تواں ہے؟

(۹۰) سید سلطان احمد، نامی

یہ عاجزی بھی قیامت ہے نعت میں صہبا — بیاں کی تاب نہیں اور خیال سامنے ہے

(۹۱) صہبا اختر

میری کتابِ نعت کا یہ آخری ورق — اک جبر مفلسی کے سوا کچھ نہیں حضورؐ

دامن کشاں خیال ہے وہ تنگ دامنی — کرتی ہے دل کا خون جو ہر حال میں ضرور

دنیا کا ظرف بھی ہے نگاہوں کے سامنے — اس واسطے کتاب کی محدود ہیں سطور

ورنہ حضورؐ آپؐ کی مدحت میں یہ قلم — ہر دامنِ سحر کو بناتا حدیثِ نور

سرکارؐ کا سپاس گزارِ ازل یہ دل — اکرامِ منقبت سے ہوا ہے ہمہ شکور

پابندیء ضخامت و تعدادِ شعر سے — کب مطمئن ہوا ہے ، مرا قلب ناصبور

افسوس ناتمام رہی دل کی گفتگو　　افسوس اختتام کو پہنچی شب سرور
دیوان اور دل میں مرے فرق ہے کہاں　　دونوں سمیٹ لایا ہوں ، سرکارؐ کے حضور
(۹۲)صہبا اختر

رکھتا نہیں ثنائے نبیؐ کی میں دستگاہ　　لکھتا ہوں نعت پھر بھی کہ دھل جائیں کچھ گناہ
(۹۳)نظر لکھنوی

نہیں ہے دم خم کسی میں اتنا، ثنا نبیؐ کی جو لکھے کامل　　ہے نعت گوئی میں میری نیت رضائے خالق ہو مجھ کو حاصل
(۹۴)نظر لکھنوی

نعتیہ شاعری میں عجزِ بیاں کے بے شمار اشعار ملے۔تقریباً ہر شاعر نے نعت کہنے میں اپنی بے بضاعتی کا اظہار کیا ہے۔لیکن عاصی کرنالی نے ایک جدا انداز اور منفرد آہنگ میں اپنی بے بضاعتی کو فکری اور تخلیقی سطح پر اجاگر کیا ہے۔میرے نزدیک اردو نعتیہ شعری سرمائے میں اس سے بہتر عجزِ بیان کی مثال ملنا مشکل ہے۔وہ کہتے ہیں:

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضموں سوچ　　جناب! وادیٔ حیرت میں گم ہوں ، کیا سوچوں!
زباں! مرحلہ مدح پیش ہے ، کچھ بول　　مجالِ حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم !بیاضِ عقیدت میں کوئی مصرع لکھ　　بجا کہا،سر تسلیم خم ہے کیا لکھوں
شعور ! ان کے مقامِ پیمبری کو سمجھ　　میں قیدِ حد میں ہوں وہ بے کراں میں کیا سمجھوں؟
خرد! بقدر رسائی تو ان کے علم کو جان　　میں نارسائی کا نقطہ ہوں ان کو کیا جانوں ؟
خیال! گنبدِ خضریٰ کی سمت اُڑ پر کھول　　یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں، کیا کھولوں؟
طلب مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ　　یہاں یہ رختِ سفر ہی نہیں ہے کیا باندھوں ؟
نگاہ دیکھ ! کہ ہے روبرو دیارِ جمال　　ہے ذرہ ذرہ یہاں آفتاب، کیا دیکھوں؟
دل! ان سے حرفِ دعا، شیوۂ تمنا مانگ　　بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
حضورؐ! عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے　　تہی ہے دامنِ فن ، آستاں پہ کیا لاؤں ؟
(۹۵)عاصی کرنالی

کر نہیں سکتا کبھی کوئی ثنا کا حق ادا　　'عبدُہٗ لا اُحصِی ثنا کا ورد لاثانی کرے
(۹۶)بشیر حسین ناظم

نورِ مصحف کو صبحِ بہاراں لکھا، رنگِ پیکر کو حسنِ گلستاں کہا (۹۷)امین راحت چغتائی
تیری توصیف سے پھر بھی قاصر رہے، سارے الفاظ صرفِ ہنر ہو گئے

ہر گھڑی رہتا ہے الفاظ کی حرمت کا خیال　　نعت کہتے ہوئے ہم لوگ تو ڈر جاتے ہیں
(۹۸)امین راحت چغتائی

آصفؔ یہ میری نعت ہے اعجاز آپؐ کا　　میرے شعور و فکر سے بالا حضورؐ ہیں
(۹۹) آصف بشیر چشتی

میں تو کوشاں ہوں مگر تیرے اشارے کے بغیر　　نعت میں حسانؓ سا نورِ سخن ملتا نہیں
(۱۰۰) ہلال جعفری

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری　　حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے! (۱۰۱)رضا بریلویؒ

مدحتِ سیدِ لولاک لما کیا لکھوں   جو ہو ممدوحِ خدا اس کی ثنا کیا لکھوں

(۱۰۲)حافظ لدھیانوی

بھلا کیسے ہو ہم سے حق ادا توصیفِ احمدؐ کا   سبق پڑھتے ہیں اس مکتب میں ہم تا حال ابجد کا
نظر صدیقؓ کی حسنِ بیاں ہو اہمِ معبد کا   تو شاید کچھ بیاں ہو پائے ان کے قامت وقد کا
تعارف کے لیے شہزاد عمرِ خضر بھی کم ہے   اگر ہو تذکرہ صرف ان کے اک تلمیذِ ارشد کا

(۱۰۳)شہزاد مجددی

نعت اعجاز کیسے لکھوں میں   فکر معذور عاجز قلم ہے

(۱۰۴)اعجاز رحمانی

بیاضِ فکر کہاں اور کہاں ثنائے رسولؐ   ''سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے''

(۱۰۵)ایاز صدیقی

بہ شوق آپ کی توصیف میں نے کی تو مگر   میں جانتا ہوں وہ شایانِ آں جناب نہیں

(۱۰۶)اقبال عظیم

نعتِ حضورؐ اور کہاں میرا خیال اور بیاں   دیتی ہے طعنے کس قدر فکرِ شکستہ پا مجھے

(۱۰۷)سعید وارثی

مداح جن کا خالقِ حسن و جمال ہے   توصیف ان کی اور بشر سے، محال ہے

(۱۰۸)حمید، سید حمید الدین احمد

مدح اظہر کرے گا کیا تیری   مدح خواں جب خدا ہوا تیرا

(۱۰۹)محمد کمال اظہر

مدح کیا ہوسکے ہے ہر لب سوسن پہ درود   کیا ہو توصیف بیاں سرو کو سکتہ ہوجائے

(۱۱۰)نعیم تقوی

کب ہے توصیف کا امکان رسول عربیؐ   لفظ و معنی ہیں پریشان رسول عربیؐ

(۱۱۱)نعیم تقوی

ثنا ہو کس طرح مخلوقِ اولیں مجھ سے   ثنا ہو کس طرح مخلوقِ اولیں مجھ سے
کلامِ خالقِ کونین تیری شان میں ہے   کلامِ خالقِ کونین تیری شان میں ہے

(۱۱۲) نعیم تقوی

مدحتِ احمدؐ کا ہو ابرار کیسے حق ادا   ہے ثنا خواں جب کہ ذاتِ کبریائی آپ کی

(۱۱۳)ابرار کرتپوری

مجھ میں وہ بات نہیں وصف جو حسانؓ میں ہے   لکھ سکوں نعتِ نبی کب مرے امکان میں ہے
مجھ سے کیونکر ہو رقم مدحتِ محبوبِ خدا   انؐ کی توصیف جب انجیل میں قرآن میں ہے
حق ادا کرسکے توصیفِ حبیبِ حق کا   اتنی قدرت نہ بضاعت کسی انسان میں ہے

(۱۱۴)حافظ عبدالغفار حافظ

حافظ کہاں ثنائے شہِ بحر و بر کہاں   ممکن بشر سے مدحتِ خیرالبشر کہاں

(۱۱۵)حافظ عبدالغفار حافظ

انؐ کی مدحت کے لیے دونوں جہاں کافی نہیں انس و جاں کافی نہیں کروبیاں کافی نہیں (۱۱۶)مبارک مونگیری

نعتِ احمدؐ لکھے کا کیا مداح خُلق کا جس کے ہے خدا مداح

(۱۱۷)شوق لکھنوی

مدحِ احمدؐ زباں پہ کیونکر آئے بحر، کوزے میں کس طرح سے سمائے

(۱۱۸)شوق لکھنوی

عظمتِ سرکارؐ کیسے ہو بیاں ہم پہ کیا ہے آشکارا ، کچھ نہیں

(۱۱۹)مسرور کیفی

خوشبو کو تصویر کروں پر نعت نہ لکھی جائے روشنیاں تقریر کروں پر نعت نہ لکھی جائے

لفظوں کو زنجیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے جو چاہوں تحریر کروں پر نعت نہ لکھی جائے

پہلے اپنی سوچ کو صدیوں پر پھیلاؤں، پھر اک عالم تسخیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے

ایک عجب بے چینی کے عالم میں ہوں سیفی نقطے کی تفسیر کروں پر نعت نہ لکھی جائے

(۱۲۰)منیر سیفی

عاجز ہے نطق وصفِ حبیب خداؐ میں دشوار ہے یہ کام قلم کی نگاہ میں

(۱۲۱)محمد حسن زیدی

میں اپنی نعت کو اظہارِ فن قرار نہ دوں میں اس کو عرضِ تمنا کا اک بہانہ کہوں!

(۱۲۲)عارف عبدالمتین

ادا کروں تو کروں کیسے تیری نعت کا حق مجھے نصیب نہیں طرزِ گفتگو تیری

(۱۲۳)عارف عبدالمتین

نہ میں ہوں لوح و قلم کا مالک، نہ رازِ حمد و ثنا کا مالک میں نعت تیری لکھوں تو کیسے کہ عجزِ اظہار ہے مرا فن

(۱۲۴)عارف عبدالمتین

میں کیسے نعت لکھوں کس طرح سناؤں تجھے کہ روکتا ہے برابر ترا ادب مجھ کو

(۱۲۵)عارف عبدالمتین

یہ آرزو ہے کہ میں جب بھی تیری نعت کہوں مرے بیاں سے جھلکنے لگے بیاں تیرا

(۱۲۶)عارف عبدالمتین

یہ اور بات کہ شایانِ شاں نہ ہو تیرے یہ آرزو ہے کہ میں نعت بے حساب لکھوں

(۱۲۷)عارف عبدالمتین

عجزِ گویائی کا مظہر بن گئی ہے میری نعت کس لغت سے لفظ ڈھونڈوں جس سے ہو تیری ثنا (۱۲۸)عارف عبدالمتین

ترے شایانِ شاں کب نعت میری ہے مگر سچ ہے　　　ثنا تیریﷺ ہے میرے چہرۂ اظہار کا غازہ

(۱۲۹)عارف عبدالمتین

اظہارِ عجز کے درج بالا شعری نمونے اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں کہ نعت کہتے ہوئے شعراء کو، مقامِ رسالت مآب ﷺ کی عدم آگاہی، فن کے تقاضوں سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت کے فقدان اور آدابِ نعت گوئی سے بے بہرہ ہونے کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری میں بیشتر شعراء شاعرانہ تعلی کے بجائے عجز و انکسار کا پیرایہء بیاں اپناتے ہیں۔

۲-۳ مقامِ رسالت کی شاعرانہ تفہیم:

حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے بارے میں بیشتر شعراء نے ایسا ہی خیال شعرِ عقیدت کا جزو بنایا ہے جیسا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (۱۳۰)

اور اسی ضمن میں بیشتر شاعروں نے حضورِ اکرم ﷺ کا مقصودِ کائنات ہونا بھی شعری کائنات میں منعکس کیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری میں اس مضمون کی فراوانی کی وجوہات پر محمد حسن عسکری نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

> "آج سے سو پچاس سال پہلے عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقتِ محمدی احاطہ بیان میں نہیں آسکتی اور رسول کی بنیادی صفت یہی ہے"۔(۱۳۱)

ایک اور جگہ حسن عسکری لکھتے ہیں:

> "اگر ہر چیز کے پیچھے حقیقتِ محمدی ہے تو ہر چیز جاندار ہے، باحرکت ہے اور اپنی اصل کی طرف راجع ہے"۔(۱۳۲)

حقیقت یہ ہے کہ صرف سو پچاس سال نہیں بلکہ تقریباً ہر عہد میں نعت گو شعراء کے شعرِ عقیدت میں حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی تصور جزوِ ہنر بنا ہے جو حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ والا صفات کو تخلیقِ کائنات کی وجہ اور بعد از خدا بزرگ ظاہر کرتا ہے۔

مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے تذکرۂ شعراء موسوم بہ "گلستانِ سخن" (مرقومہ ۱۲۷۱ھ/۵۵-۱۸۵۴ء) میں حقیقتِ محمدیہ کا تصور شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس مسئلے کی نزاکت اور بیان کی دشواریوں کے پیشِ نظر ہم صابر دہلوی کی تحریر کا قدرے طویل اقتباس پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں:

> "مشتاقانِ سوانح قدیم و جدید پر واضح ہو کہ احادیث نبوی علیٰ قائلہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات سے اول مخلوقات سے تعین میں مختلف اقوال دریافت ہوتے ہیں۔ کہیں "اول ماخلق اللہ نوری" واقع ہے یعنی جو چیز کہ خدائے عزوجل نے پہلے مخلوق کی ہے وہ میرا نور ہے۔ منقول ہے کہ جابر انصاری رضی اللہ عنہ نے کہ فضل و دانش میں اقران و امثال سے ممتاز اور قبول اسلام سے پہلے علماء یہود و نصاریٰ سے مبداء آفرینش میں

اقاویل متباینہ سن کر تسلی ء خاطر کے واسطے ہداۃ سبل کے طالب تھے، اسلام سے مشرف ہو کر جناب افصح العرب والعجم ﷺ سے پوچھا کہ اے چاشنی گیر موائد علم لدنی! صانع قدیر نے سب سے اول کس چیز کو پیدا کیا؟ نعت جواب سے کامیاب ہوئے کہ اے جابر! تیرے پیغمبر کے نور کو اور کسی حدیث میں نور کی جگہ قلم اور کسی میں لوح اور کہیں روح کا لفظ وارد ہے۔ اگرچہ اختلاف روایت اس تعین میں خلل انداز ہے لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اختلاف تعدد اسما کے قبیل سے ہے، نہ تعدد مسمی کے اور اسما کے تعدد سے مسمی متعدد نہیں ہو جاتا۔ یہ سب اسم ہیں ایک ذات کے اور لقب ہیں ایک ہی حمیدہ صفات کے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سنا چاہیئے کہ حضرت مبداء جلت اسماء نے نور محمدی پر کہ اس کو جو ہر بیضا کہتے ہیں، صفات جلالی و جمالی کے ساتھ تجلی کی اور ان دونوں صفات کے اثر سے وہ نور دو قسم ہو گیا۔ ایک سے تو نہایت لطافت و صفا اور روشنی و ضیا نقاب کشا تھی اور دوسری سے اس کی نسبت کچھ کمی کے ساتھ جلوہ نما۔ اول نور کے لقب سے مشہور ہوا اور دوسرا نار کے نام سے مذکور۔ نور سے اشخاص شریفہ ء علویہ اور کواکب اور آسمان اور ارواح انبیاء و اولیاء اور اصحاب یمین کی آفرینش وقوع میں آئی، اور نار سے جن اور اجناس سفلیہ اور اصحاب شمال کی ارواح نے امتیاز پائی۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ نور حضرت شریعت پناہ خالق و مخلوق میں واسطہ اور ماسوائے اللہ کے آفرینش کے علت ہے۔ نہ افلاکیوں کا وجود اس کے فیض کے بغیر جلوہ گر اور نہ خاکیوں کا ظہور اس کے وسیلے کے بدون میسر۔ فرشتے کو اس کے جمال کی شمع سے نور اور پری کو اسی کی آتش جلال سے گرمی ء ہنگامہ ء ظہور۔ محققین اس نور پاک اور مصداق ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کو موجود منبسط مطلق کہتے ہیں کہ اس کا انبساط اور اطلاق اعم ہے، نہ اس کو کسی نوع خاص کے ساتھ اختصاص ہے اور نہ وہ ایک جنس کے ساتھ خاص۔ بلکہ عام ہے کہ ہر شے اس کے افاضہ سے کامران اور ہر ذائقہ اس کی نعمت سے لذت ستان۔ نہ کسی حد معین میں منحصر اور نہ کسی صفت خاص میں منضبط۔ حادث کے ساتھ حادث ہے اور قدیم کے ساتھ صاحب قِدم۔ مجرد کے ساتھ مجرد ہے اور مجسم کے ساتھ مجسم۔ جوہر کی مصاحبت میں جوہر ہے اور عرض کے پردے میں عرض کے نام سے جلوہ گر۔ احدیت اور واحدیت میں واسطہ ء اولی ہے اور واجب اور ممکن میں برزخ کبریٰ۔ بہ اعتبار اصل کے احدیت اور وجوب کے ساتھ معروف ہے اور بہ اعتبار قیود کے واحدیت اور امکان سے موصوف۔ عرفی شیرازی نے اسی مطلب عظمیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے:

تا مجمع امکان و وجوبت نہ نوشتند   مورد متعین نشد اطلاق اعم را

جب مخلوق اول متعین ہو گیا اور واسطہ ء اولی اور برزخ کبریٰ مبین، تو اب چاہیے کہ اس خوان فیض کے ریزہ خوار اور اس مائدہ ء احسان کے زلہ بردار، یعنی واردان مہمان سرائے روزگار کہ اس علت کے معلول اور اس سبب کے مسبب ہیں، بزم بیان میں حاضر اور محفلِ ذکر میں باریاب ہوں''۔(۱۳۳)

اقتباس کی طوالت کے لیے معذرت۔ تاہم یہ بات جاننے کے لیے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مقامِ رسالت اور حقیقتِ محمدیہ کا تصور کن کن زاویوں سے شعری قالب میں ڈھلا ہے، اور اس تصور کی روایاتی اہمیت کیا ہے، قادر بخش صابرؔ دہلوی کی کتاب سے یہ عبارت نقل کرنی پڑی۔

دراصل مقامِ رسالت کی یہی تفہیم ہے جو ہماری نعتیہ شاعری میں جھلکتی ہے۔ یہ تفہیم دین اسلام کے متصوفانہ آہنگ

ورنگ میں رنگی ہوئی ہے فارسی اور اردو شعراء نے بیشتر اسی تفہیم کے تحت حضور انور ﷺ کی ذات کے حوالے سے اشعار کہے ہیں مثلاً

آن چہ نور است کہ از وادی بطحا بر خاست   کہ ہمہ کون و مکانش بتماشا بر خاست

(۱۳۴)جامیؔ

از عالمِ پاک آمدی، مقصودِ لولاک آمدی   بس چست و چالاک آمدی، جانہا فدایت مرحبا

(۱۳۵)خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

شفیع الوریٰ خواجہء بعث و نشر   امام الہدیٰ صدرِ دیوانِ حشر

کلیمی کہ چرخِ فلک طور اوست   ہمہ نور ہا پر تو نورِ اوست

(۱۳۶)سعدی

شہے کو بر فرازِ تختِ افلاک   بسر برداشت دایم تاجِ لولاک

(۱۳۷)جمال خان جمالی کنبوہ دہلوی

باعثِ خلقتِ کل، ہادیء اربابِ سُبُل   سرو سرخیلِ رسل، محرمِ خلوت گہِ راز

(۱۳۸)شیخ محمد علی حزیں

معنیء احمد بے میم پرس از جبریلؑ   بخدا جوہرِ کل مرتبہ دانست اور را

(۱۳۹)غلام قادر گرامی

اے واجبِ ممکن نما، اے باعثِ ہر دوسرا   اے زینتِ ارض و سما، از ابتداء تا انتہا

(۱۴۰)عزیز الدین احمد عقامی

محمدؐ شہِ محفلِ قدسِ ذات   محیطِ تُخمِ ہستیء کائنات

ز لفظ محمد گر آگہہ شوی   ادا فہمِ الحمد للہ شوی

وجود آمدت فیضِ اظہارِ او   عدم پردہء نقشِ اسرارِ او

کمالش بر افگندہ بر روئے ذات   ز اسمِ محمدؐ نقابِ صفات

شیونات ذات اللہ، افعالِ او   ظہور کلام اللہ ، اقوالِ او

ز آئینہء ذرہ تا آفتاب   ز نورِ تماشائے او کامیاب

(۱۴۱)میرزا عبدالقادر بیدل

محمد صافیء آئینہء قدس   ہمان سرمایہء گنجینہء قدس

چہ واجب تشاء سر جوشِ نورش   چہ ممکن ذرہ مینای ظہورش

تُخم امکاں کہ ہستی نام دارد   ز جوشِ اوء مئے در جام دارد

جہاں مرآتِ انوارِ جمالش   دلِ ہر ذرہ فانوسِ خیالش

(۱۴۲) میرزا عبدالقادر بیدل

آں کمالِ حقیقتِ آدم   آبروی حقائقِ عالم
جوہرِ اعتبارِ غیب و شہود   اصلِ کیفیتِ خفا و نمود
ازل افسانۂ بدایتِ او   ابد، اندیشۂ نہایتِ او

(۱۴۳) بیدلؔ عظیم آبادی

جلوۂ اول کہ حق بر خویش کرد   مشعلِ نورِ محمدؐ پیش کرد
شد عیاں زاں نور، در بزمِ ظہور   ہر چہ پنہاں بود، از نزدیک و دور
ہر کجا ہنگامۂ عالم بود   رحمۃ للعالمینے ہم بود
منشاءِ ایجادِ ہر عالم یکیست   گرد و صد عالم بود، خاتم یکیست
خود بے گوئی کہ نورش اول است   از ہمہ عالم ظہورش اول است
جوہرِ کل بے شاید شنیہ   در محمدؐ رہ نیابد شنیہ
ہم گہر مہرِ منیرش، چوں بود   سایہ چوں نبود، نظیرش چوں بود؟
منفرد اندر کمالِ ذاتی است   لاجرم مثلش محالِ ذاتی است

(۱۴۴) اسد اللہ خاں غالبؔ

زہے عز و علائے منتہائے اوجِ انسانی   نبی یثربی و مہبطِ تنزیلِ فرقانی
امیرِ عالمِ امرے شہِ معمورۂ خلقے   ادبِ علوی و سفلی رسولِ انسی و جانی
ظہورِ کاملِ ذات و صفاتِ حضرتِ یزداں   حبیبیؐ سیدیؐ، محبوبؐ خاص الخاص ربانی

(۱۴۵) نیاز بے نیازؔ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو   آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےؐ او را بہاست   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےؐ ست

(۱۴۶) علامہ اقبالؔ

لو لاک لما خلقت الافلاک   سرنامۂ داستانِ عالم
عرفانِ مدارجِ محمدؐ   بیروں ز حدِ گمانِ عالم

(۱۴۷) جمیل نقوی

آں کو بہ رسل امام و سرور   ہم شافعِ امتاں بمحشر
ممتاز بشانِ حق نمائی   آں بندہ کہ می کند خدائی

ہم شمعِ جمالِ بزمِ امکاں   ہم خلوتیِ حریمِ یزداں

سرتاجِ پیمبراں حق آگاہ   دانائے رموزِ لی مع اللہ

شاہیکہ جلیلۃ القدوم است   ذاتیکہ مدینۃ العلوم است

(۱۴۸) حافظ   مظہرالدین

پیداست ز تست نورِ ذاتے   از حسنِ تو حسنِ کائناتے

وصفِ تو بروں ز حدِ ادراک   شانِ تو عیاں ز رمزِ لولاک

(۱۴۹) حافظ   مظہرالدین

تنِ پاکت بہ خلقت جلوہ ساماں یا رسول اللہ   سراپایت ، مجسم نورِ یزداں یا رسول اللہ

گرامی پیکرِ نوریں، نخستیں جلوۂ تکویں   توئی طٰہٰ، توئی یٰسین بہ قرآں یا رسول اللہ

بہ نشرِ حسنِ تو وا گشت بابِ کنت مخفیا   توئی وجہِ ظہورِ بزمِ امکاں یا رسول اللہ

توئی در لفظِ کن آں نقطۂ آغازِ گویائی   توئی لاریب نازِ نطقِ انساں یا رسو ل اللہ

(۱۵۰) پیر نصیرالدین نصیر

وجہِ تخلیقِ دو عالم سرِ کن نورِ خدا   حاملِ انوار و اسرارِ الٰہی مرحبا

اے کہ تو رفتی ز فرشِ خاک تا عرشِ علیٰ   صاحبِ معراج ومنبر مظہرِ نورِ خدا

(۱۵۱) مہر   وجدانی

شاہِ گردوں مقام و عرش خرام   مظہرِ ذوالجلال والاکرام

(۱۵۲) اعظم   چشتی

انبیا جملہ عظیم اند و محمدؐ اعظم   ہمیں دین و ہمیں سودا ہمیں ارماں دارم

(۱۵۳) اعظم   چشتی

در بزمِ کائنات بایں شانِ دلبری   مقصودِ دو جہاں شہِ خوباں محمدؐ است

(۱۵۴) اعظم   چشتی

ہر خشک وتر کہ مُلکِ الٰہی ست، مِلکِ اوست   اعظم بحیرتم کہ چہ انساں محمدؐ است

(۱۵۵) اعظم چشتی

وجہِ بنائے این و آں حسنِ جہاں آرائے تو   باشد نہ بعد از کبریا در دو جہاں ہمتائے تو

تنویر بخشِ مہر و مہ شمعِ رخِ بیضائے تو   عالم ہمہ نغمائے تو، خلقِ خدا شیدائے تو

ایں نرگسِ شہلائے تو آوردہ رسمِ کافری

(۱۵۶) سعید   وارثی

آپؐ کی ذات کا ثانی کوئی دیکھا نہ سنا — یوں تو گزرے ہیں بہت ناز و نزاکت والے

(۱۵۷)جمیل نقوی

سرورِ جملہ انبیاء ہادیٔ ہر زمن ہو تم — فخرِ جمیع کائنات ، رحمتِ ذوالمنن ہو تم

روحِ جمال۔ بحر و بر ، مقصدِ خلقتِ بشر — نغمہ گرِ الست کے لحن کا بانکپن ہو تم

(۱۵۸)جمیل نقوی

محمدؐ باعثِ تخلیقِ کونین — محمدؐ اک نیا رخ بندگی کا

(۱۵۹)جمیل نقوی

اے کجکلۂ کجکلہاں سرورِ لولاک — تم سید کونین ہو سلطانِ دو عالم

(۱۶۰)جمیل نقوی

صفاتِ خالقِ کونین ماورائے بیاں — انہیں صفات کے مظہر محمدِؐ عربی

میانِ عالمِ امکاں بہر زمان و مکاں — جمیلؔ افضل و برتر محمدؐ عربی

(۱۶۱)جمیل نقوی

ہمرازِ مشیت الٰہی — تخلیق کا مدعا محمدؐ

مخلوقِ خدا میں سب سے اول — اخلاق کی انتہا محمدؐ

(۱۶۲)جمیل نقوی

اللہ کے بعد سب سے افضل — محبوبِ خدائے دو جہاں ہیں

(۱۶۳)جمیل نقوی

مصطفیٰؐ ہیں باعثِ تخلیقِ بزمِ کائنات — یہ جہاں روزِ ازل سے ہے جہانِ مصطفیٰؐ

(۱۶۴)جمیل نقوی

محمدؐ کنزِ عظمت کا نگیں ہیں — محمدؐ نیرِ برجِ بریں ہیں

محمدؐ آبروئے ہر دوعالم — محمدؐ آرزوئے ہر دو عالم

محمدؐ جانِ تسلیم و رضا بھی — محمدؐ جلوۂ نورِ خدا بھی

(۱۶۵)وقار صدیقی

رہنے والے آسماں کے ہوں کہ فرشِ خاک کے — سب کے سب ممنونِ احساں ہیں شہِ لولاک کے

(۱۶۶)افسر صدیقی امروہوی

آدمؑ کو جب وجود کا خلعت ملا نہ تھا — نورِ خدا سے نورِ محمدؐ جدا نہ تھا — (۱۶۷)حافظ

عالم تمام مطلعِ نور و ضیا نہ تھا — جب تک ظہورِ ماہِ رسالت ہوا نہ تھا — مظہرالدین

محمدؐ مقصدِ تخلیق ہے ساری خدائی کا　　محمدؐ دہر میں مظہر ہے شانِ کبریائی کا

(۱۶۸) اختر بجنوری

آنہیں سکتی حصارِ فکر میں شانِ رسولؐ　　صرف ربّ دوجہاں ہے مرتبہ دان رسولؐ

(۱۶۹) ڈاکٹر نثار احمد نثار

کُنتُ کنزاً کی وادیوں کا نور　　آسمانِ قِدم کا ماہِ تمام

وَرَفَعنَا کی رفعتوں کا امیں　　ابولارواح کا بھی پیش امام

رازدارِ دنیٰ و اَوْ ادنیٰ　　کتنا ارفع ہے عبدہٗ کا مقام

مطلعِ انبیاء حضور کی ذات　　مقطعِ انبیا حضورؐ کا نام

(۱۷۰) اعظم چشتی

مصطفیٰؐ وہ نام ہے جس نام کی حد کچھ نہیں　　قلزمِ آب رواں ، کہسار مجمد کچھ نہیں

خاک لالہ رنگ و آفاق زبرجد کچھ نہیں　　صبح ہائے روشن و شب ہائے اسود کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ ہی سرچشمہء تکریم ہیں بعد از خدا　　آپؐ ہو سکتے ہیں کیسے عظمت حق سے جدا

آپؐ ہی صدرالعلیٰ ہیں آپؐ ہی نورالہدیٰ　　آپؐ ہی وہ نور ہیں جس نور کی حد کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

خلقت عالم کا باعث ہے محمدؐ کا جمال　　وہ ازل ہو یا ابد ہو، ماورائے ماہ و سال

کہہ رہا ہے آپؐ کے نورِ مبارک کا کمال　　یہ زمیں یہ آسمانِ ہفت گنبد کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ کا اسمِ گرامی ، اسمِ اعظم کی طرح　　یہ برستا ہے دلوں پر نورِ پیہم کی طرح

ہے علاجِ التہابِ دل یہ شبنم کی طرح　　اس طلسم بیکراں کا دہر میں رد کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

آپ ہی سے جلوہ ساماں ہے فضائے بحر و بر　　آپؐ ہی حسن شی ہیں آپؐ ہی نورِ سحر

گر نہیں روئے محمدؐ کی تجلی پر نظر　　تو مہ و خورشید کی دنیا میں آمد کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

ہر حجابِ رنگ و بو ہے، اک حجابِ مصطفیٰؐ　　ثابت و سیار ، دربانِ جنابِ مصطفیٰؐ

نور کی شیرازہ بندی ہے کتابِ مصطفیٰؐ　　یہ مہ و انجم کے اوراقِ مجلد کچھ نہیں

جز--- محمدؐ کچھ نہیں

آپؐ خالق کا تبسم، آپؐ آدم کا شرف   آپؐ دنیا کی تجلی کے لیے انجم بکف
آپ کی وہ شان ہے جس شان کے چاروں طرف   عظمتِ نام و نسب ، فخرِ اب و جد کچھ نہیں
---جز محمدؐ کچھ نہیں

ناسخِ ادیانِ عالم، دے چکا دنیا کو نور   ہوچکا قرآن کا دستِ محمدؐ پر ظہور
وید و ژند و گیتا و توریت و انجیل و زبور   ہر کتابِ ماسبق ہے، اب قلم زد، کچھ نہیں
---جز محمدؐ کچھ نہیں

وردِ نامِ مصطفیٰ ؐ کرتا ہے ہر قلبِ سلیم   گردِ پائے مصطفےٰ ہیں ، انقلاباتِ عظیم
شاہراہِ مصطفےٰؐ ہے شاہراہِ مستقیم   شاہراہِ مصطفےٰؐ میں خدشۂ سد کچھ نہیں
---جز محمدؐ کچھ نہیں

اس زمیں کے فرش نے اس کہکشاں کی بام نے   دور دیکھے ہیں ہمارے دورِ صبح و شام نے
ہم غلامانِ محمدؐ ہیں ہمارے سامنے   تاج و تخت و افسرواورنگ و مسند کچھ نہیں
---جز محمدؐ کچھ نہیں (۱۷۱)صہباؔ اختر

ثانی کوئی ہوا ہے نہ ہوگا حضورؐ کا   اظہرؔ خدا کے بعد ہے احمدؐ کا اقتدار
(۱۷۲)ضمیر اظہرؔ

وہ ماہِ ابرِ رحمت وجہِ تخلیقِ دو عالم ہے   وہی حسنِ سراپا ہے ، وہی نورِ مجسم ہے
(۱۷۳)ظفر علی زرین

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا   اسی کو ابتداء کہیے اسی کو انتہا کہیے
(۱۷۴)ماہر القادری

باعثِ تخلیقِ عالم ان کی ذات   معنیء لولاک اب سمجھائیں کیا
(۱۷۵)بشیر حسین ناظم

شانِ حبیب دوسرا عقل و خرد سے ماورا   اصلِ وجودِ قدسیاں عقلِ بشر میں آئے کیوں
(۱۷۶)بشیر حسین ناظم

اسمِ حضرتؐ سے منور ہے سوادِ ہستی   سارے ناموں سے یہی نام اہم ہے ہم کو
(۱۷۷)بشیر حسین ناظم

شانِ رسولؐ کون و مکان و شہِ دنیٰ   بالائے عقل و وہم و گمان و قیاس ہے
(۱۷۸)بشیر حسین ناظم

اگر سرکارِ دو عالم ؐ نہ ہوتے　　کسی پر بھی نہ کھلتا رازِ ہستی

(۱۷۹)امین راحت چغتائی

وہ رونقِ حیات ، وہی روحِ کائنات　　وہ ہر مقامِ زیست پہ رحمت بدوش تھا

(۱۸۰)امین راحت چغتائی

تو صبحِ ازل، رشکِ قمر، مہرِ رسالت　　جلوہ ہے کبھی اور کبھی جلوہ نما ہے
نادیدہ بہاروں کا امیں ، حسنِ فراواں　　کیا تیرا بیاں ہو کہ تو محبوبِ خدا ہے
تو روح و رواں راحتِ جاں، نازشِ دوراں　　تو رنگ ہے، آہنگ ہے، تو سرِّ خدا ہے

(۱۸۱)امین راحت چغتائی

وہی ہے وجہ بنائے عالم وہی تو ہستی کی آگہی ہے　　جو دل میں جھانکوں تو عرش پیکر، جو آنکھ اٹھے تو آدمی ہے

(۱۸۲)امین راحت چغتائی

اس حسنِ کائنات کا عنوان آپ ؐ ہیں　　رحمٰن وہ تو مظہرِ رحمٰن آپ ؐ ہیں

(۱۸۳)امین راحت چغتائی

محمدؐ انجمنِ کن فکاں کا صدر نشیں　　محمدؐ افسرِ آفاق و سرورِ عالمؐ

(۱۸۴)عبدالعزیز خالد

حدِ گماں نہیں، حدِ یقیں سے آگے ہے　　نبیؐ کا نور یسار و یمیں سے آگے ہے

(۱۸۵)آصف بشیر چشتی

ہوا بھی چھو نہ سکی اس کی برق رفتاری　　وہ نور، سدرہ و عرشِ بریں سے آگے ہے
خدا کے بعد خدا کا رسول عظمت میں　　سب انبیاء سے بھی مرسلیں سے آگے ہے

(۱۸۶)آصف بشیر چشتی

نبیوں میں شان آپؐ کی ایسے بلند ہے　　جیسے ہے شان صحنِ خیاباں میں پھول کی

(۱۸۷)آصف بشیر چشتی

ہر رنگ میں حضور ہیں بے مثل و بے مثال　　ہر شان میں وحید و یگانہ حضور ؐ ہیں

(۱۸۸)آصف بشیر چشتی

کوئی بھی ثانی نہیں اس کا، کوئی ہم سر نہیں　　صاحبِ لولاک ؐ کا خورد و کلاں محتاج ہے

(۱۸۹)آصف بشیر چشتی

کسی سے ہم سری خورشیدِ تاباں کی ہو کیا آصفؔ　　یہ ہمت ماہ و انجم میں نہ جرأت کہکشاؤں میں

(۱۹۰)آصف بشیر چشتی

پیغمبروں میں صاحب اسرا کوئی نہیں — اچھے سبھی ہیں آپؐ سے اچھا کوئی نہیں
(۱۹۱)ماجدخلیل

خیر الانام ، ختمِ رسل ، سید البشرؐ — ہے اور کوئی انؐ کے علاوہ ، کوئی نہیں
(۱۹۲)ماجدخلیل

ممکن ہی نہیں مثال انؐ کی — ہیں اپنی مثال آپ ہی وہؐ
(۱۹۳)ماجدخلیل

وہی رمزِ اول وہی ہیر آخر — ازل تا ابد اقتدارِ محمدؐ
(۱۹۴)سرشارصدیقی

اک حقیقت ہیں وہ اور ان کے سوا — ہر حقیقت ، قیاس آرائی
(۱۹۵)سرشارصدیقی

کس کا حوالہ دے کوئی ، وہ بھی تری مثال میں — کوئی نظیر ہی نہیں ،حاشیہء خیال میں
(۱۹۶)سرشارصدیقی

یہی ہے شانِ نبوت یہی کمالِ اتم — خدا کے نور کا پیکر بھی ہے بشر بھی ہے
(۱۹۷)ہلال جعفری

یہ کائنات شہِ بحر بر کا صدقہ ہے — خدا کے آخری پیغام بر کا صدقہ ہے
(۱۹۸)ہلال جعفری

اُمی بھی معلم بھی ، فصیح دو سرا بھی — محبوبِ خدا ، صلِ علیٰ اور ہی کچھ ہے
(۱۹۹)ہلال جعفری

کن کی تجلیات محمدؐ کی ذات ہے — نورِ الٰہیات محمدؐ کی ذات ہے
عکسِ جمالیات محمدؐ کی ذات ہے — آئینہ دارِ ذات محمدؐ کی ذات ہے
بعد از خدا کی ذات محمدؐ کی ذات ہے — اللہ کی صفات محمدؐ کی ذات ہے
مقصودِ کائنات محمدؐ کی ذات ہے — تکمیلِ شش جہات محمدؐ کی ذات ہے
کہتے ہیں جس کو باعثِ تخلیقِ کائنات — وہ ذات ، ایک ذات محمدؐ کی ذات ہے
جن کا نہیں جواب نہ جن کی کہیں مثال — وہ بے مثال ذات محمدؐ کی ذات ہے
(۲۰۰)ہلال جعفری

مقامِ سیدِ مرسلؐ کا اہلِ دل سمجھتے ہیں — جو ناداں ہیں انھیں انسانِ آب وگل سمجھتے ہیں
(۲۰۱)ساجدرضوی

شفیع کل ہیں رسالت کی انتہا ہیں حضورؐ　　پھر اس کے بعد خدا جانے اور کیا ہیں حضورؐ
(۲۰۲)ساجدرضوی

بیک زبان زمانے نے کہدیا ساجدؔ　　شعور و فہم کے عالم سے ماورئی ہیں حضورؐ
(۲۰۳)ساجدرضوی

آدمی کو اپنی نوع آدمیت پر ہے ناز　　فخر ہے ذاتِ محمدؐ آدمیت کے لیے
(۲۰۴)سیمابؔ اکبرآبادی

احد ، احمدؐ، محمدؐ، واحد و محمود و حامد میں　　حروفِ مشترک "ح" "د" ہیں تحقیق ناقد میں
وہ نور النور ، جو آئینہء انوارِ سرمد ہے　　حدودِ فہمِ انسانی میں نام اس کا محمدؐ ہے
(۲۰۵)سیماب اکبرآبادی

نہ اب پیغام باقی ہے، نہ اب پیغمبری باقی　　رہے گی رہتی دنیا تک ، اسی کی آگہی باقی
جو خود آئینہ ہے، خود اپنے آئینے کا جوہر بھی　　خدا کا آخری پیغام بھی ہے ، اور پیمبر بھی
(۲۰۶)سیماب اکبرآبادی

عالمِ تخلیق میں تیرا کوئی ہم سر نہیں　　جز خدائے لم یزل تجھ سے کوئی بر تر نہیں
تیری ہستی سے ہوئی شانِ حقیقت کی نمود　　تیری بعثت سے بڑھی یہ رونقِ بزمِ شہود
وجہِ تخلیقِ دو عالم صاحبِ معراج و نور　　تیرا قرآں ناسخِ توریت و انجیل و زبور
تجھ پہ عظمت ختم ہے، توقیرِ عظمت ختم ہے　　اے شہِ دنیا و دیں تجھ پر نبوت ختم ہے
(۲۰۷)نصیرؔ آرزو

یونہی نہیں یہ حجت لولاک میں کہوں　　منت پذیر اسؐ کی ہے یہ بزمِ کاف و نوں
فی الذات و فی الصفات خدا وہ نہیں شریک　　مخلوقِ کائنات میں سب سے بڑا ہے یوں
(۲۰۸)نظرؔ لکھنوی

تقابل کیجئے کس سے مقابل ہو نہ جب کوئی　　نرالی اس کی صورت ہے انوکھی اسؐ کی سیرت ہے
(۲۰۹)نظر لکھنوی

خدا کے بعد عظمت ہے تو عظمت ہے محمدؐ کی　　محمدؐ کی قسم سب پر فضیلت ہے محمدؐ کی
(۲۱۰)نصیرؔ آرزو

وصف کیا مجھ سے بیاں ہو شہِ ذیشاں تیرا　　خود خدا وجہِ دو عالم ہے ثنا خواں تیرا
(۲۱۱)حافظ مظہرالدین

باعثِ ایجادِ عالم ہے ظہورِ مصطفےٰؐ　　آیہء رحمت ، امام المرسلیں ، خیرالورئی

انؐ کے نورِ پاک سے روشن ہوئی صبحِ ازل　　شانِ رحمت نے جہانِ رنگ و بو چمکا دیا
(۲۱۲)حافظ لدھیانوی

اُنؐ کا جمال گلشنِ ہستی کا رنگ و نور　　آئینہ دارِ حُسنِ بہاراں حضورؐ ہیں
(۲۱۳)حافظ لدھیانوی

خسروِ ارض و سما سیدِ مکی مدنیؐ　　صاحبِ تاج و لوا سیدِ مکی مدنیؐ
(۲۱۴)حفیظ تائب

کشورِ ہست کے سلطان رسولِ عربیؐ　　قصۂ زیست کے عنوان رسولِ عربیؐ
کون ہے صاحبِ لولاک لَمّا تیرے سوا　　سب جہانوں کی ہے تو جان رسولِ عربیؐ
(۲۱۵)حفیظ تائب

حُسنِ فطرت، حُسنِ موجودات، حُسنِ کائنات　　نورِ ایماں ، نورِ جاں، نورِ بصر، خیر البشرؐ
آفتابِ اوج و خوبی ، ماہتابِ برتری　　آب و تابِ چہرۂ شام و سحر خیر البشرؐ
(۲۱۶)حفیظ تائب

کیا بتائے بشر آپ کا مرتبہ، جانتا ہے خدا ہی مقام آپ کا　　آپ کا عشق ایمان کی جان ہے روحِ دینِ متیں احترام آپ کا
(۲۱۷)شہزاد مجددی

خلق میں کوئی نہیں ہے ان سے بڑھ کر محترم　　زینتِ عرشِ عُلا میرے نبیؐ کی ذات ہے
حشر تک مخلوق خالق سے جدا ہوگی نہیں　　درمیاں میں رابطہ میرے نبیؐ کی ذات ہے
(۲۱۸)اعجاز رحمانی

شہرِ یارِ جناں آپ ہیں　　رحمتِ دو جہاں آپؐ ہیں
آپ کا حکم، حکمِ خدا　　حق نما، حق نشاں آپ ہیں
آپ روحِ سفر ہیں حضورﷺ　　کارواں، کارواں آپ ہیں
(۲۱۹)محمد مسعود اختر

خلقِ ارض و سما کی غایت ہے　　وہ جو شہکارِ دستِ قدرت ہے
(۲۲۰) محمد مسعود اختر

رُخِ مصطفیٰؐ کی تجلیاں مرے ظرفِ دل میں سمائیں کیا　　یہ وہ آئینہ ہے جو معتبر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
(۲۲۱)منوّر بدایونی

کسی وہم نے صدا دی ، کوئی آپؐ کا مماثل　　تو یقیں پکار اٹھا، کوئی تھا نہ ہے نہ ہوگا
(۲۲۲)صبیح رحمانی

محمدؐ کا بھلا کیا مرتبہ ہے ! — سنو! اس راز کا محرم خدا ہے
محمدؐ مظہرِ نورِ الٰہی — کہ نورِ مصطفیٰؐ نورِ خدا ہے

(۲۲۳)تنویر پھول

وجہ تخلیقِ دو عالم آپ ہیں — بے گماں سب سے مکرم آپ ہیں

(۲۲۴)تنویر پھول

نعتِ ازل کا مطلع اول حضورؐ ہیں — نظمِ ابد کا مقطعِ رحمت نشاں ہیں آپؐ
ہستی کے باغ میں بھی مہک آپ ہی سے ہے — وجہِ بہارِ گلشنِ ہر این و آں ہیں آپ (ﷺ)

(۲۲۵)راجا رشید محمود

نورِ خدا ہے شکلِ محمدؐ میں جلوہ گر — آئینہ شاہکار ہے آئینہ ساز کا
کس کو ملا یہ حسنِ شرف آپ کے سوا — محرم ہے اور کون مشیت کے راز کا

(۲۲۶)ایاز صدیقی

وہی عنوانِ تخلیقِ جہاں ہے — وہی دانائے رازِ کن فکاں ہے
وہی سردارِ جملہ ہادیاں ہے — وہی سرخیلِ کل پیغمبراں ہے
بڑے تو اور بھی ہیں اس جہاں میں — مگر اتنا بڑا کوئی کہاں ہے

(۲۲۷)اقبال عظیم

عنوانِ کتابِ آفرینش — سرمایۂ کن فکاں محمدﷺ
تکمیلِ صحیفۂ رسالت — سرخیلِ پیمبراں محمدﷺ
ذاتے کہ تمام تر تقدس — نامے کہ بدوں گماں محمدﷺ

(۲۲۸)اقبال عظیم

جہانِ کن فکاں کی ابتدا و انتہا تم ہو — ہوئی ہے جن سے تزئینِ حریمِ دوسرا تم ہو

(۲۲۹)قمر یزدانی

کس کی خاطر انعقادِ محفلِ کونین ہے — بزمِ کن کی ابتدا ہے کون؟ احمد مجتبیٰؐ

(۲۳۰)قمر یزدانی

حدیثِ من رانی قد رئی الحق سے ہوا ظاہر — ہے نورِ حق کا مظہر پیکرِ زیبا محمدؐ کا

(۲۳۱)قمر یزدانی

بہر سو معنیء لولاک کی جلوہ نمائی ہے — نظر افروز بزمِ کن میں حسنِ مصطفائی ہے

(۲۳۲)قمر یزدانی

اول خدا نے نورِ تمہارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا

(۲۳۳)شاہ حاتم، شیخ ظہورالدین دہلوی

ہو گیا احمدؐ ہی اپنی میم مظہر سے احد
اس میں کچھ پردا نہیں ہے نام کا پردا کیا

(۲۳۴)شاہ نصیر

ہے اس بحر میں کوئی دُر یتیم
کہ ہے جس کی خاطر یہ نازو نعیم

ہے اس جشن میں کوئی سلطاں ضرور
کہ ہے دم قدم کا یہ جس کے ظہور

محمدؐ ہے وہ تاج دارِ ہدیٰ
مدارِ نبوت رسولِ خدا

بشیر و نذیر و رؤف و رحیم
امین و شفیع و حبیب و کریم

وہی ہے ثمر نخلِ اظہار کا
وہی ہے گہر بحرِ انوار کا

وہی میہمانِ گرامی ہے یاں
اسی کے لیے ہے یہ بزمِ جہاں

جمالِ الٰہی کا مظہر ہے وہ
کمالِ خدائی کا مظہر ہے وہ

اسی کی بدولت ہے یہ سب نمود
کہاں کا عدم اور کہاں کا وجود

(۲۳۵)اسمٰعیل میرٹھی

ظہورِ شانِ ربی، سرِّ ہستی، آپؐ ہی تو ہیں
کمالِ صنعتِ خلاقِ باری آپؐ ہی تو ہیں

(۲۳۶)خاور قریشی

ظلمتِ عالم میں نورِ اولیں آقاؐ کا تھا
پھر سرِ بامِ فلک شمس و قمر روشن ہوئے

(۲۳۷)سجاد سخن

وجہِ تخلیقِ جہاں ہے بعثتِ خیر البشرﷺ
سب زمانوں کے لیے ہے رحمتِ خیر البشرﷺ

(۲۳۸)سجاد سخن

انہیں کے واسطے پیدا کیا سارے زمانے کو
انہیں پر ختم فرمایا زمانے کے فسانے کو

سجی بزمِ جہاں محبوب کی عزت بڑھانے کو
سرِ محشر خدائی کو بلا بھیجا دکھانے کو

انہیںؐ جب حشر میں دولہا بنانے کا خیال آیا

(۲۳۹)منور بدایونی

تم سا کوئی ہوا ہے نہ ہوگا تمہیں تو ہو
بعد از خدا بزرگ، وہ تنہا تمہیں تو ہو

محبوبِ کبریا شہِ بطحا تمہیں تو ہو
دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

(۲۴۰)منور بدایونی

جب صبح، ازل نور سے سرشار ہوئی   رحمت شہِ بطحا کی ضیاء بار ہوئی
خوش رنگیء فطرت کی قبا اوڑھے ہوئے   کونین کی ہر چیز نمودار ہوئی

(۲۴۱)محبوب الٰہی عطا

بنی ہے محفلِ امکاں برائے خواجہء کل   بنا ہے سارا جہاں سید البشرؐ کے لیے

(۲۴۲)سعید وارثی

جس قدر اعلیٰ و ارفع ہیں محمد مصطفیٰؐ   اس قدر اعلیٰ و ارفع دوسرا کوئی نہیں
ہے وجودِ کائنات انؐ کے وجودِ پاک سے   اس وجودِ پاک جیسا دوسرا کوئی نہیں

(۲۴۳)آفتاب کریمی

یہ آسماں یہ چاند یہ تارے یہ کائنات   تخلیق سب ہوئے ہیں بدولت حضورؐ کی

(۲۴۴)محمد اظہر کمال

نورِ حق کائنات کا مطلوب   پیکرِ عظمتِ دوام آیا

(۲۴۵) محمد اظہر کمال

وہ بشر تو ہیں مگر ان سا بشر کوئی نہیں   ہیں رسول اور بھی ان سا تو مگر کوئی نہیں

(۲۴۶) سیدحمید الدین احمد

اصلِ ضیائے شمس و قمر آپؐ ہی تو ہیں   وجہِ فروغِ نورِ نظر آپؐ ہی تو ہیں

(۲۴۷) سید حمید الدین احمد

واضح دلیلِ ذاتِ احد کائنات میں   ملتی ہے آج بھی فقط احمدؐ کی ذات میں

(۲۴۸) سید حمید الدین احمد

کوئی نظیر جس کی نہیں کائنات میں   وہ ایک شاہکار خدا آپؐ ہی تو ہیں

(۲۴۹)جعفر بلوچ

آپؐ ہیں غایتِ کن فکاں یا نبیؐ   آپؐ سر متنِ دیوانِ جاں یا نبیؐ
آپؐ کا فرش ہفت آسماں یا نبیؐ   آپؐ کی گردِ رہ، کہکشاں یا نبیؐ

(۲۵۰) جعفر بلوچ

شعور و فکر و قیاس و شمار سے بالا   مرے حضورؐ ہیں ہر اعتبار سے بالا

(۲۵۱)قمر وارثی

مظہرِ ذوالجلال میرے حضورؐ   آپ اپنی مثال میرے حضورؐ
ذرے ذرے میں کائنات کے ہے   جن کا عکسِ جمال میرے حضورؐ

فیضِ نور ان کا جاری و ساری — بحرِ بے زوال میرے حضورؐ

(۲۵۲)حفیظ تائبؔ

جس کی تجلیوں سے دو عالم ہیں تابناک — تائبؔ وہ آفتاب رسالت مآب ہیں

(۲۵۳)حفیظ تائب

الصلوٰۃ و السلام اے علامتِ صبحِ ظہور — الصلوٰۃ والسلام اے ہستی و امکاں کے نور

(۲۵۴)حفیظ تائبؔ

کیا پوچھتے ہو عظمت و رفعت رسولؐ کی — پورا کلامِ پاک ہے مدحت رسولؐ کی

(۲۵۵)عزیزالدین خاکیؔ

محمد مصطفےٰؐ جیسا کوئی آیا نہ آئے گا — شہِ ہر دوسرا جیسا کوئی آیا نہ آئے گا

(۲۵۶)عزیزالدین خاکیؔ

تو اصلِ بنائے خلق ٹھہرا — تو عزو وقار و شانِ عالم
مہکی نہ تھی بوئے خلق جب تک — ویران تھا گلستانِ عالم
جب تک ترے ذکر سے تہی تھی — بے رنگ تھی داستانِ عالم

(۲۵۷)سرؔو سہارنپوری

وجہ بنائے عالم و آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلم — سب سے مؤخر سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
خاکی و آبی، نوری و ناری، عامی وہ عالم مرشد و ہادی — سب سے معزز سب سے مکرم، صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۵۸)سرؔو سہارنپوری

وجہ تکوینِ زمین و آسماں ہے ان کی ذات — خلق میں ایسا کوئی کب صاحبِ اکرام ہے

(۲۵۹)نعیم تقوی

تمہیں ہو وجہ تکوینِ دو عالم اے رسول اللہ — تمہیں مبدا ہو آقا نظمِ امکاں کی حقیقت کا

(۲۶۰)نعیم تقوی

حق کا وہ آئینہ آپؐ کی ذات ہے — ناز فرما ہے آئینہ گر مصطفیٰؐ

(۲۶۱)نعیم تقوی

تخلیق کے وہ باعث، تکمیل کے وہ صاحب — جو کچھ ہے دو عالم میں سب ان کی بدولت ہے

(۲۶۲)اخترؔ لکھنوی

اک فیضِ ازل سے ہے رواں کون و مکاں میں — اس نور کے پیکر کے اجالے ہیں جہاں میں

(۲۶۳)خاطر غزنوی

واحد خدا کی ذات ہے ، یکتا حضورؐ ہیں
تخلیقِ دوجہاں کا خلاصہ حضورؐ ہیں
صدقے میں آپؐ ہی کے یہ ارض و سما ہیں سب
تخلیقِ کائنات کا منشا حضورؐ ہیں

(۲۶۴) شیدا جبلپوری

محمدؐ باعثِ تخلیقِ عالم
محمد بانیءِ دینِ مبیں ہیں

(۲۶۵) شیدا جبلپوری

محمدؐ کیا ہیں نورِ لم یزل حسنِ حقیقت ہیں
جمالِ کبریا آئینہءِ انوارِ وحدت ہیں

(۲۶۶) شیدا جبلپوری

نورِ محمدؐ دافعِ ظلمت ﷺ
جلوۂ حق انوارِ حقیقت ﷺ

(۲۶۷) شیدا جبلپوری

انہیں کے دم قدم سے رقص کرتے ہیں اجالے بھی
بنائے شمع آب و گل محمدؐ ہیں محمدؐ ہیں

(۲۶۸) سہیل غازیپوری

حضورؐ ہی سے تو ہے روشنیءِ ارض و سما
وہی ہیں منبعِ تابندگیء ارض و سما

(۲۶۹) سہیل غازی پوری

رتبہء مصطفےٰؐ سوچے سوچے
سارا عالم تھکا سوچے سوچے

(۲۷۰) حیرت الہٰ آبادی

نورِ احد ہے میم کے پردے میں جلوہ گر
رتبہ مرے حضورؐ کا سمجھے گا کیا بشر؟
اہلِ خرد یہ کہنے پہ مجبور ہوگئے
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

(۲۷۱) حیرت الہٰ آبادی

جب بھی نعت لکھوں گا میں یہ بات لکھوں گا
آپؐ ہی کا صدقہ ہے کائنات لکھوں گا

(۲۷۲) حیرت الہٰ آبادی

ہوا تخلیق جب عالم تو پہلے مصطفےٰؐ آئے
گواہی آپؐ کی دی سب نے جتنے انبیا آئے

(۲۷۳) حیرت الہٰ آبادی

کوئی بہتر ہے تو بہتر سے بھی بہتر تو ہے
سب سے اعلیٰ ہے تری شان رسولِ عربی

(۲۷۴) بیدم وارثی

خلقتِ نورِ محمدؐ کا ہے صدقہ کونین
ورنہ کچھ بھی تو نہ تھا جلوہء پنہاں کے سوا

(۲۷۵) حافظ عبدالغفار حافظ

تخیل سے بالا ہے رفعت نبیؐ کی
کہوں جو کچھ اس سے سوا ہیں محمدؐ

(۲۷۶) حافظ عبدالغفار

باعثِ حسنِ بہارِ کن فکاں — نازشِ صحنِ گلستاں آپؐ ہیں

(۲۷۷) حافظ عبدالغفار حافظ

خلعتِ اولیں ہیں آپؐ، خاتمِ مرسلیں ہیں آپؐ — آئینہ یقیں ہیں آپؐ، محفلِ شش جہات میں

(۲۷۸) حافظ عبدالغفار حافظ

گلشنِ کائنات میں، سب سے بڑے وہی تو ہیں — بعد خدا حضورؐ کو، دل جو کہے قرار دو

(۲۷۹) حافظ عبدلغفار حافظ

آتی نہ کائنات عدم سے وجود میں — پڑتی اگر نہ چھوٹ محمدؐ کے نور کی

(۲۸۰) حافظ عبدالغفار حافظ

باغِ عالم میں کوئی بھی انساں، شاہِ بطحا کا ہم سر نہیں ہے — چاہے کتنا ہی عالی نسب ہو ان کے قد کے برابر نہیں ہے

(۲۸۱) حافظ عبدالغفار حافظ

تری عظمتوں کے بیان میں مری مختصر سی یہ بات ہے — جو ہے تجھ سے کوئی عظیم تر تو وہ اک خدا ہی کی ذات ہے

(۲۸۲) مبارک مونگیری

خدا کے بعد نام آتا ہے انؐ کا — فضیلت کا یہ قصہ مختصر ہے

(۲۸۳) مبارک مونگیری

محمدؐ سرورِ اولادِ آدمؑ — محمدؐ از ہمہ اعلیٰ و اقدم

(۲۸۴) حکیم روحی اجمیری

شافعِ حشر، شاہِ امَمؐ آگئے — وجہِ تخلیقِ لوح و قلم آگئے

(۲۸۵) خادمی اجمیری

خالق نے اپنی ذات کے جملہ صفات سے — سرکارِ دوجہاںؐ کا سراپا بنا دیا

(۲۸۶) خادمی اجمیری

نورِ تمام، رحمتِ یزداں تمہی تو ہو — حُسنِ ازل بصورتِ انساں تمہی تو ہو

(۲۸۷) خادمی اجمیری

اے قلم، پہلے لکھ تو، بسم اللہ — بعدہٗ لا الٰہ الا اللہ!
بعد، احمدؐ کی مدح کر تحریر — کہ وہ دنیا میں ہے خدا کا وزیر
پایا آدم نے ہے اسی سے شرف — تاجِ فرقِ پیمبرانِ سلف
سچ کہ محبوبِ کبریا ہے وہ — خلق میں نائبِ خدا ہے وہ

(۲۸۸)شوق لکھنوی

شش جہت کا نقطہ مستقر آپؐ ہیں
زندگی کے سفر کا سفر آپؐ ہیں

ذات کے منظروں میں اگر آپؐ ہیں
بعدِ امکان حدِّ نظر آپؐ ہیں

یہ مثالیں بھی ہیں کچھ حقیقت سے کم
جسم کونین ہے اور سر آپؐ ہیں

(۲۸۹)جمیل نظر

وہ رونقِ کون و مکاں
وہ باعث خلقِ جہاں

نوعِ بشر کا ترجماں
وہ کلمۂ حق مبیں

وہ رحمۃ اللعالمیں

(۲۹۰)منیر سیفی

آپؐ کی کیا مثال دی جائے
آپ اپنی مثال والے ہیں

(۲۹۱)سرور کیفی

وجہِ تخلیقِ زماں پیدا ہوا
نازشِ ہر دو جہاں پیدا ہوا

(۲۹۲)وسیم فاضلی

وجہِ تخلیقِ ارض و سما آپؐ ہیں
ابتدا آپؐ ہیں انتہا آپؐ ہیں

(۲۹۳)وسیم فاضلی

دنیا یہ جانتی ہے کہ محبوب رب ہیں وہؐ
سب سے بڑا مقام ہے ان کا خدا کے بعد

(۲۹۴) وسیم فاضلی

منصب محبوبیت پر اور فائز کون ہے
محرمِ رازِ حقیقت، در حقیقت آپؐ ہیں

(۲۹۵)مقبول نقش

مظہرِ حسنِ صفات، صرف محمدؐ کی ذات
آئینہ عکسِ ذات، صرف محمد کی ذات

اور بھی ، پیشِ نظر ، ہیں کئی پہلو مگر
نورِ رخِ کائنات ، صرف محمدؐ کی ذات

(۲۹۶)مقبول نقش

راز آشنائے کن فکاں
کوئی نہیں تیرے سوا

تو واقفِ منشائے حق
تو محرمِ سرِ خدا

(۲۹۷)مقبول نقش

باعثِ عالمِ امکاں ہیں رسول عربیؐ
قصۂ زیست کا عنواں ہیں رسول عربیؐ

(۲۹۸)حامد امروہوی

تخلیقِ دو عالم ہے صدقہ مرے آقاؐ کا — بس ایک حقیقت ہے افسانے ہزاروں ہیں

(۲۹۹) حامد امروہوی

باعثِ کن فکاں مرے آقاؐ — رونقِ دو جہاں مرے آقاؐ

(۳۰۰) حامد امروہوی

جس کے باعث کی گئی تخلیق ساری کائنات — وہ حبیبِ کبریا ہے صاحبِ لولاک ہے

(۳۰۱) آفتاب کریمی

خدا کی اولیں تخلیق نور ہے انؐ کا — ہے کائنات کا سارا نظام انؐ کے لیے

(۳۰۲) آفتاب کریمی

یہ کون آیا کہ جس کو حاصلِ کون و مکاں کہیے — یہ کون آیا کہ جس کو ہر صدی کا حکمراں کہیے

ریاضؔ اس پیکرِ انوارِ رحمت کی ثنا لکھیے — اسی کی ذاتِ اقدس کو محمد مصطفیٰؐ لکھیے

(۳۰۳) ریاض حسین چودھری

درج بالا تمام اشعار میں ایک ہی مضمون یعنی حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مختلف لونی عکس (shades) دکھائی دے رہے ہیں۔ ان اشعار میں نفسِ مضمون کی یکسانیت کے باعث توارد اور تکرار کا عمل بھی محسوس ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی عظمت و رفعت کا بیان، شعراء کی سرتوڑ کوشش کے باوجود کوئی انفرادی طرز اور نئی اور تازہ کار فکری جہت کا حامل نہیں ہو پاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم تکرارِ معنوی اور توارد خیال کو سرقے کے ذیل میں نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر شاعر نے اپنے جذبے اور احساس کو کچھ نہ کچھ بدلے ہوئے الفاظ میں ادا کرنے کی سعی کی ہے۔ اس موقع پر ہمیں بے ساختہ حضرت کعب بن زہیرؓ کا وہ شعر یاد آ گیا جس کو مولانا الطاف حسین حالیؔ نے مقدمہء شعروشاعری میں درج کیا ہے۔ حضرت کعب بن زُہیرؓ فرماتے ہیں۔

ما ارانا نقول الا معارا

او معادا من قولنا مکرورا

(جو کچھ ہم کہتے ہیں یا تو اوروں کے کلام سے مستعار لے کر کہتے ہیں یا اپنے ہی کلام کو بار بار دہراتے ہیں) (۳۰۴)

حالیؔ نے لکھا ہے:

''عربی میں دو متناقض مثلیں مشہور ہیں ایک یہ ہے کہ اگلے بہت کچھ پچھلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔۔۔ اور دوسری یہ مثل ہے کہ اگلوں نے پچھلوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔۔۔ ان دونوں مثلوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ اگلے بہت سی ادھوری باتیں چھوڑ گئے ہیں تا کہ پچھلے اس کو پورا کریں۔ لیکن انہوں نے پچھلوں کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس کا نمونہ موجود نہ ہو''(۳۰۵)

حالیؔ کی بات کی تائید اوپر دی ہوئی شعری کاوشوں کے ذریعے ہو رہی ہے کہ قدماء نے حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی

رفعت و عظمت اور عالمِ بشری میں آپ کی یکتائی کے جو مضامین باندھے ہیں بعد میں آنے والے شعراء نے تقریباً انہی مضامین کو یا تو کچھ آگے بڑھایا ہے یا صرف ان کا تتبع کیا ہے۔ روایتوں کے پاس نے شعراء کو تقریباً ایک جیسا متن بُننے کی طرف مائل کیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض شعراء نے اپنے متن (text) کو دوسرے متون کے مافیہ (content) کی سرحدوں کے نزدیک رہتے ہوئے بھی اپنی شعری آواز کی الگ پہچان کروانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ایسے شعراء کی کامیابی ان کے بیان کی ندرت اور خیال کی رفعت کی مرہونِ منت ہے۔ زاویہء فکر اور حسن کارانہ لہجہ بھی بعض شعراء کی انفرادیت کا ضامن بن گیا ہے۔

اگر ہم ساختیاتی مفکر رولاں بارتھ کے سُجھائے ہوئے نکتے اور اس کی رائج کردہ اصطلاح ''بین المتنی رشتے (interexts)'' کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے پیش کردہ نمونوں میں ''بین المتنی رشتوں'' کا حوالہ دیں تو یہ عین صائب ہوگا کیوں کہ بارتھ کے نزدیک ہر ''متن کئی دوسرے متون کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے''۔(۳۰۶)

نعتیہ شاعری کے نمونوں میں اخذ و استفادے کا عمل بہت نمایاں ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ موضوع کی وحدت،، روایتوں کی یکسانیت اور جذبہ و احساس کی تقریباً ایک جیسی شدت ہے۔ مقامِ رسالت کی شاعرانہ تفہیم شعری نمونوں کی قراءت سے اپنا ایک الگ طیف یا spectrum بناتی ہے جس کا واضح عکس ان تمام اشعار کی معنیاتی دھنک میں دیکھا جاسکتا ہے جو پچھلے صفحات کی زینت بنے ہیں۔

بابِ سوم: مآخذ و منابع:

۱۔ارمغانِ عقیدت، ص ۲۷

۲۔نقوش رسول نمبر، ج ۱۰، ص ۳۰۵

۳۔عزت بخاری

۴۔ورثہ، ص ۱۸۸

۵۔نعت کائنات، ص ۱۸۸

۶۔ایضاً ص ۱۴۰

۷۔ایضاً ص ۱۶۷

۸۔ایضاً ص ۱۳۷

۹۔ایضاً ص ۲۳۰

۱۰۔ایضاً ص ۲۶۰

۱۱۔کلیاتِ میر، دیوانِ اول، ص ۱۰۶

۱۲۔وہی یٰسیں وہی طٰہٰ، ص ۱۳۱

۱۳۔باوضو آرزو، ص ۱۷

۱۴۔اوجِ نعت نمبر، ج ۲، ص ۱۳۲

۱۵۔بیعت، ص ۸۵

۱۶۔ایضاً ص ۶۴

۱۷۔قلزمِ انوار، ص ۷۰

۱۸۔کہف الورٰی، ص ۶۴

۱۹۔مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، ص ۱۵۳

۲۰۔نعت رنگ، اول، ص ۱۵۶

۲۱۔تیراوجودالکتاب،ص۴۷

۲۲۔ایضاً ص

۲۳۔بوستان،ص۱۱

۲۴۔اردوحمدونعت پرفارسی شعری روایت کااثر،ص۱۲۴

۲۵۔نعت رنگ،اول،ص۱۵۷

۲۶۔ارمغان عقیدت،ص۱۸۰

۲۷۔ایضاً ص۹

۲۸۔ایضاً ص۵۷

۲۹۔ایضاً ص۱۹۹

۳۰۔ایضاً ص۱۵۸

۳۱۔نقوش رسول نمبر،ج۱۰،ص۳۶۴

۳۲۔ارمغانِ عقیدت،ص۱۱۴

۳۳۔غزلیاتِ فارسی،غالب،ص۶۹

۳۴۔نقوش رسول نمبر،ج۱۰،ص۳۵۰

۳۵۔ایضاً ص۳۰۹

۳۶۔قصایدِ قاآنی،ص۹

۳۷۔اردوحمدونعت پرفارسی شعری روایت کااثر،ص۱۷۷

۳۸۔ارمغانِ نعت،ص۸۸

۳۹۔ایضاًص۹۹

۴۰۔ایضاًص۱۵۳

۴۱،ایضاًص۱۱۷

۴۲۔نعت کائنات،ص۱۰۰

۴۳۔ایضاًص۱۲۲

۴۴۔ایضاًص۱۲۴

۴۵۔ایضاًص۱۲۷

۴۶۔ایضاًص۱۳۷

۴۷۔ایضاًص۱۵۰

۴۸۔ایضاً ص ۱۶۶

۴۹۔ایضاً ص ۱۷۶

۵۰۔ایضاً ص ۱۸۱

۵۱۔ایضاً ص ۱۸۱

۵۲۔ایضاً ص ۱۸۸

۵۳۔ایضاً ص ۱۸۸

۵۴۔ایضاً ص ۲۰۰

۵۵۔ایضاً ص ۲۰۰

۵۶۔ایضاً ص ۲۳۵

۵۷۔ایضاً ص ۲۳۵

۵۸۔ایضاً ص ۲۴۴

۵۹۔باوضو آرزو، ص ۴۷

۶۰۔نعت کائنات، ص ۲۷۰

۶۱۔ایضاً ص ۳۱۷

۶۲۔ارمغانِ نعت، ص ۱۱۸

۶۳۔ایضاً ص ۱۷۹

۶۴۔حدائق بخشش، ص ۶۹

۶۵۔ارمغانِ نعت، ص ۱۸۲

۶۶۔ایضاً ص ۲۸۹

۶۷۔ایضاً ص ۲۹۳

۶۸۔ایضاً ص ۳۱۷

۶۹۔جواہر النعت، ص ۳۶

۷۰۔ایضاً ص ۵۴

۷۱۔ایضاً ص ۱۵۴

۷۲۔ایضاً ص ۱۵۹

۷۳۔ایضاً ص ۲۰۹

۷۴۔حاضری و حضوری، ص ۲۷

۷۵۔ خواتین کی نعتیہ شاعری، ص ۱۷

۷۶۔ ایضاً ص ۳۴۷

۷۷۔ ایضاً ص ۴۲۴

۷۸۔ ایضاً ص ۴۳۶

۷۹۔ ایضاً ص ۴۷۹

۸۰۔ اوجِ نعت نمبر ۲، ص ۱۷۳

۸۱۔ ایضاً ص ۱۸۴

۸۲۔ تذکرۂ نعت گویانِ بریلی، ص ۲۱

۸۳۔ ایضاً ص ۲۸

۸۴۔ ایضاً ص ۶۱

۸۵۔ ایضاً ص ۸۰

۸۶۔ ایضاً ص ۸۵

۸۷۔ ایضاً ص ۹۸

۸۸۔ ایضاً ص ۱۰۰

۸۹۔ ایضاً ص ۱۱۶

۹۰۔ ایضاً ص ۱۲۴

۹۱۔ اقراء، ص ۲۵۴

۹۲۔ ایضاً ص ۲۵۶

۹۳۔ لمعاتِ نظر، ص ۵۱۲

۹۴۔ ایضاً ص ۵۵۳

۹۵۔ تمام نا تمام، ص ۳۹۳

۹۶۔ جمالِ جہاں فروز، ص ۳۳۵

۹۷۔ محرابِ توحید، ص ۴۹

۹۸۔ ایضاً ص ۱۰۴

۹۹۔ خُلدِ نعت ص ۹۷

۱۰۰۔ توشۂ ہلال، ص ۱۲۵

۱۰۱۔ حدائقِ بخشش، ص ۷۸

۱۰۲۔ تشبیبِ حضوری، ص ۱۰۳

۱۰۳۔ تحیت، ص ۱۰۳

۱۰۴۔ آسمانِ رحمت، ص ۲۹۰

۱۰۵۔ ثنائے محمد ﷺ، ص ۱۰۳

۱۰۶۔ زبورِ حرم، ص ۲۹۲

۱۰۷۔ ورثہ، ص ۴۲

۱۰۸۔ گلہائے عقیدت، ص ۱۳۴

۱۰۹۔ حرفِ عقیدت، ص ۴۵

۱۱۰۔ بصیرت، ص ۴۱

۱۱۱۔ ایضاً ص ۴۵

۱۱۲۔ ایضاً ص ۴۷

۱۱۳۔ ورفعنا لک ذکرک، ص ۱۱۸

۱۱۴۔ ارمغانِ حافظ، ص ۱۳۱

۱۱۵۔ ایضاً ص ۶۸

۱۱۶۔ ذکرارفع، ص ۴۸

۱۱۷۔ مثنویاتِ شوق، ص ۱۸۶

۱۱۸۔ ایضاً ص ۲۳۴

۱۱۹۔ نقشِ جمال، ص ۱۲

۱۲۰۔ مثال، ص ۵۰

۱۲۱۔ کیفِ دوام، ص ۱۷۱

۱۲۲۔ بےمثال، ص ۱۷

۱۲۳۔ ایضاً ص ۱۵

۱۲۴۔ ایضاً ص ۴۳

۱۲۵۔ ایضاً ص ۵۳

۱۲۶۔ ایضاً ص ۶۷

۱۲۷۔ ایضاً ص ۷۴

۱۲۸۔ ایضاً ص ۱۰۲

۱۲۹۔ ایضاً ص ۱۱۸

۱۳۰۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۱۷

۱۳۱۔ مجموعہ محمد حسن عسکری، ص ۴۱۱

۱۳۲۔ ایضاً ص ۴۲۶

۱۳۳۔ تذکرۂ گلستانِ سخن، ص ۸۸

۱۳۴۔ جامی، ص ۲۳۳

۱۳۵۔ ارمغانِ عقیدت، ص ۱۵

۱۳۶۔ بوستان، ص ۱۱

۱۳۷۔ ارمغانِ عقیدت، ص ۵۶

۱۳۸۔ ایضاً ص ۱۲۴

۱۳۹۔ ایضاً ص ۱۷۹

۱۴۰۔ ایضاً ص ۱۹۷

۱۴۱۔ ایضاً ص ۱۱۳

۱۴۲۔ ایضاً ص ۱۱۳

۱۴۳۔ ایضاً ص ۱۱۴

۱۴۴۔ قصائد و مثنویات فارسی، غالب، ص ۵۹

۱۴۵۔ دیوانِ شاہ نیاز بریلوی ص ۱۳۴

۱۴۶۔ جاوید نامہ، ص ۱۷۹

۱۴۷۔ ارمغانِ جمیل، ص ۳۳

۱۴۸۔ بالِ جبریل، ص ۱۶

۱۴۹۔ ایضاً ص ۳۵

۱۵۰۔ ہمہ اوست، ص ۳۲

۱۵۱۔ تجلیات، ص ۱۴

۱۵۲۔ نیرِ اعظم، ص ۶۲

۱۵۳۔ ایضاً ص ۶۴

۱۵۴۔ ایضاً ص ۶۵

۱۵۵۔ ایضاً ص ۶۵

۱۵۶۔ ورثہ، ص ۵۰

۱۵۷۔ ارمغانِ جمیل، ص ۵۰

۱۵۸۔ ایضاً ص ۵۱

۱۵۹۔ ایضاً ص ۶۱

۱۶۰۔ ایضاً ص ۶۴

۱۶۱۔ ایضاً ص ۶۵

۱۶۲۔ ایضاً ص ۶۶

۱۶۳۔ ایضاً ص ۷۳

۱۶۴۔ ایضاً ص ۸۹

۱۶۵۔ نقشِ کفِ پا، ص ۷۱

۱۶۶۔ سرمایۂ تغزل، ص ۱۰۷

۱۶۷۔ بابِ جبریل، ص ۵۷

۱۶۸۔ مضرابِ جاں، ص ۹۷

۱۶۹۔ نورالہدیٰ محمد ﷺ، ص ۸۶

۱۷۰۔ نیرِ اعظم، ص ۶۴

۱۷۱۔ اقراء، ص ۱۰۷ ☆ اس طلسمِ بے کراں کا دہر میں در دیکھو نہیں (یہ مصرع نعتیہ موضوع کے لیے موزوں نہیں اس لیے حذف کر دیا...... عبدالعزیز خان)

۱۷۲۔ درود ان پر سلام ان پر، ص ۱۲۷

۱۷۳۔ ایضاً ص ۱۳۰

۱۷۴۔ ایضاً ص ۱۶۸

۱۷۵۔ جمالِ جہاں فروز، ص ۸۸

۱۷۶۔ ایضاً ص ۲۰۸

۱۷۷۔ ایضاً ص ۲۲۳

۱۷۸۔ ایضاً ص ۲۵۲

۱۷۹۔ محرابِ توحید، ص ۷۳

۱۸۰۔ ایضاً ص ۹۱

۱۸۱۔ ایضاً ص ۱۰۷

۱۸۲۔ ایضاً ص ۱۱۹

۱۸۳۔ایضاً ص ۱۵۰

۱۸۴۔منحمنا، ص ۹

۱۸۵۔خلدِ نعت، ص ۶۹

۱۸۶۔ایضاً ص ۶۹

۱۸۷۔ایضاً ص ۹۱

۱۸۸۔ایضاً ص ۹۴

۱۸۹۔ایضاً ص ۹۶

۱۹۰۔ایضاً ص ۱۰۳

۱۹۱۔روشنی ہی روشنی، ص ۵۱

۱۹۲۔ایضاً ص ۵۱

۱۹۳۔ایضاً ص ۶۷

۱۹۴۔اساس، ص ۶۵

۱۹۵۔ایضاً ص ۶۷

۱۹۶۔ایضاً ص ۴۷

۱۹۷۔توشۂ ہلال، ص ۴۱

۱۹۸۔ایضاً ص ۱۰۲

۱۹۹۔ایضاً ص ۱۱۱

۲۰۰۔ایضاً ص ۱۳۹

۲۰۱۔عکسِ خورشید، ص ۶۱

۲۰۲۔ایضاً ص ۵۰

۲۰۳۔ایضاً ص ۵۱

۲۰۴۔سازِ حجاز، ص ۷۱

۲۰۵۔ایضاً ص ۶۱

۲۰۶۔ایضاً ص ۶۲

۲۰۷۔شہر یارِ آرزو، ص ۳۶

۲۰۸۔لمعاتِ نظر، ص ۵۰

۲۰۹۔ایضاً ص ۱۵۵

۲۱۰۔ نورِ حرا، ص ۸۵

۲۱۱۔ بابِ جبریل، ص ۳۹

۲۱۲۔ نشیدِ حضوری، ص ۸۲

۲۱۳۔ ایضاً ص ۱۳۶

۲۱۴۔ طاقِ حرم، ص ۳۶

۲۱۵۔ ایضاً ص ۴۷

۲۱۶۔ ایضاً ص ۹۵

۲۱۷۔ تحیت، ص ۱۲۵

۲۱۸۔ آسمانِ رحمت، ص ۲۷

۲۱۹۔ صلوا علی الحبیب ﷺ، ص ۵۵

۲۲۰۔ ایضاً ص ۸۱

۲۲۱۔ کلیاتِ منور، ص ۱۶۹

۲۲۲۔ جادۂ رحمت، ص ۴۲

۲۲۳۔ انوارِ حرم، ص ۹۶

۲۲۴۔ ایضاً ص ۱۵۱

۲۲۵۔ حدیثِ شوق، ص ۳۹

۲۲۶۔ ثنائے محمد ﷺ، ص ۲۰

۲۲۷۔ زبورِ حرم، ص ۲۳۳

۲۲۸۔ ایضاً ص ۸۸

۲۲۹۔ مہرِ درخشاں، ص ۱۸۶

۲۳۰۔ ایضاً ص ۱۶۴

۲۳۱۔ ایضاً ص ۹۹

۲۳۲۔ ایضاً ص ۲۰۲

۲۳۳۔ شاہ حاتم، ص ۲۶

۲۳۴۔ کلیاتِ شاہ نصیر، ج: اول، ص ۱۳۵

۲۳۵۔ کلیاتِ اسمٰعیل میرٹھی، ص ۲۴

۲۳۶۔ دیوارِ شب، ص ۲۳

۲۳۷۔ حاضری و حضوری، ص ۵۴

۲۳۸۔ ایضاً ص ۳۹

۲۳۹۔ کلیاتِ منور، ص ۱۸۷

۲۴۰۔ ایضاً ص ۲۳۴

۲۴۱۔ چرخِ اطلس، ص ۱۹۹

۲۴۲۔ ورثہ، ص ۵۷

۲۴۳۔ قابَ قوسین، ص ۱۰۹

۲۴۴۔ حرفِ عقیدت، ص ۳۹

۲۴۵۔ ایضاً ص ۶۲

۲۴۶۔ گلہائے عقیدت، ص ۸۰

۲۴۷۔ ایضاً ص ۸۰

۲۴۸۔ ایضاً ص ۹۲

۲۴۹۔ بیعت، ص ۵۰

۲۵۰۔ ایضاً ص ۶۹

۲۵۱۔ شمس الضحیٰ، ص ۳۹

۲۵۲۔ وہی یٰسین وہی طٰہٰ، ص ۱۰۹

۲۵۳۔ ایضاً ص ۱۱۰

۲۵۴۔ ایضاً ص ۱۱۷

۲۵۵۔ ذکرِ صلے علیٰ، ص ۳۵

۲۵۶۔ ایضاً ص ۷۷

۲۵۷۔ زمزمۂ دل، ص ۹۵

۲۵۸۔ ایضاً ص ۹۸

۲۵۹۔ بصیرت، ص ۴۷

۲۶۰۔ ایضاً ص ۴۷

۲۶۱۔ ایضاً ص ۵۷

۲۶۲۔ سرکار ﷺ، ص ۸۷

۲۶۳۔ سلسلہ انوار کا، ص ۵۱

۲۶۴۔زادِ راہ،ص ۴۱

۲۶۵۔ایضاً ص ۶۰

۲۶۶۔ایضاً ص ۷۷

۲۶۷۔ایضاً ص ۸۳

۲۶۸۔حمد و نعت،ص ۵۹

۲۶۹۔ایضاً ص ۶۶

۲۷۰۔منارۂ نور،ص ۵۳

۲۷۱۔ایضاً ص ۵۴

۲۷۲۔ایضاً ص ۷۵

۲۷۳۔ایضاً ص ۸۹

۲۷۴۔دیوانِ بیدم،ص ۲۷

۲۷۵۔ارمغانِ حافظ،ص ۴۳

۲۷۶۔ایضاً ص ۵۳

۲۷۷۔ایضاً ص ۶۹

۲۷۸۔ایضاً ص ۷۵

۲۷۹۔ایضاً ص ۷۸

۲۸۰۔ایضاً ص ۸۹

۲۸۱۔ایضاً ص ۱۲۷

۲۸۲۔ذکرِ ارفع،ص ۵۲

۲۸۳۔ایضاً ص ۵۴

۲۸۴۔فیضانِ نظر،ص ۲۳۶

۲۸۵۔نکہت و نور،ص ۳۸

۲۸۶۔ایضاً ص ۴۱

۲۸۷۔ایضاً ص ۶۵

۲۸۸۔مثنویاتِ شوق،ص ۱۶۱

۲۸۹۔ایقان،ص ۳۷

۲۹۰۔مثال،ص ۲۲

۲۹۱۔ نقشِ جمال، ص ۱۸

۲۹۲۔ روشنی کا سفر، ص ۷۹

۲۹۳۔ ایضاً ص ۱۳۹

۲۹۴۔ ایضاً ص ۱۴۰

۲۹۵۔ حرفِ ثبات، ص ۶۴

۲۹۶۔ ایضاً ص ۷۰

۲۹۷۔ ایضاً ص ۱۲۳

۲۹۸۔ جوئبارِ بخشش، ص ۴۶

۲۹۹۔ ایضاً ص ۱۱۰

۳۰۰۔ ایضاً ص ۱۷۸

۳۰۱۔ ممدوحِ خلائق، ص ۴۷

۳۰۲۔ ایضاً ص ۱۱۴

۳۰۳۔ کشکولِ آرزو، ص ۳۹

۳۰۴۔ مقدمہ شعر و شاعری، ص ۱۳۹

۳۰۵۔ ایضاً ص ۱۴۰

۳۰۶۔ ساختیات، پسِ ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۱۷۵

☆☆☆

بابِ چہارم

نعتیہ شعری مجموعوں اور دواوین میں دیباچوں،
تقاریظ اور مقدمات کی صورت میں تنقیدی عمل کا جائزہ

باب چہارم درج ذیل تین عنوانات پر مشتمل ہے:

۱۔ کتب نعت میں دیباچوں اور تقاریظ کا تنقیدی معیار

۲۔ کتب نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت

۳۔ مقدمات میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی معروضی پرکھ

اب ہر ایک ذیلی عنوان کے تحت تحقیقی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ کتبِ نعت میں دیباچوں اور تقاریظ کا تنقیدی معیار:

مختلف ادوار میں محققین نے نعتیہ کتب کی فہرستیں تیار کی ہیں جن میں ہزاروں کتب کی طباعت کا ذکر ملتا ہے۔ پاکستان میں نعتیہ شاعری پر مشتمل کتابوں کے کوائف حفیظ تائب، راجا رشید محمود، غوث میاں، چودھری محمد یوسف ورک قادری اور محمد طاہر قریشی نے یکجا کیے ہیں۔ مؤخر الذکر دو حضرات نے دو کتب خانوں کے نعتیہ شعری خزانوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، اور دوسرا نعت ریسرچ سینٹر کراچی۔ ان فہرستوں میں چودھری محمد یوسف ورک قادری نے شائع شدہ نعتیہ شعری کتب کی فہرست بنائی ہے جن کی تعداد فہرست کی طباعت کے وقت تک ۱۶۰۶ تھی۔ میرے پیش نظر اس فہرست کا نقشِ ثانی ہے جس کی اشاعت اکتوبر ۲۰۰۶ء، میں عمل میں آئی تھی۔ اس فہرست میں کتب خانے میں موجود اور کتب خانے کو مطلوب کتب کو شامل کر لیا گیا ہے۔(۱)

محمد طاہر قریشی کی "فہرستِ کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر" صرف ایک کتب خانے میں موجود کتب کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس فہرست میں ۱۳۴۸ کتب کا اندراج ملتا ہے۔ یہ فہرست پہلی مرتبہ ۲۰۰۹ء میں شائع کی گئی تھی۔(۲)

بقیہ حضرات کی فراہم کردہ تفصیل ان دونوں کاموں سے پہلے منظرِ عام پر آ گئی تھی اس لیے اس میں نعتیہ شعری سرمائے کی کمیت ان فہرستوں کی اشاعت کے سن تک ہی محدود رہی اس لیے مؤخر الذکر دونوں فہرستوں ہی کو معیار بنا کر تعدادِ کتب کا اندازا کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ان فہرستوں میں نعتیہ سرمائے کا معتد بہ حصہ چھوٹ گیا ہوگا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعد میں بھی بہت سی کتب منظرِ عام پر آئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نعتیہ شعری سرمائے کا بہت سا حصہ ہندوستانی کتب خانوں میں محفوظ ہوگا جس تک ہمارے تحقیق نگاروں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں بھی ہر شہر، ہر قریئے اور ہر صوبے میں نعتیہ کتب چھپ رہی ہیں لیکن سب کتب تک رسائی حاصل ہونا کسی ایسے فرد کے بس کی بات نہیں ہے جو اپنے ذوقِ کتب شماری سے سرشار ہو کر انفرادی طور پر کام کر رہا ہو۔

فی الحال ہمارا موضوع نعتیہ کتب کی فہرست سازی نہیں ہے۔ لیکن طباعت شدہ کتب کی تعداد جاننے سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا کہ اس مقالے کے بابِ چہارم پر قلم اٹھاتے ہوئے ہمیں کتنے دیباچوں، تقاریظ اور مقدموں کی ورق گردانی کرنی ہوگی۔ تقریباً ہر کتاب میں کم از کم ایک دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ تو ہے ہی۔ بہت سی کتب ایسی بھی ہیں

جن میں ایک سے زیادہ اہلِ علم کی تحسینی آراء (appreciative opinions) موجود ہیں۔ ایسی صورت میں مقدموں، دیباچوں یا تقاریظ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے وہ ساری کتب نہ تو پڑھی جا سکتی ہیں اور نہ ہی سب کتب کے دیباچوں، تقاریظ اور مقدموں کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہمارے بس میں ہوگا۔ اس لیے شروع ہی میں عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس باب میں ہمارا طریق کار انتخابی (Selective) ہوگا۔

تجزیاتی مطالعہ شروع کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ، دیباچہ اور تقریظ کی حدود کا تعین کر لیا جائے تا کہ ان اصطلاحات کے استعمال میں ہمیں کہیں الجھن پیش نہ آئے۔

مقدمہ:

مقدمہ کا لفظ ہمارے ہاں کتاب کے جملہ محاسن کی نشاندہی کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس لفظ سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ لفظ اس تحریر کے لیے مستعمل ہے جو کتاب کے اصل متن کے آغاز سے پہلے کتاب کے بارے میں اختصاراً کچھ معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ مقدمہ خود مصنف لکھتا ہے لیکن زیادہ تر مقدمہ لکھنے کے لیے کسی دوسری معروف شخصیت کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ہمارے دینی، ادبی اور تاریخی ادب میں مقدمہ کا لفظ بہت استعمال ہوا ہے۔ مقدمہ ابنِ خلدون تو خود ہی ایک مکمل تصنیف ہے جو تاریخ ابنِ خلدون سے زیادہ مشہور ہوا اور پڑھا گیا۔ ابنِ خلدون کے نام سے علامہ اقبال یاد آ گئے۔ روزگارِ فقیر میں لکھا ہے کہ فقیر سید نجم الدین نے علامہ سے عرض کی کہ میں نے انہیں اپنے بیٹے (فقیر وحید الدین) کو تاریخ ابنِ خلدون پڑھنے کا مشورہ دیا ہے، تو اقبال نے فرمایا:

> ''پوری کتاب نہیں، صرف مقدمہ''۔(۳)

دوسری مثال اردو ادب میں ''مقدمہ شعر و شاعری'' کی ہے، جو خواجہ الطاف حسین حالی نے لکھا اور اردو تنقید کا پہلا شاہکار ثابت ہوا۔

اردو کی ادبی تاریخ میں مولوی عبدالحق (بابائے اردو) نے اتنے مقدمے لکھے کہ ان کی یکجا طباعت ہوئی تو ایک ضخیم کتاب بن گئی جس کا نام ہی ''مقدماتِ عبدالحق'' رکھا گیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مقدمے کے لیے کچھ لوازم و عناصر کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن مقدمہ ان کے نزدیک ادب کی کوئی مستقل صنف نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مقدمہ نگاری کی حیثیت کسی مستقل صنفِ ادب کی نہیں ہے۔ کسی زبان کے ادب میں بھی اس کو ادب کی ایک باقاعدہ شاخ نہیں سمجھا گیا ہے کیوں کہ مقدمے تو کسی مصنف یا کسی کتاب کے بارے میں محض تعارف کے طور پر لکھے جاتے ہیں''۔(۴)

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اشارۃً ذکر کیا ہے کہ مقدمہ ''مقدمۃ الجیش'' سے ماخوذ ہے۔(۵) مقدمۃ الجیش لغوی اعتبار سے وہ لشکر ہوتا ہے جو آگے بھیجا جاتا ہے جسے پیشرو لشکر، ہراول فوج بھی کہتے ہیں۔ سپہ سالار کو بھی اسی لیے مقدمۃ الجیش کہتے ہیں کہ اس کی حیثیت فوج میں سردار اور رہنما کی ہوتی ہے۔

اردو لغت بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں مقدمہ کے معانی اس طرح لکھے ہیں: مقدمہ [ضم م، فت ق، شدد بفت،

فت م]i.وہ مضمون جو کتاب وغیرہ میں متن سے پہلے فہمِ مطالب میں آسانی کی غرض سے بطور پیش لفظ بیان کیا جائے، دیباچہء کتاب، عنوان۔ii.وہ امر جو اصل مقصد سے پہلے تمہیداً ہو، پیس خیمہ۔ iii.وہ بات یا مسئلہ جس کے جانے بغیر زیرِ نظر مبحث سمجھ میں نہ آ سکے، وہ امر جس پر زیرِ بحث موضوع کا سمجھنا سمجھانا منحصر ہو، مبادی۔۔۔بقیہ معانی قانونی اصطلاحات کے تحت دیئے گئے ہیں جس میں نالش اور مقدمہ بازی وغیرہ کا حوالہ آتا ہے۔مقدمہ کے "دٗ" کو کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو معانی یہ ہوں گے:i.آگے جانے والا [شخص یا گروہ وغیرہ] خصوصاً لشکر کا وہ حصہ جو آگے بھیج دیا جائے، ہراول دستہ۔ (۶) مقدمہ کی نوعیت کے حوالے سے شروانی صاحب لکھتے ہیں:

"آپ جب کاروبار کے کسی ممتاز مرکز پر گزریں گے تو دیکھیں گے کہ دوکانوں کے سامنے کا ایک حصہ سلیقے اور دل فریب طریقے سے آراستہ سب سے اول دیدہ نواز ہوگا۔یہ اپنی دل فریبی سے نگاہ کو اپنی جانب متوجہ کرے گا اور متوجہ ہونے پر جب نگاہ تفصیل کی جویا ہوگی تو وہ بتائے گا کہ آپ کو جو جنس دوکان میں ملے گی وہ کیا ہے، بعینہٖ یہ حال کتاب کے مقدمہ کا ہے کہ وہ آپ کو دل کش طریقے سے بتاتا ہے کہ کتاب میں کیا ہے"۔(۷)

مقدمہ نگار کے لیے شروانی صاحب نے راست نگاری کی شرط لگائی ہے جو [الف] سلیقہ اور [ب] تفصیل، کی صورت میں پیش کی جائے۔وہ لکھتے ہیں:

"لکھنے میں اس کا سلیقہ ہو کہ دل کش پیرایے میں کیا لکھا جائے اور کیا نہ لکھا جائے، کتاب کا کونسا حصہ نمایاں کیا جائے اور کونسا مخفی رہے، تفصیل ایسی ہو کہ کتاب پڑھنے کے بعد مایوسی نہ ہو بلکہ یہ اعتراف ہو کہ مقدمہ نگار راست نگار تھا۔اگر مقدمہ نگار مطالب کتاب میں ترقی پیدا کر سکے اور پڑھنے والوں کے لیے مناسب موقع مزید معلومات بہم پہنچائے، اس طرح کہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کتاب پڑھوا رہا ہے تو اس کو کمال مقدمہ نگاری ماننا چاہیے"۔ (۸)

تقریظ [فت ت، سک ق، ی مع] کے لغوی معنی ہیں [i] مصنف کے علاوہ کسی اور کا کسی کتاب یا مضمون وغیرہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا [عام طور پر تعریفی اور تائیدی رائے] جو کتاب کے آغاز یا اختتام میں شامل ہو۔[ii] تعریف، زندگی کی تعریف، ساتھی یا دوست کی تعریف [خواہ راست ہو خواہ دروغ]۔[iii] داد دینا، سراہنا۔(۹)

دیباچہ [ی مع، فت چ] [i] وہ تحریر جو کسی کتاب کے شروع میں ہو اور جس میں نفسِ مضمون وغیرہ سے متعلق یا دوسری ضروری باتیں بطور تعارفِ کتاب کے لکھی گئی ہوں۔مترادف: مقدمہء کتاب، پیش لفظ، تعارف، تمہید۔[ii] دیوان کے شروع میں مصنف کا خود تحریر کردہ اشعار کا وہ مجموعہ جو حمد، نعت، مدح یا سببِ تالیف وغیرہ پر مشتمل ہو۔[iii] زمانہء قدیم میں کتابوں کے سرِ ورق کی زیبائش، سرِ ورق پر اس کی خوبصورتی کے لیے بنائے گئے بیل بوٹے۔[iv] کسی چیز کا پہلا اور لازمی جزو، کسی چیز کے لیے پہلی شرط۔[v] کسی چیز کا ابتدائی حصہ، ابتدائی دور، پہلا زینہ، تمہید۔[vi] پیش خیمہ، کسی چیز کے ظہور کی علامت۔[vii] مجازاً، سب سے پہلا شخص، سب سے پہلی چیز۔(۱۰)

مقدمہ، تقریظ اور دیباچہ، کے الفاظ عموماً ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔

غالباً اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے لکھا تھا:

''دیباچہ، مقدمہ، تمہید، پیش کلام، پیش لفظ، تعارف وغیرہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی فرق، کم سے کم اردو کتابوں کی حد تک روا نہیں رکھا گیا۔ یہ لکھنے والے پر موقوف ہے کہ کتاب یا مصنف کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا کیا عنوان رکھتا ہے''۔(۱۱)

سرِ دست ہمارا یہ موضوع نہیں، اس لیے صرف اتنا عرض کر کے ہم سلسلہء کلام کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک 'مقدمہ' کسی تصنیف کے ذرا تفصیلی تعارف کو کہتے ہیں۔ 'دیباچہ' مقدمے سے مختصر ہوتا ہے اور 'تقریظ' محض اشتہار کے طور پر تحسینی کلمات پر مبنی عبارت پر مشتمل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن کی ایک تحریر کا اقتباس دینے سے ہمارا موقف زیادہ واضح ہوسکتا ہے ''مقدماتِ عبدالحق پر ایک نظر'' کے زیرِ عنوان، وہ لکھتے ہیں:

''مقدماتِ عبدالحق، تقریظ نگاری کے نمونے نہیں۔ ان سے کسی ادیب یا شاعر کی غیر ضروری تشہیر مقصود نہیں۔''(۱۲)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن 'مقدمہ' کو 'تقریظ' سے نہ صرف ممیز کرتے ہیں بلکہ اسے مؤخر الذکر سے اعلیٰ چیز جانتے ہیں۔

بایں ہمہ، اردو کی کتابوں میں ان الفاظ (مقدمہ، دیباچہ، تقریظ) کے استعمال میں اور ایسی تحریروں میں جو کسی کتاب کے تعارف کے طور پر لکھی گئی ہوں، کوئی معنوی اور اصولی حد بندی نظر نہیں آتی ہے۔ اسی لیے احمد ندیم قاسمی نے عنوان رکھنے کا حق 'لکھنے والے' کو سونپ کر، دیباچہ، مقدمہ، تمہید، پیش کلام، پیش لفظ اور تعارف وغیرہ کے الفاظ کو مترادفات کے طور پر قبول کر لینے کا جو عندیہ ظاہر کیا ہے اس کو تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔(۱۳)

اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ ہم ''کتبِ نعت میں دیباچوں اور تقاریظ کا تنقیدی معیار'' جاننے کا آغاز کر سکیں۔

ہمارے عہد کے معتبر نعت گو حفیظ تائبؔ کی نعت گوئی پر ''تقدیم'' کے زیرِ عنوان ڈاکٹر خورشید رضوی نے جو تنقیدی رائے دی ہے اس کا تجزیاتی مطالعہ اس باب کی ابتداء کے لیے مناسب رہے گا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر خورشید رضوی کی تحریر مختصر ہے اس لیے میں اسے دیباچے کے ذیل میں رکھ کر دیکھتا ہوں۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

''صلوا علیہ وآلہٖ'' کی نعتوں میں وہ سارا سلیقہ صرف ہوتا نظر آتا ہے جو جناب حفیظ تائب نے دورِ غزل گوئی میں حاصل کیا تھا۔ کتاب کا اولین 'قصیدہ' آپ خود خاصے کی چیز ہے، جو مولانا حالیؔ کے قصیدۂ نعتیہ کی زمین میں ہے، جس کا مطلع ہے:

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور
مجھ سے الجھیں گے ان کے ناز ضرور

مولانا نے تشبیب کی جگہ تعلّی کا طویل ابتدائیہ باندھا ہے (جسے انہوں نے از روئے انکسار، ماضی کے 'ہذیانات' میں شمار کیا ہے) اور پھر گریز کر کے 'نعت سرورِ جمہورؐ' کی طرف آئے ہیں۔ جناب حفیظ تائب نے گریز سے گریز کرتے ہوئے ابتداء ہی اصل مدعا سے کی ہے:

جب کیا میں نے قصدِ نعت حضورؐ
ہوئے یکجا شعور و تحت شعور

پھر 'نور' 'حضور' 'سرور' کے قوافی سے گزرتے ہوئے ان کا توسنِ طبع غزل کی روش پر چل پڑتا ہے مگر موضوع سے ہٹے بغیر:

اس کی خدمت میں کچھ برنگِ غزل
بہ امیدِ قبول و قرب و حضور

اور اس موجِ خرام سے 'دور' کی ردیف اور 'یار' اور 'قرار' کے قوافی کی راہ نکالتا ہے:

آبِ جو کی طرح ہو سرگرداں (۱۴)
نکل آیا ہوں کوہسار سے دور
اک گلِ حیرت وملال ہوں میں
مسکرایا ہوں شاخسار سے دور"

ڈاکٹر خورشید رضوی کے اس اندازِ تحسین (appreciation) میں ان کا تنقیدی شعور بھرپور طور سے جھلک رہا ہے۔ یہاں انہوں نے غزل کے فنی سلیقے کی بات کی ہے جس کی کامل آگاہی نے ان کے ممدوح کو نعتیہ شعری دنیا میں وقار بخشا ہے۔ پھر قصیدے کے لوازم کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے انہوں نے حفیظ تائبؔ کے قصیدے کا موازنہ خواجہ الطاف حسین حالیؔ کے قصیدے سے کیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ فنی اعتبار سے تائبؔ نے قصیدے کا گریز والا حصہ ابتداء ہی میں حذف کر دیا اور براہِ راست اصل مدعا ان کے قلم کی زبان پر آ گیا ہے۔

قصیدے کے فنی لوازم میں "تشبب"، "گریز"، "مدح" اور "دعا" (۱۵) کا خاص اہتمام کیا جاتا رہا ہے لیکن نعتیہ قصیدے میں تائب نے نہ تو تشبیب میں بہاریہ انداز اختیار کیا اور نہ ہی انہیں گریز کے مرحلے طے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ بغیر طول طویل تشبیب کے انہوں نے نعت کہنے کے ارادے کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کے لطف اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کرم کا تذکرہ چھیڑا ہے

روحِ ممدوح دستگیر ہوئی
شاملِ جاں تھا لطفِ ربِ غفور (۱۶)

تائب کی اس روش کا ذکر 'تقدیم' میں اختصار سے کر کے ڈاکٹر خورشید رضوی نے اپنے تنقیدی منہاج اور شعورِ نقد کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ حالیؔ کے قصیدے سے تائبؔ کے قصیدے کا موازنہ کرنے کا خیال بھی خورشید رضوی کی تنقیدی روش کا حصہ بنا جس سے تائبؔ کے قصیدے میں تعلی کے مرض سے بچنے کا قابلِ تحسین پہلو بھی سامنے آ گیا۔ دراصل حالیؔ کا قصیدہ تفاخر کے جذبے سے مملو تھا جسے انہوں نے نعتیہ اشعار پر ختم کر کے فخر کے لیے جواز پیدا کرنے کی سعی کی۔ حالیؔ نے

لکھا ہے:

"جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر متنبہ ہوا لہٰذا قصیدے کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا
تا کہ فخر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے" (۱۷)

حالیؔ کا قصیدہ پچھتر اشعار پر مشتمل تھا جبکہ حفیظ تائبؔ نے کل انچاس اشعار کہے۔ لیکن حفیظ کے تمام اشعار مدحِ مصطفےٰ ﷺ میں ہیں جبکہ حالیؔ کے قصیدے میں تفاخر کی تمہید کے اکتالیس اشعار شامل تھے جن کی اپنی کلیاتِ نظم میں موجودگی، خود حالیؔ کو کھٹک رہی تھی اسی لیے انہوں نے نعتیہ قصیدے کے نیچے فوٹ نوٹ دینا ضروری جانا تھا۔

خورشید رضوی نے ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے جس سے حفیظ تائبؔ کے شعورِ نقد پر روشنی پڑتی ہے۔ حافظ افضل فقیر نے تائبؔ کے ایک شعر میں لفظ "حاصل" سے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ کچھ عرصے بعد تائبؔ نے "حاصل" کو "غایت" سے بدل کر انہیں سنایا اور انہوں نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ "غایت" ہی وہ غایت تھی جس تک طائرِ خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا:

"مولانا! تمہاری جستجو کی بھی داد دینی پڑتی ہے" (۱۸)

ان دونوں اشعار کی خواندگی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے شعر میں کتنی شعریت پیدا ہو گئی اور معنوی حسن کتنا بڑھ گیا:

وہ کہ ہے سوز و ساز نبضِ حیات (۱۹)
وہ کہ ہے حاصلِ سنین و شہور
وہ کہ ہے سوز و ساز نبضِ حیات
وہ کہ ہے غایتِ سنین و شہور

اس شعر میں "حاصل" کا لفظ تائبؔ کے ممدوح حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو سنین و شہور کی پیداوار ظاہر کر رہا تھا [حاصل کے لغوی معانی کھیتی کی پیداوار ہیں] جبکہ "غایت" [لغوی معانی، غرض، مقصد، مطلب] کے لفظ نے سنین و شہور [سال و ماہ] کے وجود کو حضورِ اکرم ﷺ کے وجودِ باجود کا صدقہ بنا کر پیش کیا جو حضورِ اکرم ﷺ کے وجہِ وجودِ کائنات ہونے کی دلیل ہے، جس کا ذکر احادیثِ قدسی میں آیا ہے۔

ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا ہے:

"تائب صاحب کے نعتیہ کلام کے چند در چند خصائص میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت کو بار بار کے دہرائے ہوئے مضامین سے نکال کر اس کے عمق، وسعت اور تنوع میں اضافہ کیا" (۲۰)

حفیظ تائبؔ کی بعض تراکیب کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر خورشید نے لکھا:

"نادرہ کاری ان کی بعض تراکیب میں بھی نظر آتی ہے، مثلاً اے ہادیِ دارین، مقدر گرِ آفاق..... میں 'مقدر گرِ آفاق' کی گہرائی اور بلاغت کو دیکھیے۔ اسی طرح یہ دل نشین شعر ملاحظہ ہو، جس میں 'روانِ خیز' کی ترکیب بطورِ خاص لائقِ توجہ ہے: وہ تابِ جاں، سحابِ کرم، انتخابِ حق
وہ شانِ فقر، آنِ تمدن، روانِ خیر" (۲۱)

حفیظ تائبؔ کے کلام میں فنی نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے ''تقدیم'' نگار نے درج ذیل شعر پر جو رائے دی ہے اس سے ان کی آگاہیٔ فن اور تحسین شعر کا تنقیدی سلیقہ مترشح ہے:

باتیں آقا کی سناتا ہے اُحد
اس کے دامانِ صفا میں گم ہوں

ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا:

''اُحد کے ساتھ لفظ صفا کی مناسبت قابلِ دید اور لائق داد ہے کہ ایک طرف کوہِ صفا کا ایہام پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف صفا بمعنی مودت و اخلاص کے حوالے سے فرمانِ نبوی 'احد جبل یحبنا و نحبہ' [احد ایسا پہاڑ ہے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں] کی تلمیح جھلکتی ہے''۔(۲۲)

معنوی خوبیوں کے یہ نکتے بیان کرنے سے ڈاکٹر خورشید رضوی کا مقصد، حفیظ تائبؔ کے کلام کی تنقیدی سطح پر پسندیدگی کا جواز پیش کرنا ہے۔ اس طرح ان کی لکھی ہوئی تقریظ یا دیباچہ، جسے انہوں نے ''تقدیم'' کا عنوان دیا ہے، ایک ایسی تحریر مانی جائے گی جس میں بلا جواز تحسین نہیں ہے بلکہ دیباچہ نگار کا دعویٰ تنقیدی شعور کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ بھرپور دلائل سے باوزن بھی بنایا گیا ہے۔ بلاشبہ حفیظ تائبؔ کے کلام میں ایسی معنوی اور فنی خوبیاں ہیں جن سے ان کا شعرِ عقیدت شعریت سے ہم کنار اور شریعت کے بھرپور احترام سے مملو لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر خورشید رضوی کی لکھی ہوئی ''تقدیم'' کتاب کا متوازن تعارف ہی معلوم نہیں ہوتی بلکہ کتاب اور تقریظ نگار کا وقار بھی بڑھاتی ہے۔

''آپ ﷺ''، حنیف اسعدی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں کچھ تضمینیں بھی ہیں۔ سحرؔ انصاری کی ایک تعارفی تحریر بعنوان ''آپ ﷺ کی تضمینیں'' اس کتاب کی زینت بنی ہے۔ سحر انصاری کی تقریظ کے تنقیدی نکات اور ان نکات کی معروضیت جاننے کے لیے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''جہاں تک فنِ تضمین کا تعلق ہے اس پر حنیف اسعدی کو غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ دراصل تضمین کئی شرائط کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک تو اصل کلام جس نوعیت کا ہے اس کی مناسبت سے مصرعے لگائے جائیں۔ دوسرے اصل کلام کی تشریح بھی ہوتی چلی جائے اور جو رموز اس میں پنہاں ہیں ان کی تفہیم کا زاویہ بھی نکل آئے۔ ہیئت کے اعتبار سے یہ ساری تضمینیں مخمس میں لکھی گئی ہیں۔ اس ہیئت میں تیسرے مصرعے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے جو ماسبق دو مصرعوں اور آنیوالے دو مصرعوں کے مابین ایک محکم ربط پیدا کرتا ہے۔ اس سے تضمین نگار کی فنی گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حنیفؔ اسعدی کی تضمینیں ایک تخلیقی شان رکھتی ہیں۔ ان میں شگفتگی بھی ہے، حسن بیان بھی اور فنی خوبیوں کا لطف بھی۔۔۔ تبسم رومانی کے اس شعر پر تضمین دیکھیے:

خیر ہیں خیر کی آخری حد بھی ہیں
باعثِ کن بھی ہیں کن کا مقصد بھی ہیں
خود بھی حامد ہیں ممدوح سرمد بھی ہیں
''آپ احمدؐ بھی ہیں اور محمدؐ بھی ہیں...... حمد ہے لازمی جزو نام آپ کا'' (۲۳)

سحر انصاری کی تقریظ میں جو فنی نکات بیان کیے گئے ہیں ان کی تصدیق حنیفؔ اسعدی کی تضمین کے محولہ بالا نمونے سے بھی ہو رہی ہے اور حنیفؔ اسعدی کا دیگر کلام بھی اس رائے کی اصابت پر دال ہے۔ کچھ مزید شعری نمونے دیکھنے سے اس نکتے کی وضاحت ہو جائے گی۔ مثلاً قدسیؔ کے ایک شعر کی تضمین ملاحظہ ہو:

"یہی کہتے ہیں زمانے کے بدلتے حالات
نہ طلب ہی کو بقا ہے نہ تمنا کو ثبات
ہے فقط امتِ عاصی کے لیے ایک ہی ذات
"ما ہمہ تشنہ لبانیم وتوئی آبِ حیات (۴۴)
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی"

بیدم وارثی کے شعر پر تضمینی عمل دیکھیے:

خوشا کہ مجھ کو بھی نعتِ نبی کا اذن ملا
نصیب وجد میں ہے، رقص میں ہے فکرِ رسا
گلے لگاؤں تجھے اے شعورِ مدح و ثنا
'بلائیں لوں تری اے جذبِ شوق صل علیٰ
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسول' (۴۵)

تضمین کا یہ نمونہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس لیے ہم سحر انصاری کی تقریظ کو معتدل تقریظ کے طور پر قبول کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں، حفیظ تائبؔ نے جو فلیپ لکھا ہے وہ بھی فن شناسی اور مقامِ نعت سے آگاہی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حنیف اسعدی ایک باکمال شاعر ہیں اور نطق و بیان کی جمالیات سے پوری طرح بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین نعت کا ادراکِ خاص رکھتے ہیں۔ ادب و آگہی کے امتزاج نے انہیں وہ لہجہ جمیل عطا کیا ہے جو ان کا امتیاز ہے وہ روحِ عصر اور ذوقِ جدید کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں"۔ (۴۶)

ہمارے خیال میں ان تقریظی تحریروں کو 'متوازن تقاریظ' قرار دیں تو یہ سخن فہمی ہوگی غالبؔ کی طرف داری قطعی شمار نہیں ہوگی۔

تابشؔ دہلوی کی کتاب "تقدیس" کی نعتیہ شاعری پر "تلاشِ جلوۂ حرفِ سپاس" کے زیرِ عنوان دیباچہ لکھتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے لکھا:

تابش کے کلام میں زبان و بیان کی جو حرف شناسی ہے، الفاظ کے بطون میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے، برہنہ گفتاری کی جگہ رمز و ایما سے ان کی جو وابستگی ہے، الفاظ اور مفاہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے، لفظوں کو ہشت پہلو نگینوں کی صورت جڑنے اور انہیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے، ان سب کا مقسوم و مقدر یہ تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں،

نعتِ سرورِ کونینؐ کے سلسلے میں ان کے کام آئیں۔ تابشؔ کے سفینۂ فن کو آخر ساحلِ محمدی مل گیا...... ہر زندہ چیز کی طرح ہمارے سخن کو بھی اپنی منزل کی تلاش رہتی ہے"۔(۲۷)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، کی درج بالا رائے کو ہم "تأثراتی تنقید" کہہ سکتے ہیں۔ تأثراتی تنقید میں لطافتِ احساس کی وجہ سے کچھ تخلیقی شان پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تنقید تحسینِ محض بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر کشفی نے "تقدیس" کی قراءت کے بعد جو تأثر قائم کیا ہے وہ نری تحسین پر مبنی نہیں ہے کیوں کہ ان کا دعویٰ، تابشؔ دہلوی کے کلام میں پائی جانے والی خوبیوں کی قوی دلیل بھی رکھتا ہے۔ خود ڈاکٹر کشفی نے "تقدیس" میں شامل کلام سے شاعری کے جو نمونے پیش کیے ہیں وہ اچھے شعری نمونے ہیں، مثلاً

محورِ ہستی فقط ذاتِ رسول
دین و دنیا مصطفیٰؐ تا مصطفیٰؐ
نظمِ ہستی میں توازن کے لیے
ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ (۲۸)

مؤخر الذکر اشعار پر گفتگو کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے کشفی نے اس اشعار کے متن کو ہمارے نعتیہ شعری سرمائے کی روشنی میں بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے اور قرآنِ کریم کی آیات کے تناظر میں بھی انھیں پرکھنے کی سعی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ، مقامِ نبوی سے آگہی کا اظہار اس قوت سے غالب و اقبال کے بعد مجھے تابشؔ کے ہاں اس طرح نظر آیا ہے:

تیرِ قضا ہر آئینہ از ترکشِ حق است
لیکن کشود آں ز کمانِ محمدؐ است
(غالبؔ)

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است
(اقبال)

آیئے اب ذرا "دین و دنیا مصطفیٰؐ تا مصطفیٰؐ، اور ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰؐ، کا مطالعہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں کریں...... سورۂ فتح میں سلسلۂ کلام یہ ہے کہ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کو بھیجا تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔۔۔۔ اور اس کے فوراً بعد ارشاد ہوتا ہے وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ۔ یعنی اللہ کی گواہی کافی ہے اور اللہ کی شہادت کے بعد ہی فرمایا گیا کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا جاتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۔ اور اے محمدؐ ہم نے تم کو عالمِ انسانیت کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہی بشارت اور یہی تنذیر نظمِ ہستی میں توازن

کی اساس پر ہے۔اور وہی ذات محورِ ہستی ہو سکتی ہے، جس کے لیے فرمایا گیا کہ اللہ رسولؐ پر شاہد ہے اور رسولؐ مومنوں پر شاہد ہیں۔۔۔اور یہ شہادت ابدی ہے"۔(۲۹)

درج بالا اقتباس میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی تنقیدی دانش کا بھرپور اظہار ہوا ہے اور بڑے توازن کے ساتھ۔ تحسین (appreciation) کے اس عمل میں کشفی صاحب نے شعر کی معنوی ساختوں کو پرت پرت دیکھنے اور معنویت کی لمعات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ خیال کی معنوی رفعت نے تابشؔ کے شعروں کو غالبؔ و اقبالؔ کے معنوی قوس میں بھی جگہ دی ہے اور قرآنی فکر کے نورانی ہالے میں بھی داخلے کا موقع فراہم کیا ہے۔ علاوہ ازیں شعری بُنت کے سلیقے اور تقلیلِ الفاظ میں وسیع مضمون کو سمیٹنے کی کامیاب کوشش کے باعث بھی اردو نعتیہ شعری عمل میں تابشؔ کے اشعار نمایاں ہوگئے ہیں۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے فدا خالدی دہلوی کے مجموعہ نعت "م۔ص" پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا تھا:

"حمد و نعت کا میدان عقیدت کے اظہار کا ذریعہ تو ہے ہی، اس میں فن کی نزاکت اور نفاست کا احساس بھی قائم رہے تو پھر یہ کلام صرف عام پسند نہیں رہتا، خاص پسند بلکہ خواص پسند ہو جاتا ہے۔اس مجموعے میں بھی بہت سے اشعار ایسے ہیں جو اپنی فنی مہارت کے اعتبار سے بھی قابل ذکر ہیں"۔(۳۰)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی یہ مختصر رائے بھی کلام کی فنی خوبیوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔ کیوں کہ م۔ص، میں شامل تمام کا تمام کلام شاعری کے کلاسیکل مزاج کا آئینہ دار، عشقِ نبوی کے شدید جذبے کا عکاس اور بیان کی سادگی و پرکاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ چند اشعار کی خواندگی سے میرے احساس کو زبان مل سکے گی:

لگی دل کی انہیں آخر مدینے تک اُڑا لائی
بھڑک اٹھے تھے جن کے دل وہ پروانے کہاں جاتے
تمہارے نام لیوا ہیں، تمہیں سے حال کہتے ہیں
ہم اپنی داستانِ درد دہرانے کہاں جاتے
تمہاری رہنمائی کا سہارا گر نہیں ملتا
تو یہ بھٹکے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے (۳۱)

اے کاش پہنچ جاؤں درِ سرورِ دیں تک
ایسا نہ ہو رہ جائے یہ افسانہ یہیں تک
آنکھوں میں لیے پھرتا ہوں طیبہ کے مناظر
یہ نور کی دنیا ہے مرے ذوقِ یقیں تک (۳۲)

رخ ہے طرف روضہ سرکار مدینہ
جاتا ہے کوئی جانب دربار مدینہ (۳۳)

جب سے فدا ہوئے ہیں سرکار دوجہاں پر (۳۴)
آزاد ہوگئے ہیں دنیا کی برہمی سے
ہے کیسا سلیقے کا میخانہ محمدؐ کا
بہکا نہ کبھی پی کر مستانہ محمدؐ کا (۳۵)

فدؔا خالدی کی کتاب ''م۔ص'' میں نعتیہ غزلیں، نعتیہ رباعیات، نعتیہ پابند نظمیں، نعتیہ قصیدہ، نعتیہ مسدس جیسی اصنافِ سخن کی موجودگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ شاعر کا مزاج اردو کی کلاسیکی شعری اصناف سے بھرپور مناسبت رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر ارشادالحق قدوسی کی رائے بھی دیکھیے:

''ان (فدا خالدی دہلوی) کے مجموعے کے مطالعے سے نہ صرف ان کے زبان و بیان کی شائستگی، قدرت اور غیر معمولی حسن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے بلکہ ان کے خیال کی لطافت اور بلاغت کا بانکپن اور جمال دلوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے شیفتگی کا جذبہ پیدا کر کے محبت اور سرشاری کی وہ کیفیت بیدار کرتا ہے کہ انسان دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوجاتا ہے اس کا دل عشقِ رسول ﷺ کی بے تابی کا محور بن جاتا ہے۔ جناب فدا خالدی دہلوی، حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد ہیں اس لیے زبان و بیان پر انہیں مہارتِ تامہ اور قدرت کاملہ حاصل ہے۔ جہاں وہ دیگر اصناف، نظم، غزل، رباعی وغیرہ میں اپنی عظمتِ فن کا لوہا منوا چکے ہیں ان کا زیرِ نظر مجموعۂ نعت ''م۔ص'' ان کی شاعرانہ عظمت اور نبی اکرم ﷺ سے ان کی بے پناہ عقیدت اور محبت کا آئینہ دار اور قابلِ قدر شاہکار ہے''۔(۳۶)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور ڈاکٹر ارشادالحق قدوسی کی آراء کی روشنی میں فدا خالدی کے چند اشعار کی خواندگی سے ہی ہمیں شاعر کے کمالِ فن اور جمالِ بیان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

درازی شام غم کی مختصر ہو
پہنچ جاؤں مدینے تو سحر ہو
بھٹک سکتا نہیں راہِ وفا میں
تمہاری یاد جس کی راہبر ہو
نہ آئیں آپ ، وہ مجھ کو بلائیں
کوئی تدبیر جینے کی مگر ہو (۳۷)

آشکارا عظمتِ خیرالبشر ہوتی گئی
رخ جدھر ان کا ہوا دنیا ادھر ہوتی گئی
رفتہ رفتہ ہر حجابِ درمیاں اٹھتا گیا
شامِ غم ڈھلتی گئی، پیدا سحر ہوتی گئی (۳۸)
نام لے کر ان کا گزرا ہر کٹھن منزل سے میں

نام لے کر ان کا گزرا ہر کٹھن منزل سے میں
سامنے دیوار جو آئی وہ در ہوتی گئی
ہر نفس راہِ مدینہ میں سکوں ملتا گیا
ہر قدم ان کی محبت راہبر ہوتی گئی
تذکرہ آپ کا گفتگو آپ کی
زندگی بن گئی آرزو آپ کی
جتنی سیرت نظر سے گزرتی گئی
اور بڑھتی گئی جستجو آپ کی (۳۹)

فداؔ خالدی کے شعرِ عقیدت کی فنی خوبی، بیان کی صفائی، خیال کی پاکیزگی اور اظہار کی نفاست دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ نقادانِ ادب کی جو آراء ہم نے درج کی ہیں وہ بالکل معروضی آراء ہیں۔ ان آراء کو پڑھ کر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ ناقدین نے مروتاً کچھ لکھ دیا ہو۔

وقار صدیقی اجمیری کے مجموعہ نعت ''حرف حرف خوشبو'' پر ''نعت کے نئے افق'' کے زیرِ عنوان، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، نے لکھا:

''نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر ہشت پہلو الفاظ کے ہیروں سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔ نعت کے الفاظ میں: ۱۔ خلوص، ۲۔ گہری معنویت، ۳۔ تہ داری، ۴۔ عظمت، ۵۔ عشق، ۶۔ فکر، ۷۔ روانی، ۸۔ ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع ضروری ہے۔ وقار صدیقی اجمیری کے الفاظ میں یہ آٹھوں پہلو مجھے جگمگاتے نظر آئے ہیں۔ وہ ہر لفظ کو امانت اور ودیعتِ عشق دوست سمجھتے ہیں''۔ (۴۰)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی درج بالا رائے دیکھنے کے بعد جب ہم شاعر کا کلام ملاحظہ کرتے ہیں تو اس کلام کی جملہ خوبیاں ہم پر آشکارا ہوتی ہیں اور نقادِ سخن سے اتفاق کرنے میں ہمیں ذرا تامل نہیں ہوتا۔ چند اشعار بطور حوالہ پیش کیے جاتے ہیں:

نہ فلسفے سے نہ دانشوری سے ملتا ہے
شعورِ زیست ، شعارِ نبیؐ سے ملتا ہے
ہم اس کی مدح میں خود کو بھی فاش کرتے ہیں
وہ آئینے کی طرح ہر کسی سے ملتا ہے
وقاؔر نعتِ محمدؐ کا معتبر اسلوب (۴۱)
غرورِ فن سے نہیں، عاجزی سے ملتا ہے
اک ایسا آئینہ ہے اسوۂ رسولؐ وقاؔر

میں جس کو دیکھ کے اکثر سنور نے لگتا ہوں (۴۲)

محتاط ہیں ہم تذکرۂ عشقِ نبیؐ میں

بے مشورۂ دیدۂ نم کچھ نہیں لکھتے

ہے پاس جنہیں آبروئے لوح و قلم کا

وہ حمد سے یا نعت سے کم کچھ نہیں لکھتے (۴۳)

اک مشتِ خاک اور حبیب خدا بنے

اجرِ اطاعتِ شہِ ابرار دیکھنا

اکسیر ہے یہ دیدہ و دل کے لیے وقار

اوروں کو نیک خود کو گنہگار دیکھنا (۴۴)

بے تاب نظر روئے محمدؐ پہ ٹھہر جائے

ممکن نہیں اللہ تعالی کا تصور

بن سکتا ہے یہ نعت کا شاعر بھی مصور

یک جا ہو اگر حسن کے اجزا کا تصور (۴۵)

ان کا اقرار ہی روحِ اقرار ہے

ورنہ ثابت خدا کا بھی انکار ہے

خُلق کے ضابطے سب امر ہوگئے

اور کیا آدمیت کو درکار ہے

ان کی نسبت اگر ہے، تو رحمت بنو

بس یہی ان کی نسبت کا معیار ہے (۴۶)

میں سمجھتا تھا کہ ہونا ہے نہ ہونا میرا

اپنے ہونے کی مدینے سے خبر لے آیا

جو اندھیروں کا تسلط نہیں رہنے دیتی

حسنِ آفاق میں اک ایسی سحر لے آیا

اس نے تہذیب کو فطرت سے ہم آہنگ کیا

اک نیا فلسفہ فکر و نظر لے آیا (۴۷)

ہو ان کے حوالے سے جو عرفان کی تکمیل

اک اور ہی دنیا پسِ دنیا نظر آئے

ہر حسن کو ہر وصف کو پایا ہے مجسم
سرکارِ دو عالمؐ ہمیں کیا کیا نظر آئے
ایسی بھی سحر کاش مرے خواب مجھے دیں
اک اک سے کہوں میں شہِ والا نظر آئے (۴۸)

ایمان ہے کیا آپؐ کی نسبت کا حسیں نام
یہ دین ہے کیا آپؐ کے جینے کی ادا ہے
آتے ہیں وقارؔ اب تو تغزل کو پسینے
نعتِ شہِ ابرار کا وہ رنگ جما ہے (۴۹)

وقارؔ صدیقی اجمیری کے شعری نگار خانے میں وہ تمام رنگ نظر آتے ہیں جو عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری کو دھنک رنگ بنا رہے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی رائے کی روشنی میں جب ہم درجِ بالا اشعار کی معنوی سطح کو بنظرِ غائر دیکھتے ہیں تو ہمیں موضوعات کی بوقلمونی اور بیان کی خوبصورتی کا اندازہ ہوتا ہے اور ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی رائے کو ایک متوازن رائے کے طور پر قبول کرنے میں کوئی جھجک باقی نہیں رہتی۔

''محرابِ توحید''، امین راحت چغتائی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ جس پر ''پیشِ گفتار'' کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی نے تقریظ لکھی ہے اور ''تاثرات'' کے ذیل میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کا مسودہ پڑھ کر، احمد ندیم قاسمی نے لکھا:

> ''اس مجموعے کا مسودہ پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ اردو نعت مسلسل ترقی پذیر ہے اور مولانا ظفر علی خاں اور حفیظ تائب کی نعتوں کی روشنی میں صنفِ نعت شاہراہِ ارتقا پر پورے اعتماد کے ساتھ گامزن ہے۔ ثبوت کے طور پر امین راحت چغتائی کی نعت پیش کی جا سکتی ہے۔ اس نعت میں خود سپردگی اور والہیت اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہیں۔ میں نے جب ان کا ایک شعر پڑھا تو کئی روز تک میں اس کی بلاغت اور اس کی بے کنار رسائیوں کے حسن کا اسیر رہا۔ وہ غیر فانی شعر یہ ہے:
>
> میری بخشش کے دو وسیلے ہیں
> ایک تو آپؐ دوسرا بھی آپؐ
>
> 'ایک تو' کے الفاظ پڑھنے کے بعد جب دوسرا وسیلہ سامنے آتا ہے تو قاری پر ایک ناقابلِ بیان اور بے پایاں طلسمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ان بارہ سیدھے سادے الفاظ میں عقیدت کا ایک ایسا سمندر موجزن ہے، جس کا دوسرا کنارہ ناپید ہے''۔ (۵۰)

احمد ندیم قاسمی کا تاثر انتہائی درجہ جذبات سے مغلوب لگتا ہے لیکن شعر کی بلاغت اور معنویت کے پیشِ نظر ہم ان کے تاثر کو بے جا تعریف کے ذیل میں نہیں بلکہ مثبت اور جائز تحسین کے زمرے میں رکھیں گے۔ امین راحت چغتائی نے اپنے خیال کو

اس ڈرامائی کیفیت میں شعری جامہ پہنایا ہے کہ ان کے بیان پر قاری سو جان سے نثار ہو جائے۔ شاعر کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ حضور میری بخشش کا صرف اور صرف آپ ہی کی ذات ایک سہارا ہے۔ لیکن اس نے اپنے بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لیے ایسا ظاہر کیا کہ پہلے پہل تو ''آپ'' کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ پھر سوچا کہ دو سہاروں میں دوسرا کونسا ہے؟ تو اس کی فکر دوسرا سہارا ڈھونڈنے میں ناکام ہوگئی کیوں کہ محشر میں تو صرف حضور اکرم ﷺ کی شفاعت ہی سے امت بخشی جائے گی، چنانچہ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ''دوسرا بھی آپ''۔ زیرِ تبصرہ شعر میں بیان کی بے ساختگی نے جو لطفِ بیان پیدا کیا ہے اس کا جواب نہیں!

احمد ندیم قاسمی نے امین راحت چغتائی کے شعرِ عقیدت کی تحسین کے ہنگام، اپنے تاریخی شعور کو بیدار رکھا ہے اور اسی لیے وہ بڑے اعتماد سے کہتے ہیں:

اسی طرح جب امین راحت چغتائی یہ کہتے ہیں تو اردو شاعری کی گزشتہ تین صدیوں کی روایات کو جگمگا دیتے ہیں:

تو مری زندگی کا حاصل ہے　　　　دیکھ کر تجھ کو اب کدھر دیکھوں (۵۱)

احمد ندیم قاسمی نے نعت نگاری کے ضمن میں اپنی سوچ کو بھی منعکس کیا ہے اور یقیناً بڑے پتے کی بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''نعت نگاری کے حوالے سے میرا ایک نقطہ نظر ہے جس سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میرے اس نقطہ نظر میں میرا یہ یقین موجود ہے کہ جن شعراء نے تیس چالیس برس تک معیاری اردو غزل اور نظم کہی ہو، اور جنہوں نے ولی، میر، سودا، مصحفی، آتش، مومن، غالب، حالی، اقبال، فراق اور یگانہ کے حسنِ اظہار کو اپنے خون میں کھپا لیا ہو، وہ جب نعت کہنے پر آتے ہیں تو نعت نگاری کا حق ادا کر دیتے ہیں اور اس معیار کے شعر کہنے پر حاوی ہو جاتے ہیں:

وہ سن رہے ہیں جنبش لب کے بغیر بھی
میں کہہ رہا ہوں جو بھی مری چشم تر میں ہے (۵۲)

احمد ندیم قاسمی نے شعر کی حساس کائنات کو مسخر کرنے کا جو تاریخی تجربہ نقل کیا ہے اس سے اختلاف کی گنجائش نکلنا مشکل ہے کیوں کہ شاعری کی دنیا میں قدم رکھنے کے ابتدائی دس بیس سال تو محض مشقِ سخن کی نذر ہو جاتے ہیں اور جب شاعر لفظوں کی حساسیت، بیان کی نزاکت اور شاعری کے کچھ لوازم سے آگاہ ہو کر شعر کہنے کی کوشش کرتا ہے تب اسے یہ ملکہ حاصل ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسی بات کہہ سکے کہ سامع یا قاری اسے ''اپنے دل کی آواز'' سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ''چشمِ تر'' کے حوالے سے کہے جانے والے ہزاروں نعتیہ اشعار میں، امین راحت چغتائی کا درج بالا شعر، ایک منفرد لہجے کا شعر لگتا ہے اور اس کی تعریف، بجا طور پر ہر باذوق قاری کی تعریف لگتی ہے۔

کلیم احمد عاجزؔ ایک معروف شاعر ہیں۔ ساتھ ہی شعری نزاکتوں سے آگاہی اور اس کے اظہار نے انہیں تنقید

کا سلیقہ بھی عطا کر دیا ہے اس لیے ان کی تنقیدی رائے بھی ان کے شعر کی طرح ان کے احساسات کا فطری اظہار معلوم ہوتی ہے۔ ماجد خلیل کے شعری مجموعے "روشنی ہی روشنی" پر "ایک معتبر شاعر" کے زیرِ عنوان دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ [جو نام بھی دیا جا سکے] لکھتے ہوئے کلیم عاجزؔ نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"بقول انگریزی نقاد 'کولرج' کہ 'شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے'۔ میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔ اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔ زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔ تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کہی ہوئی بات بھی نئی ہوگئی۔ ماجد صاحب کے کہنے کا ڈھنگ یہی ہے۔ ڈھنگ اگر نقل ہو تو بات اور فرسودہ ہو جاتی ہے۔ ڈھنگ اگر تازہ ہو تو پرانی بات بھی نئی ہو جاتی ہے۔ شاعری کی اس حقیقت کو فراموش کر دیجیے تو معیاری باتیں چند ہی رہ جائیں گی۔ لیکن ہماری اردو شاعری اور فارسی شاعری میں معیاری باتیں بہت ہیں اور ان کا معیاری ہونا باتوں کی نوعیت پر نہیں بلکہ لکھنے کی انفرادی نوعیت پر ہے۔ یہ باتیں تسلیم شدہ ہیں اس لیے ان کی وضاحت اور دلائل کی ضرورت نہیں۔ ماجد صاحب کے یہاں بھی کہنے کا انفرادی ڈھنگ و آہنگ ہے۔ جس نے ان کی شاعری کو پسندیدہ، دلکش اور دلپسند بنا دیا ہے"۔(۵۳)

کلیم عاجزؔ نے ماجد خلیل کا کوئی شعر نقل نہیں کیا، لیکن ان کے بیان کی روشنی میں ماجد خلیل کے کلام کو دیکھیے تو کلیم عاجز کی نکتہ رسی کی داد دینی پڑتی ہے۔ واقعی ماجد خلیل نے بہت سے پرانے مضامین کو بیان کی تازگی سے نیا بنا دیا ہے۔ مثلاً

ایک وہ شب تھی کہ ہونا پڑا دہلیز بدر
ایک یہ دن ہے کہ دنیا تری دہلیز پہ ہے
لفظ 'ہے' کا ہے سزاوار یقیناً جب تک
کرۂ ارض کا ماتھا تری دہلیز پہ ہے
جب بھی تڑپا ہے حضوری کی طلب میں ماجدؔ
دیکھنے والوں نے دیکھا تری دہلیز پہ ہے (۵۴)

سبز گنبد سنہری جالی کو
اور ترسیں کے چشم و لب کب تک
عقل، دل، روح جسم و فکر و نظر
دیکھو ہوتے ہیں ان کے سب کب تک (۵۵)

درج بالا اشعار میں بیان کی ندرت نے نعتیہ شاعری کے مروجہ مضامین کو نیا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلیم عاجزؔ کی تنقیدی رائے سے نہ صرف اتفاق کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ ان کی نکتہ رسی کی داد بھی دینی پڑتی ہے۔

حافظ محمد مظہر الدین کو بجا طور پر "حسان العصر" کے خطاب سے نوازا جاتا رہا ہے۔ ان کا کلام اردو نعتیہ شاعری کی

کتنی بڑی سچائی ہے اور ہم اس سے کتنے بے خبر ہیں۔ قبلہ حافظ صاحب کا شعور اس صداقت کی روشنی سے تابناک ہے اور اس کے ساتھ انداز بیان کتنا باوقار ہے۔ اس سے آگے اپنے دلبر کے شہر کی صبح وشام کا منظر کس خوبی و خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

نظر فروز ہے شہر نبی کی صبح جمیل

ہزار جلوہ در آغوش ہے حجاز کی شام

حافظ صاحب کی نگاہیں شہر حبیب کی صبح وشام کے جلووں سے سرگیں ہونے کے بعد روئے حبیب کی دلبرانہ اداؤں میں کھو جاتی ہیں۔ دل مضطر کے جذبات زبان قلم سے ٹپک پڑتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں:

اے کہ زلفوں سے تری عشق کی شامیں روشن

اے کہ چہرہ ہے ترا صبح درخشاں جمال

جز ترے کون ہے مخدوم جہان خوباں

جز ترے کون ہے کونین میں سلطان جمال

بے خودی کے عالم میں حافظ صاحب ایک اور حقیقت سے نقاب الٹتے ہیں۔ حافظ صاحب کے ندرتِ بیان کی بلائیں لینے کو دل چاہتا ہے:

ہو نہ جلوہ گر چمن میں جو نبی کا نور تاباں

کبھی ان گلوں سے ملنے کے لیے صبا نہ آئے

دوسرے مصرعے کی جتنی داد دی جائے حق ادا نہیں ہو سکتا"۔(۵۸)

حافظ مظہر الدین کے کلام پر تین مختلف دیباچہ نگاروں کی آراء دیکھنے کے بعد جب حافظ صاحب کا کلام دیکھتے ہیں تو اس میں فنی خوبیاں، بیان کی لطافتیں اور انداز و اسلوب کی ندرتیں دل موہ لیتی ہیں۔ چونکہ دیباچہ نگاروں کے اقتباسات میں اشعار نقل کرنے سے گریز کیا گیا تھا، اس لیے چند اشعار ہم دیکھ لیتے ہیں تاکہ تنقیدی آراء کی معروضیت یا موضوعیت سے آگاہی حاصل ہو سکے:

ذرے ذرے میں ہے دل اے سارباں آہستہ چل

یہ ہے راہِ سرورِ کون و مکاں آہستہ چل

اے حدی خواں! اے امیرِ کارواں آہستہ چل

ہے شریکِ کارواں اک خستہ جاں، آہستہ چل

میں وفورِ شوق میں ہوں نغمہ خواں آہستہ چل

دیدنی ہے میری مستی کا جہاں، آہستہ چل

رُک! کہ میں بھی جھاڑ لوں دامن سے گردِ معصیت

آبرو ہے۔میرے سامنے ان کے تین مجموعے ہیں ''تجلیات'' [۱۹۶۹ء،طبع چہارم ۲۰۰۹ء] ''جلوہ گاہ'' [۱۹۷۴ء،طبع دوم ۲۰۰۹ء]اور ''بابِ جبریل'' [۱۹۷۸ء،طبع دوم ۲۰۰۹ء]۔

''جلوہ گاہ'' کے دیباچے بعنوان ''سجدۂ قلم'' میں احسان دانش لکھتے ہیں:

''حافظ مظہر الدین صاحب کے یہاں حضور کی زندگی کے ہر پہلو اور اپنے عجز کے بیشتر پہلوؤں پر خیالات و احساسات کی تصویریں ملتی ہیں، جن میں ادب بھی ہے اور احترام بھی، عشق بھی ہے اور سوز عشق بھی۔ میں نے پاکستان میں بہت کم لوگ حافظ مظہر الدین صاحب جیسے رقیق القلب اور عاشق رسولؐ دیکھے ہیں اور دیکھا جائے تو نعت کا حق عاشق رسولؐ ہی کو پہنچتا ہے اور وہی کلام دلوں میں گداز اور پلکوں پر بادلہ لگاتا ہے۔۔۔میں نے کئی بسیار گو اور زودنویس شعراء کو دیکھا ہے کہ فنی طور پر تو ان کے کلام میں کوئی نقص نہیں ہوتا لیکن تاثر کا دور دور تک پتہ نہیں لگتا۔ قاری کا جسم بھی پیاسا رہتا ہے اور روح بھی کیوں کہ شعر تو ایک فطری ابلاغ کا ذریعہ ہے اگر وہ موزونیِ طبع اور مہارتِ عروض کے علاوہ زودگوئی کے بل پر کہا گیا ہے تو تاثرات کے اعتبار سے دیوالیہ اور جذب کے لحاظ سے ٹس ہوتا ہے اور کھرا سکہ نہیں کہلاسکتا''۔(۵۶)

حافظ مظہر الدین کے نعتیہ مجموعے ''تجلیات'' کا دیباچہ [اسی عنوان سے] محمد ایوب صاحب نے لکھا تھا۔وہ رقم طراز ہیں:

''دنیائے شعر و شاعری میں نعت کو بعض نادان مبدِ فاضل تصور کرتے ہیں اور اس لیے ان کے نزدیک نعت کے لیے فنی قواعد و محاسن کا لحاظ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ یہ طرزِ عمل نہ صرف فن کی توہین و تخریب کے مترادف ہے بلکہ خود نعت کی عظمت و پاکیزگی کے پیش نظر ایک طرح کی بے ادبی و گستاخی ہے۔ محبوب کے حضور ہر پیش کش حسین و متوازن انداز میں پیش کی جانی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ فن کا منصب تحسین و تزئین ہی ہے۔حافظ صاحب کی نعتیں الحمدللہ فنی اعتبار سے بھی بے داغ، حسین اور مزین ہوتی ہیں''۔(۵۷)

حافظ مظہر الدین کی تیسری کتاب ''بابِ جبریل'' کا ''پیش لفظ'' پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، الازہری، نے لکھا تھا۔وہ فرماتے ہیں:

''نعت کی اپنی مخصوص زبان ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے اور وہ ہے ''جذبۂ عشق''۔ایک سادہ سا جملہ اگر سوزِ عشق سے لبریز ہے تو وہ اپنی اثر آفرینی میں طویل قصائد سے بازی لے جاتا ہے۔ جذبۂ عشق و محبت سے بے بہرہ دفاتر بھی دل میں گداز پیدا نہیں کر سکتے اور نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوسکتا ۔۔۔مبداءِ فیاض نے ان [حافظ مظہر الدین] کو نغز گوئی، جدت طرازی، بیساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست و روانی کی جو انمول صلاحیتیں بخشی ہیں، ان کا رخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کی طرف پھیر دیا ہے۔۔۔بابِ جبریل کی پہلی نعت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔جب یہ شعر پڑھا تو دل کے کسی گوشہ سے 'جاایں جاست' کی صدا بلند ہوئی اور کئی بار اس شعر کو پڑھتا رہا۔آپ بھی سنیے:

جو ان کے ذکر میں بیتے وہ لمحہ، عین کرم جو ان کی یاد میں گزرے وہ زندگی انعام

کتنی بڑی سچائی ہے اور ہم اس سے کتنے بے خبر ہیں۔ قبلہ حافظ صاحب کا شعور اس صداقت کی روشنی سے تابناک ہے اور اس کے ساتھ انداز بیان کتنا باوقار ہے۔ اس سے آگے اپنے دلبر کے شہر کی صبح وشام کا منظر کس خوبی و خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

نظر فروز ہے شہر نبی کی صبح جمیل

ہزار جلوہ در آغوش ہے حجاز کی شام

حافظ صاحب کی نگاہیں شہر حبیبؐ کی صبح وشام کے جلووں سے سرگیں ہونے کے بعد روئے حبیبؐ کی دلبرانہ اداؤں میں کھو جاتی ہیں۔ دل مضطر کے جذبات زبانِ قلم سے ٹپک پڑتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں:

اے کہ زلفوں سے تری عشق کی شامیں روشن

اے کہ چہرہ ہے ترا صبح درخشانِ جمال

جز ترے کون ہے مخدومِ جہانِ خوباں

جز ترے کون ہے کونین میں سلطانِ جمال

بے خودی کے عالم میں حافظ صاحب ایک اور حقیقت سے نقاب الٹتے ہیں۔ حافظ صاحب کے ندرتِ بیان کی بلائیں لینے کو دل چاہتا ہے:

ہو نہ جلوہ گر چمن میں جو نبیؐ کا نور تاباں

کبھی ان گلوں سے ملنے کے لیے صبا نہ آئے

دوسرے مصرعے کی جتنی داد دی جائے حق ادا نہیں ہو سکتا''۔ (۵۸)

حافظ مظہر الدین کے کلام پر تین مختلف دیباچہ نگاروں کی آراء دیکھنے کے بعد جب حافظ صاحب کا کلام دیکھتے ہیں تو اس میں فنی خوبیاں، بیان کی لطافتیں اور انداز و اسلوب کی ندرتیں دل موہ لیتی ہیں۔ چونکہ دیباچہ نگاروں کے اقتباسات میں اشعار نقل کرنے سے گریز کیا گیا تھا، اس لیے چند اشعار ہم دیکھ لیتے ہیں تا کہ تنقیدی آراء کی معروضیت یا موضوعیت سے آگاہی حاصل ہو سکے:

ذرے ذرے میں ہے دل اے ساربان آہستہ چل

یہ ہے راہِ سرورِؐ کون و مکاں آہستہ چل

اے حدی خواں ! اے امیرِ کارواں آہستہ چل

ہے شریکِ کارواں اک خستہ جاں ، آہستہ چل

میں وفورِ شوق میں ہوں نغمہ خواں آہستہ چل

دیدنی ہے میری مستی کا جہاں ، آہستہ چل

رُک! کہ میں بھی جھاڑ لوں دامن سے گردِ معصیت

کیوں کہ طیبہ ہے جہانِ نوریاں، آہستہ چل

ملنے والا ہے مرے اشکوں کو بھی رنگِ قبول

ختم ہو لینے دے میری داستاں آہستہ چل (۵۹)

اس نعتیہ غزل کے ۱۹[انیس] اشعار ہیں، میں نے پانچ اشعار اوپر نقل کیے ہیں۔ان اشعار کی خواندگی کے بعد ،نقادانِ فن نے جو آراء، حافظ مظہر الدین کے کلام کے بارے میں دی ہیں انہیں ہم معروضیت کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔حافظ مظہر الدین کے کلام میں بات کہنے کا جو سلیقہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے مجھے علامہ شبلی نعمانی یاد آ گئے جو شعر اور شاعر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلآویزی ہے۔شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے۔اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہیں، اسلوب بیان کی دلآویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عام طریقۂ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔کبھی شاعرانہ استدلال سے، کبھی شوخی و ظرافت سے کبھی استعارہ و تشبیہ کی ندرت سے اور سچ یہ ہے کہ اس کی تمام ادائیں متعین اور مشخص نہیں ہوسکتیں، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز نے دل میں چٹکی لے لی، کس نے لی، کیوں لی، کچھ نہیں معلوم:

خوبی ہمیں کرشمہ و نازِ خرام نیست

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست (۶۰)

حافظ مظہر الدین کے کلام کی اسلوبیاتی سطح خاصی بلند ہے، فنی چابکدستی ان کے مزاج کا حصہ لگتی ہے اور بیان کی لطافت بڑی جاذبِ توجہ ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے شبلی نعمانی کی رائے سے استشہاد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ شبلی کی بات سے حافظ مظہر الدین کی کتابوں پر دیباچے لکھنے والے حضرات کی رائے وزنی لگنے لگتی ہے۔

''حاضری و حضوری'' پر 'اظہارِ خیال' کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے عاصی کرنالی نے صاحب کتاب سجاد سخن کی نعت گوئی کے دو خصوصی گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور مثالوں سے اپنے دعوے کو دلیل بھی فراہم کی ہے۔عاصی کرنالی کے انتخابِ اشعار سے ان کے بیان میں دلیل کا زور بھی پیدا ہو گیا ہے اور ان کے ممدوح کے نعتیہ شعری منہاج کا رخ بھی متعین ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

''میں سجادِ سخن کی بے شمار بلکہ ان گنت خوبیوں میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہوں اور ان کے گلستانِ سخن سے صرف دو پھول چنتا ہوں۔آگے آپ حسبِ ذوق اور حسبِ توفیق گل چینی کرتے جائیے اور گل دستے بناتے جائیے۔ایک وصف ہے ہادیٔ کائنات، معلمِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کا ذکر۔سجاد سخن کے یہاں اس فضائل نویسی میں نہایت تنوع ہے۔۔۔چند مثالوں سے سجادِ سخن کی طرزِ اظہار کا اندزہ کیجیے:

مشتمل ہے ذکرِ آقاؐ پر کتابِ زندگی

وقت نے کتنا بدل ڈالا نصابِ زندگی

عرش زیرِ پا تھا اور خلوت گہہِ معبود تھی

اک بشر ہوتے ہوئے آقاؐ کی رفعت دیکھیے

روشنی ہی روشنی ہوگی متاعِ جسم و جاں

اسوۂ آقاؐ کے آئینے میں سیرت دیکھیے

عظمت کا شاہ دیں کی تعین نہ کر سکے

ادراک، علم، فکر، تجسس، گماں، خیال

سجادؔ سخن کی نعت کا دوسرا وصف ''حاضری و حضوری'' کا بیان ہے۔ حاضری سے قبل کیفیاتِ بے تابی اور احوالِ مجبوری کا نئے نئے اسلوب میں ذکر، پھر حاضری سے شرف یاب ہو کر مدینہ منورہ میں چشم و دل سے گزرنے والے مناظر، مظاہر، مشاہدات اور محسوسات کا نہایت ندرت و لطافت کے ساتھ بیان، پھر حاضری و حضوری کے بعد مراجعت اور اپنے گھر واپسی اور اس عالم میں انھی احوال و مناظر کا تصوراتی ذکر جس میں دیدارِ مکرر کی خواہش بھی شامل ہے۔۔۔ میرے نزدیک یہ سارا نعتیں ''حضوری نامہ'' ہے۔ ذرا اس رخ سے نعتوں کا مطالعہ کیجیے۔ پڑھتے پڑھتے آپ خود سراپا ''حضوری'' بن جائیں گے:

ایک ہی دھن، ایک ہی رٹ ہے، چلو طیبہ چلیں

چین سے رہنے نہیں دیتا مجھے سرکارؐ دل

دل چاہتا ہے ہو درِ خیر البشرؐ نصیب

لیکن اِدھر ہے میری تمنا اُدھر نصیب

مسافر کی طرح رہتا ہوں گھر میں

سمجھتا ہے مدینے کو وطن دل

اس کے سوا خدا سے کروں کیا دعا سخنؔ

ہو تیرے در کا طوف، مدینے میں گھر نصیب

چل بلایا ہے شہنشاہِ مدینہ نے تجھے

ہو عطا گوشِ عقیدت کو یہ ہر بار نوید

سجادؔ سخن کے ایک پر نور شعر پر گفتگو تمام کرتا ہوں:

ہے محیطِ فکر نورِ گنبدِ خضرا سخنؔ روشنی سے لکھ رہا ہوں انتسابِ زندگی (۶۱)

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی نے اپنی تاثراتی تنقیدی بصیرت کے پیشِ نظر مختصراً سجادِ سخن کے فکری زاویوں کے دو رخ بتا کر ان کے حسنِ اظہار اور فکرِ سخن کے لیے انتخاب کیے گئے موضوعات اور بیان میں پیدا ہونے والی ندرت کا ذکر کیا۔ سچ یہ ہے کہ سجادِ سخن کی شعری کائنات میں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور ان کی نعتیہ شعری فضا میں بہت سے رنگ بکھیرنے کی کامیاب کوششیں بھی جھلکتی ہیں۔ کیوں کہ سجادِ سخن کو تو ان کے افکار سے آقا حضور ﷺ کے درِ اقدس تک ایک عالمِ نور ہی نظر آتا ہے جس کی کیفیات کو وہ اپنے شعروں میں اجاگر کرتے رہتے ہیں:

مرے افکار سے آقا کے در تک
ہے عالم نور کا حدِ نظر تک (۶۲)

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کی تنقیدی رائے کو ان کے دعوے اور سجادِ سخن کے کلام کی دلیل کی روشنی میں اعتدال پسندی کی مثالوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

بشیر حسین ناظم نے غالب کی زمینوں میں نعتیہ شعری گلاب کھلانے کا بیڑا اٹھایا اور جمالِ جہاں فروز کے نام سے ان کی نعتیہ کاوشیں سامنے آئیں تو راجہ محمد ظفر الحق نے اس کتاب کی تقریظ لکھتے ہوئے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا:

> ''بشیر حسین ناظم نے نعت کہتے وقت اپنے سامنے ادب و احترام، حفظِ مراتب، انتخابِ مضامین، عمدہ اسلوب و طرزِ اظہار، بہترین اندازِ خطاب، توقیر و تکریم کے التزام اور حقیقت نگاری کو مطمحِ نظر بنایا ہے۔ علاوہ ازیں سیرتِ طیبہ کا عمیق مطالعہ، ذاتِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دل بستگی، والہانہ شیفتگی، علوم دین اور مسائلِ دین سے کلی تعارف، ایمانی و روحانی بصیرت، تزکیۂ نفس، طہارتِ قلب و نظر، پاکیزگیٔ روح، عقیدہ کی پختگی، جذبات کی صحت و صداقت اور دل و نگاہ کی مسلمانی بشیر حسین ناظم کے خواص رہے ہیں''۔ (۶۳)

تقریظ نگار راجہ محمد ظفر الحق نے مقتضیاتِ نعت نویسی اور بارگاہِ سید الکونین ﷺ کے دربار میں پیش کرنے کے لیے کی جانے والی شاعری کے آداب کو ملحوظ رکھ کر بشیر حسین ناظم کے کلام کو پرکھنے اور اس پر اپنی رائے دینے کی سعی کی ہے۔ انہوں نے ناظم کے شعری نمونے پیش کرنے سے اجتناب کیا ہے کیوں کہ قاری کے سامنے ان کی تقریظ کے فوراً بعد ہی بشیر حسین ناظم کے کلام کا دبستان کھل جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود ناظم کے شعرِ عقیدت کے کچھ نمونے دیکھتے چلیں:

اے خوشا یا مرحبا، صل علیٰ یا حبذا
'حمد' مطلع ہے نبیؐ کے نام کی تفسیر کا (۶۴)

وہ آئے تو ریاضِ محبت مہک اٹھے
ورنہ مآلِ خلق مثالِ ثمود تھا (۶۵)

ظلمت کدوں میں نور کے جھالے برس پڑے
جن و بشر کے لب پہ سلام و درود تھا (۶۶)

بعدِ حق محمدؐ کو دہر میں بڑا پایا

گلشنِ عقیدت میں پھول کیا کھلا پایا
ماہتاب دنیا میں آفتاب عقبیٰ میں
دیدۂ دو عالم میں نورِ مصطفےٰ ﷺ پایا
چاکری پیمبرؐ کی حریت کا غازہ ہے
روکشِ جم و دارا ان کا ہر گدا پایا (٦٧)

قاب قوسین کی فضاؤں میں
عشق منت کشِ ہوا نہ ہوا
انؐ کی نعتِ جمیل کہنے کا
حق کسی سے کبھی ادا نہ ہوا (٦٨)

راجہ محمد ظفر الحق کی تقریظ میں جن آدابِ نعت گوئی کا حوالہ آیا ہے، ناظم کے کلام میں وہ آداب خاصی حد تک ملحوظ رکھے گئے ہیں اس لیے راجہ محمد ظفر الحق کی لکھی ہوئی تقریظ بھی متوازن تقریظ کے طور پر قبول کی جاسکتی ہے۔

۲۔ کتبِ نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت

ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ شاعری کے بھی کچھ اصول ہیں اور شاعری میں برتی جانے والی اصناف کے لیے بھی کچھ حدود و قیود اور ان کی ہیئت کے کچھ معیارات مقرر ہیں۔ مثلاً غزل کے لیے ہر شعر کے دو مصرعے، جن میں کسی ایک خیال کی ایک تصویر یا اس کا ایک خاکہ سا بن گیا ہو۔ نظم، جس کے بہت سارے مصرعوں کے ارتباط سے کوئی مفہوم نکل سکے اور شاعر کا کوئی ایک خیال واضح ہو سکے۔ مخمس کے لیے پانچ، مسدس کے چھ مصرعوں کی قید۔ رباعی کے لیے چار مصرعوں اور مخصوص وزن کا تقاضا۔ اسی طرح نظمِ معریٰ، نظمِ آزاد اور نثری نظم کے لیے کچھ فنی تقاضے ہوتے ہیں، جن کو پورا کیے بغیر ہیئتی سطح پر بھی شعری اصناف قبول نہیں کی جاتیں۔ اسی طرح موضوعاتی اصنافِ سخن میں حمد و نعت کے مخصوص تقاضے ہیں جن کو پورا کرنا حمد نگار اور نعت نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

شاعر کے شعری عمل (poetic work) میں تخلیقی پیچیدگیوں کی گرہ کشائی اور شعر کے مفہوم تک رسائی کے لیے بھی تنقیدی بصیرت، ذوقِ سخن اور سخن فہمی کا ملکہ ہونا ضروری ہے۔ نعتیہ شاعری کی اپنی نزاکتیں ہیں جن کا احوال ہم پچھلے ابواب میں کسی حد تک پیش کر آئے ہیں، اس لیے نعتیہ شاعری کی کتابوں میں 'مقدمہ' نویسی کی اپنی اہمیت ہے۔

عام تنقید نگار کے لیے صرف ادبی معیارات کا جاننا اور پیشِ نظر صنفِ سخن کے تخلیقی تقاضوں سے آگاہی لازمی ہے۔ لیکن نعت کی تحسین کے لیے ادبی معیارات کے ساتھ ساتھ دینی شعور، مقامِ رسالت مآب ﷺ کی آگاہی اور قرآن و احادیث میں مذکور بارگاہِ نبوی میں لب کشائی کے آداب کا ادراک ضروری ہے۔ اس لیے نعتیہ شعری کتب میں 'مقدمہ' ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں مقدمہ نگار کی ذمہ داری ہے کہ اپنی ساری توجہ ''کلیم'' کی ذات کے بجائے ''کلام'' پر مرکوز کردے۔ تب ہی یہ ممکن ہو سکے گا کہ وہ کوئی معروضی رائے دے کر قارئینِ کتاب کی راست رہنمائی

کر سکے۔

ہمارے معاشرے میں راست گوئی کی قدروں کے زوال کے باعث، جہاں اور شعبوں میں رواداری نے راہ پائی ہے وہیں نعتیہ کتب کی تقریظ، دیباچہ یا مقدمہ لکھنے والوں کے ہاں بھی شاعر کی شخصیت سے مرعوبیت اور مروت کے آثار جھلکنے لگتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ مقدمہ نگاروں نے کلام کے معنوی حسن اور بیان کی جمال افروزی کو دیکھے بغیر صرف موضوع کی رفعتوں کا خیال کر کے بات کی ہے اور کوئی مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ لکھ دیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے بھی ہمارے گمان کو تقویت دیتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ''کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن وقبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان لفظوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میرے دائرۂ خیال وقلم سے خارج ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جن الفاظ کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقیدِ مروجہ سے بلند ہو جاتے ہیں''۔(۶۹)

چنانچہ جذباتِ عقیدت کی فراوانی کے باعث بہت سارے مقدمہ، دیباچہ یا تقریظ نگار حضرات کسی بھی نعتیہ مجموعے کے ملاحظے کے بعد صاحبِ کتاب کے لیے کمالِ فن کا تصدیق نامہ تو جاری کر سکتے ہیں اور جاری کر بھی دیتے ہیں لیکن بیشتر کتابوں کے قامت پر ان مقدمات، دیباچوں اور تقریظ کا جامہ پورا نہیں آتا۔ بعض مقدموں، تقریظات اور دیباچے پڑھنے کے بعد جب کتابیں پڑھی جاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابوں پر تنقیدی رائے دینے والوں نے شاید صاحبِ کتاب کے لیے 'ہجوِ ملیح' لکھ کر اپنی جان چھڑالی ہے۔

اسمٰعیل انیس کے نعتیہ مجموعے ''چراغِ عالمیں'' پر چوبیس اہلِ قلم نے نثر و نظم میں تحسینی رائے دی۔ جبکہ اسی مجموعے میں بعض اشعار قابلِ گرفت تھے جن کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔ مثال کے طور پر درجِ ذیل اشعار:

قرآنِ معظم کی قسم کچھ نہیں لکھتے
جز اسمِ نبیؐ لوح و قلم کچھ نہیں لکھتے (۷۰)

مشورہ تخلیقِ عالم کے لیے درکار تھا
کیوں نہ ہوتے عرش پر مہماں چراغِ عالمیں (۷۱)

ان دونوں اشعار پر معروضی انداز سے غور کریں تو دونوں اشعار کا نفسِ مضمون نعتیہ شاعری کے موضوعاتی منظر نامے پر کچھ بدنما داغ کی طرح ابھرتا ہے۔ پہلے شعر میں قرآن کریم کی قسم کھا کر حصر کے ساتھ یہ کہنا کہ لوح وقلم ''نبیؐ کے نام کے علاوہ'' کچھ نہیں لکھتے، حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ پھر لکھنے کا کام قلم کے ساتھ ساتھ لوح (تختی) کو بھی سونپ کر، شاعر نے اپنے علم، مشاہدے اور شعر گوئی کے منہاج کا خود ہی پول کھول دیا ہے۔

اب ذرا قرآنِ کریم کی سورۂ ''القلم'' کی پہلی آیت دیکھیے:

''نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (۱)'' [قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں]

اس قرآنی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلم کی تحریر کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے:

"قلم، تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واؤ قسم ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے، جس نے امر الٰہی سے نقادیر عالم کو لوحِ محفوظ میں تحریر کیا۔۔۔ قلم، ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکما و فضلا کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے"۔ (۷۲)

اس تفصیل سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ اسمٰعیل انیس نے بڑے بھول پن سے ایک ایسی بات کی قسم کھالی جو مبنی بر حقیقت نہیں تھی۔ مزید برآں، مرحوم نے "لوح" [تختی] کو بھی لکھنے کے آلے کے طور پر پیش کیا جو شعر کی ردیف "لکھتے" کے استعمال کے باعث از خود لکھنے کے وظیفے میں شامل ہوگئی۔ اس طرح یہ شعر عملی حقیقت کے خلاف ہوتے ہوئے قرآن کی تعلیمات کے بھی خلاف ہوگیا۔

دوسرا شعر جس میں شاعر نے بڑی سادگی سے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ "اللہ رب العزت کو [نعوذ باللہ] تخلیق عالم کے لیے مشورہ درکا تھا اس لیے چراغ عالمیں جناب محمد مصطفیٰ ﷺ عرش پر مہمان ہوئے"۔۔۔ اپنے مافیہ کی غیر فطری اور حقیقت گریز حیثیت کا احساس دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندے اور رسول سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے بلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ تخلیقِ عالم کے لیے مشورے کا قطعی محتاج نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط [ہر عیب سے] پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں، مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، بابرکت بنادیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں"۔ (۷۳)

ان تصریحات کے بعد جب ہم ان آراء کا مطالعہ کرتے ہیں جو "چراغ عالمیں" کے مطالعے کے بعد نکتہ شناس تنقید نگاروں نے رقم کی ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ تحسینی صداقت نامے دینے والوں میں سے کسی کی نظر بھی ان اشعار پر نہیں پڑی جن کی وجہ سے اچھا خاصا مجموعہ نعت داغدار ہوگیا؟ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تقریظ لکھنے والوں نے سرسری نظر ڈال کر قلم اٹھایا اور "کلیم" سے محبت کا اظہار فرمادیا، کلام کی قدر صرف پڑھنے والوں پر چھوڑ دی۔ نعتیہ مجموعوں کے لیے یہ روش زہرِ قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ لکھنے والوں نے کن کن زاویوں سے مذکورہ نعتیہ کلام کی تحسین فرمائی ہے:

"اسمٰعیل انیس نے نعت و حمد دونوں میدانوں میں نہایت خوبی، خوش اسلوبی اور دل افروزی و دلنوازی کے ساتھ جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے۔ "چراغ عالمیں" ان کی قدرتِ کلام کا خوبصورت نمونہ ہے"۔ [رئیس امروہوی] (۷۴) "میں نے کچھ نعتیں مجموعہ "چراغ عالمیں" میں سے پڑھی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بابائے شعر و سخن اسمٰعیل انیس کو رسولِ کریم سے بے پناہ عقیدت و محبت

ہے۔ان کی کہی ہوئی نعتیں مقصدیت اور اصلاحِ حیات کا پہلو لیے ہوئے ہیں جن سے یقیناً اصولِ حیات کی راہ متعین ہوتی ہے"۔[الحاج محمد محسن] (۷۵)

"بعض بعض نعتیں تو اتنی وجد آفریں ہیں کہ ہر ایک شعر پر دل وجد کرنے لگتا ہے اور جسم و جاں میں نور کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔بابا نے بڑے ہی قلیل وقت میں اتنی عمدہ و اتنی زیادہ نعتیں لکھ لی ہیں کہ رشک آنے لگتا ہے"۔[مشتاق چغتائی] (۷۶)

"مطالعہ 'چراغِ عالمین' سے اسمٰعیل انیس کی استادانہ عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے"۔[احمد عادل] (۷۷)

"یہ نعتیں نئے استعارے، نئی تشبیہوں، نئے کنایوں، نئی تلمیحوں اور نئی نئی اصطلاحوں کی حامل ہیں۔ان نعتوں میں عجیب دلکشی اور دلپذیری ہے"۔[ڈاکٹر شاہد الوری] (۷۸)

"جہاں تک ان کی شاعرانہ صفات کا تعلق ہے وہ لفظ اور معنی دونوں پر اپنی فنکارانہ گرفت رکھتے ہیں۔وہ تجربے کی سچائی کے بھی اتنے ہی قائل ہیں جتنا کہ انہیں لفظ کی صحت کا پاس ہے۔۔۔وہ نعت گوئی میں افراط و تفریط کے سلسلے میں بہت محتاط ہیں"۔[فراست رضوی] (۷۹)

"چراغِ عالمین" میں منثور مداحی کے ساتھ ساتھ منظوم خراجِ عقیدت بھی پیش کیا گیا ہے۔ان تمام آراء کے پڑھنے کے بعد قاری پر جو مرعوبیت طاری ہوتی ہے وہ ان دونوں اشعار کی خواندگی کے بعد جن پر ان سطور میں کچھ گفتگو کی گئی ہے، نہ صرف یہ کہ قائم نہیں رہتی بلکہ تقریظ نگاروں کے خوشامدی انداز کے باعث ان کی شخصیت کے حوالے سے منفی خیالات کو جنم دیتی ہے۔یقیناً صاحبِ کتاب کی نعتیں اچھی ہیں لیکن تبصرہ نگاروں اور تقریظ نویسوں کا کیا یہ فرض نہیں تھا کہ وہ ایسے تمام اشعار کی نشاندہی کر کے نعتیہ مجموعے کو غیر معیاری اشعار کی اشاعت سے بچا لیتے؟

اس مثال سے ظاہر ہوا کہ بعض مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ نگار، نعتیہ شعری مواد کو پرکھے بغیر صرف موضوع کی رفعتوں کا خیال کر کے قلم اٹھا لیتے ہیں اور کتابوں میں اچھے اشعار کے ساتھ ساتھ کمزور اور حقیقت سے بعید خیال کی بنت پر دھیان نہیں دیتے اور قابلِ اعتراض لوازمہ[matter] جوں کا توں چھوڑ دیتے ہیں۔

ناقدین کی اس روش سے نئے نعت نگاروں میں، نعتیہ مضامین کی پرکھ کی صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوتی اور وہ بھی خیال کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اغلاط کی مثالیں صرف ان کتابوں میں ہی نہیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف چند نمونے پیش کر دیئے ہیں۔"مقدمہ نگاری کی اہمیت" پر بھی ہم نے اسی لیے کچھ معروضات پیش کر دیئے ہیں تاکہ موضوع کی رفعت کے پیشِ نظر مستقبل کے مقدمہ، تبصرہ، دیباچہ یا تقریظ نگار حضرات ان پر غور کر سکیں اور کسی کتاب پر لکھتے ہوئے معروضیت اختیار کرنے کی کوشش کریں، صرف کلام پر توجہ مرکوز رکھیں اور کلیم کی حیثیت اور مقام و مرتبے کو نظر انداز کر دیں......اس لیے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی شان بیان کرنے میں جو غلطی شاعر سے ہوگی، اس کو سراہنے والے اس غلطی میں شریک ہی نہیں بلکہ اس کی ترویج کے بھی ذمہ دار ہوں گے!

۳۔مقدمات میں پیش کی جانے والی تنقیدی آراء کی معروضی پرکھ

مقدمہ لکھنے والوں نے بہت سی کتب پر مقدمے لکھے ہیں۔بعض مقدمہ نگاروں نے حقیقت نگاری کو اپنا شعار بنایا اور بعض نے صرف صاحبِ کتاب کی ثنا کی۔کتب نعت میں مقدمات کی تنقیدی اہمیت کے ذیل میں ہم نے صرف ایک مثال پیش کر کے بتایا تھا کہ مقدمہ نگاری کی اہمیت اس وقت کم ہو جاتی ہے جب اصل کتاب میں کوئی شعر شعری یا شرعی معیارات سے فروتر پایا جاتا ہے اور دیباچہ،تقریظ یا مقدمہ نگار اس کی نشاندہی نہیں کرتا۔ایسی صورت میں نعتیہ شاعری کے باذوق قاری کے ذہن کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔

صحیفہء نور کے نام سے لطیف اثر کا مجموعہء نعت شائع ہوا۔اس مجموعے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر الیاس عشقی،پروفیسر نذیر بھٹی اور محمد زبیر فاروقی شوکت اللہ آبادی وغیرہم کی دیباچہ نما تحریریں بھی شامل ہیں۔ان تحریروں سے چند اقتباسات درج ذیل کیے جاتے ہیں:

''اپنے مجموعہء اشعار'صحیفہء نور'میں اثر صاحب نے اس میں آپ کی ذاتِ مبارکہ کی صفات کو الگ الگ ایک ایک مختصر بند میں نظم کیا ہے۔اس کا مجموعی تاثر ذاتِ رسولِ مقدس سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف پڑھنے والوں کو خاص طور پر متوجہ کرتا ہے۔اس میں شاعرانہ صنعت گری کو محض صنعتِ شعر کے لیے نہیں بلکہ عقیدت کے جذبات کے اظہار پر ہے۔اس لیے جذبات کی ترجمانی حقیقت اور صداقت کے ساتھ جذباتی تاثر کا بھی اعلیٰ درجے کا نمونہ ہے اور اسے اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

'صحیفہء نور' ابواللیث صدیقی(۸۰)

درج بالا عبارت بے ربط ہے۔ظاہر ہے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ایسی عبارت نہیں لکھی ہوگی۔اس لیے اس بے ربطی کا ذمہ دار کتاب کا مرتب ہی ہو سکتا ہے۔

الیاس عشقی صاحب نے''تحفہء نعت،کرشمہء لطیف'' کے زیر عنوان لکھا ہے:

''ان[لطیف اثر]کے دل میں عقیدت و ایمان کا جو سمندر موجزن ہے اس کی پر جوش لہریں فنی دشواریوں اور موضوع کی نزاکتوں کو اپنے بہاؤ سے اس طرح ہموار کر دیتی ہیں کہ کوئی دشواری،دشواری نہیں رہتی۔انکے کلام کی سادگی اور روانی میں فرق نہیں آنے پاتا۔ان کے جذبات و احساسات کی صداقت کو اظہار کے لیے مناسب الفاظ مل جاتے ہیں۔ان کی زبان کہیں نہیں رکتی اور ان کا قلم کہیں نہیں جھجکتا۔وہ فنی اور بیان کی نزاکتوں سے اس طرح گزرتے ہیں کہ ان کی قدرتِ کلام پر حیرت ہوتی ہے۔ وہ نثر کو وزن عطا کرتے ہیں اور اوزان کو نثر کی طرح سہل بنا کر پیش کرتے ہیں۔یہ بڑی جسارت اور ہمت کا کام ہے۔جس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے''۔(۸۱)

''لطیف اثر کا لاجواب اندازِ نعت''،یہ پروفیسر نذیر احمد بھٹی کی تقریظ کا عنوان ہے۔اپنی اس تحریر میں وہ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''وہ[لطیف اثر]رسولِ اکرم ﷺ کے تمام مبارک ناموں سے اپنے اشعار مزین کر رہے ہیں اور اس فن کے

وہ امام ہیں"۔(۸۲)

محمد زبیر فاروقی شوکت اللہ آبادی نے جو تقریظ لکھی ہے اس کا عنوان ہے "لطیف آثر اوران کی نعت گوئی"، وہ لکھتے ہیں:

"صحیفہ نور کے مسودہ کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ لطیف آثر کی غزل گوئی اور زبان دانی میدان نعت میں بھی ان کی ممدومعاون ہے۔ دیکھیے اتنی سخت اور مشکل ردیفوں میں کیسے صاف صاف شعر کہے ہیں:

آپ آئے تو زندگی آئی
آپ کی ذات فخر موجودات
ہوگیا دور آپؐ جب آئے
دورِ ظلمات، فخر موجودات
آپؐ کے حسن کرم سے سرشار
ہر گل و خار محب الفقراء

لطیف آثر کی نعتیں رسول مقبول ﷺ سے والہانہ محبت کی آئینہ دار ہیں"۔(۸۳)

درج بالا اقتباسات سے ان تحریروں کی ایک جھلک دکھانا مقصود تھا جو تقریظ، دیباچہ یا مقدمہ کے طور پر لطیف آثر کے مجموعہ نعت پر لکھی گئی ہیں۔ ان تحریروں سے شاعر کے فن کی تحسین کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن جب ان تنقیدی آراء کی روشنی میں قاری ذوق وشوق کے ساتھ لطیف آثر کا کلام دیکھتا ہے تو اسے انتہائی درجہ مایوسی ہوتی ہے۔ بعض تقریظ نگاروں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں شاعر کی فن سے بے نیازی کا ذکر تو کیا ہے لیکن نہ تو کھل کر لکھا ہے اور نہ ہی شاعر کو کوئی ایسی نصیحت کی ہے کہ اسے آگاہی نصیب ہوتی اور وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرتا۔

اس مرحلہ پر ہم دل کڑا کر کے اس کتاب سے چند اشعار نقل کرتے ہیں تا کہ مقدمات کی معروضی جانچ پڑتال کا تھوڑا سا حق ادا ہو سکے۔ سو ملاحظہ ہوں چند اشعار:

میرے آقاؐ سے کہا اللہ نے یہ بالیقیں وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین
اس امر میں ہیں وہی وہ اور کوئی ان سا نہیں وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین
ہوتے تھے دست و گریباں روز ہر پیر و جواں مونس و غمخوار کوئی کب کسی کا تھا یہاں
وقت تھا انسانیت کا خود بھی دشمن بد ترین وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین
کون اب جراءت کریگا ضرب کاری کیلئے اب یہاں کون آیگا اختر شماری کیلئے
ہوگئی یہ جان کر مظلوم کی روشن جبیں وما ارسلنک الا رحمت اللعالمین (۸۴)
ان پہ قربان ہو میرا ایمان و دیں اللھم صل علیٰ محمدؐ
جن سے وابستہ ہے جلوۂ آفریں اللھم صل علیٰ محمدؐ

شافع روز حشر راحت العاشقیں اللّٰھم صلِ علیٰ محمدؐ
حسن عین الیقیں حاجت شاکیں اللّٰھم صلِ علیٰ محمدؐ
آپؐ فخرِ یقیں، آپؐ روشن مبیں، اللّٰھم صلِ علیٰ محمدؐ
عارف العارفیں سالک السالکیں اللّٰھم صلِ علیٰ محمدؐ (۸۵)

روشن ہے شایانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم
اللہ اللہ شانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم
کہتے رہیے کہتے رہیے جھک سُنیئے نام انکا
ہوتی ہے پہچانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم
آیا ہوں مدینے جب سے میں سو
دا ہے یہی سر میں میرے
حاصل ہو عرفانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم
ذکر کرے خود جن کا خدا بیٹھ کے اپنے فرشتوں میں
خوب ہے یہ بھی شانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم (۸۶)

کہیئے دل سے صلِ علےٰ محمدؐ رسول اللہ
جب آئے کانوں میں صدا محمدؐ رسول اللہ
عرش گواہی دیتا ہے انکی صداقت کی ہم سے
لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ
آئے جب محبوب خدا کفر کا ٹوٹ گیا جادو
ہر جانب سے شور اٹھا محمدؐ رسول اللہ
اسکے کرم کا رخ بدلا جب یہ کلمہ وردہوا
دل نے جب تسلیم کیا محمدؐ رسول اللہ (۸۷)

جو ہیں خیرالامم وہ ہیں محبوبِ رب
جن کی امت میں ہم وہ ہیں محبوبِ رب
نام سے جن کے تابندہ عہد آفریں
جن کے لوح و قلم وہ ہیں محبوبِ رب (۸۸)

آپ تسکینِ غم شافعِ یوم الحشر
آپ فخرِ امم شافعِ یومٗ الحشر (۸۹)

اپنے پیکر کو اس میں پرو دیجئے
یہ ہے باب نظر شافع یوم الحشر (۹۰)

ہوں ہمقدم کسی کے اگر افضل البشر
وہ معتبر ہو راہ گزر افضل البشر (۹۱)

مثالیں بہت ہیں، پوری کتاب میں ایسی ہی شاعری ہے۔ کہیں کہیں باوزن اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن مضمون کا سراپانا وہاں بھی مشکل ہے۔ ردیفوں کا حال تو یہ ہے کہ صرف ٹانک دی گئی ہیں۔ بحر، وزن اور مضمون کی بامعنی بنت سے عاری یہ شاعری ہے جس پر ہمارے نقادوں نے شاعر کی تحسین کے لیے وہ کلماتِ خیر فرمائے ہیں جن کے اقتباسات پچھلے صفحات میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ الیاس عشقی نے البتہ طنزِ ملیح میں کچھ جملے لکھ دیئے ہیں، لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ یا تو کچھ لکھنے سے گریز فرماتے یا اس شاعری کو کھل کر وزن و بحر سے عاری لکھتے۔ الیاس عشقی کی ڈھکی چھپی بات بے چارہ شاعر کہاں سمجھ سکتا تھا؟ بہر حال الیاس عشقی کے وہ جملے بھی ملاحظہ ہوں جن میں طنزِ ملیح کا رنگ جھلکتا ہے:

''[عربی جملوں کی ردیفوں کی فہرست دینے کے بعد لکھتے ہیں] ان کلمات کا بقید ردیف منظوم کرنا نہ فقط سنگ لاخ زمینوں کی ایجاد کا سبب ہے۔ بلکہ وزن و بحر کے مسائل پیدا کرتا ہے لیکن لطیف اثرؔ فنی دشواریوں کو کب خاطر میں لاتے ہیں۔۔۔ یہ منزل اگر چہ فنی طور پر بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے لیکن اپنے ایمان و عقیدت کے سہارے شاعر اس مقام سے بھی بے نیازانہ اور بے خوف گزر جاتا ہے''۔(۹۲)

لطیف اثرؔ کی شاعری کے نمونے دیکھنے کے بعد جب ہم مقدمہ، دیباچہ یا تقریظ نگاروں کی تحریروں کو پڑھتے ہیں تو شعروشاعری کے عمل اور اس کی بے جا تحسین کے انداز سے کراہیت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسی شاعری اور شاعر کا دل رکھنے کے لیے لکھی گئی تحریریں، تنقید کے وقار کے منافی ہیں۔ ایسی شاعری ہی نعتیہ شاعری کو ادبی سطح پر ابھرنے نہیں دیتی۔ معیار سے عاری شاعری کا کتابوں میں شائع ہونا اور اس کا سراہا جانا ادب کے لیے بالعموم اور نعتیہ ادب کے لیے بالخصوص سمِ قاتل ہے۔

حال ہی میں نعت کے معروف نقاد رشید وارثی کی کتاب ''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' منظرِ عام پر آئی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رشید وارثی نے ''علم عروض'' کو مطعون کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شعری اوازن اور لغت کے معیارات کو بالائے طاق رکھ کر بھی شاعری کی جا سکتی ہے۔ ان کا تو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ ناقدینِ فن اس قسم کی شاعری کو پرکھتے ہوئے اوزان و بحور کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ رشید وارثی کی مذکورہ تحریر سے متعلقہ اقتباس درجِ ذیل ہے:

''ہمارے نعتیہ ادب کے بعض تنقید نگاروں میں یہ لائق توجہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فن عروض میں کسی حد تک شد بد حاصل کر لینے کے بعد اسی کو نعتیہ تنقید نگاری کی اساس سمجھ کر اس پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔ علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں۔ اس پر بعد میں گفتگو کی جائے گی۔ خود علمائے ادب، عروض کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔ صاحب ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' جناب ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے

ہیں:

'علماء نے وزنِ شعر کے صحت وسقم کو جانچنے کے لیے چند قواعد وضع کیے ہیں جن کے مجموعے کو عروض کہا جاتا ہے۔علم عروض کا موجد خلیل احمد بصری [متوفی ۱۷۵ ہجری] ہے۔ہندی عروض کو پنگل کہا جاتا ہے۔عروضیوں نے جو موشگافیاں روا رکھی ہیں اور عروضی اصطلاحات کا جو انبار لگایا ہے اس کا مذاق اڑانا ایک فیشن بن چکا ہے اور جدید تنقید میں عروض کو کوئی باوقار مقام بھی حاصل نہیں رہا۔لیکن شاعر اور نقاد عروض سے آزاد اور بے نیاز بھی نہیں ہوسکتے۔چنانچہ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں: 'فاعلاتن فاعلات کی گردان اگرچہ تنقید نہیں ہے، مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بھی اچھا نقاد عروض اور اس کے قواعد سے بے نیاز ہوسکتا ہے''۔اب رہی فنِ عروض کی شرعی اہمیت کی بات، تو اسلامی ادبِ عالیہ میں شامل دیگر فنون کی طرح اسے بھی مباح کہا جاسکتا ہے۔ہمارے تقریباً چار عشروں پر محیط اسلامی ادب کے مطالعے کے دوران کوئی بھی ایسی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری کہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی نعتیہ کلام میں پائے جانے والے بعض معنوی اسقام کی طرح عروضی اسقام کی بھی نشاندہی فرمائی ہو یا اس بارے میں کوئی ہدایت فرمائی ہو۔لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ علمِ عروض کی کوئی شرعی اہمیت نہیں''۔(۹۳)

رشید وارثی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علمِ عروض کو اشعار کی پرکھ کے اصول کے طور پر ماننے کو قطعی تیار نہیں۔اسی لیے ان کے الفاظ سے عروض کے حوالے سے خاصی جھنجلاہٹ جھلک رہی ہے۔ظاہر ہے ان کا یہ دعویٰ بڑا بودا ہے، اسی لیے وہ غیر محسوس طور پر آل احمد سرور کی یہ رائے بھی نقل کر گئے ہیں جو ان کے موقف کے بطلان کے لیے کافی ہے:

''فاعلاتن فاعلات کی گردان اگرچہ تنقید نہیں ہے، مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی بھی اچھا نقاد عروض اور اس کے قواعد سے بے نیاز ہوسکتا ہے''۔(۹۴)

علاوہ ازیں رشید وارثی نے یہ لکھ کر کہ

''علمِ عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں''

ایک بہت بڑی حقیقت سے عدم آگاہی کا ثبوت دیا ہے۔قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ط'' ''اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی کو شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز''۔(۹۵)

جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کو تمام علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ فرمانے کے باوجود اس بات کا اعلان فرما دیا کہ ہم نے اس نبی کو شعر گوئی اس لیے نہیں سکھائی کہ یہ فن اس کے شایانِ شان نہیں ہے تو پھر شعر یا شعر سے متعلق کوئی علم ''شرعی'' کیسے ہوسکتا ہے۔ظاہر ہے یہ علم امت کو نہ تو قرآن سے حاصل ہوا ہے نہ کسی حدیث سے۔لیکن حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں جو اصلاح فرمائی تھی وہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو اصلاح دی تھی اس سے شعر کا معنوی حسن تو بڑھ گیا لیکن کسی قسم کا عروضی سقم پیدا نہیں

ہوا۔ آپ ﷺ نے ''سیوف الہند'' کی جگہ ''سیوف اللہ'' تجویز فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ لفظ ''اللہ'' معنوی طور پر تو بلند ترین ہے ہی، عروضی اعتبار سے بھی ''الہند'' کا نعم البدل ہے۔(۹۶)

مزید برآں آپ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر جو سجع فرمایا وہ بھی عروضی اوزان کے عین مطابق ہے۔

انا النبی و لا کذب انا ابن عبدالمطلب

(میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)(۹۷)

ان شواہد کے ہوتے ہوئے کسی نقاد کا، عروضی اوزان سے اپنی ناواقفیت کو چھپانے کے لیے علم عروض کو یہ کہہ کر مطعون کرنا کہ یہ کوئی شرعی علم نہیں ہے، بڑی عجیب بات ہے!!!

عروض کے معاملے میں رشید وارثی کے اس رویئے سے علم عروض اور شعر کے وزن و بحر سے ناواقف لوگ تو خوش ہو سکتے ہیں لیکن اہلِ فن کو ان کی بات کیسے ہضم ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ خود رشید وارثی نے یہ لکھ کر اپنی دلیل کمزور کر لی ہے:

> ''شعر کے متعلق زمانہ قدیم سے علمائے انتقاد کا یہ نظریہ رہا ہے کہ اسے محض پرواز تخیل کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ لیت شعری کذا کے محاورے میں شعر گوئی اصل میں ایک فنِ لطیف کا نام ہے اور عرف میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔(۹۸)

ذرا درجِ بالا عبارت پر غور فرمائیے، کیا فنِ لطیف اور موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر ماننے اور کہنے کے بعد بھی علمِ عروض سے بے نیاز رہا جا سکتا ہے؟

آمدم برسرِ مطلب، کسی بھی کتاب پر تبصرہ یا تقریظ لکھنے والے کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ کتاب کے مافیہ اور شعری حسن کا صحیح اندازہ لگائے اور پھر دیانتدارانہ رائے دے تا کہ اس کی تحریر کو وزن و وقار حاصل ہو۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر مقدمہ، تقریظ یا دیباچہ نگار کتاب یا تو پڑھتے ہی نہیں ہیں یا صرف اچھے اشعار پڑھ کر رائے دیدیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' [اختیار کرو جو کچھ کہ پاک ہو اور چھوڑ دو جو ناپاک ہو] کے مقولے پر خود عمل کرنے سے پہلے صاحبِ کتاب سے اس نصیحت پر عمل کروا لینا چاہیے۔

لطیف اثر کی مثال تو شعری اوزان و بحور اور مضامین کی کجروی کی انتہائی درجے کی مثال ہے۔ لیکن بعض ثقہ شعراء کے یہاں بھی نعتیہ مضامین کی بنت میں کمزوریاں رہ جاتی ہیں جن کی طرف دیباچہ، تقریظ یا مقدمہ نگار غور نہیں کرتے اور بڑی اچھی اور دلکش عبارت میں اپنی رائے دے کر صاحبِ کتاب کی مدح کرنے لگتے ہیں۔ ایک دو مثالیں ایسی بھی ملاحظہ فرمائیے:

اعظم چشتی کا نام نعت خوانی اور نعت گوئی کے لیے بڑا معروف نام ہے۔ ان کے علم و فضل میں بھی کوئی کمی نہیں، لیکن شعر کہتے ہوئے ان سے ایک ایسا شعر موزوں ہو گیا جس کی موجودگی ان کے شعری مجموعے ''نیرِ اعظم'' [جس میں نعتیہ حصہ بھی ہے] کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ لیکن ان پر لکھنے والے اہلِ قلم ''صوفی غلام مصطفےٰ تبسم'' اور ''مولانا کوثر نیازی'' نے

اس شعر پر توجہ ہی نہیں دی۔ حالانکہ اگر یہ حضرات اس شعر کی نشاندہی کر دیتے تو اعظم چشتی اپنے مجموعے سے وہ شعر نکال دیتے یا خیال کی اصلاح کر لیتے۔ شعر ہے:

انسانیت کو بخشی وہ توقیر آپؐ نے

ہر آدمی سمجھنے لگا ہے خدا ہوں میں (۹۹)

اس شعر کی معنوی پرتوں کو کھولنا ضروری نہیں صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ شعر تعلیماتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منافی ہے۔ نبی ﷺ نے خود بھی عجز کو پسند فرمایا ہے اور ان کی تعلیم بھی عجز و انکسار اختیار کرنے کی ہے۔ یہی نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ خدا بننے کی خواہش رکھنے والے اور خود کو خدا سمجھنے والے تو فرعون و نمرود تھے جن کی روش سے بچ کر چلنا ہر مومن کا فرض ہے۔

اب ذرا دیکھئے کہ دیباچہ نگاروں نے اعظم چشتی کے لیے کیا کیا لکھا؟ صوفی غلام مصطفٰے تبسم رقمطراز ہیں:

> ''رسولِ پاک کی یاد انسان کے دل میں پاکیزہ جذبات اور افکار پیدا کرتی ہے اور پاکیزہ افکار سے پاکیزہ اشعار ابھرتے ہیں اور یہ ایک نازک اور کٹھن مرحلہ ہے۔ یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر جذبات میں کھو جانا اور پھر احترام کے دامن کو تھامے رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ احترام کے ساتھ جذبات کی روک تھام ہی سے ا صت وجود میں آتی ہے۔ اعظم کو قدرت نے یہی جوہر عطا کیا ہے''۔ (۱۰۰)

مولینا کوثر نیازی نے لکھا:

> ''یوں تو جتنی بھی اصناف سخن ہیں سب اپنی جگہ مشکل اور اہم ہیں مگر جو نزاکت نعت گوئی میں ہے وہ کسی اور صنفِ شعر میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں ایک طرف محبت کے تقاضے ہیں تو دوسری طرف شریعت کی حدود۔ جذبہ ایک طرف کھینچتا ہے تو علم دوسری جانب، عام محبوبوں کا معاملہ ہو تو قلم آزاد ہے جس طرح چاہے وارداتِ قلب کا نقشہ کھینچ دے مگر یہاں جس محبوب کی بات ہوتی ہے، وہ محبوبِ خدا ہے۔ ایک ایک لفظ میزان میں تل کے نکلنا چاہیے کہ کہیں سوءِ ادب نہ ہو جائے لینے کے دینے پڑ جائیں، جو بات ہو افراط و تفریط سے بچ کر ہو، ایک طرف یہ پابندیاں ہیں اور دوسری طرف شعریت کا مزاج اتنا حساس ہے کہ وہ ان حدود و قیود سے فوراً آورد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب محض علم کے بل بوتے پر نعت کہو تو جذبے کی روح سے خالی ہوگی اور محض جذبے کی بنا پر شعر کہو تو اس پر نعت کا اطلاق نہ ہوگا۔ گویا نعت کیا ہے کارگہہ شیشہ گری ہے ذرا سی ٹھیس لگی اور آبگینہ ٹوٹ گیا۔ آب و آتش کو یک جا کرنا پھر آسان ہے مگر جذبہ اور علم کی آمیزش سے تغزل کے کامل شعور کو برقرار رکھتے ہوئے نعت کہنا کارے دارد۔۔۔ اعظم چشتی کی نعتوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں عشق بھی نظر آئے گا اور علم بھی، جذبے کی گہرائی بھی ہوگی اور فن کی گیرائی بھی۔ وہ اپنی نعتوں میں بے تکلف قرآنی آیات، دینی اصطلاحات اور تصوف کے اشارات و کنایات استعمال کر جاتا ہے اور اس کے باوجود شعریت کی روح برقرار رہتی ہے''۔ (۱۰۱)

دیباچہ، مقدمہ یا تقریظ نگاروں کے درج بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے ''کلیم'' کی ذات کو پیش نظر رکھا اور کلام کی جملہ خوبیوں اور خامیوں کی طرف قطعی دھیان نہیں دیا ورنہ کم از کم مذکورہ شعر تو اس مجموعے میں

شامل نہیں ہوتا اور اگر ہوتا تو تقریظ نگاروں کا اشارۃً اس کا ذکر اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہوتا کہ وہ اس شعر کی حد تک شاعر سے متفق نہیں ہیں۔اب ان عظیم ناقدین کے عطا کردہ تصدیق ناموں کو کیا نام دیا جائے؟ معروضی تبصرے کا یا جانبدارانہ تنقیدی رائے سے صاحبِ کتاب کو نوازنے کا؟

بقاؔ نظامی کے مجموعہ نعت ''مشہپرِ جبریل'' پر تقریظ لکھنے والوں میں بہت سے نامور لوگ شامل ہیں مثلاً جوش ملیح آبادی، علامہ جمیل مظہری، علامہ جعفر شاہ پھلواروی، پروفیسر شاہ مقبول احمد، پیرزادہ سید آلِ احمد معینی، پروفیسر معین الدین دردائی، پروفیسر محمد اسلم، رئیس امروہوی، تابش دہلوی، شاعر لکھنوی، عطاء الرحمٰن جمیل، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر وفا راشدی، شمر نظامی اور منظوم تقریظ لکھنے والوں میں ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی۔لیکن یہ تمام آراء بقا نظامی کے مجموعی کلام پر ہے۔جس میں غزل کی کتاب ''صہبائے بقاؔ'' پر زیادہ کلام کیا گیا ہے۔البتہ شاعر نے خود اپنے دیباچے میں نعتیہ شاعری کی نزاکتوں سے آگاہی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''دراصل، نعت، حمد باری تعالیٰ کی ایک شکل ہے۔ایک اچھی اور مکمل نعت سے قاری اور سامع کے دلوں کو عظمتِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا ادراک ہوتا ہے۔نعت وہ راہ ہے جس کو عرفیؔ جیسے شاعر نے بردمِ تیغ، یعنی تلوار کی دھار سے تشبیہ دی ہے۔یعنی ہوشیار ہو کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنا ہے ذرا بھی ادھر ادھر قدم بہکا اور شاعر دنیا و آخرت میں راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا۔اللہم احفظنا (۱۰۲)

ہم نے بقا نظامی کی شاعری پر رائے دینے والے حضرات کے نام تو لکھ دیئے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ شاعر کا دائرۂ تعلقات کتنا وسیع تھا۔لیکن کسی ناقد کی رائے اس لیے نقل نہیں کی کہ تقریظ نگاروں کی رائے براہِ راست نعتیہ شاعری بالخصوص زیرِ مطالعہ کتاب ''مشہپرِ جبریل'' پر نہیں تھی۔اس لیے صرف صاحبِ کتاب بقاؔ نظامی عظیم آبادی کی رائے جو زیرِ عنوان ''منصبِ نعت گوئی'' درج کی گئی ہے اس کا اقتباس دیدیا ہے۔اب اس تصورِ نعت کے بعد خود شاعر نے جو کلام پیش کیا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں کچھ ایسے اشعار بھی نظر آتے ہیں جن کی موجودگی نعتیہ کتاب میں بہت گراں گزر رہی ہے، مثلاً

از ازل تا بہ ابد کوئی نہیں کوئی نہیں
آدمیت کا نمونہ آپؐ ہیں بس آپ ہیں (۱۰۳)

یہاں آدمیت کا ''واحد نمونہ'' حضور ﷺ کی ذات کو بتا کر خود حضور ﷺ کے پیروکاروں کی سیرت میں حضور کے اسوۂ حسنہ کی جھلک تک کی نفی کر دی گئی ہے۔پھر حضور ﷺ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ خیر البشر بھی ہیں اس لیے صرف آدمیت کا نمونہ کہہ دینے سے نعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

جس نے دل و جگر کو نچھاور کیا بقاؔ (۱۰۴)
ہاں ہاں بلال و بوذرو سلمانؓ ہوگیا

اس شعر میں حضور ﷺ کی ذات پر سو جان سے نثار ہونے والے کو صحابیت کا درجہ ملنے کی نوید ہے جو از روئے واقعہ درست نہیں۔کیوں کہ صحابیت کا درجہ تابعین یا اتباعِ تابعین نے بھی نہیں پایا۔آج حضور ﷺ کا کوئی امتی صحابیت کے مقام کو کیسے

پاسکتا ہے؟ لہٰذا اس شعر کا مافیہ بھی خلافِ حقیقت ہے۔

انا بشر زمانہ تم کو سمجھے ، ہم نہ سمجھیں گے (۱۰۵)
بنائے کن فکاں تم وجہ تخلیقِ جہاں تم ہو

قرآنِ کریم کی آیت ہے:

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ" کہہ دیجیے [اے نبی] کہ درحقیقت میں بھی ایک بشر ہوں تم ہی جیسا، وحی کی جاتی ہے میری طرف" (۱۰۶)

قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دے کر، فخریہ انداز میں یہ کہنا کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، کیسی بڑی اور سنگین جسارت ہے! اس لیے یہ شعر بھی شرعی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔

قریب حضرت محبوب داور ہوتے جاتے ہیں
بقاؔ اب آپ سلمان و ابوذر ہوتے جاتے ہیں (۱۰۷)

یہاں بقاؔ نظامی اپنے کسی روحانی ترفع کا احوال بتانا چاہتے ہیں لیکن سوال پھر وہی ہے کہ عہدِ اصحاب النبی ﷺ کے بعد صحابیت کا درجہ کسی امتی کو ملنا محال ہے۔ چنانچہ اس دعوے کی وجہ سے یہ شعر نعتیہ مضامین کی حدود سے نکل گیا۔

مری ہستی کو آئینہ بنا ڈالا محبت نے
بلال و بوذر و سلمان ہوں اب اور کیا کہیے (۱۰۸)

اس شعر کو بھی اسی شعر کے ساتھ ملا کر دیکھیے جس میں یہ نوید سنائی گئی تھی کہ جس نے دل وجگر کو نچھاور کر دیا وہ بلالؓ و بوذر و سلمانؓ ہو گیا۔ وہاں بات تعمیم زدہ تھی تو یہاں تخصیص کی صورت میں دعویٰ ہے۔ لیکن کیا اس دعوے کو قبول کیا جاسکتا ہے؟

یہ اشعار ایک ایسے مجموعے میں ہیں جس کا دیباچہ خود شاعر نے لکھ کر اپنی "نعت شناسی" کا اعلان کیا ہے۔ ایسی صورت میں شاعر کا دعویٰ کس کھاتے میں ڈالا جائے؟

اس باب کے اختتام پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ کتب میں شامل مقدمے، دیباچے یا تقریظیں افراط و تفریط کا شکار بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کسی شاعر کی تخلیقی کاوش کے بارے میں دی جانے والی آراء کو معروضی انداز میں پڑھنے اور محتاط طریقے سے کسی کتاب کے "متن" کو پرکھنے کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ہر کتاب کو شعری اور شرعی سطح پر پرکھنے کا عمل بہت زیادہ معروضیت کا متقاضی ہے۔

☆☆☆

باب چہارم: مآخذ ومنابع:

۱۔ فہرست کتب، نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، طبع دوم: اکتوبر ۲۰۰۶ء
۲۔ فہرستِ کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، باراول ۲۰۰۹ء
۳۔ روزگار فقیر، ج:۱، ص ۸۵

۴۔ مجموعہ مطالعات عبدالحق، ص ۶۵۰
۵۔ مقدماتِ عبدالحق، ص ۳۴
۶۔ اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی
۷۔ مقدماتِ عبدالحق، ص ۵۸
۸۔ ایضاً ص ۵۹
۹۔ اردو لغت
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، ص ۱۹
۱۲۔ مطالعات عبدالحق، ص ۶۹۵
۱۳۔ اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، ص ۱۹
۱۴۔ کلیاتِ حفیظ تائبؔ، ص ۲۶
۱۵۔ کشافِ تنقیدی اصطلاحات، ص ۱۴۲
۱۶۔ کلیاتِ حفیظ تائبؔ، ص ۹۹
۱۷۔ کلیاتِ نظمِ حالی، ج: اول، ص ۲۵۹
۱۸۔ کلیاتِ حفیظ تائبؔ، ص ۲۷
۱۹۔ ایضاً ص ۲۶۔۲۷
۲۰۔ ایضاً ص ۳۰
۲۱۔ ایضاً ص ۳۱
۲۲۔ ایضاً ص ۳۱
۲۳۔ آپ ﷺ، ص ۱۱۱
۲۴۔ ایضاً ص ۱۱۴
۲۵۔ ایضاً ص ۱۱۵
۲۶۔ ایضاً، سرورق
۲۷۔ تقدیس، ص ۱۲
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ م۔ ص، ص ۲۰
۳۱۔ ایضاً ص ۸۸
۳۲۔ ایضاً ص ۷۱
۳۳۔ ایضاً ص ۷۸
۳۴۔ ایضاً ص ۷۹
۳۵۔ ایضاً ص ۱۰۰
۳۶۔ ایضاً ص ۴۶

۳۷۔ایضاً ص۹۴

۳۸۔ایضاً ص۹۶

۳۹۔ایضاً ص۹۷

۴۰۔حرف حرف خوشبو،ص۱۸

۴۱۔ایضاً ص۲۶

۴۲۔ایضاً ص۷۳

۴۳۔ایضاً ص۷۵

۴۴۔ایضاً ص۸۳

۴۵۔ایضاً ص۸۵

۴۶۔ایضاً ص۸۷

۴۷۔ایضاً ص۹۰

۴۸۔ایضاً ص۹۶

۴۹۔ایضاً ص۹۸

۵۰۔محرابِ توحید،ص۱۶

۵۱۔ایضاً ص۱۶

۵۲۔ایضاً ص۱۶

۵۳۔روشنی ہی روشنی،ص۲۳

۵۴۔ایضاً ص۴۴

۵۵۔ایضاً ص۲۶

۵۶۔جلوہ گاہ،ص۸

۵۷۔تجلیات،ص۷

۵۸۔بابِ جبریل،ص۹

۵۹۔ایضاً ص۸۶

۶۰۔شعرالعجم،حصہ اول،ص۱۶۴

۶۱۔حاضری وحضوری،ص۱۴

۶۲۔ایضاً ص۵۸

۶۳۔جمالِ جہاں فروز،ص''ز''

۶۴۔ایضاً ص۴

۶۵۔ایضاً ص۷

۶۶۔ایضاً ص۷

۶۷۔ایضاً ص۹

۶۸۔ایضاً ص۵۴

۶۹۔نعت رنگ،شمارہ:۲،ص۲۹۷

۷۰۔ چراغ عالمین ﷺ، ص ۱۷۱

۷۱۔ ایضاً ص ۲۳۸

۷۲۔ ضیاء القرآن، ج: پنجم، ص ۳۲۹

۷۳۔ ایضاً، ج: ۲، ص ۶۲۳

۷۴۔ چراغ عالمین ﷺ، ص ۱۹

۷۵۔ ایضاً ص ۲۲

۷۶۔ ایضاً ص ۲۶

۷۷۔ ایضاً ص ۲۹

۷۸۔ ایضاً ص ۳۰

۷۹۔ ایضاً ص ۳۹

۸۰۔ صحیفۂ نور، ص ۱

۸۱۔ ایضاً ص ۲

۸۲۔ ایضاً ص ۱۱

۸۳۔ ایضاً ص ۲۲

۸۴۔ ایضاً ص ۳۰

۸۵۔ ایضاً ص ۳۲

۸۶۔ ایضاً ص ۳۴

۸۷۔ ایضاً ص ۳۶

۸۸۔ ایضاً ص ۳۸

۸۹۔ ایضاً ص ۴۰

۹۰۔ ایضاً ص ۴۲

۹۱۔ ایضاً ص ۴۶

۹۲۔ ایضاً ص ۵

۹۳۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۰

۹۴۔ ایضاً ص ۱۹

۹۵۔ القرآن، ۳۶:۶۹

۹۶۔ حقیقتِ محمدیہ ﷺ، ص ۲۱

۹۷۔ الرحیق المختوم، ص ۵۶۵

۹۸۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۲۰

۹۹۔ نیر اعظم، ص ۴۱

۱۰۰۔ ایضاً ص ۱۲

۱۰۱۔ ایضاً ص ۱۷

۱۰۲۔ شہپرِ جبریل، ص ۱۲

۱۰۳۔ ایضاً ص ۸۳

۱۰۴۔ ایضاً ص ۹۰

۱۰۵۔ ایضاً ص ۱۰۹

۱۰۶۔ القرآن، ۱۸:۱۱۰

۱۰۷۔ شہپر جبریل، ص ۱۲۵

۱۰۸۔ ایضاً ص ۱۵۵

بابِ پنجم

انتخاب ہائے نعت میں چھپنے والے
مقدموں، دیباچوں اور تحقیقی مقالوں
میں تنقیدی آراء کا جائزہ

باب پنجم کے تین ذیلی عنوانات ہیں:

ا۔انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نہج کا تعین

۲۔تحقیقی مقالوں میں مختلف شعراء کے کلام پردی جانے والی آراء کی تنقیدی اساس کا تعین

۳۔انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقید کے معیارات کا جائزہ

ا۔انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نہج کا تعین:

نعتیہ شاعری کے انتخاب کے ضمن میں غوث میاں نے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل اور مابعد کی مطبوعہ کتب کا تخمینہ پیش کیا تھا جو نعت رنگ شمارہ نمبر ایک میں شائع ہوا تھا۔ غوث میاں کی تحقیق کے مطابق 1995ء تک تقریباً ۲۸۵ چھوٹے بڑے نعتیہ انتخاب شائع ہو چکے تھے۔ کچھ انتخاب بعد میں بھی آئے، اس حساب سے صرف نعتیہ شاعری کے انتخاب پر مبنی مجموعوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے ہم صرف چند اہم انتخاب ہائے نعت میں شامل مقدموں اور دیباچوں کی تنقیدی نہج جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا جائزہ لیں گے:

i۔خیر البشرﷺ کے حضور میں، مرتبہ: ممتاز حسن مطبوعہ ۱۹۷۵ء

ii۔ارمغانِ نعت، مرتبہ: شفیق بریلوی، مطبوعہ ۱۹۷۵ء

iii۔مخزنِ نعت، مرتبہ: محمد اقبال جاوید، مطبوعہ ۱۹۷۹ء

iv۔نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، مطبوعہ ۱۹۹۳ء

v۔مستند نعتیہ کلام، مرتبہ: قاری محمد اسحٰق ملتانی، محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

vi۔جمال اندر جمال، مرتبہ: قمر وارثی، ۱۹۹۸ء

vii۔مہکا مہکا حرف حرف، مرتبہ: قمر وارثی، ۱۹۹۹ء

viii۔انتخابِ نعت، مرتبہ: عبدالغفور قمر، حصہ دوم: ۱۹۹۷ء

ix۔شہرِ نعت، مرتبہ: آصف بشیر چشتی، س۔ن۔

x۔ایوانِ نعت، مرتبہ: صبیح رحمانی، ۱۹۹۳ء

i۔خیر البشرﷺ کے حضور میں:

نعتیہ ادب میں، ممتاز حسن کا مرتب کردہ یہ انتخاب اپنے مقدمے کے علمی مزاج اور صائب فکری نکات کے باعث بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقدمے میں جس کا عنوان بھی "مقدمہ" ہی ہے، نعت کی تعریف اور مقصدِ نعت گوئی نیز اس کے محرکات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اچھی نعت کے نفسِ مضمون میں کیا کچھ ہونا چاہیے اور کیا کچھ نہیں ہونا چاہیے اس ضمن میں بھی رہنما اصول مرتب کرنے کی سعی کی گئی ہے اور نعت کے معنوی پھیلاؤ کی طرف بھی اشارے کیے گئے

ہیں۔

ہم اختصار کے ساتھ ان نکات کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو، ممتاز حسن کے اس مقدمے کے مطالعے سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ممتاز حسن نے لکھا:

> ''میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضورؐ رحمت اللعالمین کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے، جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے''۔(۱)

اس تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے ذکر کی کوئی ایسی صورت ہو جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے وہی ممتاز حسن کے نزدیک نعت ہے۔ لیکن صرف اتنی بات جان لینے سے نعت کا دائرہ بہت محدود ہو جائے گا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمے کے کچھ اور گوشے بھی دیکھ لیں۔

ممتاز حسن نے مزید لکھا ہے:

> ''صحیح معنوں میں نعت وہ ہے، جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصدِ نبوت سے دل بستگی پائی جائے، جس میں جناب رسالتمآب سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضورؐ کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح ہو یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس، اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نفسِ مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذاتِ رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں کی بعثت کی جو اہمیت نوعِ انسانی اور جملہ موجودات کے لیے ہے، اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے''۔(۲)

اس عبارت سے یہ متبادر ہوا کہ مدح یا خطاب کو بالواسطہ اور بلاواسطہ کہہ کر ممتاز حسن نے نعت کے معنوی دائرے کو ذرا وسیع کر دیا ہے۔ کیوں کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کا مقصدِ رسالت اور نوعِ انسانی کے لیے آپ ﷺ کی بعثت کی اہمیت کا بیان بالواسطہ نعت ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی نعت جس میں حضور ﷺ کی تعریف حضور ﷺ کی تعلیمات کی افادیت اور نوعِ انسانی کے لیے ان تعلیمات کی نفع رسانی کے حوالے سے ہو وہ بلاواسطہ نعت [جس میں ''مدح'' یا ''خطاب'' ہو] کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔

ممتاز حسن نے مزید لکھا:

> ''البتہ اگر شاعر کی توجہ صرف حضور ﷺ کے حسن و جمالِ ظاہری پر رک جائے اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے کہ حضورؐ کے قد کا سایہ نہ تھا، یا حضورؐ کے سر کے بال آخر وقت تک سیاہ تھے، تو اس شاعری کا درجہ وہ نہیں ہوگا، جو حقیقی نعتیہ کلام کا ہے''(۳)

اس پیراگراف سے یہ معانی برآمد ہوئے کہ حضور ﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کو بھی ممتاز حسن نعت ہی کے ذیل میں رکھ کر دیکھتے ہیں لیکن ایسی شاعری کا درجہ ان کے نزدیک ''حقیقی نعتیہ کلام'' کے درجے سے کم ہوگا۔

نعت کی تعریف اور اس کے متعلقات کے بیان سے کچھ تنقیدی نکات برآمد ہوئے جن کو اختصاراً یوں

تحریر کیا جا سکتا ہے:

☆ ممتاز حسن کے نزدیک حضورؐ کی مدح یا خطاب ہی نعت ہے۔

☆ حضورؐ کے مقصد نبوت کے اظہار کو ممتاز حسن ترجیح دیتے ہیں۔

☆ حضورﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کو ممتاز حسن کم تر درجے کی نعت سمجھتے ہیں۔

☆ ممتاز حسن کی تنقیدی نہج ،نعتیہ کلام کے نفسِ مضمون کی پرکھ پر قائم ہے۔

ممتاز حسن، چونکہ ''مدح یا خطاب'' کو نعت سمجھتے ہیں لہٰذا، شہرِ مدینہ اور اس تک پہنچنے کی تڑپ کے ملفوظی پیکر میں اظہار پانے والے احساسات کو نعتیہ شاعری سے خارج سمجھا ہوگا۔۔۔ جو درست نہیں ہے۔ کیوں کہ نعت میں ہجرِ مدینہ اور وہاں تک پہنچنے کی تمنا کے نقوش زیادہ نمایاں ہیں اور وہ بھی نعت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ پھر نعت اگر حضورؐ کی مدح یا حضورؐ سے خطاب ہی ہے تو مقصدِ نبوت کا اظہار نعت کیسے بنے گا؟ کیوں کہ مقصدِ نبوت کے اظہار میں تعلیمات محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر تو ہوگا، حضورؐ کی مدح نہیں ہوگی اور نہ ہی حضورؐ سے خطاب ہوگا! یہ الگ بات کہ مقصدِ نبوت سے مملو نعت کو ہم بالواسطہ نعت کا درجہ دے کر خود ممتاز حسن صاحب کی بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ علاوہ ازیں ''مدح'' میں تو جمالِ صوری کا ذکر ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے، جس کو اول درجے کی نعت ہی تصور کیا گیا تھا۔ مثلاً حضرت حسانؓ بن ثابت کا مشہور قطعہ:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

(میری نگاہ نے آپؐ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا، اور کسی ماں نے آپؐ سے زیادہ کسی خوبصورت کو جنم نہیں دیا۔ آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے۔ گویا آپ کی تخلیق اس طرح ہوئی جس طرح آپ خود چاہتے تھے)

اس قطعے میں حضورﷺ کے جمال صوری ہی کا ذکر ہے اور ظاہر ہے یہ نعت دیگر تمام شعراء کی نعتوں سے افضل ہے کیوں کہ خود ممدوحِ مکرم، ہادیٔ عالم سید المرسلین جناب محمد الرسول اللہﷺ کے دربار میں پڑھی گئی۔

ممتاز حسن صاحب اگر یہ کہتے کہ بیان کا قرینہ اور واقعات کی درست بُنت کے ساتھ نعت گوئی کی جائے تو وہ نعت چاہے صوری محاسن کے بیان پر مشتمل ہو چاہے سیرتِ رسولﷺ کی آئینہ دار ہو، وہ نعت ہر طرح سے قابلِ توجہ ہوگی، تو یقیناً ان کی بات وزنی ہو جاتی۔ ممتاز حسن صاحب نے موضوعات کی ترجیح کا خیال ظاہر کرنے میں جو درجہ بندی کی ہے وہ اسلوب کی دلکشی اور بیان کی صداقت اور اسناد سے مزین ہونے کی طرف اشارہ ضرور ہے لیکن ان کا بیان واضح نہیں ہو سکا۔

میرے اس خیال کی تائید میں ممتاز حسن کی وہ مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن کا حوالہ دے کر موصوف نے حضورِ اکرم ﷺ کے جمالِ صوری کے بیان کا درجہ حقیقی نعتیہ کلام سے کم تر ظاہر کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''کسی نے کہا ہے:

معراج کی رتیاں دھوم مچی اک راج دلارا آوت ہے

یا ایک اور نعت ہے:

بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

اسی طرح کچھ اور گیت ہیں جو عاشقانہ اور جذباتی شاعری کی یاد دلاتے ہیں جو ہندوؤں کے ہاں، عام ہے اور جس کا مرکز کرشن جی مہاراج کی ذاتِ والا صفات ہے۔ مثلاً

مدینے میں مورا پیا بالا ہے رے
مستی ہے یادِ چشمِ رسولِ انام کی

اس سے بھی آگے بڑھیے تو اس قسم کے شعر نظر آئیں گے:

اے دوستو فرقت میں مری مرتے ہو ناحق
اے چارہ گرو فکرِ دوا کرتے ہو ناحق (۴)
اچھا نہ کبھی ہوں گا میں بیمارِ نبیؐ ہوں

اور یہ اس ذاتِ گرامی کے متعلق کہا گیا ہے جو جسم وروح کی بالیدگی اور توانائی کا سرچشمہ ہے!''

اس بیان میں چونکہ مثالوں سے کام لیا گیا ہے اس لیے اس بات کی وضاحت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی کہ مقدمہ نگار کا اشارہ، نعت کے مافیہ اور اسلوب (Content and Style) میں تطابق اور توافق کے عناصر کی طرف تھا۔

ممتاز حسن نے ''صفاتِ رسالت'' کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی ہے جو لائق توجہ اور قابلِ قبول ہے۔ اس تفصیلی بیان کی خواندگی کے بعد ان کے مقدمے کی اولین سطور کے ابہام سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی تھیں وہ دور ہو جاتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''صفاتِ رسالت محض پیکرِ نبویؐ کے حسن و جمال کا نام نہیں ہے۔ یہ نام ہے اس خلقِ عظیم کا جو ساری نوعِ انسانی کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم مقصدِ بعثت سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم پر حضورِ خیرالبشر کی سیرت کے مختلف پہلو منکشف نہ ہوں۔ جنابِ رسالتمآبؐ کی زندگی سارے انسانوں کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے خواہ ہم انھیں ایک بچے کی حیثیت سے دیکھیں یا ایک جوان اور بوڑھے کی حیثیت سے۔ حضور ایک شہری ایک فرمانروا، ایک خاوند، ایک باپ، ایک قائد، ایک مجاہد، ایک سپاہی، ایک سپہ سالار، ایک جج، ایک مقنن، ایک منتظم بھی کچھ ہیں۔ ہم اس زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالیں وہ اسی اسوۂ حسنہ کا مظہر ہے جس کا ذکر خود قرآن نے کیا ہے۔

اگر حضورؐ کی زندگی چند مافوق الفطرت واقعات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہوتی اور اس میں عام انسانوں کے رنج و راحت، مسرت و غم، مصیبت اور کامرانی، یہ سب موجود نہ ہوتے تو ہم بحیثیت انسان اس زندگی سے کوئی سبق نہ سیکھ سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں انسانی رنج و غم اور کرب و الم کی ساری کیفیتیں، ساری اذیتیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتِ رسالت کے شعور کے لیے صفاتِ رسالت کا ادراک اور سیرتِ رسول ﷺ کی پیروی ناگزیر ہے۔ اصل چیز یہاں بھی ذاتِ رسالت ہے۔ مگر ذات و صفات لازم و ملزوم ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نعتِ رسول کی بنیاد یا تو عشقِ ذات ہے، یا ادراکِ صفات۔ یا تو وہ ذاتِ رسالت سے ایک گہرے اور والہانہ جذبے کا اظہار ہے۔ یا صفاتِ رسالت کی عکاسی۔ دونوں کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کی شخصیت اور کردار ہمارے سامنے آئیں اور ایک مثالی حیثیت سے زندگی میں ہمارے لیے مشعلِ راہ کا کام دیں"۔(۵)

اس اقتباس سے ممتاز حسن کے تنقیدی منہاج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاہم اس سارے بیان میں شعری حسن و قبح کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں انہوں نے صرف نعت کے مافیہ (content) کی نوعیت پر زور دیا ہے۔ لیکن شعری معیارات کے حوالے سے بھی ان کا ایک مربوط نظامِ فکر ہے، جس کو بروئے کار لا کر وہ اچھی شاعری کا انتخاب کرتے ہیں اور یوں اپنا شعری مسلک واضح کرتے ہیں:

"جہاں تک اردو نعت کا تعلق ہے اردو کے بعض اساتذہ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر استادانہ صنعت گری پائی جاتی ہے۔ مثلاً امیرؔ مینائی نے جو غزل کے شاعر تھے اور اس حیثیت سے مشہور ہیں، معراج پر جو کچھ کہا ہے اس میں زیادہ تر الفاظ پر زور ہے: کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات

آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

کہکشاں کہتی ہے قسمت کا ستارہ چمکا

ہوگا اس راہ سے حضرت کا گزر آج کی رات

حوریں فردوس سے نکلی ہیں نچھاور کرنے

سر پہ رکھے طبقِ لعل و گہر آج کی رات

مگر میں ایسی نعتوں کی مثالیں زیادہ دینا نہیں چاہتا جو میرے خیال کے مطابق نعت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اردو نعت کے چند ایسے نمونے آپ کی خدمت میں پیش کروں جو میرے نزدیک نعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ میری رائے میں اردو میں کوئی نعت حالؔی کے مسدس کی برابر موجود نہیں ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

ذکی کیوں کر نہ ہر دم احمدِ بے میم کی رٹ ہو
کہ الفت میں لحاظِ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا!

اس قسم کے افکار و اقوال اکثر صوفیہ اور ان کے معتقدین پر وارد ہوتے ہیں اور ان کی صفائی یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ حالتِ سکر کے واردات ہیں۔ اور ہم بھی عقیدت کی رو میں بہہ کر انھیں قابلِ مواخذہ نہیں سمجھتے۔ یہاں صحو اور سکر سے بحث نہیں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول تو معتبر صوفیہ حالتِ سکر کی کہی ہوئی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دوسرے یہ کہ سکر اور جہاں کہیں بھی جائز سمجھا جائے دربارِ نبوی میں جائز نہیں ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

باخدا دیوانہ باش و بامحمدؐ ہوشیار" (۷)

اس پیراگراف سے معلوم ہوا کہ ممتاز حسن نعتیہ شعری کاوشوں کے ضمن میں بڑے حزم و احتیاط کے قائل ہیں اور اس مقدس شاعری میں عامیانہ خیال اور مجازی عشق جیسے جذبات کی بنت کو نہایت معیوب جانتے ہیں۔

"خیر البشر ﷺ کے حضور میں" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نعتیہ انتخاب میں منقبتی نظموں کو بھی نعت کے درجے میں رکھا گیا ہے۔ یہ رویہ صنفی حد بندی کے خلاف تو ہے لیکن معنوی سطح پر فکری اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے۔' اس کتاب میں شامل حضرت بلالؓ اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی منقبتیں جو اقبال کی شاعری سے منتخب کی گئی ہیں اپنی جگہ نعت کا معنوی عکس تو لیے ہوئے ہیں لیکن صنفی نوعیت کے اعتبار سے الگ صنفِ سخن یعنی "منقبت" کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں۔ البتہ نعتیہ شاعری کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی محبت اور ان کی اتباع کا جذبہ دکھانے کے لیے ضمناً کوئی ایک یا ایک سے زیادہ منقبتی اشعار کہہ لیے جائیں تو وہ نعت ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ بہت سارے نعت گو شعراء نے ایسا ہی کیا ہے جن میں احمد رضا خاں بریلویؒ کا کلام ایک منفرد مثال ہے۔ متعدد نعتیہ مجموعوں میں منقبتی حصوں کی شمولیت کے رجحان سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت گو شعراء کی اکثریت منقبت کو نعت کا جزو سمجھتے ہوئے بھی صنفی اعتبار سے جداگانہ صنفِ سخن کے ذیل میں رکھتی ہے۔

نعتیہ شاعری کے مضامین میں سیرت یا صورت کے حسن اور مقامِ رسالت مآب ﷺ کی رفعت کے بیان کی کون کونسی جہتیں ہونی چاہئیں اس پر مختلف ناقدین کی آراء ان کے نقطۂ نظر کے زاویے اور میلانِ طبع کے حوالے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً اسی موضوع کو لے لیجیے جس کی تحسین میں ممتاز حسن نے حالؔی کی نعت کو حدیثِ نبوی ﷺ کی سند کے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ وہی مضمون محمد حسن عسکری کے نزدیک مقامِ رسالت کے لیے فروتر ٹھہرتا ہے اس لیے وہ حالؔی پر طنز کرتے ہیں:

"وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اس نعت میں جو مٹھاس اور جو کسک ہے اس کا تو میں بھی قائل ہوں اور فراق صاحب نے اس کی تعریف میں جو جملے کہے ہیں، ان سے اس حد تک متفق ہوں کہ ممکن ہے کسی دن اس موضوع پر الگ سے مضمون

وہ اپنے پرائے کاغم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

ان چند شعروں میں کوئی تکلف، کوئی مبالغہ، کوئی طباعی، کوئی صنعت گری نہیں۔ مگر جو تاثر ان میں موجود ہے اس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ حضور رسالت پناہ کا اپنا ارشاد ہے کہ

"الخلق کلهم عیال الله و احبهم الی الله من انفعهم الی الخلق"

یعنی ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو سب سے عزیز وہ انسان ہے جو خلقِ خدا کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ حالؔی کے یہ شعر اسی حدیث اور صاحبِ حدیث کی تصویر ہیں اور اس قدر پر اثر ہیں کہ انسان کی ساری زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں"۔(۲)

ممتاز حسن کا یہ معیارِ نقد اگر امیرؔ مینائی کی شعری بوطیقا اور حالؔی کے اسلوب کی روشنی میں کوئی نام پاسکتا ہے تو اس کو "تقابلی تنقید" (Comparative Criticism) کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس طریقِ تنقید میں کسی ایک شاعر کے کلام کا کسی دوسرے شاعر کے شعری عمل سے موازنہ کیا جاتا ہے تا کہ کسی شعری کاوش کو برتر اور کسی کو کم تر ثابت کیا جاسکے۔ اس کی مثال اردو میں شبلی کی "موازنہء انیس و دبیر" ہے۔ علاوہ ازیں چوں کہ ممتاز حسن نے حالؔی کے شعری متن کو حدیث کی سند کے حوالے سے بھی پرکھا اور اس کی تحسین کی ہے اس لیے اس طرزِ تنقید کو "تشریحی تنقید" (Descriptive Criticism) کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اس تنقیدی دبستان میں شاعر کے خیالات کی تشریح کی جاتی ہے اور یہاں ممتاز حسن نے تشریح کے ساتھ ساتھ مقدس حوالہ بھی دے دیا ہے جس کے باعث حالؔی کے اشعار کا معیار بہت بلند ہوگیا ہے۔ متن کی پرکھ کا یہ انداز ساختیاتی طریقِ نقد (Structural Criticism) میں برتا جاتا ہے۔

اس تناظر میں ممتاز حسن کا طریقِ تنقید ہشت پہلو ہو جاتا ہے۔ نعت کے حوالے سے انہوں نے اپنے خیالات کو تنقیدی کسوٹی کے کسی خاص پیمانے سے نہیں بلکہ عمومی (general) معیارات کی روشنی میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

متنِ شعر کی پرکھ کے اصولوں پر گفتگو کرتے ہوئے ممتاز حسن نے جن اشعار کے متون کی گرفت کی ہے وہ تنقید کے اس دبستان کے ذیل میں آتے ہیں جسے مقنن تنقید (Legislative Criticism) کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً:

"اقبال کا شمار باقاعدہ نعت گویوں میں نہیں ہے۔ ان کی ابتدائی شاعری میں ایک آدھ روایتی نعت ملتی ہے جسے انہوں نے اپنے مجموعہء کلام میں شامل نہیں کیا۔ جیسے:

نگاہ عاشق کی تاڑ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر

وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اس قسم کی نعت گوئی حدِ ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے، دین کے دائرے سے بھی باہر ہے۔ کوئی اور شاعر تو صاف صاف کہہ گیا ہے:

ذکی کیوں کر نہ ہر دم احمدِ بے میم کی رٹ ہو

کہ الفت میں لحاظِ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا!

اس قسم کے افکار و اقوال اکثر صوفیہ اور ان کے معتقدین پروارد ہوتے ہیں اور ان کی صفائی یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ حالتِ سکر کے واردات ہیں۔ اور ہم بھی عقیدت کی رو میں بہہ کر انھیں قابلِ مواخذہ نہیں سمجھتے۔ یہاں صحو اور سکر سے بحث نہیں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اول تو معتبر صوفیہ حالتِ سکر کی کہی ہوئی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ دوسرے یہ کہ سکر اور جہاں کہیں بھی جائز سمجھا جائے دربارِ نبوی میں جائز نہیں ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" (۷)

اس پیراگراف سے معلوم ہوا کہ ممتاز حسن نعتیہ شعری کاوشوں کے ضمن میں بڑے حزم و احتیاط کے قائل ہیں اور اس مقدس شاعری میں عامیانہ خیال اور مجازی عشق جیسے جذبات کی بنت کو نہایت معیوب جانتے ہیں۔

"خیر البشر ﷺ کے حضور میں" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نعتیہ انتخاب میں منقبتی نظموں کو بھی نعت کے درجے میں رکھا گیا ہے۔ یہ رویہ صنفی حد بندی کے خلاف تو ہے لیکن معنوی سطح پر فکری اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کتاب میں شامل حضرت بلالؓ اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی منقبتیں جو اقبال کی شاعری سے منتخب کی گئی ہیں اپنی جگہ نعت کا معنوی عکس تو لیے ہوئے ہیں لیکن صنفی نوعیت کے اعتبار سے الگ صنف سخن یعنی "منقبت" کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں۔ البتہ نعتیہ شاعری کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی محبت اور ان کی اتباع کا جذبہ دکھانے کے لیے ضمناً کوئی ایک یا ایک سے زیادہ منقبتی اشعار کہہ لیے جائیں تو وہ نعت ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ بہت سارے نعت گو شعراء نے ایسا ہی کیا ہے جن میں احمد رضا خاں بریلویؒ کا کلام ایک منفرد مثال ہے۔ متعدد نعتیہ مجموعوں میں منقبتی حصوں کی شمولیت کے رجحان سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت گو شعراء کی اکثریت منقبت کو نعت کا جزو سمجھتے ہوئے بھی صنفی اعتبار سے جداگانہ صنف سخن کے ذیل میں رکھتی ہے۔

نعتیہ شاعری کے مضامین میں سیرت یا صورت کے حسن اور مقامِ رسالت مآب ﷺ کی رفعت کے بیان کی کون کونسی جہتیں ہونی چاہئیں اس پر مختلف ناقدین کی آراء ان کے نقطۂ نظر کے زاویے اور میلانِ طبع کے حوالے سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً اسی موضوع کو لے لیجیے جس کی تحسین میں ممتاز حسن نے حالی کی نعت کو حدیثِ نبوی ﷺ کی سند کے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ وہی مضمون محمد حسن عسکری کے نزدیک مقامِ رسالت کے لیے فروتر ٹھہرتا ہے اس لیے وہ حالی پر طنز کرتے ہیں:

"وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اس نعت میں جو مٹھاس اور جو کسک ہے اس کا تو میں بھی قائل ہوں اور فراق صاحب نے اس کی تعریف میں جو جملے کہے ہیں، ان سے اس حد تک متفق ہوں کہ ممکن ہے کسی دن اس موضوع پر الگ سے مضمون

ہی لکھ ڈالوں، مگر اس حقیقت سے بھی گریز نہیں کہ مولانا حالی کے لیے: آنحضرت کچھ اور تھے۔ محسن کاکوروی کے لیے کچھ اور۔ یوں تو حالی کے زمانے سے بہت پہلے ''تقویت الایمان'' شائع ہو چکی تھی اور اس بات پر پورا غدر برپا ہو چکا تھا کہ رسول کی عزت اتنی کرنی چاہیے جتنی نعوذ باللہ بڑے بھائی کی۔ یعنی رسول کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے پیدا ہو چکے تھے اور حالی کے زمانے میں

''بنانا نہ تربت کو میری صنم تم'' کچھ ایسا باغیانہ تصور نہیں رہا تھا۔ لیکن اب سرسید کے زیر اثر اور پیروی مغربی کے شوق میں لارڈ میکالے کے عقیدت مند ابھرنے لگے تھے جو کہتے تھے کہ اسلام افضل ترین مذہب ہے۔ کیوں کہ یہ مذہب ہے ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا سادا راستہ ہے اور آنحضرت محض پیغمبر نہیں بلکہ ''مصلح'' اور ''ریفارمر'' ہیں۔ اس مشرب میں واقعی رواداری تھی۔ ان حسابوں سے سرسید تو بڑی چیز ہیں، فلورنس نائٹ انگیل تک کو پیغمبری کا درجہ حاصل ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا اور ''ریفارمر'' حالی جادۂ شوق پر چلے تو ضرور، لیکن مرحلہ سود و زیاں میں اٹک کے رہ گئے۔ انہوں نے ساری زندگی کو نفع نقصان، جمع خرچ کی کھتونی بنا ڈالا۔ پیروی مغربی اور پیروی عقل خداداد کے طفیل ایک دن وہ بھی آیا کہ نعت گوئی غیر مشروع اور بدعت ٹھہری اور نعت کہنے اور سننے والا مردود۔

ترکِ الفت کے عذر ہیں لاکھوں

خوئے بد را بہانہ ہٴ بسیار

بہر حال مولانا حالی سے ترکِ الفت ممکن نہ ہوا۔ انہیں تو چاٹ پڑ چکی تھی۔ انہوں نے نعت کہی اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ۔ لیکن جہاں تک نفسِ مضمون کا تعلق ہے، حالی نے ان فوائد کی فہرست بنائی ہے جو آنحضرت سے انسانیت کو اور بالخصوص عرب کو پہنچے اور فوائد بھی روحانی اور اندرونی قسم کے نہیں بلکہ ظاہری اور سماجی قسم کے۔ یا پھر اخلاقی محاسن گنوائے ہیں۔ حالی کی نعت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کا کردار نہایت بلند تھا اور ان سے ہمیں بڑے فائدے پہنچے۔ بلند کردار کے لوگ اور انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے تو بہت ہیں۔ مگر ان سے لاکھوں انسانوں کو ایسی والہانہ محبت نہیں ہوتی، جیسی آنحضرت سے ہے۔ اس کا جواب ہمیں حالی کی نعت میں نہیں ملتا۔ یہی کھاتے میں ایسی باتیں ہوا بھی نہیں کرتیں۔ حالی کا کمال یہ ہے اور سرسید جیسے بزرگوں پر انہیں فوقیت یہ حاصل ہے کہ انہوں نے بہی کھاتہ بھی لکھا تو ایسی دردمندی کے ساتھ مگر وہ سماجیات اور اخلاقیات سے آگے نہیں جا سکے۔۔۔ سو پچاس سال پہلے عام مسلمانوں کا ایمان یہ تھا کہ حقیقتِ محمد یہ احاطہ ہٴ بیان میں نہیں آ سکتی اور رسول کی بنیادی صفت یہی ہے۔۔۔ ''خطا کار سے درگزر کرنے والا'' نہیں کیوں کہ اتنا کام تو خود مولانا حالی بھی کر لیتے ہوں گے''۔(۸)

محمد حسن عسکری نے حالی کی نعت کو اسلوبیاتی سطح پر یعنی بیان کے حسن کے حوالے سے تو سراہا اور اس میں پنہاں سوز دروں اور تخلیقی خلوص کو محسوس کر کے اس کی تعریف بھی کی لیکن نعت میں خیال کی بنت کو پسند نہیں کیا جبکہ ممتاز حسن، حالی کے اسی انداز پر فدا ہو رہے تھے۔ محمد حسن عسکری کا نقطہ ہٴ نظر کچھ کچھ صوفیانہ ہے جس میں ذات کی رفعتوں اور رسالت کی عظمتوں ہی کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے برعکس ممتاز حسن کا نقطہ ہٴ نظر عمرانی پہلو کا حامل ہے جس میں تعلیمات اور سنتِ

نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے عملی اطلاقات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ان دونوں آراء سے اسلام کی تعبیر کے دورخ اور اسوۂ حسنہ کی تفہیم کے دو مختلف اور نقیض زاویئے، اجاگر ہوتے ہیں، جن کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔تاہم مرورِایام نے ثابت کر دیا کہ عصرِ حاضر کی رہنمائی کے لیے حالؔی کے اسلوب اور ممتاز حسن کی تنقیدی رائے کو زیادہ وزن و وقار حاصل ہے۔دوسرے نقادانِ نعت نے بھی حالؔی کے اسلوب اور ان کی نعت کے مافیہ (content) کو اہمیت دی ہے۔جس کا ذکر مختلف نقادوں کی تحریروں پر گفتگو کرتے ہوئے کیا جائے گا۔

ii۔ارمغانِ نعت:

اس انتخاب کا مقدمہ بعنوان ''ورفعنا لک ذکرک''، مولیٰنا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی نے لکھا تھا۔اس مقدمے میں نعت کی تعریف اور تاریخ ہے۔نعتیہ مضامین کے بیان کے لیے مولیٰنا موصوف نے نثر و نظم کی قید نہیں لگائی ہے اور سند کے طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''نعت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں عقیدت کے پھول نظم و نثر دونوں ہی میں پیش کیے گئے ہیں،خود عہدِ نبوت میں بعض صحابہ کے خطبات میں یہ چیز دکھائی دیتی ہے۔مثلاً حضرت جعفر طیارؓ کا دربار نجاشی میں خطبہ نثر میں نعت کا ایک نمونہ ہے۔اردو زبان میں علامہ شبلی نعمانی کی مشہور و معروف نثر ظہورِ قدسی اور علامہ سید سلیمان ندوی کے خطبات مدراس یہ سب نثری نعت کے بہترین نمونے ہیں۔لیکن دنیائے شعر و شاعری میں نعت ایک خاص صنفِ شاعری کا نام ہے،جس میں شاعر حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں اپنی عقیدت پیش کرتا ہے''۔(۹)

اس مقدمے میں نعت کی ابتداء اور عربی فارسی اور ترک زبانوں میں اس کے چلن پر گفتگو کی گئی ہے۔مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے امیر مینائی اور محسن کاکوروی کو بڑی اہمیت دی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''اردو شعراء میں سے دو بڑے شاعروں کے نام نعت گوئی میں فخر کے ساتھ پیش کیے جاسکتے ہیں۔ایک امیر مینائی جن کے نعتیہ اشعار بہ کثرت محامدِ خاتم النبیین میں موجود ہیں اور دوسرا نام محسن کاکوروی،جن کی کلیات ساری کی ساری نعت ہی نعت ہے''۔(۱۰)

امیر مینائی کا ذکر کرنے کے باوجود مولانا نے ان کا کوئی شعری حوالہ نہیں دیا لیکن محسن کاکوروی کے شعری حوالو میں مقدمہ نگار کے تنقیدی شعور کی جھلک ملتی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''محسن کاکوروی نے اپنے مشہور لامیہ قصیدۂ نعت میں ظلِ ذکرِ رسول کو ہندوستانی پھولوں سے سجایا ہے اور دو آبۂ گنگا جمنا میں آمدِ بہار کا وہ نقشہ پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے پر ایک کیفیت سی طاری ہوجاتی ہے''۔(۱۱)

محسن کاکوروی کی معروف مثنوی،مثنوی صبحِ سعادت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''اسی طرح مثنوی صبحِ سعادت کی ابتداء اس طرح کرتے ہیں کہ عربی زبان کی تقریباً ساری ہی مشہور تفاسیر کے نام بھی علاوہ صنعتِ براعتِ استہلال کے آگئے ہیں۔کہتے ہیں:

بیضاوی، صبح کا بیاں ہے

کشاف کتاب آسماں ہے (۱۲)

مولٰنا عبدالقدوس ہاشمی کے اندازِ تحسین میں کلاسیکی ادب کو پرکھنے کے کچھ اصول آگئے ہیں۔ یعنی شعر میں ماحول کی ایسی عکاسی جس میں مقامی تہذیب وتمدن میں پائی جانے والی آفاقی قدروں کا ذکر ہو، مولٰنا کے نزدیک لائق تحسین ہے۔ علاوہ ازیں وہ، محسن کاکوروی کے شعروں میں صنائع بدائع کی حسن کارانہ بنت کو بھی بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں۔ صنعتِ استہلال کی تفہیم کے لیے مولوی نجم الغنی، رامپوری، کی کتاب بحرالفصاحت کی درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

''صنعتِ براعتِ استہلال: اس صنعت کا نام ہے کہ جو قصہ بیان کرنا منظور ہو، خواہ نظم ہو خواہ نثر، اس کا دیباچے یا اول داستان میں اشارہ کردیں''۔ (۱۳)

گویا کسی نظم کے اولین مصرعوں یا نثر کی تمہیدی سطروں کو، جن میں اصل موضوع کی طرف کچھ اشارے پائے جائیں، علمِ بدیع میں ''صنعتِ براعتِ استہلال'' کا نام دیا جاتا ہے۔ محسن کاکوروی نے چوں کہ مثنوی کی تمہید میں تقدس آمیز فضا قائم کرنے کے لیے تقاسیر کا ذکر کیا ہے اور پھر مدحِ رسولِ اکرم کی طرف آئے ہیں اس لیے ''ارمغانِ نعت'' کے مقدمہ نگار کو ان کے ذکر کے ساتھ علمِ بدیع کی مذکورہ صنعت یاد آگئی۔ صنعتوں کے ذکر سے تنقیدی رائے کو وزنی بنانے کا طریقہ روایتی تنقید کا خاصّہ ہے۔ آج کل ساختیاتی فکر کے ذیل میں کسی متن کی خوبیاں بیان کرنے والے جدید نقادوں کے ہاں بھی صنعتوں کا حوالہ ملتا ہے، مثلاً شمس الرحمان فاروقی نے ''شعرِ شور انگیز'' میں میؔر کے اکثر شعروں میں صنعتوں کی نشاندہی کی ہے۔

ممتاز حسن کی طرح مولٰنا عبدالقدوس ہاشمی بھی حالؔی کی نعت کے مداح ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''محسن کاکوروی نے ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔ ان کے بعد جن اردو شعراء نے نعت گوئی میں بڑا نام پایا، ان میں سب سے اونچا مقام خواجہ الطاف حسین حالؔی کا ہے۔ ان کے کلام کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور آج تک ایسی مقبولیت حاصل ہے کہ اردو کے کسی اور نعتیہ کلام کو حاصل نہیں۔ اور کیوں نہ حاصل ہوتی۔ ان کا کلام اسی کا مستحق ہے۔ کہتے ہیں: وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا۔۔۔الخ'' (۱۴)

اس مقام پر مولٰنا نے اپنی کوئی تنقیدی رائے تو نہیں دی لیکن حالؔی کے مسدس کے نعتیہ بند کو لکھ کر انہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کردیا ہے جو یقیناً ان کی تنقیدی بصیرت کا عکاس ہے۔ کسی کلام کا انتخاب پیش کرنا بھی ایک تنقیدی عمل ہے جسے بالواسطہ تنقید کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

iii۔ مخزنِ نعت:

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے جو نعتیہ انتخاب مرتب کیا اس کا نام ''مخزنِ نعت'' ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ مرتب نے خود لکھ دیا ہے:

''میں نے شخصیات کی بجائے نعتوں کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ جہاں بھی مجھے ادب اور عشق کی گھلاوٹ محسوس

ہوئی ہے میں نے اس پھول کو دامن میں رکھ لیا ہے''۔(۱۵)

مخزن نعت کے مرتب کے درج بالا بیان سے ان کا تنقیدی منہاج واضح ہو گیا۔ تنقید میں کلیم کے بجائے کلام پر زور دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نعتیہ انتخاب از خود تنقیدی بصیرت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس کتاب کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں نعتوں کے متن میں جو تلمیحات آئی ہیں اور جن جن روایتوں کی طرف اشعار میں اشارے ملتے ہیں ان میں سے بیشتر پر مرتب نے حاشیئے لکھ دیئے ہیں تا کہ اشعار کی تفہیم کے لیے ماخذ کی تلاش میں قاری کو ہفت خواں طے نہ کرنا پڑے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں:

''نعتوں کے حاشیے میں جا بجا قرآنی، علمی، شعری اور تاریخی اشارات دیئے گئے ہیں۔ یہ توضیحی امور جہاں بات کو تاریخی وقعت عطا کرتے ہیں وہاں ایک دلچسپ تقابلی جائزہ بھی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے خیال سے فکر نکھرتا اور چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ ویسے بھی حقیقی نعت میں آیاتِ قرآنی کا عکس، احادیث نبویؑ کا نور اور سیرتِ رسول کی عظمت جلوہ گر ہوتی ہے۔ میں نے اسی عکس، اسی نور، اسی عظمت کو حواشی میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے''۔(۱۶)

مخزن نعت کے درج بالا پیراگراف کی خواندگی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب کے مرتب نے ''تشریحی تنقید'' (Descriptive Criticism) کی بنیاد پر کام کیا ہے۔ تشریحی تنقید کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''تشریحی ناقدین عام قاری کو کوئی شعر سمجھا رہے ہیں، کسی فنی نکتہ کی صراحت کر رہے ہیں، کسی مصنف کے بارے میں کوائف مہیا کر رہے ہیں یا کسی شخصیت کا احوال قلم بند کر رہے ہیں تو یہ گناہ کبیرہ نہیں، البتہ سلیقہ شرط نقد ہے۔ ہمارے تقریباً سبھی سینئر ناقدین نے اچھے اسلوب اور ہنر مندی سے تشریحی تنقید میں قابلِ ذکر کام کیا ہے، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، سید عابد علی عابد، آلِ احمد سرور، وقار عظیم، مولانا صلاح الدین، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سب اچھی مثالوں کی حیثیت رکھتے ہیں''۔(۱۷)

پروفیسر اقبال جاوید کے تنقیدی عمل میں ''اسلوب'' کی دلکشی پر زور ہے۔ نعتیہ مضامین میں سوزِ عشق اور تخلیقی خلوص کی قدر افزائی میں وہ پیش پیش رہتے ہیں اور غزل کی ایمائیت کے قائل ہیں۔ ان کے بیان کردہ کچھ نکات ملاحظہ ہو:

''حضور کی شان میں کہا جانے والا ہر کلمہ نعت ہے۔ مگر اصطلاحاً ہم ایسی ہر منظوم کوشش کو نعت کہتے ہیں جس میں ستائشِ رسول کی دلآویزیاں ہوں''۔(۱۸)

منظوم کوشش میں ستائشِ رسول ﷺ کی دلآویزیوں کا ذکر وہی انسان کر سکتا ہے جسے شعری محاسن کی خبر ہو اور جو نعتیہ شاعری کو صرف اور محض اس کے موضوع کے تقدس کی بنا پر متبرک کلام سمجھ کر چوم لینے کا قائل نہ ہو۔ پروفیسر اقبال جاوید نے متعدد بار اسلوب کی شگفتگی اور اظہار میں حسن کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً

''محمد قلی قطب شاہ پہلا شاعر ہے جس نے نعت کو غزل کی ہیئت میں اپنایا۔ اس کی زبان میں نسبتاً نکھار، اظہار

میں حسن اور اسلوب میں شگفتگی ہے"۔(۱۹)

محسن کاکوروی کے ذکر میں رقم طراز ہیں:

"ان (محسن کاکوروی) کا مشہور قصیدہ لامیہ پڑھ کر حضرت کعب بن زہیرؓ یاد آ جاتے ہیں جنہوں نے اپنے نعتیہ قصیدے میں باقاعدہ تشبیب، گریز اور مدح کا لحاظ رکھتے ہوئے، بہترین ادبی اور فنی روایات قائم کی تھیں۔انہوں نے تشبیب میں عرب کی مقامی علامتوں کا ذکر کیا تھا۔محسن کے اس قصیدے میں مقامی ہندوانہ رنگ، ماحول اور روایات کا ذکر بھی اسی انداز کی یاد تازہ کر رہا ہے۔قصیدے کی تشبیب میں عموماً فارسی شعراء کا تتبع کیا جاتا ہے۔مگر محسن نے ایک نیا اسلوب اپنایا۔وہ مقامی رنگوں اور علامتوں کا استعمال ہے۔اگر ان علائم و رموز کو گریز کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم نکھر آتا اور بات واضح ہوتی چلی جاتی ہے۔الغرض ان کا قصیدہ جہاں اردو ادب میں نئی روایات کی بنیاد ہے، وہاں فنی، لسانی اور فکری نقطہ نظر سے بھی لاجواب ہے۔۔۔حقیقت یہ ہے کہ محسن نعت کو رسم کی وادی سے نکال کر مقصد کی دنیا میں لے آئے"۔(۲۰)

پروفیسر اقبال جاوید کے مقدمے کے درج بالا اقتباس سے، قصیدے کے فنی محاسن، نعتیہ قصائد کی روایت اور محسن کاکوروی کے قصیدے پر ہونے والے اعتراضات [جن کا ذکر اقبال جاوید نے نہیں کیا ہے] سے ان کی مکمل آگہی مترشح ہے۔ یہاں ان کے طریق نقد کے جو خدوخال ظاہر ہوئے اس کی روشنی میں انہیں "تقابلی تنقید" (Comparative Criticism) کی روشنی میں تعینِ قدر (Evaluation of Artistic value) کی کوشش کرنے والے ناقدین کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

محسن کاکوروی کے قصیدے کی تشبیب، ہندوانہ رسموں کے ذکر پر مبنی تھی جس پر ان کے عہد میں اعتراضات ہوئے تھے خود محسن کاکوروی نے ان اعتراضات کا جواب دیا تھا۔محسن کاکوروی پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کے ضمن میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" میں لکھا:

"تشبیب میں متھرا، گوکل، کنھیا اور گوپیوں کا ذکر کیا ہے۔بعض حضرات نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے نعتِ رسول اکرمؐ کے سلسلہ میں ان چیزوں کا بیان بے موقع اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔اس اعتراض کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ نظم قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتی ہے اور قصیدے میں تشبیب کے مضمون کی قید نہیں، کہیں ذکر شباب ہے تو کہیں مضامین عشقیہ کا بیان، کہیں شکایتِ زمانہ ہے اور کہیں اپنے حال کا رونا، کسی نے خاص مضمون کی غزل لکھ دی ہے اور کسی نے متفرق مضامین کی غزل، اور بعض ایسے قصیدے بھی موجود ہیں جن میں تشبیب موجود ہی نہیں ہے۔عربی شاعری میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تشبیب کے پڑھنے کے بعد گریز کا مضمون دیکھ کر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی، محسن نے خود اسی جواب کو تفصیل کے ساتھ نظم کرتے ہوئے لکھا ہے:

پڑھے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز
رجعتِ کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر
شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشمِ انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ
نیم رخ تھی، اسی نسبت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طولِ سخن
مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
غلبہء و سطوتِ ظلمت کے بیاں میں مضمر
شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دہنِ خدا
مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل
مدعا یہ ہے کہ اندوہ کی سیہ بختی سے
ظلمتِ کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لیے
سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبی مرسل (۲۱)
مہر توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول

یہ ہے محسن کاکوروی کے قصیدے پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کا احوال۔ اقبال جاوید نے محسن کے قصیدۂ لامیہ کی تحسین کرتے ہوئے حضرت کعب بن زُہیرؓ کے قصیدے کا حوالہ شاید اسی لیے دیا کہ محسن کے اجتہاد کو روایت کا پس منظر میسر آجائے۔ اقبال جاوید نے امیر مینائی اور حالؔی کی نعتیہ تخلیقات پر بھی تنقیدی رائے دی ہے جس میں ادبی و فنی نکات کی تحسین کے ساتھ ساتھ افادی ادب کی اصلح قدروں کا معیار بھی ان کے پیشِ نظر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "محسن کاکوروی کے بعد امیر مینائی قابلِ ذکر ہیں۔ وہ محسن سے متاثر ہیں۔ انہوں نے بھی نعت کو بطور مقصد اپنایا اور ایک ایسا نعتیہ سرمایہ چھوڑ گئے جو اپنے اندر عقیدت کا جوش، تاریخ کی واقعیت اور سیرت کا تذکرہ لیے ہوئے ہے۔ ان کے بعد حالؔی آتے ہیں جنھوں نے نعت کو صرف محاسن نبوت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دردمندانہ بیان کے ساتھ ضم کر کے یوں پیش کیا کہ غمِ جاناں، غمِ دوراں بن گیا۔ حالؔی کے ہاں لفظی صناعی کی بجائے اظہار کی سادگی ہے اور اس سادگی میں دل کا خلوص اور تغزل کا لوچ بھی شامل ہے اور اسی نقشِ قدم پر آج کا شاعر چل رہا ہے۔

حالی کا مسدس ایک پر درد نعت ہے۔ تاریخی صداقتوں اور شعری لطافتوں نے اسے ادبی شاہ پارے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا محرک بھی بنا دیا ہے جس میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے رموز مضمر ہیں۔ کہتے ہیں کہ فنی لحاظ سے اگر غالبؔ نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مقصدی نقطہء نظر سے اگر حالیؔ نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے"۔ (۲۲)

یہاں پروفیسر اقبال جاوید کی آواز ممتاز حسن کی آواز سے مل جاتی ہے۔ دونوں نقادوں کی تنقیدی دانش نے حالیؔ کو نعتیہ شاعری کے سلسلے میں ایک اہم ستون تسلیم کیا ہے۔ مقصدی شاعری کے آغاز میں حالیؔ کی توانا شاعری کا وجود اقبال کے آفاقی آہنگ کے لیے ناگزیر بتانا بھی اقبال جاوید کی تنقیدی بصیرت کا بین ثبوت ہے۔

اقبال جاوید نے ظفر علی خاں، مولانا احمد رضا خاںؒ اور عہدِ جدید کے شاعر عبدالعزیز خالد کی شاعری پر بڑی جچی تلی رائے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مولانا ظفر علی خاں ایک قادر الکلام شاعر اور بدیہہ گو کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔۔۔ان کی نعتیں 'نقشِ جاوید' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں فکر کی بلندی، الفاظ کا دبدبہ اور عشق کا سوز موجود ہے۔ انہوں نے تاریخ اسلام کے واقعات کو بھی نظم کیا ہے اور اسوۂ رسولؐ کے مختلف پہلوؤں کو بھی بیان کیا ہے۔ الغرض ان کے کلام کا یہ حصہ دل کی عقیدتوں اور قلم کی جولانیوں کا ایک دلکش اظہار ہے"۔ (۲۳)

احمد رضا خاںؒ کی شاعری پر اقبال جاوید یوں تبصرہ کرتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاںؒ کو بھی دنیائے نعت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان کی شاعری، حمد، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں جذبات کی شدت ہے مگر انداز کا حسن لیے ہوئے۔ عشق کا عمق ہے مگر اسلوب کی سادگی کے ساتھ، ارادت کا جذبہ ہے مگر تغزل کی نشتریت میں چھپا ہوا۔ عشق رسول ﷺ کا جو والہانہ پن مولانا کی شخصیت اور شاعری میں نظر آتا ہے اس نے ان کی نعت گوئی کو ایک مستقل ادبی حیثیت دے دی ہے۔ کیوں کہ وہی فن پارہ عظیم ہوتا ہے جو فنکار کی شخصیت کا سچا اور اجلا عکس ہو"۔ (۲۴)

عبدالعزیز خالدؔ کے کلام پر رائے دیتے ہوئے اقبال جاوید نے لکھا:

"ان [عبدالعزیز خالد] کی نعت گوئی، قدیم و جدید فکر، اساطیری اور تاریخی روایات و تلمیحات اور قرآنی ادب کا ایک قابلِ قدر علمی اظہار ہے۔ وہ مصرعوں اور جملوں میں تاریخی وسعتیں سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے نعت کی وہی روایت ہے جو کعب بن زہیرؓ سے لے کر محسن کاکوروی تک محیط ہے۔ محسن کی طرح انہوں نے بھی نعت کو رسم کی بجائے مدعا و مقصود بنایا ہے۔۔۔خالد نے فن نعت کو ایک نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے۔ ان پر یا تو کسی شاعرِ عہدِ عتیق کا دھوکہ ہوتا ہے یا کسی شاعرِ فردا کا تصور ابھرتا ہے"۔ (۲۵)

نعت کے قابل ذکر شعراء کے اندازِ نگارش پر اقبال جاوید کا تبصرہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ انہوں نے ہر نعت گو کی

شاعرانہ حیثیت کو پرکھنے اور نعتیہ مضامین سے شعراء کے اظہاری رجحانات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی تنقیدی دانش بروئے کار لاتے ہوئے جچی تلی رائے دی ہے۔ مقدمے میں اقبال جاوید نے نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا احوال بھی قلم بند کیا ہے اور بیان کی خوبیاں سموتے ہوئے نعت سے متعلق احتیاط طلب امور کی طرف اشارے بھی کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> "نعت گوئی کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دل دھڑکتے ہیں، روح کانپتی ہے، قلم لرزتے، زبان لڑکھڑاتی اور سانس اکھڑتی ہے۔ اگر کسی قلم میں نعت گوئی کی صلاحیت موجود ہے تو یہ بھی اللہ کا کرم اور حضورؐ کی عنایتِ خاص ہے اور اسی عنایت سے دلوں کے حجاب دور ہوتے، فکر ونظر کے ایوان کھلتے، درماندہ ہمت پاتے اور پسماندہ آگے بڑھتے ہیں۔ اسی فیض سے، زبانوں کو تکلم کا حسن عطا ہوتا اور قلم میں پرِ ہما کی جنبش پیدا ہوتی ہے۔ گویا نواؤں میں سوز اور زمزموں میں نور، حضورؐ ہی کا کرم ہے"۔(۲۶)

درجِ بالا اقتباس سے اقبال جاوید کا تنقیدی منہاج ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نعتیہ شاعری کو فن کے پیمانوں سے ناپنے کے قائل تو ہیں لیکن اس شاعری کے تقدس سے خود بھی آگاہ ہیں اور دوسروں کو بھی موضوع کی نزاکتوں سے اس طور آشنا کرتے ہیں کہ ان کے بیان کا حسن، ان کے احساس کی ساری لطافتیں، قاری کے دل تک منتقل کر دیتا ہے۔ اقبال جاوید رومانوی تنقیدی دبستان (RomanticCriticism) کے نمائندہ نقاد ہیں۔

iv۔نعت کائنات:

راجا رشید محمود نے اپنی زندگی نعتیہ مضامین کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ نعت کے سلسلے میں ان کا کام بہت وسیع ہے۔ نعت کائنات ان کے منتخب کردہ نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جس کا مقدمہ اپنے اندر ایک مستقل کتاب کا "لوازمہ" سمیٹے ہوئے ہے۔ اس مقدمے کی ہر سطر کو راجا صاحب نے مستند بنایا ہے اور حوالوں سے مزین کیا ہے۔ اس مقدمے کی خوبی یہ ہے کہ ۹۵۸ حوالوں میں بہت سے تشریح طلب یا تصریح طلب امور پر انہوں نے حاشیے لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ تحقیقی شان لیے ہوئے ہے۔ اس میں نعت کے موضوعات پر مختلف ذیلی سرخیوں کے تحت لکھا گیا ہے مثلاً 'نعت کا لغوی معنیٰ'، 'احادیث میں نعت کا لفظ'، 'وصف، مدح اور نعت'، 'نعت کا اصطلاحی معنیٰ'، 'نظم ونثر میں مدحِ سرکار (ﷺ)'، 'شاعری'، 'نعت کیا ہے'، 'اولین نعت'، 'یثرب کی بچیاں'، 'اعشیٰ بن قیس'، 'ورقہ بن نوفل'، 'قیس بن ساعدہ'، 'تبع' (شاہ یمن)'، 'حضرتِ کعب بن لوی'، 'اولین نعت'، 'اولیاتِ نعت'، 'عربی نعت'، 'صحابہ کرام کی نعت'، 'عربی نعت گوئی کا تذکرہ'، 'نعت صحابہ کے مضامین وموضوعات'، 'برصغیر کے عربی نعت گو'، 'فارسی نعت'، 'اردو کا اوّلین نعت گو'، 'اردو نعت کے مختلف ادوار'، 'نعت گوئی میں احتیاط'، 'نعت کا انداز واسلوب'، 'نعت کی قسمیں'، 'رسمی نعت'، 'صرف نعت کہنے والوں کی نعت'، 'باادب شاعروں کی نعت'، 'احتیاط پسندوں کی نعت'، 'زیادہ احتیاط پسندوں کی نعت'، 'غزل گوؤں کی نعت'، 'دنیوی مفاد کے لیے کہی جانے والی نعت'، 'محفلوں میں پڑھی جانے والی نعت'، 'اردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر'، 'نعت کے ماخذ ومنابع'، 'کیا حضور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں؟'، 'نعت کے موضوعات'، 'لوازمِ نعت'، 'محرکاتِ نعت'، 'غیر مسلموں کی نعت'،

'نعت پر تنقید'، 'انتخابِ نعت' اور 'نعت کا ہیئتی تنوع'۔

حقیقت یہ ہے کہ راجا رشید محمود نے صرف اپنی کتاب ''نعت کائنات'' کا مقدمہ نہیں لکھا ہے بلکہ نعتیہ شاعری کے پس منظر اور پیش منظر اور موضوعات کے تنوع کے بیان کے لیے ایک مبسوط مقالہ قلم بند کر دیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ناشر نے ان کے اس مقالے کو جس کے حواشی و تعلیقات ہی کم و بیش ۲۷ صفحات میں آئے ہیں اس قدر چھوٹے خط (یا حروف) میں شائع کیا ہے کہ اس کا پڑھنا محال ہے۔ تین چار سو صفحات کی کتاب کا لوازمہ چھوٹے حروف میں بھی ۹۰ صفحات پر پھیل گیا ہے۔ چھوٹے حروف میں شائع کرنے کی وجوہات جو بھی ہوں، اس مقدمے کی افادیت کا تقاضا تھا کہ اسے اتنے ہی جلی حروف میں چھاپا جاتا جتنے جلی حروف میں نثری لوازمہ چھپنا چاہیے۔

بہر حال اگر دیکھا جائے تو کسی نعتیہ انتخاب کا مقدمہ راجا رشید محمود کے مقدمے سے زیادہ تحقیقی اور تنقیدی نہیں کہا جا سکتا کیوں یہ واحد مقدمہ ایسا ہے جس میں باقاعدہ عنوانات مقرر کر کے گفتگو کی گئی ہے اور ہر عنوان کے تحت تحقیقی لوازمہ (matter) جمع کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر میں ''نعت پر تنقید'' کا عنوان قائم کر کے اردو نعتیہ سرمائے میں تنقیدی رجحانات کی کچھ نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ نعت پر تنقید کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

> ''نعت کے بارے میں تو عمومی رویہ یہی ہے کہ یہ تنقید کی نہیں تحسین کی چیز ہے۔ حالانکہ اس صنف کے بارے میں انتقادیات کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اس میں صرف زبان و بیان اور شاعر کے تاثرات اور اس کے بیان کردہ موضوعات و مضامین کا ابلاغ ہی سب کچھ نہیں ہے، یہاں اسلامی تعلیمات کی قائم کردہ حدود و قیود کی پاسداری بھی لازمی ہے۔ یہاں نعت گو اگر ایسا مضمون اختیار کر لے جس میں حضور فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کہہ دے تو گویا کفر کا کلمہ اس کے منہ سے نکل گیا۔ اگر وہ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام سے فروتر کوئی لفظ، کوئی خیال، کوئی تشبیہ یا استعارہ یا کوئی مضمون استعمال کر گیا تو اس کے سارے اعمال حبط ہو گئے۔ یہ قیود، یہ حدود، زبان و بیان اور اسلوب و انداز کی خامیوں کے علاوہ ہیں اس لیے یہاں تنقید کی ضرورت نسبتاً زیادہ ہے۔ مجموعہ ہائے نعت میں تقاریظ کے نام سے جو کچھ چھپتا ہے، بعض اوقات ناجائز اور ناگوار تعریف کے ضمن میں آتا ہے۔ عام طور پر اس میں شاعر کو دوسرے تمام نعت گوؤں سے برتر ہی قرار دے دیا جاتا ہے۔ رسائل و جرائد میں 'تبصرہ' کے التزام کے تحت جن مجموعہ ہائے نعت کا تعارف دیا جاتا ہے، وہاں بھی صورت کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ اور پھر تقریب رونمائی یا تقاریب تعارف کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے، وہ بھی ستائشِ باہمی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے میں شدید ضرورت ہے کہ تنقید کے ذریعے شاعری اور خاص طور پر نعت کے ممنوعات متعین کیے جائیں۔ حدود طے ہوں، محاسن و معائب کی نشاندہی ہو اور ہوتی رہے تا کہ نعت کے نام سے ہر شاعر جو کچھ اس کا دل چاہے، نہ کہتا رہے اور معیاری نعت وجود میں آئے یا فروغ پائے''۔ (۲۷)

درج بالا اقتباس سے اردو نعتیہ سرمائے کے سنجیدہ تنقیدی مطالعے کا رجحان مترشح ہے۔ دراصل نعتیہ ادب میں

تنقید کی ضرورت بہت پہلے سے محسوس کی جارہی تھی لیکن راجارشید محمود نے اپنے مرتب کردہ نعتیہ انتخاب میں پہلی بار تنقید کا خصوصی ذکر بھی کیا ہے اور تنقید کے لیے نعت کی پرکھ کے کچھ اصول بھی اجمالاً بیان کردیئے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ 'نعت کے ممنوعات'' متعین کیے جائیں''۔ نعت گوئی کے 'حدود طے ہوں''، نعتیہ مضامین کے 'محاسن و معائب' کی نشاندہی ہو اور ہوتی رہے'۔ یہ سب باتیں ان کے تنقیدی شعور کی عکاس بھی ہیں اور نعتیہ شاعری کے معیارات کے استخفاف پر ان کے دل کی کڑھن کی ملفوظی تصویر بھی۔ اردو نعت کے انتقادی سرمائے کے تحقیقی مطالعے میں راجارشید محمود کی یہ تحریر بنیادی حوالے کی اہمیت کی حامل ہے۔

راجا رشید محمود نے اپنے مرتب کردہ انتخاب نعت کا جواز ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> ''ہر اچھا شاعر نعت میں اپنا الگ تشخص رکھتا ہے۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مضامین کو اسلوب کی نیرنگی کے ساتھ ادا کرتا ہے تو جو حسن پیدا ہوتا ہے، وہ پڑھنے سننے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ اور اگر نعت گو قرآن و احادیث کی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام سے کسی حد تک آگاہی کے ساتھ نعت میں جولانی طبع دکھائے تو اس کی کوشش محبوب و مستحسن ٹھہرے گی۔ راقم الحروف نے نعت کے اچھے شاعروں میں سے چند ایک کا کلام مرتب کر کے اس لیے شائع کیا ہے کہ نعت کے مختلف انداز و اسلوب، حال میں نعت سے محبت رکھنے والوں اور مستقبل میں نعت پر کام کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہیں''۔ (۲۸)

راجارشید محمود نے نعت کے احیاء کے موجودہ دور میں نعتیہ شاعری میں اسلوب، مافیہ اور پیش کش میں بہت سی خامیاں محسوس کی ہیں اور ان خامیوں کو دور کرنے کی غرض سے اپنے معیارِ شاعری کو 'انتخاب'' کی شکل میں پیش کر کے عہدِ حاضر کے نعت گو سے یہ کہنے کی کوشش کی ہے ع

دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور نعتیں!

نعت کائنات کے مرتب اور مقدمہ نگار کا یہ تنقیدی رویہ ''تشریعی تنقید'' (Judicial/Legislative Criticism) کے دبستان سے ان کی ذہنی وابستگی ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے بن جانسن کی ایک تحریر کا حوالہ دیدینے سے میرا نقطۂ نظر واضح ہو جائے گا:

> ''بہتر اور کامیاب قلم کاری کے لیے تین اصولوں کی پابندی لازمی ہے۔ بہترین مصنفین کی تخلیقات کا مطالعہ، بہترین مقررین کے خطبات سے بہرہ وری اور اسلوب میں پختگی کے لیے محنت و مشقت۔۔۔ ایک نوآموز کے لیے بہترین مصنفین کی کوششوں کا مطالعہ اشد ضروری ہے کیونکہ اپنے خیالات کے برعکس دوسروں کے خیالات سمجھنے میں ذہن اور یادداشت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ پس بہترین مصنفین کے خیالات و افکار سے گہری واقفیت رکھنے والے جب انہیں خود میں جذب کرلیں گے تو کسی حد تک ان ہی کا جزو بن جائیں گے اور یوں وہ اپنے خیالات کے اظہار میں غیر شعوری طور سے ہی سہی، بہت سی باتیں ان بہترین مصنفین جیسی بھی کہہ جائیں گے''۔ (۲۹)

چنانچہ نو واردانِ بساطِ نعت کی رہنمائی کے لیے راجارشید محمود نے ایک وقیع نعتیہ انتخاب مرتب کردیا ہے جس میں

قدیم وجدید شعراء کی اچھی نعتیں یکجا کر دی گئی ہیں۔

۷۔ مستند نعتیہ کلام:

اس نعتیہ انتخاب کی خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے ''مستند نعتیہ کلام'' کا نام رکھا گیا ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ مرتب کتاب نے نعتیہ شعری نزاکتوں کو ملحوظ رکھ کر صرف ایسی نعتیں شامل کتاب کی ہیں جن کا ''مافیہ'' یا CONTENT مرتب کے خیال و فکر کے مطابق ''استنادی شان'' کا حامل ہو۔

اس کتاب کا مقدمہ معروف عالمِ دین مفتی محمد تقی عثمانی نے بعنوان ''نعت اور اس کے آداب'' لکھا ہے۔ اس مقدمے میں زیادہ تر گفتگو تو نعتیہ شاعری کے مافیہ (content) کے ضمن میں ہوئی ہے لیکن بعض جگہ جمالِ شعری کے اظہار کے لیے روایتی میزانِ نقد کے اصولوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ مقدمہ نگار نے شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شعر انسانی جذبات کے اظہار کا موثر ترین ذریعہ ہے اور انسانی جذبات میں بھی جذبہ محبت کے اظہار کے لیے شعر کی زبان سب سے زیادہ موزوں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ شعر کا اصل موضوع ہی محبت ہے''۔(۳۰)

جذبات کو شعر کی بنیاد جاننا بھی ناقدینِ فن کا معیار رہا ہے لیکن بعض ناقدین نے جذبے کے حوالے سے کچھ اہم باتیں بھی کی ہیں۔ مثلاً ورنن بلیک (Vernon Blake) نے کہا ہے:

"A delicate balance between freedom of emotion and controlling Judgement is a quality of great art" (ایک اعلیٰ فن پارے کا نمایاں وصف یہی ہے کہ اس میں جذبات کی طوفانی امنگ اور شعور کی بندش کے درمیان اعتدال و توازن کو قائم کر دیا گیا ہو)(۳۱)

تخلیقی عمل کی اساس جاننے کی کوشش ہی تنقیدی عمل ہے۔ اس لیے مفتی عثمانی کا اپنے مقدمے میں تخلیقی عمل کے بنیادی محرک کے طور پر ''محبت'' کا ذکر بھی ان کے تنقیدی شعور کا غماز ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ شعر کا موضوع محبت ہے اور محبت کا اصل موضوع حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہونی چاہیے اور شعر در حقیقت وہی شعر ہے جو اللہ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں کہا گیا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی محبت کا یہ موضوع صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا جائے اور اس کا نام 'نعت' رکھ دیا جائے اور کبھی اسے استعارے کا لباس پہنا کر اسے 'غزل' سے تعبیر کر دیا جائے اور چونکہ بلاغت کا یہ قاعدہ صدیوں سے مسلّم چلا آتا ہے کہ 'الکنایۃ ابلغ من التصریح' [یعنی کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے] اس لیے بڑے بڑے متدین شعراء نے بھی عشقِ حقیقی کے اظہار کے لیے حمد و نعت کے بجائے غزل کا پیرایہ زیادہ کثرت سے استعمال کیا۔ یہاں تک کہ غالب نے کہہ ہی دیا ہے کہ:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو   بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (۳۲)

غزل کی روایت میں تصوف کے اجزا کی آمیزش کی وجہ سے ہر شعر کو ذو معانی سمجھا جاتا ہے۔اس طرح ایک شعر کا ایک مفہوم 'عشقِ حقیقی' ظاہر کرتا ہے تو دوسرا مفہوم 'عشقِ مجازی' کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔حافظ شیرازی کی شاعری میں تمام علامات مجازی عشق کی ہیں لیکن اہلِ تصوف نے ان علامتوں میں 'کنایہ' محسوس کیا اور حافظ کو تصوف ،یعنی عشقِ حقیقی کا بہت بڑا شاعر قرار دے ڈالا۔غالب کے درج بالا شعر میں مشاہدۂ حق کے لیے مجاز کے سہارے کا ذکر ہوا ہے جس کی بنا پر مفتی محمد تقی عثمانی نے غزل کی ایمائیت میں عشقِ حقیقی کے آثار دیکھے ہیں اور ان آثار کو اردو شاعری کے ضمن میں شعراء کے غالب رجحان کے طور پر ظاہر کیا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے غزل کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' (۳۳)۔کشفی مرحوم کے اس مضمون کی روشنی میں اگر ہم مفتی عثمانی کے بیان کو جانچیں تو ہمیں وہی فکری زاویہ نظر آئے گا جس کے تحت غزل کے اشعار کو دو طرح سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔بہر حال 'کنایہ' کا حوالہ دے کر مفتی عثمانی نے غزل کی معنوی وسعتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو ایک تنقیدی جہت ہے۔

مفتی عثمانی کی تحریر ہی سے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''نعت کا موضوع چونکہ براہِ راست (مجاز و استعارہ کے بغیر) حضور سرورِ عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اس لیے یہ شاعری کی افضل ترین صنف ہے۔اسے شاعری کی آبرو کہنا چاہیے اور مسلمان شعراء نے اس پر نو بہ نو اسالیب کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے''۔(۳۴)

اس عبارت سے مترشح ہوا کہ مفتی صاحب نعتیہ شاعری میں نو بہ نو اسالیب کی موجودگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔وہ نعت کا صرف مافیہ content نہیں دیکھتے ہیں بلکہ طرزِ اظہار کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فن کی باریکیوں کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

> ''علمِ عروض وقوافی اور علمِ بیان و بدیع کی کوئی صنف نہیں ہے جو نعت میں نہ برتی گئی ہو اور اس مقدس صنفِ سخن کے ذریعہ شعر و ادب کی ثروت میں اتنا اضافہ ہوا کہ شاید کسی اور موضوع میں شاعری کی مختلف جہتیں جمع نہ ہوئی ہوں۔یہاں تک کہ متعدد شعراء نے بدیع کی مختلف صنعتوں کا تعارف ہی نعتیہ اشعار سے کرایا اور بدیع کی ہر صنف کی مثال میں نعتیہ اشعار کہے''۔(۳۵)

اس اقتباس سے مفتی عثمانی کے منہاجِ تنقید میں روایتی شعری محاسن کی تحسین کا رویہ نمایاں ہے۔نعت کے نفسِ مضمون کی صائب بنت کے بغیر خالی شعری حسن کے ساتھ کوئی شعرِ نعت کا اچھا شعر نہیں ہو سکتا۔اسی لیے مفتی تقی عثمانی نے اس طرف خصوصی توجہ مبذول کروانے کے لیے کچھ مثالیں دی ہیں۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''ہر ہر قول و فعل کے کچھ آداب بتائے جاتے ہیں۔ان تمام آداب کی کما حقہ رعایت کے بغیر کوئی نعت نہ شریعت کے مطابق ہو سکتی ہے اور نہ یہ کوئی حقیقی محبت کا تقاضہ ہے کہ محبوب کے ارشادات کے خلاف کر کے اس کی تعریف و توصیف کی جائے۔مثلاً خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ: 'لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی بن مریم' [بخاری شریف] ''میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو

كما اطرت النصارىٰ عيسى بن مريم'[بخاری شریف]''میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے میں کیا۔۔۔ ہر وہ شعر جو شرک کی ادنیٰ بو لیے ہوئے ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خدائی صفات منسوب کی گئی ہوں یا اس کا کوئی شبہ پیدا ہو وہ درحقیقت نعت نہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاذ اللہ بغاوت ہے۔ لہٰذا اس قسم کے اشعار (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ

اللہ کے قبضے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

نعت تو کیا ہوتی؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا کھلم کھلا انکار ہے اور اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو شاعرانہ خیال آفرینی کے پردے میں گوارا کر لینا درحقیقت نعت جیسی پاکیزہ و مقدس صنفِ سخن کی توہین ہے جو کسی بھی صاحبِ ایمان کے لیے قابلِ برداشت نہیں ہونی چاہیے''۔(۳۶)

اسی طرح مفتی تقی نے امیر مینائی کے اسلوب اور ان کے شعری مافیہ کی تعریف بھی کی ہے اور ان ہی کے بعض اشعار کی گرفت بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جناب امیر مینائی جیسے شاعر جو نعت ہی کی وجہ سے مشہور ہیں اور بجا طور پر مشہور ہیں وہ بھی بسا اوقات یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھ سکے اور اس قسم کے اشعار کہہ گئے ہیں کہ:

مختارِ کل ہو مالکِ روزِ جزا ہو تم
رحمت کا ہے مقام کہ خاص خدا ہو تم

اب 'مالک روز جزا' مالک یوم الدین کا ترجمہ ہے جو سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاص بیان کی گئی ہے۔ اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لیے خواہ مجازی معنی میں ہو انتہائی خطرناک ہے''۔ (۳۷)

اسی طرح مضمونِ نعت کی نفاست اور راست سمتی کے لیے انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ:

''نعت میں کسی دوسرے پیغمبر کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی یا ان کی ادنیٰ تنقیص لازم آئے کسی طرح جائز نہیں''۔(۳۸)

نعت میں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے کملی والے کے الفاظ کا استعمال بھی مفتی عثمانی کے نزدیک لائقِ گرفت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بعض روایتی نعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جس انداز سے 'کالی کملی والے' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کم از کم راقم الحروف کو ان الفاظ سے حضور والا مرتبت کا تذکرہ کرتے ہوئے دل لرزتا ہے''۔(۳۹)

اپنے مقدمے میں مفتی تقی عثمانی نے ممنوعاتِ نعت کے ذیل میں یہ بھی بتایا ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو شعر میں بیان کرنے کے لیے علم و قدرتِ بیان دونوں

کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب ہو جائے جو آپ کے منشا کے خلاف ہو"۔(۴۰)

عام طرزِ غزل کو بھی مفتی عثمانی نعت کے تقدس کے خلاف جانتے ہیں:

"حسن و جمال کا بیان بھی نعت کا موضوع ہے لیکن ان میں ادب و احترام کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ کسی کے حسن و جمال کا بیان چونکہ غزل کا موضوع ہوتا ہے اس لیے بعض اوقات نعت میں بھی غیر شعوری طور پر غزل کے اسالیب داخل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اشعار میں ایسی سوقیت پیدا ہو جاتی ہے جو نعتِ رسول کی عظمت و وقار کے منافی ہوتی ہے"۔(۴۱)

غزل کے قابلِ گرفت انداز کی وضاحت کرتے ہوئے امیر مینائی کے چند اشعار کی مثال دی ہے:

"جب وہ [امیر مینائی] حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

اب تو للہ الٹئے رخِ انور سے نقاب دل جگر سینے میں آرام نہیں لیتے ہیں
آپ کے عارض و گیسو کے جو دیوانے ہیں چین وہ صبح سے تا شام نہیں لیتے ہیں

اور یہ کہتے ہیں:

بے حجابانہ اٹھا دو رخِ انور سے نقاب دل میں جب آئے تو پھر آنکھ میں پردہ کیا ہے

تو یہ اشعار نعت کے نہیں، کسی غزل کے معلوم ہوتے ہیں اور یہی وہ نقص ہے، جس سے نعت کو بچانا ضروری ہے"۔(۴۲)

مفتی تقی عثمانی کے مقدمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مدحِ مصطفےٰ ﷺ کو فن کی اعلیٰ اقدار کے تحت پیش کرنے پر زور دیا گیا ہے:

"یہ بھی ضروری ہے کہ نعت میں اچھے شعر کی تمام ادبی خصوصیات موجود ہوں۔ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ اس ذاتِ والا صفات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ مبارک اور آپ کی مدح و توصیف پھسپھسے انداز میں کی جائے جس سے سننے اور پڑھنے والے پر کوئی تاثر قائم نہ ہو"۔(۴۳)

"مستند نعتیہ کلام" کے مقدمہ نگار نے قابلِ مطالعہ اور لائقِ تحسین کلام کی مثالیں بھی پیش کر دی ہیں۔ مثلاً

"انہوں (امیر مینائی) نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن و جمال کا تذکرہ بھی ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا:

حلقے میں رسولوں کے وہ ماہِ مدنی ہے کیا چاند کی تنویر ستاروں میں چھنی ہے

نیز فرماتے ہیں:

پسند آتا ہے کتنا مسکرانا غنچۂ گل کا شباہت دل کو یاد آتی ہے حضرت کے تبسم کی
حقیقت پوچھ لے مجھ سے کوئی فردوس و طوبیٰ کی رخِ احمد کا پرتو ہے، قدِ احمد کا سایہ ہے(۴۴)

مفتی عثمانی لکھتے ہیں:

"حالی کے اشعار دیکھیے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا   مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

کتنے سادہ اور کتنے بے تکلف اشعار ہیں۔ لیکن پر اثر اتنے کہ انسان مرحبا اور صل علیٰ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جناب ظفر علی خان کے یہ نعتیہ اشعار دیکھیے:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو   ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے   اس نور اولیں کا اُجالا تمہیں تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا   سب غائتوں کی غایتِ اولیٰ تمہیں تو ہو

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے   جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہیں تو ہو

ان اشعار کا پڑھنے والا شعروں کی سادگی کے باوجود یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہتا کہ یہ آواز کسی محبت بھرے دل سے ابل رہی ہے۔ بات در حقیقت یہ ہے کہ محبت ہی وہ چیز ہے جو شعر کو الفاظ کا مناسب پیراہن عطا کرتی ہے"۔(۴۵)

مفتی تقی عثمانی نے امیر مینائی کے کچھ اور اشعار بھی لکھے ہیں نیز بہزاد لکھنوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ و مولانا اسعد اللہ وغیرہم کا کلام بھی اچھی شاعری کے نمونوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان تمام مثالوں سے ان کے اندازِ تحسین اور اسلوبِ تنقید کے خدوخال روشن ہوتے ہیں، جن میں فن کی کلاسیکی قدروں کا احترام اور شعری متن کی واقعیت اور درستگی پر زور دیا گیا ہے۔ ان کا تنقیدی شعور شعری متن کے حوالے سے بھی استناد کی پرکھ کا ضامن ہے اور فن کی لطافتوں کے حوالے سے بھی ان کی آگاہی کا عکاس ہے۔ مفتی تقی مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف کو بھی نعت کا جزو سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ہماری شاعری کا ایک بڑا دلکش پہلو مدینہ منورہ کی تعریف و توصیف ہے۔ اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار اس کی زیارت کا شوق اور اس کی دلکش یادوں کا بیان ہے اور اس پہلو پر بھی نعت گو شعراء نے نت نئے انداز سے طبع آزمائی کی ہے۔۔۔ عربی شاعری میں مدینہ منورہ کے قریب واقع وادی عقیق پر بہت سے قصیدے کہے گئے ہیں۔ علامہ بوصیریؒ کا مشہور قصیدہ بردہ مدینہ طیبہ کی ایک قریبی بستی ذو سلم کی یاد سے شروع ہوا ہے اور مدینہ طیبہ کی تعریف و منظر کشی عربی نعتیہ شاعری کا ایک لازمی جزو بھی جاتی ہے۔۔۔ مدینہ منورہ کی یاد اور اس کی زیارت کا شوق جس کثرت سے اردو شاعری میں ملتا ہے اور اس میں جو سوز و گداز پایا جاتا ہے شاید عربی شاعری میں وہ بات نہیں ہے۔ امیر مینائی فرماتے ہیں:

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں   حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

اور

گھر سے کہیں اچھا ہے مدینے کا مسافر یاں صبح وطن شام غریب الوطنی ہے''(۴۶)

''مستند نعتیہ کلام'' کا مقدمہ ایک عالمِ دین کا لکھا ہوا ہے۔اس لیے یہ جامع بھی ہے اس میں تصور تنقید بھی نکھرا ہوا ہے۔مفتی عثمانی نعت کے متن سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں اور زبان و بیان کے مختلف اسالیب اور ان کے حسن و قبح سے بھی واقف ہیں۔انہوں نے کسی شعر کی گرفت کی ہے تو اس کا جواز بھی موجود ہے اور اگر تحسین کی ہے تو اس کی دلیل بھی ہے۔ اس تنقیدی اسلوب پر تشریحی تنقید دبستان (Judicial Criticism) کا پرتو صاف دیکھا جا سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی فن پارے کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کے اہل ہیں اور اسی صلاحیت کے باعث اپنی Analytical approach کا اظہار کرنے پر قادر بھی ہیں۔

vi۔جمال اندر جمال:

نعت کا یہ انتخاب ان نعتوں پر مشتمل ہے جن کی تخلیق کے لیے مصرعہ ہائے طرح دینے کی بجائے شعراء کو صرف ''ردیفیں'' بتادی گئی تھیں۔سال کے بارہ مشاعروں میں پڑھا جانیوالا کلام ''جمال اندر جمال'' کے نام سے ترتیب دیدیا گیا ہے۔اس کا مقدمہ بعنوان ''ایک خوبصورت نعتیہ سلسلہ'' راغب مرادآبادی نے لکھا تھا۔

اس مقدمے میں ردیفوں کے ذکر سے، بحروں کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جو فن کی معروف اقدار کے حوالے سے تاریخی نوعیت کے تبصرے کا حصہ بنا۔راغب مرادآبادی نے لکھا:

> ''بات دراصل یہ ہے کہ جو بحریں مترنم اور ہمارے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں ان کی طرف شعراء زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ سامعین کو بھی زیادہ متاثر کرتی ہیں۔اہلِ ایران نے عربوں کی ان بہت سی بحروں کو نظر انداز کر دیا جو ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی تھیں،اسی طرح اردو کے شعراء نے بھی نہ صرف عربی بلکہ فارسی شاعری کی بھی بہت سی بحروں کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا۔البتہ بعض ایسے شعراء نے، جن کی علم عروض پر گرفت مضبوط تھی، ایسی بحروں میں سے چند بحروں کو جولان گاہِ فکر بنایا۔مثال کے طور پر مرزا غالب نے بحر منسرح میں صرف ایک غزل کہی ہے اور یہ غزل بھی مرزا صاحب کی ان غزلوں میں نہیں جنھیں قبولِ عام کی سند مل چکی ہے۔لہٰذا مصرعہ طرح یا ردیف دیتے وقت بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ شگفتہ اور رواں دواں بحروں کو درخورِ اعتنا بنا سکیں گی یا نہیں۔دبستانِ وارثیہ کے زیرِ اہتمام ردیفوں کے سلسلے کا ابتدائی حصہ ہی خاصا متاثر کن ہے۔اب تک جتنی ردیفیں دی جا چکی ہیں ان پر کہی گئی نعتوں میں کافی تنوع ہے۔نعتوں کا لہجہ اور ان کے مضامین کی وسعت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ردیفوں کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے''۔(۴۷)

راغب مرادآبادی کی تحریر کا جو اقتباس ہم نے درج کیا، اس کے مطالعے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ ادب بالخصوص عروضی نزاکتوں اور بحروں کے استعمال کی فنی آگاہی کی روشنی میں رائے دی گئی ہے۔اسی لیے ردیف کے ضمن میں ہونے والے طرحی مشاعروں کی تحسین میں راغب مرادآبادی نے فنی نکات کی طرف اشارے کیے ہیں۔عروضی بحروں کے

استعمال کے شواہد پر بھی راغب مراد آبادی نے نظر ڈالی ہے اور ان پر گفتگو کی ہے۔ مثلاً

"پہلے مشاعرے میں جو نعتیں پڑھی گئیں ان کی تعداد بلحاظ بحور یہ ہے:

[۱] میرے دل سے مرے سرکار کی آئی خوشبو

[۲] اللہ اللہ مرے آقا کے نگر کی خوشبو

[۳] مدح جب ان کی لکھی ذہن نے پائی خوشبو

[۴] ساتھ چلتی ہے مدینے کے سفر میں خوشبو

[۵] اس حقیقت کی خبر لائی فضائے خوشبو

[۶] رنگ سے نور سے طیبہ کی فضاے خوشبو

[۷] پیش سرکارِ دو عالم ہے ثنا کی خوشبو

[۸] بن کے تحریک، درِ صدق و صفا کی خوشبو

یہ آٹھ نعتیں ایک ہی بحر یعنی 'فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن' میں ہیں۔ چار نعتیں:

[۱] مجھے بھائی نہیں محروں گلگزار کی خوشبو

[۲] زمانے میں کہاں اس شان اس معیار کی خوشبو

[۳] سکون دل کا ساماں احمدِ مختار کی خوشبو

[۴] بھلا کیسے نہ پہنچے اس کے گھر سے اس کے گھر خوشبو

دوسری بحر یعنی مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن میں ہیں۔ تین نعتیں:

[۱] مشام جاں کو چمن زار کر گئی خوشبو

[۲] کسی حصار کو خاطر میں لائی کب خوشبو

[۳] گیا مدینے تو مجھ کو بھی مل گئی خوشبو۔۔ تیسری بحر یعنی مفاعلن فعلان مفاعلن فعلن میں ہیں۔

اس اعتبار سے صرف تین بحریں ایسی ہیں جن میں بالترتیب آٹھ، چار اور تین نعتیں کہی گئی ہیں۔ باقی پانچ نعتیں مختلف بحور میں ہیں"۔ (۴۸)

اس اندازِ مقدمہ نگاری کو ہم "تجزیاتی تنقید" (Analytical criticism) کا نام دے سکتے ہیں کیوں کہ اس میں ایک "موضوع" [نعت] کے مشترک خیال کو کسی ایک ردیف کے ساتھ شعری پیکر میں ڈھالنے اور مختلف عروضی بحریں استعمال کرنے کی مشترک ذہنی کاوش کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ نیز اردو میں خاص خاص بحروں کے استعمال کا وسیع رجحان پائے جانے کی توجیہ ادبی تاریخ کے حوالے سے کی گئی ہے۔

vii۔ مہکا مہکا حرف حرف :

یہ کتاب بھی دبستانِ وارثیہ میں ردیفی مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کا مقدمہ "دیر آئینہ باز ہے" کے زیرِ عنوان، ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی، نے لکھا ہے جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"ان اصحابِ فکر و دانش کے ذوقِ ایجاد اور زندہ طبعی نے شگفتہ ردیفوں کے انتخاب اور تعین سے اور

> شعراء کو قوافی اور بحور کے چناؤ کا اختیار دے کر نعت کو وہ فنی، فکری اور معنوی وسعتیں دے ڈالی ہیں جن سے نعتیہ ادب نے ماضی کے ادوار سے ایک بالکل مختلف، نیا اور نادر تجربہ کیا ہے۔ قدیم نعت گوئی میں ردیف و قوافی کی دہری زنجیریں اور پھر کسی ایک بحر کا تقید فکر و خیال کے راستے میں مدافعات حائل کر دیتا تھا۔ بلکہ مضامین، قافیوں کے پابند ہو جاتے تھے اور پھر ردیف کا دنبالہ ان کی پرواز تخیل میں حائل رہتا تھا۔ اب صرف ردیف کا چناؤ اور تعین اور قوافی اور بحور کا اپنا اپنا انتخاب، ایسی ایجادی روش ثابت ہوا ہے، جس نے فکر کو نئی جہتوں اور تخیل کو ان دیکھے آفاق سے متعارف کرایا ہے۔ پہلے دور کے قوافی اور ردیفیں شاعر کو چار اطراف سے گھیر لیتے تھے۔ اب محض ایک ردیف، شش جہت میں راستہ دیتی ہے۔ وسعتوں میں جائیے، گہرائیوں میں اتریئے۔ رفعتوں میں اڑیئے۔۔۔ اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ نعت گوئی اپنے مخصوص روایتی لہجے اور کلاسیکل نہج سے ہٹ کر نت نئے اسالیب اور نوع بہ نوع افکار و مضامین سے آراستہ ہو گئی۔ شعراء نے آزادہ روی کے ساتھ سوچا اور نعت نئے نئے مظاہر اور تجلیات کا آئینہ بن گئی۔ (۴۹)

شعر میں ردیف کا استعمال فارسی اور اردو میں عام ہے۔ ردیف کے لغوی معنی ہیں[۱] وہ لفظ یا الفاظ جو ابیات یا غزل اور قصیدے کے اشعار میں قافیے کے بعد آئیں۔ [۲] حروفِ تہجی کے اعتبار سے غزلوں یا الفاظ کی ترتیب۔ [۳] پیچھے کی فوج۔ [۴] گھوڑے، اونٹ یا کسی اور سواری پر سوار کے پیچھے بیٹھنے والا شخص۔ [۵] ساتھی، رفیق، شریک، ہم نوا، ندیم۔ (۵۰)

صاحب بحر الفصاحت مولوی نجم الغنی رامپوری نے لکھا:

> ردیف اس لفظ کا نام ہے جو قافیے کے بعد آتا ہے اور دو قسم پر ہوتا ہے۔ ایک مستقل کہ براہِ استقلال حقیقی آخر ابیات میں بقید مکرر وارد ہو۔ دوسرا غیر مستقل یعنی مستقل حکمی وہ ہے جو قافیہ معمول تحلیلی میں پایا جائے کہ نصف لفظ کو قافیہ اور نصف کو ردیف ٹھہرائیں۔ مگر باتفاق جمہور یہ لفظ، خواہ کلمہ ہو یا کلام، مستقل اور متحد اللفظ و المعنی ہوتا ہے اور معنی شعر کے اس سے ایسے متعلق ہوتے ہیں کہ بے اس کے تمام نہیں ہوتے۔ مثال ردیف متفق اللفظ والمعنی کی، سودا:
>
> جو گزرے مجھ پر اسے مت کہو ہوا سو ہوا ۔۔۔ بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
>
> مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر ۔۔۔ مرے لہو کو تو دامن سے دھو، ہوا سو ہوا
>
> پہلے شعر میں ''کہو، جو''۔ دوسرے شعر میں ''دھو'' قافیہ ہے۔ ''ہوا سو ہوا'' ردیف۔ (۵۱)

ردیف کے بے کار استعمال کی بھی مثالیں نجم الغنی نے دی ہیں جن کے مطالعے سے ردیف کی اہمیت اور اس کے درست استعمال کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ہجر میں مجھ کو اگر ہو گی شفا کیا حاصل ۔۔۔ لوگ کرتے ہیں عبث میری دوا کیا حاصل
>
> دوسرے مصرع میں ''عبث'' نے ''کیا حاصل'' کو بیکار کر دیا۔ (۵۲)

بحرالفصاحت کے درجِ بالاحوالوں سے ردیف کی اہمیت اوراس کے استعمال میں قادرالکلامی کے عنصر کی ضرورت کااحساس پیداہوتا ہے۔

عاصی کرنالی، ادب کے استاد بھی تھے، شاعروادیب بھی اور نقاد بھی۔اس لیے ادب کی تاریخ ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتی تھی۔تخلیق کار ہونے کے ناتے انہیں ردیف وقوافی کے استعمال میں پیش آنے والی دشواریوں کا بھرپورادراک تھا۔پھر طرحی مشاعروں میں کسی ایک مصرع طرح پر ہونے والی مشق سے یکسانیت کی جواکتاہٹ پیداہوسکتی ہے اس سے بھی وہ آگاہ تھے۔لہٰذادبستانِ وارثیہ میں دیئے جانے والے ردیفی کلمے یا حرف کی جدت کو عاصی کرنالی نے نہ صرف بنظرِ استحسان دیکھا بلکہ اس کو سراہنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ادبی سطح پر ہونے والی مثبت تبدیلیوں کو قبول کرنے اور سراہنے کے لیے جس تاریخی شعوراور تخلیقی تجربے کی ضرورت ہوتی ہے، عاصی کرنالی نے اپنے مقدمے میں اس کا بھرپوراظہار کیا ہے۔اس اندازِ نقد کو اگر میں کوئی نام دیناچاہوں تو کہہ سکتاہوں کہ انہوں نے اصلاحی تنقید کی راہ اپنائی لہٰذاہم انہیں reformative critic کہہ سکتے ہیں۔

viii۔انتخاب نعت:

تاثراتی تنقید لکھنے والوں میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا نام نمایاں ہے۔انہوں نے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں اپنی نگارشات سے خاطر خواہ اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ سمت نمائی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔عبدالغفور قمر کے انتخابِ نعت پر بھی ان کی مختصر لیکن جامع تحریر موجود ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"نعت ہماری زبان کی شاعری کی توقیر ہمیشہ سے رہی ہے۔شہیدی، محسن کاکوروی، امیر مینائی، حالی، احمد رضا خان، اقبال، ظفر علی خاں رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے نام اور کلام سے ہماری محفلیں اور خلوتیں آباد اور منور رہی ہیں۔لیکن عہد حاضر میں نعت گوئی جیسے ایک ادبی اور قومی تحریک بن گئی ہے۔نعت کے مجموعے تو اتر کے ساتھ شائع ہور ہے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ نعتیہ شاعری کے کئی اچھے انتخابات بھی شائع ہوئے ہیں۔جناب عبدالغفور قمر کو ان انتخابات کا علم ہے اور انہوں نے ان انتخابات کا مطالعہ بھی کیا ہے اور ان کے بارے میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کیے ہیں۔ ارمغان نعت، اوج لاہور کے نعت نمبر اور نعت کائنات کے بعد بھی ایسے مزید انتخابات کی ضرورت کا ایک ثبوت انتخاب نعت ہے۔جناب قمر نے اپنی زندگی کے شب وروز نعتوں کے مطالعے اور ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوچتے ہوئے اور اس ذاتِ اقدس واعظم کو اپنے وجود کی گہرائیوں میں محسوس کرتے ہوئے گزارے ہیں۔یہ معیت اور حضوری ایک مسلمان کا عظیم ترین روحانی سفر اور تجربہ ہے۔یہی حضوری ہمیں ان کے انتخابات میں نظر آتی ہے۔عبدالغفور قمر نے نعتیہ مجموعوں کا مطالعہ گہرائی اور محبت کے ساتھ کیا ہے۔ان کا انتخاب دوسرے انتخابات کا نقشِ مکرر نہیں ہے۔۔۔۔بعض شعراء کی کئی کئی نعتیں شریک انتخابات ہیں۔ہمارے بیشتر انتخابات میں ہر شاعر کی ایک دو نعتیں شامل ہوتی ہیں اور یوں کسی شاعر کا نقش ابھر کر سامنے نہیں آتا۔انتخاب نعت میں اس تنگی کا احساس نہیں ہوتا"۔(۵۳)

ڈاکٹر کشفی کی تحریر کے درج بالا اقتباس میں ماضی میں منظرِ عام پر آنے والے انتخاب ہائے نعت سے زیرِ نظر انتخابِ نعت کے موازنے کا رجحان نمایاں ہے۔سب سے اہم بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب کا طریقِ تنقید تاثراتی یعنی Impressionistic Criticism ہے جس کے لیے والٹر پیٹر نے کہا تھا:

''یہ بالکل بجا ہے کہ اشیاء کا ان کے اصل روپ میں مشاہدہ مقصدِ تنقید ہے اور ان کے اصل روپ کو دیکھنے کا مطلب ان کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ہے''(۵۴)

تاثراتی تنقید کے علاوہ اس تحریر میں بڑی صائب ہدایت یہ ملتی ہے کہ تجزیہ اور تفہیم کے لیے کسی تخلیق کار کی تخلیقات کے زیادہ سے زیادہ نمونے پیشِ نظر ہونے ضروری ہیں۔انتخابِ نعت میں شعراء کے کلام کے ایک سے زیادہ نمونے،مرتب کتاب کے تنقیدی شعور کے بھی عکاس ہیں اور دیباچہ نگار کے لیے نکتہ رسی کا سبب بھی بنے ہیں۔

ix۔شہرِ نعت:

اس نعتیہ انتخاب کا مقدمہ ''فنِ نعت گوئی'' کے زیرِ عنوان پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی،نے قلم بند کیا ہے۔اس عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ مقدمہ نگار کے ذہن میں نعت گوئی کے کچھ معیارات ہیں جن کی روشنی میں وہ کتاب کا مقدمہ لکھ کر نعت کے تخلیق کاروں،مرتبین،اور قارئین کی توجہ ان معیارات کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں۔گویا مقدمہ نگار نے اپنے عنوان ہی سے خود کے لیے اصلاحی مقدمہ نگاری کا منصب چن لیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

''ممدوح کی یکتائی شاعر کی جولاں گاہِ شعر کو تنگ دامنی کا اسیر نہیں بناتی،اس لیے کہ مقصودِ نظر اگرچہ ایک ہے مگر اس کے اوصاف و کمالات اس حد تک لامحدود ہیں کہ بہت کچھ کہنے کے باوجود بہت کچھ کہنے کی گنجائش رہتی ہے۔یہاں تخیلات کی بلند پروازی سے زیادہ حقائق کے ادراک کی ضرورت ہے۔صفات شماری ایک قرینہ چاہتی ہے،جس کے لیے مطالعہ اور تحقیق درکار ہے۔قلتِ مطالعہ اور اوصافِ کریمانہ سے بے خبری فتنے اٹھاتی ہے اور شاعر کا قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکنے لگتا ہے۔پھر عقیدت و محبت حدود شریعت میں نہیں رہتے اور خیر البشر کے بجائے فوق البشر کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔۔۔نعت گو پر لازم ہے کہ ذاتِ ممدوح کی عظمتوں کو پیشِ نظر رکھے اور سراپا سپاس گزار رہے اور اس اعتراف کا حامل رہے کہ اس کی ساری کاوشیں فروتر ہیں اور ممدوح کے مقام و مرتبہ کا احاطہ اس کے بس میں نہیں۔نعت ایمان کی جان اور عقیدت کا حوالہ ہے اس لیے منصبِ رسالت کی رفعتوں کا احساس رہنا چاہیے۔احترام کے تقاضے نعت کو محبتوں کا گلدستہ اور نجات کا وسیلہ بنا دیتے ہیں اور نعت گو کو حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ،حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور امام بوصیری علیہ الرحمۃ کی حاشیہ برداری کا اہل بناتے ہیں۔یہ شاعری کی معراج ہے جس کے لیے دل کا گداز،نظر کی طہارت اور لب و لہجہ کی زیبائی درکار ہے''۔(۵۵)

ایک اور جگہ مسلمانوں کے اجتماعی رویوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسلمانوں پر جب بھی حالات کی ستم ظریفی کا جبر بڑھا اور بے چارگی کا ضعف گمبھیر ہوا اس رابطے نے ڈھارس بندھائی، شاعر قوم کا ناقوس ہوتا ہے اس لیے اس کی زباں پر ملی درد، التجاؤں اور استغاثوں کی صورت نمودار ہوا۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال نے عالمِ اسلام پر مایوسی طاری کر دی تو بے بسی کے عالم میں قرارِ انس و جاں کی یاد آنے لگی اور جذبات کا لاوا شعر کے روپ میں ابل پڑا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی جب ایسی پژمردگی نمایاں ہوئی تو نعت نے رحمت کے سائے پھیلائے، قیامِ پاکستان کی جد جہد پر خونِ شہیداں کی شفق ضوفگن ہوئی تو محبت و عقیدت کے زمزمے گونجے، دورِ حاضر کی قہر سامانیوں نے ہر طرف اضطراب پیدا کر دیا ہے اور یہ اضطراب گنبدِ خضرا کی دُہائیاں دے رہا ہے"۔(۵۶)

پہلے اقتباس سے مقدمہ نگار کا اصلاحی اندازِ تنقید (Reformatory Criticism) جھلک رہا تھا اور دوسرے اقتباس سے اس تنقیدی رویئے میں عمرانی پہلو بھی شامل ہو گیا۔ اس لحاظ سے پروفیسر ڈاکٹر اسحاق نے نعت کے تخلیقی محرکات کا جائزہ لیا۔ انہوں نے تاریخی منظرنامے میں پیدا ہونے والی صورتِ حالات اور اس کے نتیجے میں شعراء کا مدحِ سرورِ کائنات ﷺ کی طرف رجوعِ عام کا ذکر کیا۔ وہ بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب بھی مسلمان معاشرہ زوال و ادبار کا شکار ہوا، امت کے صلحاء اور راست فکر شعراء کی توجہ ہمیشہ اپنے نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف مبذول ہوئی اور استغاثہ نگاری کے عمل میں فریاد کی لے داخل ہو گئی۔ اس طرح پروفیسر ڈاکٹر اسحاق قریشی کا تنقیدی منہاج اصلاحی Reformatory Criticism، Sociological Criticism کے عناصر کے امتزاج کی شکل میں ظاہر ہوا۔

X۔ ایوانِ نعت:

ایوانِ نعت کا مقدمہ اس کے مرتب صبیح رحمانی نے لکھا ہے۔ اس مقدمے کا اختصاص یہ ہے کہ اس میں "دبستانِ کراچی" کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"شعر و سخن کی مجموعی فضا میں نعت گوئی کا فروغ، دبستانِ کراچی کی اولیات میں شامل ہے۔ اردو شعر و ادب کا کوئی دور ایسا نہیں جس میں نعت نہ کہی گئی ہو لیکن انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں نعت گوئی محض رسم نہ رہی بلکہ سنجیدہ ادبی کاوش بن گئی۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اردو نعت گوئی پر اپنے مطالعے میں اس پہلو پر زور دیا ہے۔۔۔۔ میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بعض شعرا نے صرف نعت گوئی کو اپنے لیے چن لیا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے، لیکن اس میں مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اردو شاعری میں ان کی حیثیت کے متعلق کچھ کہنا مشکل ضرور ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس کراچی میں کئی شاعر ایسے ہیں جنہوں نے شاعری کے دوسرے موضوعات کا حق ادا کرتے ہوئے نعت گوئی کی صف میں بھی درجۂ کمال حاصل کیا مثال کے طور پر تابش دہلوی، حنیف اسعدی، محشر بدایونی، اقبال صفی پوری، صہبا اختر، راغب مرادآبادی، سرشار صدیقی، قمر ہاشمی، قمر وارثی اور سلیم کوثر کے نام پیش کروں گا۔ یہ نازک اور مشکل مسئلہ ہے کہ نعت گو شعراء کے ادبی مرتبے کا تعین کیسے کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس نازک مسئلے کے جواب کو دبستانِ کراچی کے ان شعراء نے آسان تر کر دیا ہے جنہوں نے دوسرے

اصنافِ سخن میں اپنا نقش قائم کرنے کے بعد نعت گوئی کو اختیار کرلیا ہے''۔(۵۷)

دبستانِ کراچی کا ذکر چھیڑ کر ایوانِ نعت کے مرتب نے ایک اہم تنقیدی مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ دبستان کا ذکر نکلا ہے تو پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''دبستان'' ہوتا کیا ہے؟......اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے کہ:

''کسی بھی نظامِ فکر سے وابستہ افراد اور ان کی ذہنی کاوشوں کو دبستان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے''۔(۵۸)

لیکن اس مسئلے کی تفہیم کے لیے خود ڈاکٹر سلیم اختر نے، جے۔اے۔کڈون کی تالیف ''اے ڈکشنری آف لٹریری ٹرمز'' کا سہارا لیا ہے اور اس ڈکشنری سے ایک اقتباس بھی دیا ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسے بھی یہاں نقل کردیں:

''دبستان کی اصطلاح کا اطلاق ان بااثر اہلِ قلم کے گروہ پر ہوتا ہے جو بحیثیت مجموعی کچھ تخلیقی اصولوں پر متفق ہوتے ہیں۔بعض اوقات ان اصولوں کے بارے میں ایک اعلان نامہ(مینی فیسٹو) بھی شائع کیا جاتا ہے۔کسی دبستان کے زیرِ اثر ایسی تحریکیں بھی جنم لے سکتی ہیں جن کے اثرات مختلف ممالک تک پھیل جاتے ہیں۔اگرچہ بالعموم دبستان کوتاہ عمر ہوتے ہیں مگر ان کی بارآوری کے اثرات برسوں پر محیط ہوتے ہیں بالخصوص اس وقت جب ان کے راہنما اصول انقلابی نوعیت کے ہوں''۔(۵۹)

ان تحریروں کی روشنی میں صبیح رحمانی کا اٹھایا ہوا نکتہ ادبی سطح پر پرکھا جاسکتا ہے اور اس نکتے کی وضاحت کے لیے کراچی میں نعت گوئی اور نعت شناسی کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر ان کی رائے کی اصابت کا اثبات کیا جاسکتا ہے۔بہرحال یہ اظہر من الشمس ہے کہ کراچی میں، شمیم احمد، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، افسر صدیقی امروہوی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی وغیرہم نے نعت شناسی اور ادبی تاریخ میں اس کے محرکات اور نقوش کی تلاش کا کام پاکستان بھر میں ہونے والے ایسے کاموں سے پہلے کیا۔ یہ بات بھی پایہء ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کراچی میں نعت گو شعراء کی صف میں شامل ہونے والے بیشتر شعراء کا ادبی مقام بھی کسی نہ کسی حد تک متعین ہو چکا تھا۔اس طرح صبیح رحمانی کے تنقیدی منہاج کو ہم تاریخی تنقید (Historical Criticism) اور عمرانی تنقید (Sociological Criticism) کے امتزاج سے مماثل کہہ سکتے ہیں۔

صبیح رحمانی نے نعتیہ شاعری میں ادبی حسن کے مسئلے کو بھی چھیڑا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''آج نعت گوئی حسنِ کلام کی بھی آخری منزل کے درجے تک پہنچ چکی ہے۔بات یہ ہے کہ وہ ذاتِ گرامی جو حسن، جمال، کمال اور توازن کی آخری مثال ہے۔جس نے گفتگو و کلام کے آداب متعین فرمائے اس کا ذکر بھی ذکر کرنے والوں کے کلام کو اسی کے قائم کردہ میعار کے مطابق بنا دیتا ہے:

نظمِ ہستی میں توازن کے لیے ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰ (تابش دہلوی)

عین مدحت ہے محمد کہنا نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے (حنیف اسعدی)

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت ساری اچھائیاں ایک انسان میں (محشر بدیونی)

سارے عالم کو جزیرہ ٹھہراؤں ایک انساں کو سمندر لکھوں (ثروت حسین)

آئینے ہم نے دیکھ لیے صبح و شام کے سب عکس بے مثال ہیں خیر الانام ہے (جاذب قریشی)

انہی گلیوں نے قدم آپؐ کے چومے ہوں گے اسی مٹی میں چراغِ ابدی رکھا ہے (شبنم رومانی)

آپ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ ید بیضا کے سوا (جمیل نقوی)

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقہ ہستی کو یہ کعبہ ہے وہ طیبہ، دیکھو تو کہاں ٹھہرے (سرشار صدیقی)

ان اشعار میں علوِ تخیل بھی ہے زبان و بیان کا حسن بھی ہے اقدارِ عالیہ سے وابستگی بھی ہے اور وہ مقصدیت بھی ہے جو ادب کو زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ رہنما بناتا ہے۔ان اشعار میں آپ کو زبان کی حدود میں توسیع بھی نظر آئے گی مثلاً نام کو شاقرار دینا، مدینہ منورہ میں نبی اکرم کی اونٹنی کی نسبت سے ناقہ ہستی جیسی ترکیب اور پھر اظہار کی یہ وسعت کہ جمیل نقوی نے فارسی کے معروف شعر کو ترقی دے دی ہے:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"۔(۶۰)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقدمہ نگار نے جو اشعار مثال کے طور پر پیش کیے ہیں ان میں ادبی جمالیات کا عنصر دکھانے کی سعی کی ہے۔ یقیناً جو اشعار حوالے کے طور پر نقل کیے گئے ہیں ان میں شعری جمالیات کی اچھی مثالیں ہیں اس لیے اس تنقیدی رویئے کو ہم جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کے ذیل میں رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ تحقیقی مقالوں میں مختلف شعراء کے کلام پر دی جانے والی آراء کی تنقیدی اساس کا تعین:

تحقیقی مقالوں کی مطبوعہ کتب کی تعداد بھی اچھی خاصی ہوگئی ہے اور اب تک بہت سی جامعات میں نعتیہ موضوع پر جاری یا مکمل ہونے والے کام کی صورتِ حال بھی بڑی خوش آئند ہے۔لیکن ہم نے اب تک شائع ہونے والے مقالوں میں سے چند کا انتخاب کیا ہے تا کہ ان مقالوں میں تنقیدی محرکات تلاش کر کے ایک اندازہ کیا جا سکے کہ مقالہ نگاروں نے نعتیہ شاعری کو کن تنقیدی زاویوں کی روشنی میں پڑھا ہے؟ ہمارے انتخاب میں آنے والے مقالے درجِ ذیل ہیں:

i۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

ii۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتحپوری

iii۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

iv۔ اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید

v۔ اردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر، ڈاکٹر پروفیسر عاصی کرنالی

vi۔ اردو نعت کے جدید رجحانات، ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی

vii۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، ڈاکٹر افضال احمد انور

viii۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ix۔مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سراج احمد بستوی

i۔لکھنؤ کا دبستانِ شاعری:

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مذکورہ مقالے کا ذکر بابِ اول میں آچکا ہے۔وہیں ڈاکٹر موصوف کی یہ رائے بھی نقل کردی گئی ہے کہ محسن کاکوروی سے پہلے نعت گوئی کو مستقل فن یا مسلک کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے اختیار نہیں کیا تھا۔(۶۱)

دراصل لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، وہ پہلا مقالہ ہے جس میں کسی نعت گو شاعر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔محسن کاکوروی ہی وہ خوش قسمت شاعر ہیں جن کی نعتیہ شاعری کو ادب شناسوں نے اہمیت دی اور انہیں ایک قادر الکلام اور صاحبِ طرز شاعر کے طور پر روشناس کرایا۔ڈاکٹر ابوللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس کام کی ابتداء کر کے نعتیہ انتقادی ادب کی عمارت میں خشتِ اول رکھنے کا شرف حاصل کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ابولیث صدیقی کی تحریر سے کچھ نکات اخذ کر کے یہاں لکھ دیئے جائیں:

الف۔محسن کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔

ب۔لکھنؤ کے دبستانِ شاعری میں خارجی پہلو کا بیان نمایاں ہے لیکن محسنؔ کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے۔

ج۔محسن کے کلام پر صنعتوں کے استعمال کے باوجود آورد کا گمان نہیں ہوتا بلکہ جذبے کی صداقت کے باعث وہ آورد بھی آمد بن گئی ہے۔

د۔زبان کی صفائی بندش کی چستی، محاورہ اور طرزِ ادا کا زور لکھنؤ کے شعراء کے ہاں عام طور پر موجود ہے، محسن بھی اس میں برابر کے شریک ہیں۔(۵۷)

ہ۔محسنؔ کے کلام میں جدت ہے اور انہوں نے اپنے دامن کو اپنے ہی پھولوں سے بھرا ہے۔(۶۲)

و۔محسن کے کلام میں شگفتگی ہے۔ان کا کلام اختراعی فن کا ایک نادر نمونہ ہے۔لکھنؤ کے عام رنگ سے جدا ہے۔(۶۳)

’’لکھنؤ کا دبستان شاعری‘‘ میں محسن کاکوروی کے بارے میں جو تنقیدی رائے ملتی ہے، اس کے اہم نکات پر ایک نظر ڈالنے سے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا تنقیدی رجحان واضح ہوگیا۔وہ شاعری کو کلاسیکی روایت کے تناظر میں پرکھنے کے مؤید ہیں۔علاوہ ازیں لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کی خصوصیات کی روشنی میں محسنؔ کاکوروی کے کلام کی جداگانہ اور امتیازی شان اجاگر کرنے کا عمل تقابلی تنقیدی منہاج (Comparative Criticism) کی نشاندہی کرتا ہے۔اس طرح نعتیہ شاعری کو فن کی بنیادوں پر پرکھنے کا در، وا کرنے والوں میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا نام نمایاں رہے گا۔

ii۔اردو کی نعتیہ شاعری:

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں عمومی تنقیدی بحث کرتے ہوئے اسلوب اور فن کی تخلیقی صداقتوں کی بات کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحریر سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کر دیئے جائیں:

''شاعری میں موضوعات کے انتخاب کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ موضوع کے بے جان جسم میں روح ڈالنے کا۔ یہ روح موضوع کے خارجی پہلو میں بھی کہیں کہیں چھپی ہوتی ہے لیکن جو چیز اس کو پوری قوت کے ساتھ بروئے کار لاتی ہے وہ دراصل کسی شاعر کی فنی صلاحیت اور شخصیت ہے''۔ (۶۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''شعری تخلیق میں صرف موضوع کو اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ موضوع کو برتنے کا سلیقہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلیقے کا دوسرا نام، انداز بیان یا اسلوب ہے۔ یہ اسلوب فن کار کی شخصی قوتوں، اس کی تخیلی ندرتوں اور فنی مہارتوں کے سہارے ظہور پذیر ہوتا ہے اور یہی کسی تخلیق کو ادنیٰ و اعلیٰ وقتی و دوامی یا صحافتی و ادبی مرتبوں پر فائز کرتا ہے۔۔۔ یقیناً بعض موضوعات اہم، بعض کم اہم اور بعض اہم تر ہوتے ہیں۔ صرف یہ کہ شاعری میں ان کی اہمیت کا انحصار عام طور پر دلکش فنی اسلوب پر ہوتا ہے۔ کبھی اہم تر موضوعات شعر میں جگہ پا کر غیر اہم بن جاتے ہیں اور کبھی معمولی موضوعات اہم ترین محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ کیونکر ہوتا ہے اس کا جواب چنداں مشکل نہیں ہے۔ فن کار کی خوش ذوقی، فنی مہارت، جمالیاتی احساس، روایات کا پاس، مشاہدات و تجربات کا تنوع، قادر الکلامی اور ندرت فکر و خیال ایسی چیزیں ہیں جن کی بدولت ایک کم اہم موضوع شاعری میں اہم بن جاتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں جو چیز اہم ترین خیال کیے جانے کے لائق ہے وہ شاعر کی جذباتی صداقت ہے۔ جذباتی صداقت سے مراد فن کار کا اپنے موضوع سے وہ گہرا لگاؤ اور عقیدہ و اخلاص ہے جو اسے کسی موضوع کو شعر کا قالب دینے پر مجبور کرتا ہے۔ کوئی فن کار جب اس جہر اندروں کے ساتھ کچھ کہتا ہے تو موضوع ذہن سے گزر کر دل میں اتر جاتا ہے۔۔۔ گویا کہنے والا جب تک اپنے جذبے اپنے تجربے اور اپنے موضوع سے متاثر نہ ہو وہ اپنے کلام سے دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا''۔ (۶۶)

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کسی شاعری کے موضوع کو فنی تقاضوں اور شعری جمالیات کے ساتھ قبول کرتے ہیں اس طرح ان کا تنقیدی اسلوب جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کے دائرے میں آ جاتا ہے۔

بیدم وارثی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قبول عام کے لحاظ سے وہ (بیدم وارثی) اردو کے دوسرے نظیر اکبر آبادی ہیں، نظیر اکبر آبادی انسان کی خارجی زندگی اور اس کے ماحول کی ترجمانی کے سبب شہرت رکھتے ہیں۔ بیدم وارثی کو انسان کی داخلی زندگی کی عکاسی اور اس کے عشقیہ جذبات کی ترجمانی میں کمال حاصل ہے۔ نظیر کے یہاں جگ بیتی کا لطف ہے بیدم وارثی نے جو کچھ کہا ہے آپ بیتی بنا کر کہا ہے اور آپ بیتی و جگ بیتی میں اثر پذیری کے لحاظ سے جو فرق ہے اس سے سبھی واقف ہیں۔ کلام بیدم وارثی کی نمایاں ترین خصوصیت اس کا سوز و گداز ہے۔ ان کی شاعری کیا ہے ایک دیوانہ محبت کے دل کی آواز ہے۔ ایسی جو سننے والوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی'' (۶۷)

ڈاکٹر موصوف کا یہ تبصرہ شاعرانہ مقبولیت کے اسباب اور عوامل کی مماثلت کے موازنے سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ انہوں نے بیدم وارثی کے کلام کی مقبولیت میں نظیر اکبرآبادی کے کلام کی مقبولیت کا جوہر محسوس کیا ہے۔اس طرح اس تنقیدی منہاج کو"تقابلی تنقیدی منہاج" (Comparative Criticism) کا نام دیا جاسکتا ہے۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری پر ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔فارقلیط کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"فارقلیط دراصل ایک عظیم وطویل نعتیہ قصیدہ ہے جو اردو شاعری کی تاریخ میں اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے۔یہ صحیح ہے کہ عبدالعزیز خالد کی دوسری تصانیف کی طرح "فارقلیط" کے مطالعہ کے وقت بھی غیر مانوس تشبیہات واستعارات،اجنبی تراکیب وتلمیحات اور عربی کے اشعار وفقرات ایک عام قاری کی راہ میں حائل ہوتے ہیں لیکن بحر کی روانی اور بیان کی پاکیزگی وشگفتگی نے اس میں حسن واثر کا ایسا جادو جگایا ہے کہ عام طور پر عبدالعزیز خالد کی مشکل پسندی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اکثر مقامات پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک سچے عاشق کے جذبات پھوٹ پڑے ہیں اور حب رسول کا ایک شیریں وشفاف چشمہ بہ رہا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ بہائے لیے جارہا ہے۔عبدالعزیز خالد کی قادرالکلامی اور کمالات شاعرانہ کا اظہار اس نعتیہ قصیدے میں حیرت انگیز طریقوں پر ہوا ہے۔کہیں انہوں نے پورے کے پورے مصرعے اور شعر عربی کے ٹانک دیئے ہیں اور کہیں فقرات وتلمیحات کی پیوندکاری اردو کے ساتھ اس طرح کی ہے کہ ان کے یہاں عربی قصائد کی شان جھلک پڑتی ہے۔کہیں خاص قسم کی تراکیب وتشبیہات کے اہتمام وطمطراق کے سبب ان کے یہاں فارسی قصیدہ نگاروں کی سی شوکتِ بیان پیدا ہوگئی ہے اور کہیں کہیں ہندوانی تلمیحات وعلامات کے مسلسل استعمال نے انہیں محسن کاکوروی سے بہت قریب کردیا ہے"۔(۶۸)

یہاں جس طرح شعری جمالیات کی روشنی میں عبدالعزیز خالد کے قصیدے پر روشنی ڈالی گئی ہے اس سے ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا اندازِ نقد اور طرزِ استدلال،تاثراتی تنقید(Impressionistic Criticism)،جمالیاتی تنقید(Aesthetical Criticism) اور محسن کاکوروی کے فن سے تقابل کی صورت میں تقابلی تنقید(Comparative Criticism) کے امتزاج کی صورت میں ظہور پذیر ہوا ہے۔اس طرزِ تنقید پر کسی ایک تنقیدی دبستان کی چھاپ نہیں ہے کیوں کہ عبدالعزیز خالد کی شاعری میں لسانیاتی تنوع بھی ہے اور فکری ترفع بھی نیز روایت آگاہی کے ساتھ ساتھ عالمی ادب کی قومی ادبی جمالیات کے عناصر بھی ہیں۔

عبدالعزیز خالد ہی کے ایک اور نعتیہ قصیدے "منحمنا" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"منحمنا" کو اس کی ردیف کی رعایت سے قصیدہ میمیہ کہہ سکتے ہیں،اس میں چار سو چوالیس اشعار ہیں اور عبدالعزیز خالد کے خاص رنگ میں ہیں یعنی یہ قصیدہ بھی اردو فارسی عربی اور ہندی زبانوں کا حیرت انگیز سنگم ہے اور شاعر کے دلی جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔فن قصیدہ کی وہ روایت جس کا تعلق اظہار علم سے ہے اور جس کی مدد سے ہمارے قصیدہ نگاروں نے سطوتِ بیان اور شکوہِ الفاظ کو قصیدے کا وصفِ خاص قرار دیا ہے اس قصیدے میں پوری طرح در آئی ہے لیکن اس کے باوجود قصیدے کی روانی وشگفتگی کہیں مجروح نہیں ہوئی بلکہ شاعر کی قادرالکلامی نے اس کے بہاؤ،تسلسل اور باطنی آہنگ کو کچھ اور دلآویز اور باوقار بنادیا ہے۔

ابتدا کے چند اشعار دیکھئے کیسے پر شکوہ اور دلکش ہیں ؂

مطاعِ آدم و انجم متاعِ لوح و قلم — محمد امی محبوبِ کبریا صلعم
محمد انجمنِ کن فکاں کا صدر نشیں — محمد افسرِ آفاق و سرورِ عالم
وہ عبدہٗ و رسولہٗ و اسمہٗ احمد — کتاب و حکم و نبوت کا خاتم و خاتم
حمود و حامد و احمد محمد و محمود — کریم و میرکرام و مکرم و اکرم
وہ لا یموت سراجِ سبل امامِ رسل — امیرِ قافلۂ سخت کوش و اہلِ ہمم
جمیل و اجمل و کامل مکمل و اکمل — ستم زدہ بشریت کا محسنِ اعظم (۶۹)
نثار نغمۂ داؤد و لحنِ بار بدی — ہیں حرفِ سادہ پہ قرباں سماع و صوت و نغم

یہاں بھی ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے عبدالعزیز خالد کے قصیدے کی فنی جمالیات کو بھرپور طریقے سے اجاگر کرتے ہوئے رائے دی ہے۔ اس لیے یہ طرزِ تنقید بھی جمالیاتی تنقید ہی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ قصیدے کا شکوہ اور بیان کی روانی کے پیشِ نظر ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی رائے کو معروضی تنقیدی رائے قرار دیا جائے گا۔

iii۔ اردو میں نعتیہ شاعری:

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کا یہ مقالہ ہندو پاک میں پہلا تحقیقی مقالہ ہے جس پر ناگپور (بھارت) یونیورسٹی سے ۱۹۵۵ء میں، پی۔ایچ۔ڈی، کی ڈگری عطا کی گئی۔

اس مقالے کے ابتدائی مباحث میں نعت کی تعریف، اس کے مضامین اور ماخذ یعنی قرآن و حدیث کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے بحیثیت نوعِ سخن ہونے پر کلام کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی نعت کے لوازم، محرکات، نعت کی اقسام یعنی رسمی نعت، مقصدی نعت، اصلاحی نعت وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مقالے کے بابِ دوم میں اردو نعتیہ شاعری پر عربی فارسی اور ہندوستانی صنمیات کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے کے باب سوم سے بابِ نہم تک مختلف ادوار کے شعراء کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالے میں زیادہ زور تو شعراء کے احوال و کوائف کے جمع کرنے پر صرف کیا گیا ہے لیکن اشعار کے نمونوں کے ساتھ ساتھ تنقیدی رائے بھی دی گئی ہے۔

ہمارا مقصد اس مقالے میں دی گئی آراء کی تنقیدی اساس اور طرزِ تحسین یا اس کے برعکس اظہار میں آنے والی رائے کی اقدار کا جاننا ہے۔ اس لیے ہم اس پورے مقالے میں قدیم و جدید اردو شعراء کے کلام پر کی جانے والی تنقید کی چند جھلکیاں ہی دکھا سکیں گے۔ ولی دکنی کی نعتیہ شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''ولی کے نعتیہ کلام میں نہ تو تصوف کی زبان میں اللہ اور اس کے رسولؐ میں یگانگت یا مماثلت کے مضامین ہیں اور نہ عشقِ محمدیؐ کے اظہار میں وہ بے احتیاطی ہے جو بارگاہِ رسالت کی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں اس عہد تک نعت میں تقدس اور انتہائی احترام کی فضا ملتی ہے کہ شاعر بے تکے الفاظ میں آقائے نامدار کی ثنا کرتا ہے۔ انداز بیان صاف، سادہ، نکھرا ستھرا ہوتا ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین کے ساتھ نیاز مندانہ کیفیات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے''۔

(۷۰) نمونہ کلام:

حق نے لولاک لما حق میں محمد کے کہا — ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا

قصیدے کے اشعار:

بعدِ حمدِ خدائے بے ہمتا — یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں — دو جہاں مثل دانہ خردل
اس کی مجلس میں آہوا ہے کھڑا — صفِ آخر میں جو ہرِ اول
گر ہو وہ آفتاب گرمِ عتاب — آسماں جائیں مثلِ موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں — بادشاہوں کا دنگ ہے دنگل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ — عشق اس کا ہے ہادیِ اکمل (۷۱)
نام ہے اس کا حرز ہر مومن — یاد اس کی ہے دافع کلو ل
دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے — بحر اور بر میں عنبر و صندل

سید شاہ سراج الدین سراؔج اورنگ آبادی کا کلام پیش کر کے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ کلام ملاحظہ ہو:

رسولِ خدا سید المرسلین — قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوت کی مسند کا ہے جانشین — کیا جس کی تعظیم روح الامین
عجب روز محشر کا سردار ہے — صفِ اصفیا میں وو سالار ہے
تجت میں روئے سلطنت ہے مدام — جماعت میں ہے انبیا کا امام
رہ شرح کا ہادی مستقیم — شریعت کے دریا کا در یتیم
حبیب خدا والیء روز گار — دو عالم کی اقلیم کا تاجدار

اس نعتیہ کلام پر ڈاکٹر اشفاؔق کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

> نعت میں شروع سے آخر تک سلاست، روانی اور بیان کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ مضمون سادہ اور رسول کریم کے عام اوصاف کا بیان ہے جس کی سند حدیث اور قرآن میں ملتی ہے۔ شاعر نے اس میں داخلی جذبات کو نعت کے مضمون پر غالب ہونے نہیں دیا۔ لیکن اشعار کے اندر ایک کیف اور خلوص کا پتہ چلتا ہے (۷۲)

امیر مینائی کی نعتیہ شاعری کے اوصاف میں درج ذیل نکات بیان کیے ہیں:

۱۔ ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا کیے ہیں، مثلاً حضور اکرم ﷺ کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون کو ایک ہی قصیدے میں مختلف طریقوں سے باندھا ہے:

الف آدم میں ہے محمود احمد میں ہے بے مد — سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا
دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی — خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلِ خدا حضرت　　　جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدد کا

۲۔حسنِ تعلیل بکثرت ہے جو امیر مینائی کی بلند تخیل اور عقیدہ تمندی کا آئینہ دار ہے، مثلاً

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم　　　گرا تھا تاج نورانی سے آویزا زمرد کا

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے　　　انہی دو نقطہ ہ زیریں کا طالب لفظ تھا بد کا

۳۔کہیں کہیں رعایت لفظی و معنوی بھی ہے، مثلاً

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بیداری　　　کہ مثل خواب سے واقف نہیں ہے اس کی مسند کا (۷۳)

ان خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہی خصوصیات امیر کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہیں''۔(۷۴)

نعت گو شعراء کی تین قسموں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال کی شعری اقدار کا تذکرہ چھیڑا ہے:

''ا۔نعت برائے برکت،۲۔نعت برائے سیرت،اور ۳۔نعت برائے محبت، یہ تین قسمیں ہیں اور آخری قسم میں بھی فرق مراتب ہے۔اقبال موجودہ دور میں جہاں دوسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تیسری جماعت کے بھی امام ہیں کہ وہ حضورؐ کا نامِ مبارک سنتے ہی تڑپ جاتے ہیں۔اقبال نے اردو میں نعت بہت کم لکھی ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب بہ مشکل نظر آتا ہے۔۔۔اقبال کا دل جمال محمدیؐ پر اس لیے فریفتہ ہے کہ وہ اسے صداقت کے پیکر میں جلوہ گر پاتے ہیں۔انسان کی افضلیت اور اس کے کمال کی آخری منزل اقبال کو حقیقتِ محمدیؐ میں نظر آتی ہے۔اسی لیے حضور ﷺ کا عشق ان کے کلام میں جگہ جگہ کارفرما ہے۔وہ زندگی کی کامرانی حضورؐ سے وابستگی میں دیکھتے ہیں۔چنانچہ بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی شکایت کرتے ہوئے بھی اس عشق رسولؐ کے سہارے اللہ تعالیٰ سے امت محمدی کی گئی ہوئی عظمت، کی عطا کی امید باندھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے عتاب کا سبب ان الفاظ میں دریافت کرتے ہیں:

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا　　　بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا　　　(۷۵)

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا　　　رسم سلمان واویسِ قرنی کو چھوڑا

پھر جواب شکوہ میں اللہ تعالیٰ کا جواب بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے:

کون ہے تارک آئینِ رسولِ مختار　　　مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار　　　ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں　　　کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں''۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اقبال کے عشق رسول ﷺ کو نمایاں کرنے کے لیے ان کی نظموں ''صدیقؓ'' اور ''جنگِ یرموک کا ایک واقعہ'' کا حوالہ دے کر ان کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں نعتیہ شاعری کا جوہر کشید کر کے پیش کر دیا گیا ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

"صدیقؓ کے عنوان سے جو نظم اقبال نے لکھی اس میں بھی اسی عشق کے مضمون کو باندھا...... "جنگِ یرموک کا ایک واقعہ" جو علامہ مرحوم نے نظم کیا ہے وہ بھی حضورؐ کے ایک فدائی کی یہی داستان ہے جو فراق سے بے چین ہو کر لقائے حبیبؐ کے لیے رخصتِ پیکار کی درخواست امیر لشکر سے کر رہا ہے۔ اقبال نے واقعہ کو جس سادگی اور صفائی سے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے وہ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ داری کرتا ہے"۔(۷۶)

مقالہ نگار نے مزید لکھا:

"حضورؐ کے اوصاف کے بیان میں بھی اقبال کے یہاں اسی عشق کا مضمون ملتا ہے۔ یہاں تک کہ نگاہِ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے:

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے　　غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

علامہ اقبال کے نعتیہ کلام میں حکمت آفرینی کی مثالیں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ ہر مضمون میں اسی فکر و نظر کی ترجمانی کرتے ہیں جو ان کے فلسفۂ حیات سے متعلق ہے"۔(۷۷)

حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کے ذکر میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے "جلالِ محمدؐ" کا خاص پہلو منتخب کر کے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جلالِ محمدیؐ۔ حفیظ نے جہاں جمالی شان دکھائی ہے وہاں جلال کے نقشے بھی پیش کیے ہیں جو ہمہ ماہتاب ہمہ آفتاب حسنِ محمدیؐ کی حسین عکاسی ہے۔ شاعر کی رعنائی خیال خلقِ عظیم کے ہر حسین پہلو کو اس کے صحیح رنگ میں پیش کرتی ہے۔ جمالِ محمدیؐ میں جلالی شان حفیظ کے محاکاتی کمال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے کہ حضورؐ کا اس رنگ میں رونق افروز ہونا آنکھوں دیکھی بات محسوس ہوتی ہے۔ بیان صاف، سادہ اور پراثر ہے:

رسولِ پاکؐ نے کفار کی جانب نظر ڈالی　　جلالت آفریں چہرے سے کملی اُ ودر سر کالی

شعاعِ طور کے انوار چمکے روزِ روشن میں　　نگاہی بجلیوں نے آگ سی باطل کے خرمن میں

رسالت پر رسالت کا جلالی رنگ تھا طاری　　اٹھائی ایک مٹھی خاک اور کفار پر ماری

رحمۃ للعالمین لباسِ جہاد میں ہیں۔ جمالی شان کا جلالی رنگ غیر معمولی صورتِ حال کی روداد ہے۔ اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو پیش کرنے میں شاعر کے تخیل کے لیے جو الجھنیں ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔ اس لیے کہ لباسِ جہاد میں بھی رحمت کی صفت کو جلوہ گر دکھانا بیان کی ندرت اور تخیل کی قوت چاہتا ہے۔ اس پرشکوہ مضمون کو بیان کرنے کے لیے شاعر اپنے تخیل کے سارے محاسن کو بروئے کار لاتا ہے۔ پہلے وہ اس منظر کی صحیح کیفیت کو اپنے دل و دماغ پر طاری کر لیتا ہے اور پھر بیان کی حسبِ معمول سادگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا　　کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا
لباسِ جنگ پہنا آج سردارِ دو عالم نے　　خدا کی فوج اول کے سپہ سالارِ اعظم نے
شرف بخشا زرہ کو چشمِ ہستی کے اجالے نے　　سرِ اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے

رسولِ کریم ﷺ کا اصحابِ کرام کے درمیان جلوہ فرما ہونا ایک ایسا منظر ہے جو جلالتِ رسول اور فدائیوں کی نیازمندانہ شان کا پرشکوہ نقشہ پیش کرتا ہے۔اسے ہم روائحِ حفیظ میں شامل کریں گے:

ادھر مسجد میں مردانِ مجاہد سربکف ہو کر　　کھڑے تھے انتظارِ مصطفیٰ میں صف بصف ہو کر
ہوئے حضرتؐ برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں　　ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے جلوت میں
نبیؐ کو آج امت نے لباسِ جنگ میں دیکھا　　جمالِ مصطفیٰ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا
زرہ، مغفر، کمان و تیر و شمشیر و تبر بھالا　　مجسم نور جس کے گرد گرد ایک نور کا ہالا
ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکارِ عالی سے　　دلِ مردانِ عالم کانپ اٹھے شانِ جلالی سے

لشکرِ اسلام اور خیر الانام کے عنوان کے تحت حفیظ نے وصفِ جلال کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں ہادیٔ دو عالم کی جو نیازمندانہ شان بنائی ہے اس سے آپ کی ہر ادا میں للّٰہیت اور شانِ کبریائی جلوہ گر ہے، جس میں راز و نیاز کے کرشمے بھی پائے جاتے ہیں:

نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اک کملی والا تھا　　اسی کا روئے انور چشمِ ہستی کا اجالا تھا
وہی اک پیکرِ یمن و سعادت تھا مصلے پر　　دو زانو قبلہ رو محوِ عبادت تھا مصلے پر
دمیدہ اور پوشیدہ مجسم نور کملی میں　　کہ جیسے چاند ہو بدلی میں وہ مستور کملی میں
پئے نوعِ بشر رحمت طلب درگاہِ باری میں　　زباں الحمد میں مشغول سر سجدہ گزاری میں

رسولِ کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں زندگی کی سیاست کا پورا سامان پایا جاتا ہے اسی لیے یہاں نہ تو ہمہ جمال ہے نہ ہمہ جلال۔ حسبِ موقع اور ضرورت دونوں کی نمود ہے اور شانِ رحمت ہر جگہ موجود ہے" (۷۸)

شبلی نعمانی کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

شبلی کی نظر میں وصفِ نبیؐ کا مقصود ان مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب و شوق کے بعد بھی اگر اسوۂ نبیؐ کی کوئی جھلک کردار میں نظر نہ آسکی تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہار مندی سے تعبیر کریں گے۔ ہجرتِ نبویؐ کا نقشہ بھی ملاحظہ کیجیے:

جبکہ آمادۂ شر ہو گئے کفارِ قریش　　لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز　　گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرورؐ
اک فقط حضرتِ بوبکرؓ تھے ہمراہِ رکاب　　ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظورِ نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے　　کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں　　تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر

بیمِ جاں، خوفِ عدو، ترکِ غذا، تختی راہ　　ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر

مدینہ طیبہ میں رسول ﷺ کے استقبال کا جوش و خروش اپنی انتہائی سادگی میں بھی محبت، خلوص اور جذب و شوق کا ایسا شاندار مظاہرہ ہے کہ جس پر قیصر و کسریٰ کا جاہ و حشم ہزار بار تصدق۔ شہنشاہِ کونین کے استقبال کے لیے اللہ والے دل و جان کا ہدیہ لیے ہوئے مضطربانہ کیفیت کی قیامت خیز ساعتوں میں تصدق کے لیے آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں سلطانی اسی کی ہے جو جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکمرانی کرے۔ حب رسولؐ میں ڈوبی ہوئی استقبال کی شان ملاحظہ ہو:

ہاں مدینے میں ہوا غل کہ حضورؐ آتے ہیں　　راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر

لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آکر اشعار　　نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے　　نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر

آلِ نجار چلے شہر سے ہو کر تیار　　زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر

دفعتاً کو کبۂ شاہِ رسل آپہونچا　　غل ہوا صلِ علیٰ خیرِ اناسِ و بشر

جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن　　دفعتاً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر

طور پر حضرتِ موسیٰؑ کی صدا آتی تھی　　آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر

سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے　　میہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرورؐ

سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہِ دل حاضر ہے　　آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر

ہاں مبارک کرے اے خاکِ حریمِ نبویؐ　　آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر

صلِ یارب علیٰ خیرِ نبیؐ و رسول　　صلِ یارب علیٰ افضلِ جن و بشر

رسول کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مزدور کے لباس میں تعمیر مسجد کے کام میں مصروف کار ہیں۔ خلقِ محمدیؐ کی یہ شان شاعر نے نہایت اختصار اور حسن و خوبی سے دکھائی ہے:

انصارِ پاک اور مہاجر تھے جس قدر　　مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا

اک اور نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک　　جو آب و گل کے شغل میں بھی شادکام تھا

کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت　　سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا

سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریکِ حال　　یہ خود وجودِ پاک رسولِ انام تھا

جو وجہ آفرینشِ افلاک و عرش ہے　　جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا

صلو اعلی النبی و اصحابہ الکرام　　اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا" (۷۹)

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، امیر مینائی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری اور شبلی

نعمانی کی شاعری کے جونمونے دیئے ہیں ان تمام نمونوں میں شاعرانہ اسلوب بھی ہے اور کلام کے مافیہ (Content) کی نفاست بھی جھلک رہی ہے۔اس طرح ہرایک شاعر پر جچی تلی رائے دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقالہ نگار کا انداز معروضی ہے اور تنقیدی منہاج

فنی جمالیات کا عکاس ہونے کی وجہ سے جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کے ذیل میں آتا ہے۔

iv۔اردو میں نعت گوئی :

ڈاکٹر ریاض مجید کے اس مقالے کا دائرہ کار ۱۹۸۰ء تک محدود ہے (۸۰) گویا اس مقالے میں ان شعری کاوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے جو ۱۹۸۰ء تک منظرِ عام پر آچکی تھیں۔اس مقالے کے عنوانات سے مترشح ہے کہ مقالہ نگار نے تحقیقی مقالہ لکھتے ہوئے شعراء کے کلام کا تنقیدی جائزہ لینا بھی اپنا مطمحِ نظر بنایا ہے اسی لیے ایسے عنوانات قائم کیے ہیں کہ ان سے تنقیدی جائزے کا ارادہ بھی جھلکتا ہے،مثلاً [الف] اردوئے قدیم کے نعتیہ نمونے اور جنوبی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ [ب] شمالی ہند میں نعت گوئی کا جائزہ [ج] عصر جدید کی نعت گوئی،اور [د] عصرِ حاضر کی نعت گوئی۔(۸۱)

ہم اس پورے مقالے سے پانچ شعراء کے کلام پر تنقیدی رائے کا معروضی جائزہ لیں گے:

لطف بریلوی [م ۱۲۹۸ھ] کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''دیوانِ لطف کے مطالعہ میں سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے وہ لطف بریلوی کے ذوقِ نعت سے وابستگی کے بارے میں ہے۔اردو نعت میں لطف بریلوی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ تواتر سے اپنے شغفِ نعت کا اظہار کیا بلکہ طرح طرح کے مضامین پیدا کیے۔ان کا یہ رویہ نعت گوئی کو ایک جداگانہ صنف کے طور پر ترویج دینے کی طرف پہلا شعوری اعلان نامہ ہے۔یہ اعلان نامہ متنوع مضامین سے عبارت ہے اس میں فنِ نعت کی نزاکت،منصبِ نعت گوئی سے عہدہ برآ ہونے کی مشکلات،کوتاہیِ اظہار،اپنے شغفِ نعت گوئی،نعت گوئی کی برکات وثمرات کے مضامین نمایاں ہیں۔ لطف نے ان موضوعات پر بکثرت اشعار لکھے۔چند ایک درج ذیل ہیں:

وصف لکھتا ہوں نبیؐ کے حسنِ عالمگیر کا کیوں نہ شہروں شہروں شہرہ ہو مری تحریر کا

تیری مدحت کی بدولت اب تو اے ممدوحِ حق! خلق میں ممدوح ہوں اک اک جوان و پیر کا

اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبا ہوا مجھ کو حصولِ عشقِ حبیبِ خدا ہوا

ہوں میں بلبلِ باغِ وصفِ احمدِ مختار کا سو زباں رکھتا ہے ہر پتہ مرے گلزار کا

ہوئی پسند فصاحت مری جو روزِ الست کیا نبیؐ کا مجھے حق نے مدح خواں پیدا

وہ ہے مدیحِ خدا، اس کا ہے خدا مداح بشر کی جان کہ لکھے نعتِ سید ابرار

ایسے بے مثل کی لکھے کوئی کیوں کر تعریف میرے ادراک سے بھی جس کی ہو باہر تعریف

داب لی ہے منہ میں اپنے صورتِ غنچہ زباں ہم نے قرآں میں ترے وصف و ثنا کو دیکھ کر

لطف کے ہاں ایسے شعروں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی ہے''۔(۸۲)

مولوی محمد حسین تمنا مرادآبادی[متوفی ۱۳۱۷ھ] کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا:

''وہ موضوع جس کے سبب مولوی محمد حسین تمنا نے بہت شہرت حاصل کی 'امتناعِ نظیر' کا موضوع ہے۔۔۔تقویت الایمان کی ایک عبارت اور اس کی رد میں امکانِ نظیر اور امتناعِ نظیر کا مسئلہ کھڑا ہوا۔اس بارے میں مولوی تمنا، مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے ہم نوا تھے۔انہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں متعدد جگہ پر بڑے شدومد کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار کیا ہے اور طرح طرح کی دلیلوں سے اپنے مخالفین کی تردید کی اور اپنے موقف کی تائید میں شعر کہے۔ذیل میں ان کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں جن میں حضورِ اکرم ﷺ کی حیثیتِ پیغمبر بشانِ یکتائی کا اظہار کیا گیا ہے اور امکانِ نظیر کی تردید کی گئی ہے:

مرآتِ وحدتِ احدی ہے وہ ذاتِ پاک — آوے گا کیونکر آپؐ کا ہمسر خیال میں

چشم دیکھیں گے منکر بھی ان کی یکتائی — قریب، موسمِ ہنگامہ نشور آیا

احدی شان بھلا کس میں تجلی کرتی — ذاتِ احمد کا نہ آئینہ جو یکتا ہوتا''۔(۸۳)

ڈاکٹر ریاض مجید نے مولانا ظفر علی خاں[م ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء] کے نعتیہ موضوعات اور ان کے اسلوبِ نعت گوئی کا احوال اس طرح قلم بند کیا ہے:

''مولانا کی نعت کا مطالعہ کرتے ہوئے جو عنصر نمایاں انداز میں جلوہ گر ہوا ہے وہ عشقِ رسول کا جذبہ ہے۔مگر جو خصوصیت ان کی نعتیہ شاعری کو معاصر نعت نگاروں سے منفرد ٹھہراتی ہے وہ ان کا قومی و سیاسی شعور ہے۔مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام میں ہندی مسلمانوں کی کسمپرسی، عالمِ اسلام کی زبوں حالی، طرابلس پر اٹلی کا حملہ، تحریکِ خلافت، تحریکِ عدم تعاون، تحریکِ ہجرت، شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے سلسلہ میں رونما ہونے والے مسلم کش فسادات اور متعدد ایسی معاصر سیاسی قومی تحریکوں کے اثرات ملتے ہیں جن میں اس وقت کے مسلمان بالعموم اور ہندی مسلمان بالخصوص کسی نہ کسی طور منسلک رہے ہیں۔مولانا کی نعت میں ملی عناصر کا کینوس حالی اور اقبال سے بہت وسیع ہے۔خصوصاً ہندی مسلمانوں کی زبوں حالی کا جو نوحہ مولانا کے ہاں نظر آتا ہے، کسی دوسرے معاصر شاعر کے نعتیہ کلام میں نہیں ملتا۔انہوں نے اپنی نعتوں سے اصلاح و اتحاد کا کام لیا اور عشقِ رسولؐ کے ترانے گا کر ملتِ اسلامیہ کے اندر ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔ان کے نعتیہ کلام میں عظمتِ رفتہ کا احساس، لمحہ موجود کی زبوں حالی، مستقبل کے روشن اور پرشکوہ عہد کا انتظار اور ان سے وابستہ تاثرات و احساسات بکثرت ملتے ہیں ان میں سب سے اونچی لے حضورِ اکرم ﷺ کے دربار میں فریاد و استغاثہ کی ہے۔مولانا کی اکثر نعتوں میں عرضداشت و التجا کی یہ لے نمایاں ہے۔چند نعتوں کے عنوان دیکھیے:

التجا بحضور سرورِ کائناتؐ

عرض داشت امت بحضور سرورِ کون و مکاں

اسلامیانِ ہند کی فریاد، بارگاہ سرورِ کائنات میں۔ مولانا کے استغاثوں کے کچھ اشعار دیکھئے:

اے کہ رواں رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا — کس کو ترے سوا سنائیں، جا کے ہم اپنی مشکلات
تھام کے پایۂ عرش کا کر بہ ادب یہ التجا — اے کہ ہے مبدء فیوض ایک فقط تری ہی ذات
بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدا! کریم — قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات
موردِ لطفِ خاص پر کس لیے آج یہ عتاب — ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

''عرض داشتِ امت بحضور سرورِ کون و مکاں'' میں التجا کا حصہ دیکھئے:

تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا — جو کہ ہے مقبولِ درگاہِ خداوندِ جلیل
دُرفشاں اے ابرِ رحمت! ہند پر بھی ہو یونہی — تا کہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق — قرنِ اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل
ہم بھلے ہیں یا برے، تیرے ہیں آخر ہیں غلام — ہم کو ہم چشموں میں اے آقا! نہ ہونے دے ذلیل
اے شفیع المذنبینؐ! اے رحمت للعالمینؐ — انت کہفی، انت ہادی، انت لی نعم الوکیل (۸۴)

اقبال سہیل (م ۱۳۶۵ء) کی نعت نگاری کے ضمن میں ریاض مجید لکھتے ہیں:

''سہیل کی نعت نگاری کا نمایاں وصف حقیقت نگاری ہے۔ ان کی نعتوں میں رسولِ اکرمؐ کی سیرت و سوانح اور اوصاف کا بیان قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ انہیں حضورِ اکرمؐ سے بے پناہ محبت و شیفتگی ہے مگر ان کی یہ شدت انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیتی۔ محبتِ رسولؐ کے ساتھ علومِ اسلامیہ سے آگہی، ذاتِ رسالمآب کا شعور، تاریخ اسلام پر گہری نظر اور سیرتِ رسولؐ کے بارے میں واقعات و روایات کی جزئیات کے عمیق مطالعہ نے ان کی نعت گوئی میں حقیقت و واقعیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ وہ اپنی نعتوں میں حدودِ شریعت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک خط میں اسلم جیراجپوری کو لکھتے ہیں:

'۔۔۔ عام طور پر نعتوں میں جو حسنِ صورت کی مداحی اور تغزل کا انداز مولانا جامی کے عہد سے آج تک معمول پر تھا یا دوسرے انبیاء و رسل کا استخفاف، غیر ضروری اور بے معنی مبالغہ یا لفظوں کی صنعت گری اور خیال آفرینی جو عرفی وغیرہ نے رائج کی اور محسن کاکوروی مرحوم نے اردو میں منتقل کی ان سے قطعی احتراز ہے۔ مگر سادہ و بے نمک بھی نہیں۔ شکوہِ بیان اور بلندی و ادا کا دامن ہاتھ سے کہیں چھوٹنے نہیں پایا ہے۔۔۔'

سہیل نے اپنی نعت نگاری کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی نعت ان کے مطابق ہے۔ سہیل نے بے معنی مبالغہ طرازی سے احتراز کیا ہے اور ہر جگہ آدابِ فن کا پورا التزام ملحوظ رکھا ہے اور تخیل کی رنگ آمیزی اور صنعت گری کو اپنی نعت پر اس حد تک غالب نہیں کر لیا کہ حقیقت اس کے اندر گم ہو کر رہ جائے''۔(۸۵)

ریاض مجید نے اقبال سہیل کی تحریر کے ذریعے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ اقبال سہیل کی طویل نعت جس کی ردیف "صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، انہوں نے اپنی بیٹی کو زنانہ محفلِ میلاد میں پڑھنے کے لیے لکھ کر دی تھی۔(۸۱) اس نعت کے چند اشعار بھی ریاض مجید نے نقل کیے ہیں:

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم　　مظہر اول ، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم تزکی ، روح مصور، قلب تجلی ، نور مظہر　　حسن سراپا، خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
طینت جسکی سب سے مطہر بعثت جسکی سب سے مؤخر　　خلقت جس کی سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
بچھڑے ہوئے گلے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا　　رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم
وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا　　شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم
فردو جماعت، امروا طاعت، کسب و قناعت، عفو وشجاعت　　حل کیے جو اسرار تھے مبہم صلی اللہ علیہ وسلم
حفظِ مراتب، پاسِ اخوت، سعی و توکل، رفق و فتوت　　تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہ میں مُنضَم صلی اللہ علیہ وسلم

ساری نعت کا یہی انداز ہے۔اوصافِ محمدیؐ کے ساتھ ساتھ تعلیمات و پیغامِ محمدی کو ہم آہنگ کر دیا ہے۔نیز نسلِ انسانی پر آنحضرتؐ کے فیضان و برکات کا تذکار بھی نعت میں شامل ہے۔جگہ جگہ قرآن و حدیث کے حوالے اور عربی الفاظ نے اس نعت کو اسی طرز کی (صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں لکھی جانیوالی) نعتوں میں ایک منفرد حیثیت بخشی ہے۔اس ردیف میں لکھی جانیوالی سینکڑوں اردو نعتوں میں کوئی نعت اقبال سہیل کی نعت کے علمی شکوہ اور بلاغت کو نہیں پہنچتی"۔(۸۶)

امجد حیدر آبادی[م ۱۳۸۰ھ] کے نعتیہ کلام کا ذکر، ریاض مجید نے اس طرح کیا ہے:

"امجد کے نعتیہ کلام پر عارفانہ رنگ کے گہرے اثرات ہیں۔حقیقتِ محمدیؐ کے اظہار میں انہوں نے کئی ایسے مضامین بیان کیے ہیں جو بے احتیاطی کے ذیل میں آتے ہیں۔"احد" اور "احمد بے میم" کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض اوقات ان کے خیالات شریعت کی حدود وقیود سے ٹکراتے ہیں۔ذیل کے شعر دیکھیے:

شکلِ احمد میں خود احد آیا　　ہوا مطلق مقید اظہار
دائرہ مختفی تھا نقطہ میں　　ہوگئی ختم گردشِ پرکار
بچ بھی ہے وہی، شجر بھی وہی　　وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا　　آپ خود اپنا کرگیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر　　خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار

یہی خیال دوسری جگہوں میں بھی قلم بند ہوا ہے، مثلاً

تردد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا　　احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ" (۸۷)

امجد حیدر آبادی کے نعتیہ اشعار میں مضمون کی بے احتیاطی کا تذکرہ کر کے ڈاکٹر ریاض مجید نے عملی تنقید (Practical Criticism) کا مظاہرہ کیا ہے جو نعتیہ شاعری کے ذیل میں بڑا مناسب رویہ ہے۔ان کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ریاض مجید نے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے:

رخ مہر ہے قد خط شعاعی کی طرح — وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور — ہے مصرعہ آخرِ رباعی کی طرح (۸۸)

امجد حیدر آبادی کے کلام پر مجموعی رائے دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بحیثیت مجموعی امجد کی نعتیہ شاعری صوفیانہ وعارفانہ مسائل، ادبی وفنی حیثیت اور اخلاص وتاثیر کے سبب گراں قدر ہے۔انھوں نے نعتیہ موضوعات کو نکتہ آفرینی سے قلم بند کیا ہے اور ذاتِ رسول اکرمؐ (۸۹) سے اظہارِ عقیدت ومحبت کے لیے سارے فنی محاسن (تشبیہ، استعارہ، کنایہ وغیرہ) کو استعمال کیا''۔

حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری کے لیے، ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا:

''حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری[م ۱۳۶۵ھ] کی نعت میں قدیم لکھنوی تغزل کے رنگ کی ترجمانی ملتی ہے۔ان کی زبان شستہ وصاف ہے اور مضمون کو زبان پر ترجیح کے سبب یہ لکھنوی دبستان کے عام شعراء سے قدرے مختلف ہیں۔شاعری میں چونکہ امیر مینائی کے شاگرد ہیں لہٰذا نعت کا ذوق بھی امیر کی صحبت وشاگردی میں پروان چڑھا۔۔۔جلیل کا نعتیہ کلام سلاست وروانی اور سادگی وخلوص کے سبب خاص تاثیر اور حسن رکھتا ہے ان کی بعض نعتیں رواں دواں اور مترنم بحروں میں ہیں اور سننے والے کو متاثر کرتی ہیں۔درج ذیل نعتیں اسی انداز کی ہیں:

کٹے عمر صل علیٰ کہتے کہتے — اٹھوں حشر میں مصطفیٰؐ کہتے کہتے
محمد کو پایا خدا کہتے کہتے — خدا مل گیا مصطفیٰ کہتے کہتے
نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیے — مجھے آپؐ کی اک نظر چاہیے
درِ مصطفیٰ ہے ادب اے جبیں — یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیے

ان نعتوں میں جمالِ محمدیؐ پر فریفتگی، حب رسول اکرم کی اہمیت، بارگاہ رسالت سے امیدواری وشفاعت طلبی کے مضامین عام ہیں۔زبان کی شگفتگی اور طرزِ ادا کی ندرت کے سبب ان کے نعتیہ کلام کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے''۔(۹۰)

درج بالا تنقیدی آراء میں ڈاکٹر ریاض مجید نے کہیں تو شعری اسالیب وانداز نگارش کا موازنہ کیا ہے، کہیں فنی حوالوں سے شعری قدر افزائی کی ہے، کہیں متن text کو پرکھنے کی کوشش کی ہے اور اس پر رائے دی ہے۔اس لیے اس طریق تنقید کو کسی ایک دبستانِ تنقید کے تحت رکھ کر نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا تنقیدی منہاج تاریخی تنقید Historical Criticism تقابلی تنقید Comparative Criticism جمالیاتی تنقید Aesthetical Criticism اور تشریحی Judicial/legislative Criticism کے امتزاج کا نمونہ ہے۔

۷۔اردو حمد ونعت پر فارسی روایت کا اثر:

ڈاکٹر عاصی کرنالی کو اس مقالے پر پی۔ایچ۔ڈی، کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ اس مقالے میں ویسے تو حمد ونعت

پر فارسی روایت کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے تاہم اس میں اردو شعراء کی نعتیہ کاوشوں کی قدر افزائی کے لیے تنقیدی آراء بھی رقم کردی گئی ہیں۔ اس مقالے میں جن شعراء کے کلام پر مختصر رائے دی گئی ہے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ہم صرف چند شعراء کی نعتیہ شاعری پر فاضل مصنف کی رائے کا جائزہ لیں گے۔

مولانا محمد اسماعیل میرٹھی: (۱۸۴۴ء تا ۱۹۱۷ء):

عاصی کرنالی نے اسماعیل میرٹھی کی شاعری کا موازنہ نظیر اکبر آبادی سے کرنے کی سعی کی ہے لیکن بتایا ہے کہ ان کی شاعری میں سطحیت بہت ہے جبکہ اسماعیل میرٹھی کے اسلوب کی نفاست کی، عاصی کرنالی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسماعیل میرٹھی نے صفائی زبان و بیان کا خیال رکھا اور شاعری کو محض اس سطح تک رکھا جو عوامی ہونے کے باوجود ادب کی نفاست اور زبان کی سلیقہ مندی سے مربوط رہی۔ موضوعات کا چناؤ اور کلام کی دل نشینی مولانا کے یہاں اسقدر ہے کہ جہاں بچے بھی ان کی بات بخوبی سمجھ لیتے ہیں وہاں بڑے بھی ان کی شاعری سے اپنے ذوق کی تسکین کرسکتے ہیں: 'رحمۃ للعالمین':

بنام خداوندِ حی و قدیر — علیم و کلیم و سمیع و بصیر
وہی ہے سزاوار حمد و سپاس — ورائے خیال و برونِ قیاس
بنایا ہے جس نے طلسم جہاں — یہ خاکی زمیں، نیل گوں آسماں
یہ نیرنگِ عالم نہیں سرسری — ہے استادِ عالم کی جادو گری
کسی گنج پر ہے مگر یہ طلسم — کسی جان کے واسطے ہے یہ جسم
ہے اس بحر میں کوئی دُرِ یتیم — کہ ہے جس کی خاطر یہ ناز و نعیم
ہے اس جشن میں کوئی سلطاں ضرور — کہ ہے دم قدم کا یہ جس کے ظہور
محمد ہے وہ تاجدارِ ہدیٰ — مدارِ نبوت، رسولِ خدا
بشیر و نذیر و رؤف و رحیم — امین و شفیع و حبیب و کریم
وہی میہمانِ گرامی ہے یاں — اسی کے لیے ہے یہ بزمِ جہاں
جمالِ الٰہی کا مظہر ہے وہ — کمالِ خدائی کا مظہر ہے وہ (۹۱)
اسی کی بدولت ہے یہ سب نمود — کہاں کا عدم اور کہاں کا وجود

رفیع الدین ذکی قریشی:

رفیع الدین ذکی قریشی کے نعتیہ مجموعوں کے حوالے سے ڈاکٹر عاصی نے بتایا ہے:

"خورشید حرا، سازِ عقیدت، نور و نکہت، حرفِ نیاز، عنوانِ تمنا، مہرِ فاراں، نوید رحمت اور ریاضِ نعت" ذکی

قریشی کے نعتیہ مجموعے ہیں۔۔۔ذکی قریشی کا اسلوب شعری روایت کے محاسن سے پُر ہے۔وہ جدت کے شوق میں ایسے تجربے نہیں کرتے جو نعت کی منور فضا کو دھندلائیں۔شاعری میں ہمارا ذہن و ذوق کئی صدیوں سے جس غنائی آہنگ اور صورت و ہیئت اور اسالیب کے جس فنی اور معنوی حسن کا خوگر ہو گیا ہے،ذکی اس میں تغیر کے قائل نہیں ہیں۔ان کے یہاں زبان و بیان کی سلاست و صفائی، بے ساختگی اور ابلاغی صلاحیت اور نازک جذبوں اور لطیف خیالات کو ادا کرنے کی استعداد بھرپور طور پر اثر انداز ہوتی ہے"۔نعتیہ اشعار:

کس طرح قصیدہ لکھوں کِسریٰ و جم کا — ہوں مدح سرا ماہِ عرب ، مہرِ عجم کا

اک نام مرے ورد زباں شام و سحر ہے — اک نام مداوا ہے جو ہر درد و الم کا

جب سرورِ دوراں ہیں مرے حامی و ناصر — کیوں شکوہ زباں پر ہو زمانے کے ستم کا (۹۲)

پھر سے ہو مجھے روضہ اطہر کی زیارت — اے طالعِ تقدیر مقدر مرا چمکا

عزیز حاصل پوری کے شعری عمل پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے عاصی کرنالی نے لکھا:

"عزیز حاصل پوری، حمد و نعت تخلیقی بصیرت سے کہتے ہیں اور حب و اطاعت کی اساس پر بہت پر از معنویت مضامین تخلیق کرتے ہیں۔ان کے یہاں نکتہ طرازی اور مضمون آفرینی کا جوہر ملتا ہے۔ ان کے آہنگ میں تازگی اور نیا پن ہے اور وہ عموماً فنی کمالات کے ساتھ حمد و نعت کے ایوان کی آرائش کرتے ہیں۔عزیز حاصل پوری کے یہاں تقریباً تمام معروف اصناف میں حمد و نعت ملتی ہے۔وہ اپنی تخلیقات میں جذبے کے ساتھ تفکر کے عنصر کو بھی داخل کرتے ہیں۔تاہم حب کا جذبہ غالب رہتا ہے"۔(۹۳)

عاصی کرنالی نے عزیز حاصل پوری کی شاعری پر تبصرہ کرنے کے بعد درج ذیل نعتیہ اشعار منتخب کیے ہیں:

ظاہر ہے لفظ لفظ سے رتبہ حضور کا — قرآن ہے تمام قصیدہ حضور کا

جن کو خدا نے دی ہے نظر، دیکھتے ہیں وہ — کونین کی فضاؤں میں جلوہ حضور کا

انوار کی فصیل رہی اس کے درمیاں — پڑتا زمیں پہ کس لیے سایہ حضور کا

ہو اعتبارِ ذوقِ نظر میں جو پختگی — دیدار ہو عزیزؔ ہمیشہ حضور کا

شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے سلام پر تضمین کا ایک بند:

جس کا ہر اک سخن حرفِ قرآں ہوا — جس کا ہر جملہ دستورِ عالم بنا

جس کا ہر لفظ معنی کا روشن دیا — وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا

.... — چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام (۹۴)

لالہ صحرائی کے شعری عمل کے حوالے سے ڈاکٹر عاصی کرنالی نے لکھا:

"غزوات رحمۃ اللعالمین" لالہ صحرائی کا ایک وقیع نعتیہ کارنامہ ہے۔ غزواتِ نبوی نعت و سیرت میں کوئی

نیا موضوع نہیں ہے۔ غزوات نامے لکھے گئے ہیں یا نعت کے ضمن میں بطور ایک موضوع ان کو بیان کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن غزوہ نگاری کی شعری روایت کے تسلسل کے باوجود اب تک تمام غزوات کو یکجا کر کے سلک نظم میں پرونے کا خیال سب سے پہلے لال صحرائی کے دل میں پیدا ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہ اس موضوع پر اولیں کوشش ہے۔ ان غزوات کی بنیاد شاعر نے واقعہ نگاری اور مستند معلومات پر رکھی ہے۔ ان کے ذریعے حضور ﷺ کی سیرت اقدس کے بے شمار پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ ہر نظم میں شروع سے آخر تک قدرتِ کلام اور زورِ بیان موجود ہے۔ ان کے ذریعے توحید پرستوں کا آئینۂ فکر و عمل بھی منعکس ہوتا ہے اور ان کے عظیم قائد کی سیرت اقدس بھی اور ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح ان ستاروں میں بدرِ کامل کی طرح جلوہ فشاں تھا اور کس طرح آفتابِ رسالت کی کششِ ثقل ان ستاروں کو اپنے مرکز و محور کے گرد متحرک رکھتی تھی''۔

نمونہ کلام ''غزواتِ رحمۃ للعالمین'' سے ''غزوۂ بدر، آخری اشعار'':

فتح پائی لشکرِ باطل پہ پھر اسلام نے — رب نے جو محبوب سے وعدہ کیا پورا ہوا
جنگِ بدر اس وجہ سے ہے منفرد تاریخ میں — درمیانِ حق و باطل تھا یہ پہلا معرکہ
ملتِ اسلام کے محسن ہیں سب اصحاب بدر — ان کے احساں سے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ برآ
یہ وہی تھے جن کی جانوں کی اٹھی تھی جب فصیل — قصرِ ملت تا بروزِ حشر مستحکم ہوا (۹۵)
بدرِ کامل کے ستارو! تم پہ ہوں لاکھوں سلام — بدر سے پھیلائی تم نے سارے عالم میں ضیا

حزیں صدیقی کے نعتیہ کلام پر عاصی کرنالی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

حزیں کے تمام فن کا مقصود عظمتِ بشری ہے اور عظمتِ بشری کا محور و مرکز، مصدر و منبع حضورِ اقدس ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جس کو خلاقِ اکبر نے وجہ تخلیقِ کائنات بنایا۔ حزیں کی حمد و نعت میں یہی فکر رچی بسی ہوئی ہے۔ ان کے یہاں جذبے کا فلسفہ آمیز اظہار ہے اس لیے یہ صنف ان کے قلم سے ادا ہو کر ہمارے لیے نت نئے امکاناتِ حیات کی نوید بن جاتی ہے۔

سوال، عبد کی معبود تک رسائی ہے؟ — جواب، اور یہ معراج کس نے پائی ہے
سوال، خاک نشینوں کا عرش پر کیا کام — جواب، شانِ رسالت کی حد بتائی ہے
سوال، عالمِ بالا کی سیر اک پل میں؟ — جواب، صلِ علیٰ، شانِ مصطفائی ہے
سوال، نورِ مجسم کہ پیکرِ خاکی؟ — جواب، آئینۂ حسنِ کبریائی ہے
سوال، جسمِ مطہر کا سایہ تھا کہ نہیں؟ — جواب، آپ کے سائے میں کل خدائی ہے
سوال، آپ کے دامانِ لطف کی وسعت؟ — جواب، عرصۂ کونین کی سمائی ہے
سوال، عرشِ مدینہ فلک مقام ہے کیوں؟ — جواب، مسکنِ محبوبِ کبریائی ہے (۹۶)

حنیف اسعدی کے شعری نظریے اور نعت نگاری کے ضمن میں عاصی کرنالی نے لکھا:

نعت گوئی میں تین رویے پائے جاتے ہیں۔ حصول ثواب اور نجات طلبی کے لیے نعت کہنا، اپنے جذبہ عشق اور واردات قلبی کا بیان اور (عہد حاضر میں) حضور ﷺ کو ایک مثالی انسان کے طور پر پیش کر کے ان کے اتباع کی دعوت۔ ہر رویے کا اپنا ایک جواز، ایک کیف اور ایک اہمیت ہے۔ حنیف اسعدی آخری دو رویوں سے اپنی نعت کو پر کیف اور آبرومند بناتے ہیں۔ ایک صاحب عشق، صاحب درد، صاحب دل، شاعر کا قلب محبت رسول ﷺ کے جن لطیف جذبوں کا امین ہے، حنیف اسعدی ان جذبوں سے اپنی نعت کو پر سعادت بناتے ہیں۔ ہر عہد انسانی کو اور خصوصاً عہد گزراں کے انسانوں کو اپنی بہتری کے لیے جس خلق عظیم اور اسوۂ کامل کی ضرورت ہے، اس کو حضور ﷺ کی شخصیت کبریٰ کے حوالے سے پیش کرنے کا عمل۔ اس طرح حنیف اسعدی جہاں اپنی داخلی اور باطنی کیفیات کے ترجمان ہیں، وہیں نعت کو دعوت و ارشاد کی صورت میں بھی پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہیں۔ ان کی نعتوں میں والہانہ پن ہے جو تقاضائے محبت ہے لیکن یہ والہانہ پن بے ہر نفس اور بے ہر قدم شعور و آگہی اور ادب و تکریم کے تابع ہے۔ باشعور سرشاری یا سرشار شعور مندی کا اطلاق ان کی ذات پر بھی ہوتا ہے، ان کی نعت پر بھی۔۔۔ پاس ادب ان میں اس قدر اور اس انتہا تک ہے کہ وہ اپنی نعتوں میں حضور ﷺ کے لیے "واحد مخاطب" کی ضمیر استعمال نہیں کرتے۔ ان کا دوسرا مجموعہ "آپ ﷺ" ان کے اسی ذہنی رویے کا غماز ہے"۔

نمونہ کلام:

یا رب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر
جو کچھ بھی ملا بخش دیا خلقِ خدا کو
حیراں ہے سخاوت بھی اس اندازِ کرم پر
کیا شان ہے اے صلِ علیٰ ابر کرم کی
اٹھتا ہے عرب سے تو برستا ہے عجم پر
آقا مری غفلت کو کرم کی ہے ضرورت (۹۷)
اعمال تو ایسے نہیں، تکیہ ہے کرم پر

عاصی کرنالی نے جن شعراء کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی وژن بڑا وسیع ہے۔ انہوں نے شاعروں کے زبان و بیان کے حسن و قبح پر بھی نظر رکھی ہے اور شعری متن (Text) کے ماخذ کا بھی احاطہ کیا ہے۔ شعر میں جذبے اور احساس کی زیریں لہروں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے مضامین کی ندرت کی قدیم روایت کے لیے موجود شعری سرمائے کی نظیریں بھی موازنے کی غرض سے اپنے پیش نظر رکھی ہیں۔ اس طرح ان کے مقالے میں

تنقیدی عمل کی کرفرمائی نمایاں ہوگئی ہے۔

عاصی کرنالی نے اپنے مقالے کے تیسرے باب میں نعتیہ شاعری کے موضوع اوراس کے فنی لوازم ومقتضیات کا ذکر بھی کیا ہے اور نعتیہ شاعری پرتنقید کے حوالے سے کچھ معیارات بھی رقم کیے ہیں۔ یہ مقالہ ۱۹۹۸ء میں جمع کیا گیا تھا اور اسی سال اس پر عاصی کرنالی کو پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری مل گئی تھی۔(۹۸)

عاصی کرنالی پہلے محقق ہیں جنہوں نے اپنے مقالے میں باقاعدہ تنقید کا باب باندھا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کی ایک جھلک بھی دیکھ لی جائے۔ عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

''ہم کسی نعت کو اچھے برے خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے کیونکہ نعت کی تخلیق دلی صداقت پر ہوتی ہے۔ البتہ تلازمات فن کے پیشِ نظر نعت کے خیالات، زبان وبیان اور مواد و اسلوب کے معیار کی سطحوں پر تنقید کا جواز ہے۔ ہم نعت میں جائزہ لے سکتے ہیں کہ آداب وحدود کی پاسداری کی گئی ہے یا نہیں اور کہیں غلو یا تخفیف کی لغزش تو نہیں ہوئی اور فنی پیمانے کی رو سے وہ نعت کس مرتبے کی ہے''۔(۹۹)

عاصی کرنالی ایسی نعتوں کو لائق اصلاح سمجھتے ہیں جن میں رنگِ تغزل اس قدر گہرا ہو کہ نعت کے شعر کو غزل کے طور پر بھی پڑھا جا سکے۔ یعنی جس میں شاعر کا ممدوح حضور اکرم ﷺ کے علاوہ بھی ،نعت کے قاری یا سامع کے ذہن میں آسکے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

''میں مانتا ہوں کہ نعت میں ''شعریت'' بہ ہر حال ہونی چاہیے اور پیرایہ و تغزل میں نعت کہنا لائق مواخذہ نہیں، لیکن موضوع کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی نجابت، جذبہ وخیال کی طہارت اور سلیقۂ اظہار وادا کو فضائے تغزل سے یکسر مختلف ہونا چاہیے''۔(۱۰۰)

اسی طرح عاصی کرنالی نے نعتیہ مضامین میں حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور آپ کو بے باکانہ انداز میں امت کے حالِ زار کی طرف متوجہ کرنے کو بھی قابلِ گرفت جانا ہے اور آپ ﷺ کو ''قم قم یا حبیبی کم تنامی'' کہہ کر ایک بار پھر ظہور فرمانے کے خیال کی بھی مذمت کی ہے:

''کیا ہمیں نعت گوئی میں بے تکلفی زیب دیتی ہے؟ ''قم قم یا حبیبی کم تنامی'' کا لہجہ ہمارے لیے زیبا ہے؟ ہم بعض نعتوں میں دیکھتے ہیں کہ امت کا استغاثہ پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ قبر مبارک سے کب ظہور کریں گے؟ یہ نیند کب تک؟ باہر تشریف لائیے اور ملاحظہ کیجیے آپ کی امت کا کیا حال بد ہے۔ اول تو یہ سوچتے ہوئے ہی دل کانپتا ہے کہ حضور ﷺ کو احوالِ امت پر توجہ دلائیں۔ ہم توجہ دلانے والے کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو عطیہ خداوندی سے تمام احوال و آثار منکشف ہیں۔ پھر ہم میں یہ جسارت کیسی کہ باہر تشریف لائیے۔ اس مضمون میں یہ اضافہ بھی محلِ غور ہے کہ آپ ظہورِ نو فرمائیے۔ آپ ایک بار فلسطین میں آئیے۔ مسجدِ اقصیٰ آپ کی منتظر ہے........... یہ حضور علیہ السلام کا ظہورِ ثانی اور اس کا تقاضا کیا شے ہے؟ یہ کس قسم کی بعثت ہوگی؟ حضور ﷺ تو مبعوث ہونے کے بعد ابد تک کے لیے نبی ہیں۔

آپ کی شریعت ہمیشہ کے لیے ہے۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ قرآن آخری کتاب ہے۔ حضورﷺ کی نبوت زندہ و پائندہ ہے۔ پھر ان کا ظہور مکرر چاہنا کس جواز کے تحت ہے؟" (۱۰۱)

عاصی کرنالی نے "احد اور احمد" میں تفریق نہ رکھنے کے رویئے کو بھی لائقِ تنقید گردانا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"حضورﷺ تو شانِ نبوت کے باوصف خود کو مقامِ عبدیت پر رکھتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کو خدائی اختیارات سے متصف کر کے آپ کی اور اللہ کی (یعنی دونوں کی) نفی ذات کرتے ہیں۔ ہم احد اور احمد میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے۔ بس پردۂ میم پڑا ہوا ہے۔ یہ پردہ اٹھایئے تو احمد بھی احد ہے۔ کیا نعت کے ایسے مضامین قرآن و سنت کے مزاج کے مطابق اور دانش و معرفت کے اصول و اطلاق سے مناسبت رکھنے والے ہیں؟" (۱۰۲)

بعض شعراء نعتوں میں بھی اصحاب النبیﷺ کی رفاقت کے احوال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کارِ نبوت میں بھی شرکت کا گمان ہونے لگتا ہے۔ عاصی کرنالی نے اس طرح کی باتوں کو نعت میں شامل کرنے کی بھی بجا طور پر گرفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا:

"اگر نعت میں کوئی ایسا خیال نظر سے گزرے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت، صاحبِ احتیاج تھی اور کارِ رسالت ناقص اور ادھورا رہ جاتا اگر فلاں یا فلاں صاحب اعانت سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ یعنی کسی بھی صحابی کو "شریکِ نبوت" قرار دینے کا خیال اگر کسی نعت و ثنا میں آپ کی نگاہ کا دامن کش ہو تو کیا آپ اسے منافیِ شانِ رسالت اور مخالفِ منشا و مقاصدِ نبوت قرار نہیں دیں گے؟" (۱۰۳)

اسی طرح مغلوب الحال ہو کر نعت میں سرمستی کا اظہار بھی ڈاکٹر عاصی کو پسند نہیں:

"کتنی ہی مغلوبیت ہو، دررسول علیہ السلام پر سجدہ گزاری کا مضمون خلافِ توحید پرتی ہے۔۔۔۔ آپ "می رقصم" کی ردیف لا کر دربارِ رسالت میں رقص فرمانے لگیں یا ع "ترے دربار میں آ کر قلندر رقص کرتا ہے" کہنے لگیں تو حضورِ رسالت مآبﷺ کی طبع لطیف پر یہ بات کتنی گراں گزر سکتی ہے؟۔۔۔ اسی طرح عالمِ بےخودی میں اپنے مقامِ عشق کو اتنا جاذب قرار دینا کہ ع "وہ آئیں گے اور ان کو آنا پڑے گا" یعنی میرا جذبہ اتنا صادق ہے کہ میرے خواب میں یا میرے تصور میں حضور علیہ السلام خود تشریف آوری کی زحمت فرمائیں گے۔۔۔۔ یہ کتنی جسارت بےجا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس حد تک قابلِ مواخذہ ہو سکتی ہے!" (۱۰۴)

ضمائر میں واحد غائب کے لیے "وہ" اور واحد حاضر کے لیے "تو" کا استعمال بھی نعتیہ شاعری میں کچھ حضرات نے ممنوع قرار دینے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں قدما کی مثالیں پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ، شعری ضرورتوں کا خیال رکھنے والے اصحابِ فکر و دانش کا نکتۂ نظر مختلف ہے۔ عاصی کرنالی نے عربی، فارسی روایت کے حوالے سے اس مسئلہ پر بحث

کی ہے اور شعری ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اپنی رائے دی ہے۔ عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

''ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ''وہ'' اور ''تو'' کا استعمال اردو میں کیوں شروع ہوا اور اب تک جاری کیوں ہے؟ اردو شاعری زیادہ تر فارسی اور عربی کی تتبع ہے۔ عربی میں واحد شخص کے لیے ھو اور انت استعمال ہوتے ہیں اور مختلف شکلوں میں بھی وحدت قائم رہتی ہے۔ ورفعنا لک ذکرک میں اسی وحدت کا تلازمہ ہے۔ اگر تثنیہ اور جمع کے ضمائر استعمال کریں تو واحد شخص پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فارسی میں ''او'' اور ''تو'' سے ایک شخص مراد ہوتا ہے جبکہ ''شما'' اور ''ایشاں'' میں وحدت نہیں، اجتماع ہے۔۔۔ واحد ضمائر کے استعمال کا دوسرا سبب فنی ضرورت ہے۔ شعر اوزان و بحور کی قید میں ہوتا ہے اور بیت کے ظرف میں لفظ کو گنجائش کے مطابق لانا پڑتا ہے۔ جہاں ''تو'' آسکتا ہے، ''آپ'' نہیں آسکتا۔ جہاں ''تیرا'' کی گنجائش ہے، ''تمہارا'' اور ''آپ کا'' استعمال نہیں ہو سکتے۔ امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (کی بجائے) امت پہ ''آپ کی'' آ کے عجب وقت پڑا ہے (کیسے لائیں گے) یا لوح بھی آپ، قلم بھی آپ، آپ کا وجود الکتاب (کیسے ممکن ہوگا)''۔(۱۰۵)

اسی طرح اپنی تنقیدی بصیرت کام میں لاتے ہوئے عاصی کرنالی نے عملی تنقید Practical Criticism کا مظاہرہ بھی کیا ہے اور ''یثرب'' کا استعمال لائق ترک بتایا ہے، نیز بعض اشعار کے نفسِ مضمون کی گرفت کی ہے۔ ان کی بات سمجھنے کے لیے ہم کچھ اقتباسات درج کرتے ہیں:

''صحیح بخاری میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے اس کے تدارک میں دس مرتبہ طیبہ کہے''۔۔۔ تاہم بعض شعراء نے یثرب استعمال کیا ہے:

دشتِ یثرب میں ترے ناقے کے پیچھے پیچھے دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے (کافی)

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو (ظفر علی خاں)

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است (اقبال)

اس کے باوجود ہماری رائے میں اس سے اجتناب ہی بہتر ہے لیکن جو شعراء استعمال کر چکے ہیں، ان کے عشق واطاعت کے بارے میں یا علم وفضل کی بابت سوءِ ظن مناسب نہیں ہے''۔(۱۰۶)

نعتیہ اشعار کے مافیہ یا Content پر بھی عاصی کرنالی کے اعتراضات ملاحظہ ہوں، جو عملی تنقید کا نمونہ ہیں:

''ہمیں جو اشتباہ یا انکراہ پیدا ہوا ہے، اس کا ذکر کرتے ہیں:

○ اپنے آپ کو سگِ کوئے نبی کہنا یا اس سگ سے نسبت دے کر خود کو اس سے بھی کمتر قرار دینا۔۔۔۔ عجز و انکسار ہمارے لیے شرطِ اطاعت ہے۔ اپنی کمتری کا اعلان و اقرار بھی ضروری ہے، لیکن سگِ کوئے نبی کا تلازمہ کراہیت رکھتا ہے۔

○ دل مرا غارِ حرا ہو جیسے۔۔۔ ہمارا دل کتنا ہی مقدس و مزکی ہو ہم غارِ حرا کے تقدس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

O بیارِ محمد ہوں میں بیارِ محمد۔۔۔حضورﷺ کی مسیحانفسی کے یقین کی صورت میں خود کو بیارِ محمد کہنا ایک مریضانہ احساس ہے۔اسی طرح ع الٰہی! مجھ کو ہمیشہ غمِ رسولؐ رہے

یہ غمِ رسول کیا ہے؟ ممکن ہے کسی صاحب نے غمِ حسین کی دعا مانگی ہو، جو حسین شہید کے تناظر میں بالکل جائز طلب ہے، اور بعد میں انہیں "سلام" کی بجائے "نعت" کہنی پڑی ہو اور انہوں نے "غمِ رسول" لکھ کر اس ترمیم سے کام چلا لیا ہو۔

حضورؐ کے تصور و خیال کے ساتھ ایسے مضامین آنے چاہئیں جن میں توانائی، رعنائی اور صحت و سلامتی کی فضا ہو۔

O میں تو پھرتا ہوں سدا اوڑھ کے سایہ تیرا یا میں نے حضورؐ کا سایہ پہن رکھا ہے

۔۔۔کیا یہ اسلوب واضح ہے؟ کیا اس مصرع کے کوئی معانی نکلتے ہیں؟ اور اگر شاعر حضورﷺ کا سایہ پہن لیتا ہے تو کیا اس میں عجز کی بجائے وہ افتخار تو نہیں جس کے ڈانڈے پندار و تکبر سے ملتے ہوں۔

O ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

۔۔۔بے حد پرکشش اور سحر آفریں شعر ہے۔لیکن خدانخواستہ اس شعر کے مضمون کا کوئی منفی رخ تو نہیں نکلتا۔صبح کو رسول علیہ السلام کا قائم مقام قرار دیا ہے۔۔۔اگر رسول نہ ہوتے۔۔۔رسالت سے بے نیازی۔ہم ایسے اہلِ نظر کہہ کا خود کو علم و آگہی کے اس مقام منتہی تک پہنچانے کا عمل جہاں رسولﷺ کی بعثت و ظہور کی بجائے صرف مظاہر فطرت سے گزارا ہو سکتا ہے۔خدانخواستہ اس میں انکارِ رسالت کا تو شائبہ نہیں۔

O کاش آپ کی اونٹنی میرے دروازے پر آ کر ٹھہرتی اور میرا گھر ابوایوب کا گھر ہو جاتا۔

۔۔۔بے حد مبارک جذبہ ہے اور رشک و منافست کی ایک عمدہ مثال ہے لیکن کیا یہ شعر ہمارے ذہن کو غلط سمت میں تو بہا کر نہیں لے جاتا؟

۔۔۔اونٹنی تو مامور من اللہ تھی اور انہی خوش نصیب صحابی کے گھر کے سامنے اس کا رکنا مقدر تھا۔اس شعر میں مشیت الٰہی پر تنقید ہے اور تقدیر خداوندی کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوایوب انصاریؓ کی جگہ میں ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔بے شک اس میں آرزو مچلتی ہے۔۔۔لیکن اس میں خدا سے لے کر ناقہ رسول تک سب کو خطا کی ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔

O مجھے ہو کثرتِ عصیاں سے کیا ڈر مرے آقا شفیعِ عاصیاں ہیں

۔۔۔کثرتِ عصیاں پر فخر، اس لیے کہ حضورﷺ شفاعت فرمائیں گے۔گناہوں پر نہ ندامت، نہ توبہ و انابت، اس سے بڑی شوخ چشمی اور دیدہ دلیری کیا ہوگی! کوئی شخصیت کتنی ہی عادل اور صاحب فضل و کرم کیوں نہ ہو، اگر مجرم جرم پر فخر کرے اور کہے کہ عدالت کے اعتماد کرم پر میں نے گناہ کیے، کثرت جرائم میں محو رہا اور

مجھے کوئی خوفِ تعزیر نہیں تو اس اقرارِ جرم اور افتخارِ جرم پر کوئی عدالت اسے کس طرح باعزت بری کر سکتی ہے؟

O فلموں کے گیت جن دھنوں میں تیار ہوتے ہیں، ان کو پس منظر میں رکھ کر اس خیال کے تحت نعت کہنا کہ یہ ہر زبان پر چڑھ جائیں گی، احترامِ نعت کے منافی عمل ہے۔ (۱۰۷)

''نعت کے مخصوص مضامین و خیالات و تلازمات کو کسی اور شخصیت سے منسوب کرنا، یعنی کسی میر و سلطان یا مشاہیرِ اسلام اور بزرگانِ دین کے بارے میں ایسی توصیف جو صرف حضور علیہ السلام ہی سے مختص ہو سکتی ہے، نہایت ناپسندیدہ بلکہ میرے عقیدے کے مطابق قابلِ مواخذہ ہے''۔ (۱۰۸)

شعری معیارات کے ضمن میں عاصی کرنالی نے لکھا:

''نعت کے بارے میں ایک عمومی احساس یا رویہ یہ ہے کہ نعت تمام تر عقیدت کی پیداوار ہے اور عقیدت کا اظہار ہے۔ اس لیے عقیدت کے اس مال میں کسی ''معیار'' کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جیسی بری بھلی، کمزور، پھسپھسی تخلیق ہوگی، سرکار ﷺ اسے پسند فرمالیں گے۔۔۔۔ حضور ﷺ ادیبِ کامل، نقادِ اعظم، تمام علوم و ادبیات کے مصدر و منبع اور تمام تر دانش و آگہی کے سرچشمہ عظیم ہیں۔ آپ کے کمال نقد و نظر کی مثالیں تاریخ و سیَر کے ذخیروں میں محفوظ ہیں۔ آپ کی برمحل اصلاحیں آپ کے ارتقائے فکر و انتقاد پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے نعت گو اصحاب پر لازم ہے کہ وہ موضوعات، افکار، خیالات، مضامین، تفکر، اظہار، زبان، بیان، ہیئت، اسلوب الغرض نعت کے تمام تر معنوی اور فنی جمالیات پر نظر رکھیں۔ جذبہ وخیال کے علو پر نعت کی اساس اٹھائیں، صحیح اور مستند معلومات سے کام لیں۔ قرآن و حدیث سے باخبری، شریعت و سنت سے آگاہی، شعر و ادب کے فنی نکات اور قرینہ و سلیقہ مندی کے آداب کو ملحوظ رکھیں، عظمتِ منصبِ رسالت اور مقصد و منشائے نبوت کی فضا میں شعر کہیں۔ لوازماتِ نعت میں یہ احساس بھی ضروری ہے کہ جہاں آپ کی نعت جمال و جلال و کمالِ محمدی کے جلوؤں کی آئینہ دار ہو وہیں آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے اجالوں کے ابلاغ اور حضور ﷺ کی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کا ذریعہ بھی ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ جو نعت آپ کے ذہن و قلم سے وارد ہوئی ہے، اس کے مضامین کا اطلاق آپ کی اپنی ذات پر بھی ہو، آپ خود حسنِ فکر اور حسنِ عمل کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جائیں''۔ (۱۰۹)

تخلیقِ نعت کے اصول اور معیارات اور فکر کی نزہت کے احوال کے ساتھ ساتھ عاصی کرنالی کے مقالے میں نقادوں کے لیے بھی کچھ ہدایات ملتی ہیں۔ لیکن یہ تمام ہدایات اخلاقیات کے ذیل میں آتی ہیں نقد کے اصول اور تنقید کے معیارات کے لیے ان ہدایات میں کوئی نکتہ نہیں۔ مثلاً

''نقاد کو کبھی یہ طے نہیں کرنا چاہیے کہ جو کچھ اس نے لکھ دیا ہے وہ قطعی ہے، حرفِ آخر ہے، قولِ فیصل ہے، عدالتی فیصلہ ہے۔ ادب میں رائے ہوتی ہے، محاکمہ نہیں۔ یہ رائے جتنی وقیع، بامعنی، معیاری اور پذیرا

ہوا چھا ہے۔ لیکن نقاد کی رائے میں کوئی جھول اور خامی بھی ہو سکتی ہے اس لیے اس کی تنقید پر کوئی رد عمل ہو اور کوئی اختلافی رائے سامنے آئے تو اسے عالی ظرفی کے ساتھ قبول کر کے اپنی رائے پر نظر ثانی کر لینی چاہیے۔۔۔ تنقید کرتے وقت جذباتیت اور غصے جیسی کیفیت پر قابو پانا چاہیے۔۔۔ خامی اور خطا کی نشان دہی پر کسی کی نیک نیتی (اخلاص نیت) کو ہدف نہیں بنانا چاہیے۔۔۔ اگر کوئی نعت گو خود سے چاہے کہ اس کے کلام پر رائے زنی کر دی جائے تا کہ اسے اصلاح کی روشنی حاصل ہو، تب یہ اخلاقی فریضہ ادا کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔۔۔ مرحومین کو زیر تنقید لانے سے عموماً اجتناب فرمائیں۔(۱۱۰)

عاصی کرنالی کی ان اخلاقی ہدایات میں سے کچھ پر عمل کرنا ممکن ہے اور کچھ پر عمل کرنے کی صورت میں خود تنقیدی سرگرمیوں سے دست کش ہونا پڑے گا۔ مثلاً یہ کہ کسی تخلیق کار کی خواہش پر اس کے کلام پر رائے دی جائے اور مرحومین کے خامیوں سے لبریز کلام کو آنے والی نسلوں کے لیے معیار نعت نگاری جاننے کے لیے بلا تنقید چھوڑ دیا جائے۔ لکھے ہوئے حرف کے سلسلے میں اس قسم کے معیارات قائم کرنا اخلاقی عمل نہیں انتہائی غیر اخلاقی عمل ہوگا۔ کیوں کہ بات لکھے ہوئے لفظ کے ذریعے پھیلی ہوئی گمراہی کو دور کرنے کی ہے۔ کسی شخص کے زندہ یا مرحوم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاریخ ادب اور تاریخ مذہب میں زیادہ تر مثالیں ایسی ہیں کہ مرحومین کے لکھے ہوئے حروف کی یا تو مسلسل مذمت کی جارہی ہوتی ہے یا مسلسل تعریف کے ڈونگرے برسائے جارہے ہوتے ہیں۔

بایں ہمہ، عاصی کرنالی کے مقالے میں پہلی بار اتنی تفصیل سے معیارات نعت اور تنقیدِ نعت پر گفتگو کی گئی ہے۔ عاصی کرنالی کے پیش کردہ نکات نہ صرف تخلیق کاروں کے لیے مفید ہیں بلکہ ان نکات سے تنقید نگار بھی خاطر خواہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ عاصی کرنالی کا منہاج تنقید، اصلاحی Reformatory، مقننہ تنقید Legislative Critcism/ Judicial، عمرانی تنقید Sociological Criticism، اور اخلاقی تنقید Ethical Criticism کے امتزاج کا نمونہ ہے۔

vii۔ اردو نعت کے جدید رجحانات :

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی کو ان کے اس مقالے پر سندھ یونیورسٹی سے ۱۹۹۰ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی، کی ڈگری عطا کی جا چکی ہے۔ سید معراج جامی کے بقول نعتیہ شاعری پر تحقیقی کام کرنے کے حوالے سے:

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی پہلی خاتون ''ڈاکٹر'' ہیں۔ ان کا مقالہ قیام پاکستان سے ۸۰ء تک کے جملہ نعت اور متعلقاتِ نعت، شعرائے نعت اور فروغ نعت کا کامیاب احاطہ کرتا ہے''۔(۱۱۱)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مقالے کی کتابیات میں صفحات نمبر ۳۸۰ اور ۳۸۱ پر ایسی کتب بھی شامل ہیں جو ۱۹۸۸ء میں شائع کی گئی تھیں۔ اس لیے اس مقالے کا زمانی پھیلاؤ ۱۹۸۰ء تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔

ڈاکٹر شوکت زریں کا یہ مقالہ بنیادی طور پر ایک تنقیدی کاوش ہے اس لیے کہ اس میں شاعر کی ذات پر

گفتگو کرنے کے بجائے "شاعری کے اسلوب" کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ڈاکٹر شوکت زریں لکھتی ہیں:

> "جن شعراء کو اس کے لیے منتخب کیا گیا ہے ان کے مقام کا تعین ادبی حیثیت سے کیا گیا ہے۔۔۔شعرا کے حالات پیش کرنے کی بالکل سعی نہیں کی گئی ہے اور نہ ان کی شخصیت سے کوئی بحث کی گئی ہے بلکہ شاعری کے نعتیہ رجحانات کو پورے طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے اور انھیں رجحانات کی دریافت اور چھان پرکھ کے ساتھ ان کے نعتیہ کلام کی طرف رجوع کیا گیا ہے"۔(۱۱۲)

اس اعتبار سے یہ مقالہ ہمارے لیے بڑا اہم ہے کہ نعتیہ ادب کے سرمائے میں شعری اسالیب کی پرکھ کا تنقیدی جائزہ ہی اس مقالے کا مقصدِ تحقیق ہے۔اس مقالے کے عنوانات بھی تنقیدی رجحان کا اشاریہ ہیں۔مثلاً باب اول: جدید نعت میں موضوعات کا تنوع، باب دوم: سیاسی وتمدنی زندگی سے ہم آہنگ نعتیں، بابِ سوم: نعت میں ہیئت کے تجربے، کئی زبانوں کے حوالے سے نعت گوئی، باب چہارم: نعت اور تاریخ اسلام، بابِ پنجم: درود ومناجات اور سلام کی صورت میں نعتیں، بابِ ششم: ایسی شاعری جس کا اصل محور حضور اقدس کی ذت پاک ہے، بابِ ہفتم: فلسفیانہ انداز کی نعتیں (ذات و صفات) محمدی کی توضیح وتشریح، بابِ ہشتم: خطابیہ انداز کی نعتیں، بابِ نہم: تغزل کے رنگ میں نعتیں، بابِ دہم: قرآن و حدیث کی روشنی میں سیرت النبی کے بیان کے تحت نعتیں، بابِ یازدہم: نئی نسل کے شعرا کی نعت گوئی، بابِ دوازدہم: دور حاضر کے نعتیہ انتخابات (تبصرے)، بابِ سیزدہم: دورِ حاضر کے ممتاز نعت گو اور ان کے نعتیہ مجموعے (تبصرے)۔

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے لکھا ہے:

> "یہ مقالہ عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری کا اس نوعیت کا حامل جائزہ ہے، جس میں نعتیہ شاعری کے نت نئے معیارات، عصر[ی] تقاضے، تازہ تر روش، نئے تجربات ومشاہدات اور نئے عصری تقاضے اور احساسات کے مختلف رنگ و آہنگ کو پیش کرتا ہے۔لیکن اردو نعت کے "جدید رجحانات" کی عکاسی اور اسی موضوع کا تنقیدی پہلو سے جائزہ، اس کا خاص نقطہ نگاہ ہے۔اسی رجحان کے اعتبار سے نعتیہ شاعری کے مخصوص انداز، مختلف فنی پہلوؤں پر اختصار سے بحث اس میں شامل ہے"۔(۱۱۳)

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے اردو نعت میں جدید رجحانات کی عکاسی کا پہلا نقش حالی کی مسدس میں دیکھا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> "اردو نعت کے جدید رجحانات کا آغاز ہی حالی کی اس طویل نعتیہ نظم "مسدس" کے ذریعے ہوا۔مسدس کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذبہ وشوق میں تو ڈوبا ہوا ہے ہی، لیکن اس میں مختلف موضوعات بھی نظر آتے ہیں مثلاً مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی کے موضوعات کو اس میں اٹھایا گیا ہے اور ان کا علاج تعلیماتِ محمدی کو عملی طور پر اختیار کرنے میں تلاش کیا گیا ہے"۔(۱۱۴)

حالی کے مسدس کو جدید نعت کا پہلا نقش تسلیم کر کے ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے نعتیہ موضوعات کی ہمہ رنگی کو جدید نعت کا بنیادی رویہ قرار دیا ہے۔گویا عصری مسائل کے اظہار اور اصلاحِ قوم کے افکار کی چمک سے نعتیہ شاعری میں

زندگی کے آثار پیدا کرنے کی سعی کے ساتھ ساتھ شعری ہئیت میں اسلوب کی دلکشی اور ہیئتی تنوع کی تلاش ان کا مطمح نظر رہی ہے۔روایتی انداز کی نعتوں سے ہٹ کر نعت کہنے کے رجحان کو ڈاکٹر شوکت زریں نے سرسید تحریک کے تناظر میں بھی دیکھا ہے:

''سرسید احمد خان کی علمی تحریک اور برعظیم میں مسلمانوں کی بعض دوسری تحریکوں نے بھی اردو شعرا کو متاثر کیا اس کے تحت جہاں دوسرے مذہبی موضوعات پر طبع آزمائی ہوئی خصوصاً نعت گوئی کی جانب بھی بڑے شعرا متوجہ ہوئے یہی وہ رجحان تھا جس کی بناء پر روایتی انداز کی نعت گوئی سے بالکل ہٹ کر نعتیں کہی جانے لگیں''۔(۱۱۵)

اقبال کو ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے دورِ جدید کے سب سے اہم اور ممتاز نعت گو کے طور پر پیش کیا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

''دورِ جدید کے شعراء میں سب سے اہم اور ممتاز نام اقبال کا ہے۔اقبال بھی مولانا حالی کی طرح رسمی معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے۔اسلامی تہذیب اور تاریخ نعت گوئی کے حوالے سے نعت کے موضوع کو جس انداز اور جس تواتر سے انہوں نے اپنی شاعری میں اختیار کیا، کم شعراء نے یہ رنگ اپنایا۔اسلامی فکر وفلسفہ کا مکمل خلاصہ ان کی شاعری میں پورے طور پر نمایاں ہے۔اقبال کی شاعری کا خاص کمال یہ ہے کہ اس میں نعت کے موضوع میں حضور اقدس ﷺ کی زندگی اور پیغام کو فلسفے کی اساس کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس کے ساتھ اقبال کی شاعری میں جو مضمون ملتا ہے، یہاں تک کہ نگاہِ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے۔یہ فکر و نظر کی گہرائی کی حد ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے　　غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر　　وہی قرآں وہی فرقاں وہی یسیں وہی طٰہٰ

چنانچہ اقبال کی نعتیہ شاعری میں قدم قدم پر ایسے موضوعات نظر آتے ہیں جن میں حضورِ اقدس ﷺ کے ذکر کے ساتھ عشقِ رسول ﷺ کا مضمون ضرور ملتا ہے۔ان کے یہاں ایمان کی اصل یہی ہے۔اقبال کی تعلیمات کا مرکز رسول کریم ﷺ کی ذات ہے۔ان کی شاعری کا اصل موضوع یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت پاک میں حیاتِ انسانی کے لیے مکمل نمونہ دیکھتے ہیں۔ان کی شاعری زندگی کا جو تفکر پیش کرتی ہے اس کا تعلق صرف اسوۂ حسنہ سے ہے۔انھوں نے اس ایک مضمون کو فلسفیانہ رنگ دے کر مختلف طریقوں سے پیش کیا ہے۔ان کا ''مردِ مومن''، ''مرد قلندر'' اور ''مرد خودی'' اسی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں''۔(۱۱۶)

اقبال کے ذکر سے ڈاکٹر شوکت زریں نے جدید نعتیہ شاعری کے خدوخال ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنا موقف واضح کیا ہے۔زندگی کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہونے کے باعث جدید اظہاریوں میں فلسفیانہ عمق اور شعری جمالیات کا فکری عنصر داخل ہونا ناگزیر ہے۔اس لحاظ سے عہدِ جدید کی ادبی ضرورتوں کی کامل تسکین کا نمونہ اقبال ہی کا کلام ہوسکتا ہے۔اقبال کا عشقِ رسول ﷺ بھی صرف بیانیے کی ضرورتوں کے تحت ظاہر نہیں ہوا ہے اور نہ اس کی شعری قدر

کوئی سطحی چیز ہے۔لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ ''اردو نعت کے جدید رجحانات'' کی مقالہ نگار نے بجا طور پر اقبال کی شعریات کو نعتیہ شاعری کی ''جدید بوطیقا'' کے طور پر پیش کر کے ایک معیار قائم کر دیا ہے۔

نعتیہ شاعری میں موضوعات کا تنوع اور اظہار کی ترقّی دکھانے کے لیے ڈاکٹر شوکت زریں نے عبدالعزیز خالد کی شعری تخلیقات کے حوالے دیئے ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

''بعض شعراء نے بالکل نئے تجربے کیے ہیں۔ان میں کسی نے اردو نعت کو قوم و ملک کی سیاسی و تمدنی زندگی سے ہم آہنگ کر کے ایک نیا روپ دینے کی کوشش کی ہے۔ان میں عبدالعزیز خالد جن کے متعدد نعتیہ مجموعے اس موضوع کی نشاندہی میں پیش پیش ہیں۔بالخصوص ان کی طویل نعتیہ نظم ''فارقلیط'' بالکل منفرد اور اچھوتے انداز کی حامل ہے۔اس کا رنگ و آہنگ ہی منفرد نہیں ہے بلکہ اس میں حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ہر ہر پہلو کو موضوع بنانے کی ترجمانی اور سعی بڑے مدلل اور جامع طور پر کی گئی ہے۔بنی نوع انسان کے فخر کی ضمانت آپ ہی کی ذات بہ [با] برکات ہے۔اس کی مثال فارقلیط کے اشعار میں نظر آتی ہے۔

تری ذات فخر بنی نوع انساں	تو صلِ علی خیر خلق خدا ہے
تجلّی سے چہرہ ترا ارغوانی	تو خورشید روز و مہ چاردہ ہے
تری زلف ہے بدر کے گرد ہالا	چکور آتش رشک میں جل رہا ہے
وقار سکوت اور حُسن تکلم	تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے

موضوعات کے لحاظ سے ان کی نعتیہ شاعری ہی فکری عمق اور اسلامی تاریخ و تمدن اور فلسفے سے عبارت ہے''۔(۱۱۷)

اسی طرح مظفر وارثی کے کلام میں بھی شوکت زریں کو انفرادیت اور جدت نظر آتی ہے۔ان کا کہنا ہے:

''بدلے ہوئے انداز یعنی جدت کی بہترین مثال مظفر وارثی کی نعتوں میں بھی نظر آتی ہے ان کی نعتیہ تخلیقات ہیئت کے لحاظ سے رنگ و آہنگ کے منفرد رویہ کی بنا پر بالکل نئے انداز پر منحصر ہیں اس کے علاوہ ان کے ہاں نعتیہ شاعری کے ایسے نمونے نظر آتے ہیں جن میں نئے تجربے کیے گئے ہیں خواہ الفاظ کا استعمال، استعارات و تشبیہات کا ذکر سب میں منفرد انداز ہے۔ایک نظم کے چند اشعار اس رجحان کی روایت بھی کرتے ہیں:

کل عالم جس کی کٹیا، جس کی پرچھائیں سویرا......وہ ہے رسول میرا
دیکھ نہ پائے اتنے پیش منظر میں نگاہِ صغریٰ
آدم کی تخلیق ہے جس کے نام کا پہلا قطرہ......وہ ہے رسول میرا
جس کی کملی کے سائے میں آنکھ سحر نے کھولی
جس کے لہجے میں ہم تک پہنچی قدرت کی بولی
جس کے چاروں سمت خدا نے اپنا نور بکھیرا......وہ ہے رسول میرا (۱۱۸)

محشر بدایونی کے شعری عمل پر ڈاکٹر شوکت زریں نے اس طرح تنقیدی رائے دی ہے:

''محشر بدایونی کی نعتیہ شاعری بھی موجودہ معاشرے اور تہذیبی سرگرمیوں کا مرقع ہے جو عصر حاضر کی صورتحال کے عین مطابق ہے مثلاً کرب وانتشار اور دوسرے مسائل اب ہماری شاعری کا حصہ ہیں۔

محشر صاحب کی نعت میں جدت اور ندرت خیال کی جھلک نظر آتی ہے۔ الفاظ کا استعمال، تشبیہات کے ذریعے شعری مفہوم میں جدت اور مہارت سخن گسترانہ دلکشی کو ظاہر کرتی ہے۔

بڑھ چکے حد سے زمانے کے ستم — اب کرم ہو میرے سرکار کرم

باغ ہستی کا یہ دستور حضور — گل کھلے شاخ پہ اور شاخ قلم

تیرگی، تیرگی ہر سو ہر ست — روشنی، روشنی اے شمع حرم

تنظیم و عمل، تہذیب وادب، اخلاق ووفا، ایثار وکرم

سرکار کے حسن سیرت سے کیا کچھ نہیں سیکھا دنیا نے

محشر صاحب کی ایک نعتیہ نظم اور ہے جو مسدس کے انداز میں ہے۔ انسانیت کو زبوں حالی کے شکنجے سے آزاد کرانے کی خواہش اس میں جا بجا نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ ہی امت مسلمہ کے لیے اس پیغام کی ترجمانی کی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں کو اپنی تہذیب ومعاشرت کو سنوارنا ہے تو حضور اقدس ﷺ کے بتائے ہوئے آداب زندگی کو اپنا شعور [شعار] بنالیں اور اسی راہ ہدایت پر سفر کریں جو حضور ﷺ نے متعین فرمائی۔ اس نظم کے چند بند پیش نظر ہیں:

وہ گلہ بانِ عرب کہ جس نے\
سکھائے آداب زندگی کے\
قرار حاصل کرو اسی سے\
اسی سے جینے کے لو سلیقے\
پھر اپنی تقدیر حال دیکھو\
عروج دیکھو کمال دیکھو\
اسی کی تعلیم عین عرفاں\
اسی کا اخلاق شرح قرآں\
اسی کا کردار روح ایماں\
اسی کی طاعت سے ہم مسلماں\
یہ غم جو ہم سے لپٹ گئے ہیں\
ہم اپنے مرکز سے ہٹ گئے ہیں

اسی سے ہم کو اماں ملے گی

اسی سے تسکین جاں ملے گی

فراغتِ بے کراں ملے گی

مسرتِ جاوداں ملے گی

خلوص و خلق و ادب ملے گا

جو کھو چکے ہیں وہ سب ملے گا (۱۱۹)

ایک اور جگہ جدید رجحان کی نمایاں خصوصیت بتاتے ہوئے ڈاکٹر زریں نے لکھا:

"جدید رجحان کی نعت کسی بھی صنف سخن میں ہو اس کی خوبی یہی ہے کہ وہ زندگی کے حقائق پر نظر رکھتی ہے۔ اس کی ترقی و ترویج کا سارا دارومدار اسی ایک فکر سے عبارت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ نعت کے جملہ لوازم سے مبرا ہے۔ جذبے اور خیال اس کے تحت بھی وہی طرزِ عمل رکھتے ہیں جو نعتیہ شاعری کی نگارش کے لیے ضروری ہے"۔ (۱۲۰)

اس کے بعد انہوں نے چند شعراء کے شعری نمونے بھی دیئے ہیں۔ مثلاً

"ابر خورشید قمر

روشنی پھول صدا

سب تھے موجود مگر

ان کا مفہوم نہ تھا

کوئی بھی چیز کوئی چیز نہ تھی

سر مخفی تھا خدا

کوئی تخلیق نہ تھی

حرف اقرار نہ تھا

آپ نے صلِ علیٰ

ابر خورشید قمر

روشنی پھول صدا

سب کو مفہوم دیا" (امجد اسلام امجد) (۱۲۱)

ہمارے آقا عظیم رہبر

ہم عاصیوں کو بساط عالم میں

بخش کر یہ وقار رتبہ

پیام امن واماں کا حاصل بنا دیا تھا

بھٹکتی انسانیت کے درماندہ قافلے کو

نویدِ صبحِ بہار دے کر مقام عزّ و وقار بخشا

مخالفت کے گھناؤنے سائے نے آزمائش کا تیر پھینکا

تو بند مٹھی میں کنکروں نے پڑھا تھا کلمہ، ہر ایک ظلمت کدہ کے دیوار و در پہ

طاری ہوا تھا لرزہ" (آثم میرزا)(۱۲۲)

"عارف عبدالمتین کی یہ نظم جس کو انھوں نے "اجالوں کا شہر" کے نام سے تخلیق کیا ہے اس کے اندازِ تحریر میں بھی ہیئت کا نیا انداز ہے۔ گو کہ خصوصاً نعت کے لیے اس قسم کے تجربات کو پیش کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ شاعر نے اپنی ذات کے آئینے میں موجودہ ماحول کے افتراق، جبر، اخلاقی پستی اور خود فریبی، عیاری، ریاکاری، نفرت کو اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار انھی جذبات پر مشتمل ہیں:

میرے چاروں جانب گھٹا ٹوپ جنگل کھڑا ہے

مجھے اس کی پر ہول تاریکیوں نے کچھ اس طرح گھیرا ہوا ہے

کہ جیسے وہ میری ضیاء دوستی کی سزا مجھ کو دینے کے جذبے سے بے چین ہوں

میں ہر سمت سے اژدہوں کی غضب ناک پھنکار بھی سن رہا ہوں

کہ جیسے وہ مجھ کو نگلنے کی خواہش سے بیتاب ہوں

میں اس وحشی جنگل سے باہر نکلنے کی کوشش میں مصروف ہوں

مجھے دور سے تو اجالوں کا اک شہر بن کر بلاتا ہے

میں تیری آغوشِ امن واماں تک پہنچنے کی جہد مسلسل میں کھویا ہوا ہوں

مجھے اپنی رحمت کے فیضان سے کامراں کر

ثقافت میں میرے فنا ہے مجھے جاوداں کر" (۱۲۳)

علاوہ ازیں نعت اور تاریخ اسلام کے ذیل میں ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے طویل نعتیہ، تاریخی نظموں کا حوالہ دے کر بتایا ہے کہ ان نظموں میں بھی جدید طرزِ احساس کارفرما ہے:

"طویل نعتیہ نظم کے ضمن میں "مرسلِ آخر" کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ قمر ہاشمی نے اس نعتیہ نظم کو اسلامی تاریخ اور سیرت پاک کے حوالوں سے مرتب کیا ہے۔ ایک طرف یہ نظم اس قسم کے اساسی تصورات پیش کرتی ہے جن سے موجودہ معاشرے کے زوال آمادہ اخلاق کی پتا صاف سنائی دیتی ہے اور دوسری طرف اس نظم کے بعض حصے اشاریت کے حسن کا لطیف مظہر ہیں اور بعض حصوں میں رزمیے کی کیفیت ملتی ہے۔ عربی قصائد کا پر شکوہ انداز بھی اس کے اندازِ تحریر میں نظر آتا ہے اور فارسی شاعری کا آہنگ بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس

نظم کے بعض حصوں سے پاکستان اور اس کے مفلوک الحال انسانوں کی زبوں حالت کی بھی ترجمانی ہوتی ہے اور سوز و گداز کی کیفیت بھی بخوبی نمایاں ہے اس کا شعری احساس دردمند دل کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ معاشرے کی بگڑتی ہوئی حالت انسانی عظمت اور حرمت کی اعلیٰ اقدار کے زوال کا دکھ اس نظم میں اثر انگیزی کا مظہر ہے۔ایک طرح سے یہ نظم اس طرزِ احساس کا مرقع ہے جو عصر حاضر کے تاریخی و تمدنی رجحانات کو پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس رجحان کی عکاسی ذیل کے چند اشعار کرتے ہیں:

زندگی کی ہر نفس توہین
انساں کی اہانت بار بار
غیر فطری بندشوں میں پا بجولاں
آدمی ہے بے وقار
ہر حمیت کوش لمحوں کی صلیبوں پر
فغاں کرتا ہوا
سر وبال دوش ہر ماحول تذلیل آشکار
داورا، کیا زندگی ہے
کرب کی سانسوں سے رشتے استوار
میرے غم تسبیح کے دانے سہی
کب تلک آلامِ دنیا کا شکار
حرمت آدم کا اب احوال یہ ہے
آدمی خود آدمی کا ہے شکار"

اس کے علاوہ یہ نظم مرسل آخران واقعات اور تاریخی شواہد کی بھی نشاندہی کرتی ہے جو حضور اقدس ﷺ کے دور میں وقوع پذیر ہوئے۔ مثلاً

دورِ ملوکیت میں مسلمان بٹ گئے
اغراض میں سمٹ گئے مرکز سے ہٹ گئے
تشریح جب خدا کے قوانین کی ہوئی
ہر ضابطہ تھا روح سلاطین آگہی" (۱۳۴)

"محشر رسول نگری کی یہ طویل نظم مسدس کے انداز پر مبنی ہے۔ فخر کونین حصہ دوم میں ایسی طویل نعتیہ نظموں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ یہ سب یا تو تاریخ اسلام کی روشنی میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے کے واقعات کی نشاندہی کرتی ہیں یا حضور اقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بیان پر ان کا انحصار ہے۔۔۔ مثلاً

روشن نبی کے نور سے شمع حرم ہوئی

آمد سے ان کی خاک عرب محترم ہوئی

زندہ دم رسول سے نقش عجم ہوئی

بیدار ایک آن میں روح الم ہوئی

پیغام زندگی تھا نبی کے نمود میں

انسانیت پھر آئی عدم سے وجود میں (۱۲۵)

ڈاکٹر زریں کے مقالے کے باب ہفتم کا عنوان ہے "فلسفیانہ انداز کی نعتیں" (ذات وصفاتِ محمدی ﷺ کی توضیح و تشریح)، اس میں وہ لکھتی ہیں:

"طفیل دارا کے چند اشعار سے یہی فکر نمایاں ہے:

دہر سارا جسم ہے، اس جسم کا دل آپ ہیں میرے آقا سارے انسانوں میں کامل آپ ہیں

آپ ہیں خاتم بشر کی رہنمائی کے یہاں زندگی کی ہر نمائش گہہ میں شامل آپ ہیں

کیسے سمجھاؤں جہاں میں ڈوبنے والوں کو میں جو چلا آتا ہے طوفاں میں وہ ساحل آپ ہیں

اسی دور کے شعراء کی ادبی نعتیں اکثر و بیشتر نظر آتی ہیں جن کے ذریعے حضور اقدس کی ذات مبارک کے ساتھ ساتھ صفات کو اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس رجحان کی عکاسی کے تحت طفیل دارا کے اشعار ہیں۔ ان کے بعد دوسری مثال اس رجحان کی احسان دانش مرحوم کے اشعار میں ملتی ہے۔

واقف ترے مقام سے اہل زمیں کہاں

عرش بریں پہ ہیں ترے پرچم جہاں تہاں

تیری جبیں سے صبح تمدن ہے جلوہ گر

اکسیر جاں نواز تری خاک رہگور

تو مہر بے مثال ہے یا شاہ بحرو بر (۱۲۶)

"حفیظ تائب کی نعت کی بھی نوعیت یہی ہے جس میں اقبال کے فلسفیانہ مدبرانہ انداز کی جھلک کسی نہ کسی مقام پر ضرور محسوس ہوتی ہے۔ اس انداز کو ان کی ایک نعت کے چند شعر ظاہر کرتے ہیں:

اے ہادی دارین مقدر گر آفاق

خلاق ترا شیدا ہے خلائق تری مشتاق

پائی ہیں تمدن نے ضیائیں ترے در سے

روشن ہیں ترے فیض سے تاریخ کے اوراق

ہے سب میں نمایاں تری سیرت کی تجلی

تعلیم کے گلشن ہوں کہ تہذیب کے اسواق (۱۲۷)

''مسرور کیفی کی نعتیہ شاعری کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا جائے گا مثلاً یہی انداز ان کے شعروں میں ملتا ہے:

تاریکیٔ حیات کو روشن جو کر گئی

وہ روحِ ماہتاب محمد کی ذات ہے

صادق، امین، امن وامان کا پیامبر

گر ہے کوئی جناب محمد کی ذات ہے

خوشبو سے جس کی آج مہکتے ہیں دو جہاں

وہ دلنشیں گلاب محمد کی ذات ہے (۱۲۸)

زیرِ مطالعہ مقالے کے باب نہم کا عنوان ہے ''تغزل کے رنگ میں نعتیں''۔ مقالہ نگار، قمر وارثی کے طرزِ نعت گوئی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''قمر وارثی کے نعتیہ مجموعے ''شمس الضحیٰ'' کے جائزے سے بھی ایک اہم رجحان سامنے آتا ہے وہ یہ کہ زمانے کی بدلتی ہوئی اقدار اور فضا نے نعت کے موضوع کو بھی ایک نئی جہت سے آشنا کر دیا ہے۔ اس میں سیرت مبارکہ کے بیشتر پہلو پیش کیے گئے ہیں آپ کی ذات، معجزات، صفات، تعلیمات اور انسانیت کے عروج کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قمر وارثی کی نعتیہ شاعری بھی انھی رجحانات میں شامل ہے اور اس کے ساتھ اس کی تشکیل میں حبِ رسول کا جذبہ بھی بہ تمام وکمال موجزن نظر آتا ہے۔ اس انداز میں فن کی بلندی اور اظہار کا نیا اسلوب ملتا ہے اور یہی انداز جذبہ عشق میں رونما ہوتا ہے تو نعت میں رنگ تغزل کی صورت نمودار ہوتی ہے:

نبی کے غم کا پیکر ہو گیا ہوں

نہاں تھا میں اجاگر ہو گیا ہوں

ملا سرمایہ عشقِ نبی کیا

مقدر کا سکندر ہو گیا ہوں (۱۲۹)

''جمیل عظیم آبادی کی نعتیہ شاعری میں بھی تغزل کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند اشعار جن سے اس رجحان کی نمائندگی ہوتی ہے:

رافت ورحمت کے ساماں آپ ہیں

وجہِ تسکین دل وجاں آپ ہیں

ظلمتِ شب میں فروزاں آپ ہیں

مظہرِ تنویرِ یزداں آپ ہیں

ان نعتیہ اشعار میں وہ فنی پہلو سامنے آتا ہے جس کا تعلق جمالیات کی نفسیاتی کیفیت سے ہے اور یہ کیفیات عام شاعری کے علاوہ نعتیہ شاعری میں بھی کسی نہ کسی مقام پر پائی جاتی ہیں۔ ظلمتِ شب سے یہی اشارہ برآمد ہوتا ہے کہ موجودہ معاشرے میں شب کی سیاہی کی طرح جو ظلم و ستم برپا ہے اس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کرہ ارض پر ہر چیز کو یہ تاریکی نگلنے والی ہے۔ اگر ان شدید اندھیروں میں کوئی روشنی ہے تو وہ آپؐ کی ذات بہ [با] برکات کا فیضان ہے''۔(۱۳۰)

بہزاد لکھنوی کے سات نعتیہ مجموعوں کا ذکر کر کے ڈاکٹر شوکت زریں نے لکھا:

''بہزاد لکھنوی کی نعتیہ شاعری زیادہ تر غزل کے انداز کی نمائندہ فکر پر مبنی ہے اور نعتیہ شاعری میں غزل کے ہیئت اور صنف شاعری کے علاوہ اور کسی صنف شاعری کو انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں اختیار نہیں کیا''۔(۱۳۱)

بہزاد کے مجموعہ نعت ''نغمہ روح'' کا ذکر وہ اس طرح کرتی ہیں:

''اس مجموعے کی نعتوں سے بھی ان کی غزل کے رنگ اور آہنگ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ عصر حاضر کی تمام تر

نعتیہ شاعری میں غزل کا انداز اس قدر گہرا اور اثر انگیز کسی کے کلام میں نظر نہیں آتا۔ بہزاد کی نعت کشش اور جذب و شوق، عشق و مستی کی رچی بسی کیفیات کا مرقع ہے۔

مدینے کی مہکی بہاروں میں گم ہوں
میں گنبد کے رنگیں نظاروں میں گم ہوں

یہ نہ پوچھو کہاں مدینہ ہے
دل مدینہ ہے جاں مدینہ ہے(۱۳۲)

ریاض حسین چودھری کا ذکر اس پیرائے میں کیا ہے:

''ریاض حسین چودھری کی نعتیں روحانی کسک اور سوز دروں کی غماز ہیں اور یہی کسک ہجر و فرقت کے لمحات میں تصورات کے نہاں خانوں میں جمال محبوب کی نظارگی عطا کرتی ہے اور یہی وہ جذبہ یا کیفیت ہے جو ایک طرف ان کی نعتیہ شاعری کو غزل کے رنگ و آہنگ کی طرف لے جاتی ہے اور دوسری طرف اس میں امت اسلام کی بیچارگی کو غم کائنات میں سمو کر پیش کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ چنانچہ اجتماعی آلام اور امت مسلمہ کو درپیش مصائب و مسائل کا ادراک ان کی نعتیہ شاعری کو جدید رجحان اور فکر کی اعلیٰ ترین قدروں کے عین مطابق قرار دیے جانے کے لائق ہے۔ حاصل مطالعہ چند نعتوں کے اشعار ہیں:

کروں گا عرض یہ پوچھیں گے جب اپنے سوالی سے   لپٹ کر جان دیدوں آپ کے روضے کی جالی سے

برہنہ سر کھڑا ہوں کربلائے عصر میں آقاؐ　　مجھے نعلین کی اترن ملے دربارِ عالی سے

کھو جاؤں پھر تصورِ شہرِ رسول میں　　محرومیوں کے کرب کی شدت کو کم کروں

سانسوں کو دے کے خوشبوئے خاکِ درِ حبیب　　عمرِ گریز پا کو حریفِ عدم کروں

طیبہ سے آنے والے میرے قریب آنا　　اس چشمِ تر میں خاکِ شہرِ نبی لگانا (۱۳۳)

دنیا کی خواہشوں سے دامن چھڑا کے اپنا　　تو یادِ مصطفٰےؐ کے شب بھر دیئے جلانا

محشر رسول نگری کے طویل مسدس ''فخرِ کونینؐ'' کے ضمن میں، ڈاکٹر زرین نے اپنی رائے اس طرح رقم کی ہے:

''فخرِ کونینؐ'' میں فنی مہارت، بالغ نظری، جمالیاتی احساس و ادراک، روایات کا پاس، مشاہدات و تجربات کا تنوع موجود ہے۔ لیکن ان کے برعکس سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس نعتیہ نظم میں ''اردو نعت کے جدید رجحانات ملتے ہیں چونکہ موجودہ دور کی نعتیہ شاعری ندرتِ خیال و فکر کی شاعری ہے جو عموماً نعت کے موضوع کو اہم بنانے میں اپنے اس رجحان کی وجہ سے معاونت کرتی ہے کہ شاعر نے اگر اس موضوع کو ہاتھ لگایا ہے تو اس میں جذباتی صداقت کا گہرا لگاؤ، عقیدہ و اخلاص کہاں تک شامل ہے اور اس فن کی عظمت بھی یہی ہے گویا کہنے والا جب تک خود اپنے جذبوں، تجربات اور موضوع سے متاثر نہ ہوگا وہ اپنے عالم سے دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ چونکہ اسی رجحان کی شاعری و ادب کی اپنی جگہ ایک فعال حیثیت ہے اس کے ذریعے ایک پیغام اور فکر و عمل کی ترغیب ملتی ہے جو کہ صحیح معنوں میں مسلمان قوم کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے۔ اس انداز کا پرتو اس نظم کے آخری اشعار میں جھلکتا ہے:

باطل کا راہِ صدق و صفا میں گزر کہاں
نااہل کو مقامِ نبی کی خبر کہاں
اخلاص کے بغیر سخن میں اثر کہاں
ہو دل ہی بے بصر تو مذاقِ نظر کہاں
درکار ہے کمالِ صفا اس مقام پر
ہے جنبشِ نظر بھی خطا اس مقام پر
نظروں سے چومتا ہوں مدینے کے بام و در
کرتا ہوں پھر ثنائے شہنشاہِ بحر و بر　(۱۳۴)

''اردو نعت کے جدید رجحانات'' کا یہ سرسری جائزہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس میں تنقیدی بصیرت کے کئی زاویے پیشِ نظر رکھے ہیں اور فنی جمالیات، تاریخی شعری نمونوں کے موازنے اور عصری حسیت کے حوالے سے عمرانی تنقیدی نقطۂ نظر بروئے کار لاتے ہوئے شعراء کے کلام پر رائے دی ہے۔ ان کی تنقید بھی کسی ایک تنقیدی

دبستان کی پابند نہیں ہے۔ اس تنقیدی عمل میں جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) تاریخی تنقید (Historical Criticism) اور عمرانی تنقید (Sociological Criticism) کے رجحانات کا ملا جلا عکس ہے۔

viii۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ:

ڈاکٹر اِفضال احمد انور کے اس مقالے پر پنجاب یونیورسٹی سے سن ۲۰۰۷ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ اس مقالے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نعتیہ شاعری کے لیے شعراء نے کس کس ہیئت کی صنفِ سخن کو برتا ہے۔ اس تحقیقی مطالعے میں اصنافِ سخن کی مادی (Physical) ہیئتوں اور ان اصنافِ سخن کے مزاج پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مقالہ خود ایک تنقیدی کاوش ہے۔ ویسے تو ہر صنفِ سخن کی ہیئت اور اس کے مزاج کے حوالے سے گفتگو ایک تنقیدی عمل ہے ہی لیکن اس مقالے میں "نعت کے انداز اور اسالیب" اور "نعت پر تنقید" کے عنوانات قائم کر کے جو گفتگو کی گئی ہے وہ خالص تنقید ہے۔ نمونے کے طور پر غزل کے ضمن میں ڈاکٹر موصوف کی رائے ملاحظہ ہو:

"غزل کی ہیئت میں سب سے زیادہ نعت کہی گئی ہے اس کا ایک سبب مشاعرے بھی ہیں کیونکہ مشاعرہ طویل مثنوی، دقیق قصیدے کا متحمل نہیں ہوتا۔ دیگر اصناف میں وہ خاص غنایت بھی نہیں جو غزل کی پہچان ہے۔ غزل نے اپنی تخلیق کے روزِ اول سے آج تک جتنے زمانے، رجحان، ہنگامے، مزاج دیکھے ہیں۔ عشق، سیاست، روحانیت، معاشرت، مزاح غرض ہر مضمون کو ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کی ہے، دو ہی مصرعوں میں بات مکمل کر کے داستان گوئی سے بچنے کا ہنر سیکھا ہے۔ یہ سب کچھ اس نے خدمتِ نعت میں پیش کر دیا ہے۔ غزل پہلے ہی سونا تھی، خادمِ نعت بن کر ام الاصناف ہو گئی ہے۔ مقدار اور معیار میں نعتیہ غزل ہی دیگر ہیئتوں کی نسبت زیادہ وقیع و رفیع مقام پر فائز ہے"۔ (۱۳۵)

مثلث کی ہیئت میں لکھی گئی نعتوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اِفضال احمد انور نے سید محمد امین نقوی کی تخلیق کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

"""محسنِ محمدؐ" نقوی شاہ صاحب کی ایسی کتاب ہے، جس کا یہ تخصص ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے حرف "الف" استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے اس کتاب میں مثلث ہیئت میں بھی ثنائے مصطفیٰؐ میں لکھا ہے اور اس مثلث میں اہم بات یہ ہے کہ اس کا ہر مصرع لفظ "محمدؐ" سے شروع ہوتا ہے۔ بطور مثال ایک بند درج ذیل ہے:

محمدؐ ہیں کنزِ علوم و فنون
محمدؐ رہِ معرفت کے صعود
محمدؐ پہ ہر دم کروڑوں درود

اس مثلث کے ہر بند میں دوسرا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہیں۔ ساری مثلث میں عشق و مستی کی

ایک خاص لہر جاری وساری نظر آتی ہے۔ نعتیہ مثلثوں میں اس نظم کا درجہ مسلم رہے گا۔ اس نظم کا دوہرا تخصص (ہر مصرع کا آغاز اسمِ پاک "محمدؐ" سے، نیز سارے مثلث میں حرف الف کا نہ پایا جانا) بھی یادگار رہے گا۔ محمد امین نقوی شاہ کے ایک اور نعتیہ مثلث کا یہ بند بھی دیکھئے:

محمدؐ نبیؐ ہیں محمدؐ رسولؐ
محمدؐ سکون و سرورِ عقول
محمدؐ پہ بھیجو درودوں کے پھول (۱۳۶)

ع۔س۔ مسلم کے مثمن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت وثنا لکھتے ہوئے شاعر کا قلم اس سرشاری والہانہ پن اور تیز روی سے چلتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اصول ہے مذکور غیر فانی ہو تو ذاکر بھی غیر فانی ہو جایا کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک نے شاعر کی صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شاعر کا سینہ ایسا چشمہ ہے جہاں سے مضامین مدحت جاری رہتے ہیں۔

وہ مصدوق ہے اور صادق وہی
بظاہر مؤخر پہ سابق وہی
رضائے خدا کے مطابق وہی
ہے طوفاں میں بادِ موافق وہی
حقیقت میں قرآنِ ناطق وہی
وہی حق ہے، شرحِ حقائق وہی
وہی مبتدیٰ، منتہیٰ، مدعا
وہی مرتضیٰ، مجتبیٰ، مصطفیٰ

شاعر کو قادر الکلامی کا ملکہ حاصل ہے۔ الفاظ کا چناؤ، تراکیب سازی، تشبیہات واستعارات کا فنکارانہ استعمال غرض بہترین شعری خوبیوں سے مالا مال یہ مثمن نعتیہ ادب کی جھولی میں ایک قیمتی ہیرے سے کم نہیں۔۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ ع۔س۔ مسلم کا تمام کلام گویا انتخاب ہے۔ آخر میں درود وسلام سے متعلق بھی ایک بند درج کیا جاتا ہے۔ یہاں شاعر نے مثمن، ترکیب بند کو ترجیع بند سے ہمکنار کر دیا ہے۔ کیونکہ متعدد بندوں کا آخری مصرع "محمد پہ لاکھوں درودوسلام" ہے:

محمد سزاوار مدح و صلوٰۃ وہی زینتِ محفلِ ممکنات
محمد سے قائم دم کائنات خدا کا ہے جو ہے محمد کا بات
محبت محمد کی راہِ نجات اسی سے ہے ہم غم کے ماروں کی بات (۱۳۷)
وہی جامع قلب جملہ انام محمد پہ لاکھوں درود و سلام

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں "نعت کے انداز واسالیب" پر بصیرت افروز گفتگو کی ہے جس سے نعت پارے کی تخلیقی جمالیات کی گرہ کشائی ہوتی ہے۔ یہ موضوع خالصتاً تنقدی ہے لہٰذا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ذیل میں ان کے خیالات کا جائزہ لے لیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ اس نے اپنی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی جدت اور انفرادیت رکھ دی ہے۔ ہر انسان عمومی طور پر دو آنکھیں، ایک ناک، دو کان، ایک منہ۔۔۔ رکھنے کے باوجود کچھ ایسی شناخت بھی رکھتا ہے جو اسے دوسروں سے الگ کرتی ہے۔ موروثی اثرات، سماجی ماحول، مخصوص مزاج کے علاوہ اس کا قد، رنگ، لہجہ حتیٰ کے [کہ] لباس تک (جیسے داخلی و خارجی عوامل مل کر) اس کی الگ شناخت بنانے میں معاون ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جملہ عناصر و عوامل کے امتزاج سے اس کا بات کرنے کا انداز و اسلوب بنتا ہے۔ (Style is the man himself) کا یہی مطلب ہے۔ ہر فنکار کی تخلیق اس کی ذاتی امیج اور اسلوب کی حامل ہوتی ہے۔ ایک ہی بات کو مختلف لوگ مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے اسلوب کی رنگارنگی اور بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے۔ سیف نے کہا تھا کہ انداز بیاں بات بدل دیتا ہے، ورنہ ہر بات نئی بات نہیں ہوتی۔ اردو نثر میں میر امن، رجب علی بیگ سرور مولانا محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد۔۔۔ سب کا بات کرنے کا ڈھنگ جدا جدا ہے۔ یہ ان کے اسالیب کی انفرادیت ہے۔ نثر کی طرح شاعری میں بھی ہر ایک کا انداز جدا ہے۔ میر تقی میر، مرزا غالب، نظیر اکبر آبادی کا اسلوب سخن ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ نعت کے اسالیب بھی مختلف شاعروں کے ہاں مختلف دکھائی دیتے ہیں۔۔۔۔ نعتیہ اسلوب کے تعین میں بہت سے عوامل کارفرما ہوسکتے ہیں جیسے نعت گو کی علمیت، اس کا انتخاب لفظیات، ترکیب سازی کی مہارت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت کی سطح اور اس کے پیش کردہ نعتیہ مضامین کے پیچھے کارفرما اس کا مسلک و عقیدہ نیز وسعت مطالعہ اور فن عروض کے علاوہ شعر کی مختلف ہیئتوں سے آگاہی وغیرہ وغیرہ۔ ضروری نہیں کہ ہر نعت گو ایک ایسے اسلوب کا بھی حامل ہو جو دوسروں کے لیے باعثِ رشک بن کر اسلوب کی کسی عظیم روایت کا نقیب ٹھہرے، البتہ ضرور [ی] ہے کہ نعت گو جس انداز میں نعت کہے اس کا تجزیہ کر کے ناقد نعت، اس کے اسلوب کی خصوصیات سامنے لاسکتا ہے۔ یہ اسلوب سادہ بھی ہوسکتا ہے اور پیچدار بھی، سہل بھی ہوسکتا ہے اور ادق بھی، عاشقانہ بھی ہوسکتا ہے اور فلسفیانہ بھی۔ کسی کے اسلوب کی نقل بھی ہوسکتا ہے اور ذاتی بھی''۔ (۱۳۸)

اسلوب کے ضمن میں کی جانے والی بحث کے درج بالا اقتباس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مقالہ نگار کا تنقیدی وژن نہ صرف خارجی ہیئتوں کا ادراک سمیٹے ہوئے ہے بلکہ فن پارے کی داخلی اختصاصی نوعیت کی پرکھ کی بصیرت کا بھی حامل ہے۔ نعت کا موضوع اپنی تمام تر بوقلمونی کے ساتھ کائنات کی ایک ہی بڑی ہستی یعنی حضور رحمتِ عالم ﷺ کے تذکار کا ہالہ بناتا ہے، اس لیے اس صنف میں فکر و خیال کی تکرار و توارد کے امکانات زیادہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعتیہ شاعری کی پرکھ کے موقعے پر ناقد، شاعر کے اسلوب کی انفرادیت یا عدم انفرادیت کا ذکر کرتا ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں انداز و اسلوب کی بات کی ہے۔

اسی طرح تنقیدِ نعت کا جواز پیش کرتے ہوئے انہوں نے عاصی کرنالی کے اس استدلال کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے کسی دوست کو گلدستہ پیش کرنے کی مثال دے کر باوزن بنایا تھا۔ ظاہر ہے کسی دوست کو اچھے سے اچھا گلدستہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، مرجھائے ہوئے پھولوں اور کانٹوں بھری ٹہنیوں سے تو وہ گلدستہ تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر افضال احمد انور لکھتے ہیں:

"راقم الحروف (ڈاکٹر افضال احمد انور) پھولوں کی خراش تراش اور آرائش وزیبائش سے اگلے مرحلے کی بات کرنا چاہتا ہے کہ یہ سجا سجایا، تازہ، لطیف اور خوشبودار پھولوں کا گلدستہ کتنا ہی دلکش، معطر اور قیمتی کیوں نہ ہو اگر اس کی کسی ٹہنی یا پھولوں سے کوئی چھوٹا سا زہریلا سنپولیا لپٹا ہوا ہے، تو اس خوبصورت گلدستے کی کیا قیمت رہ جائے گی؟ کون اسے اپنے مجازی محبوب کو پیش کرنے کا سوچ بھی سکے گا؟ لاعلمی کی بنا پر ایسا ہو جائے تو اور بات ہے لیکن جان بوجھ کر ایسا مہلک گلدستہ کسی کو پیش کرنا یقیناً ناقابلِ معافی جرم ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر نعت کے ظاہری الفاظ رواں، سبک، مترنم اور شیریں ہوں لیکن ان کے معانی کے تہہ میں مستور کوئی بات دینِ اسلام کی بنیاد کے خلاف ہو، شرک سے مملو ہو یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے ادبی پر مشتمل ہو، تو کون اسے نعت قرار دے گا؟ نعت کے حوالے سے سب سے پہلے یہ جائزہ لیا جائے گا کہ کہیں اس میں کوئی بات خلافِ شرعِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو نہیں۔ اگر وہ شریعت کے خلاف ہے تو اس پر گرفت کرنا ہر آگاہ مسلمان کے لیے ضروری ہے لیکن علمائے شریعت کا تو فرض ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے ہر کوشش بروئے کار لائیں۔ ذاتی طور پر اپنے دل میں موجود جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیشِ نظر ہر شخص نعتیہ کلام کہہ سکتا ہے لیکن اس نعتیہ کلام کو ادبی فن پارہ تب ہی تسلیم کیا جائے گا جب اس میں ادبی تقاضے بھی پورے ہوں"۔ (۱۳۹)

اس کے بعد ڈاکٹر افضال احمد انور نے تنقیدِ نعت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) نعتیہ شناخت (ب) آدابِ شریعت کا لحاظ (ج) جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
(د) لسانی و شعری تقاضوں کی ہم آہنگی

ڈاکٹر افضال احمد انور کے نکات اختصاراً انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:

"نعتیہ شناخت، نعت پارے کی اولین شرط ہے۔۔۔ اگر کوئی نعت ایسی ہے کہ اس کو عنوان "نعت" مٹا کر لفظ "غزل" لکھ دیا جائے تو اس کے سارے شعر صرف محبوبِ مجازی سے متعلق محسوس ہوں تو اسے بھی نعت تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاص صفت و ثنا صرف انہی سے مخصوص ہے اور ان کا غیر اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔۔۔ اگر کسی شعر میں آدابِ شریعت کی پاسداری نہیں کی گئی تو وہ قطعاً نعت کا شعر نہیں ہو سکتا۔۔۔ نعت کا اصل محرک جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اگر شعر میں سب کچھ ہے، بس یہ جذبہ مفقود ہے تو بھی اس کی نعتیہ حیثیت سوالیہ نشان بنی رہے گی۔

--نعتیہ تنقید میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ شعر، ادبی تقاضوں کو پورا کرتا ہے یا نہیں"۔(۱۴۰)

ڈاکٹر موصوف، مواد، مفہوم اور ہیئت کے اچھے برے پہلوؤں کی جانچ کے تناظر میں نعت کے مقام و مرتبہ کے تعین کے عمل کو تنقیدِ نعت کا نام دیتے ہیں۔(۱۴۱) ادبی تنقید کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"ادبی تنقید کا عمل جہاں فن پارے کے مواد کو جانچتا ہے، وہاں ہیئت کے حوالوں سے بھی اس کے معیار کا تعین کرتا ہے، ادب پاروں کو جانچنے کے لیے تنقید کی مختلف اقسام روبہ عمل ہیں جیسے تاثراتی تنقید، مارکسی تنقید، نفسیاتی تنقید، جمالیاتی تنقید، تقابلی تنقید اور ساختیاتی تنقید وغیرہ۔ تنقید کے یہ تمام طریقے جزوی طور پر تنقید نعت میں کام آسکتے ہیں لیکن نعت کا موضوع ایک ایسی الگ شناخت رکھتا ہے کہ اس کا تنقیدی نظام بھی الگ ہی ہونا چاہیئے۔ جیسے ہر عظیم ادب پارے کی جانچ کا معیار اس کے بطن سے نمودار ہوتا ہے اسی طرح اردو نعت کی تنقید بھی اپنے داخلی تقاضوں کے تحت ہی اپنا کام سرانجام دیتی ہے"۔(۱۴۱)

نعتیہ تخلیقات کی تنقیدی جانچ پرکھ کا کام ایک طویل عرصے تک نہیں ہوسکا تھا۔ الحمدللہ اب یہ کام بڑی سنجیدگی سے ہو رہا ہے۔ نعتیہ شاعری پر تنقید کے مربوط اور واضح نقوش ہمیں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالے"اردو میں نعتیہ شاعری" میں ملتے ہیں۔ ڈاکٹر افضال احمد انور نے اس ذیل میں لکھا ہے:

"ایک طویل عرصے تک ادبی تذکرہ نگاروں بلکہ نقادوں کی اکثریت نے بھی اسے ایک الگ سنجیدہ ادبی صنف کے طور پر نہیں لیا۔ نعت کو موضوعاتی اور مذہبی شے جان کر ایک طرف رکھ دیا گیا، حالانکہ دنیا کی عظیم شاعری کا اکثر حصہ موضوعاتی ہے۔ میر تقی میر سے لے کر محمد حسین آزاد تک کسی نے نعت کی الگ شناخت کے حوالے سے تنقیدی خدمات سرانجام نہیں دیں۔ حالانکہ غزل کے حوالے سے ان بزرگوں نے اپنی بساط کے مطابق تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا۔ آگے چل کر الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولوی عبدالحق وغیرہ کے ہاں بھی نعتیہ تنقید کی باقاعدہ روایت نہیں ملتی۔ شعرالہند میں عبدالسلام ندوی نے مذہبی شاعری کے حوالے سے نعت میں در آنے والی خامیوں پر اپنے تنقیدی کرب کا اظہار کرتے ہوئے بعض موانعاتِ نعت کی طرف اشارے کیے۔ نعتیہ تنقید کا اولین، بھرپور اور باقاعدہ آغاز ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کے مقالہ"اردو میں نعتیہ شاعری" سے ہوتا ہے"۔(۱۴۲)

نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں تاریخی طور پر کہاں اور کب کتنا اضافہ ہوا، ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالے میں اس چیز کا حوالہ، اس بات کا اشارہ ہے کہ مقالہ نگار کو تنقیدی سرگرمی سے خاص دلچسپی ہے۔ نعتیہ ادب کا تحقیقی مطالعہ تو بے شک پہلے پہل ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ہی نے کیا تھا، اس لیے ڈاکٹر افضال احمد انور کی اس مقالے کے لیے رائے جزوی طور پر درست مانی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" میں محسن کاکوروی کو، بحیثیت نعت گو شاعر، سب سے پہلے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے جگہ دے کر اس مقدس صنف کے ضمن میں تنقیدی رائے رقم کردی تھی۔ اس لیے نعتیہ ادب میں تنقیدی رائے کا پہلا اظہار یہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا مانا جائے گا کیوں کہ ان کا مقالہ ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا تھا۔ میرے

پاس مذکورہ مقالے کا چوتھا اڈیشن ہے جو ۱۹۸۷ء میں چھپا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر ۷۰ برس کی تھی اور دیباچے میں انہوں لکھا تھا کہ جب یہ مقالہ لکھنا شروع کیا تھا اس وقت وہ ۲۲ سالہ جوان تھے۔ گویا چوتھا ایڈیشن آتے آتے ۴۸ سال بیت چکے تھے۔ (۱۴۳)

ہمارا مسئلہ تنقیدی نقوش کی تلاش ہے جبکہ ڈاکٹر افضال احمد انور کا سرے سے یہ مسئلہ تھا ہی نہیں، اس لیے تحقیقی سطح پر ان کے دعوے کی جزوی تغلیط سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں بھارت کے ایک شاعر ابو لمجاھد زاہد کی ایک طویل نعت کا ہیئتی مطالعہ کیا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان (ابو المجاھد زاہد) کی ایک طویل نعت غزل، مسدس اور مثنوی کی مشترکہ ہیئت میں ہے۔ ہیئتی نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ مفید مطلب ہے۔ اس نعت کا عنوان ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔ پچاس اشعار کی اس نعت کے کل چار بند ہیں۔ پہلا بند غزل کی ہیئت پر مشتمل ہے۔ اس بند کے گیارہ اشعار میں سے چار اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

محمدؐ مرکزِ اہلِ نظر ہے
محمد منزلِ اہلِ خبر ہے
محمد نازشِ جن و بشر ہے
محمد عالمی پیغامبر ہے
محمد مظہرِ لطف و عنایت
وہ جس کی خاکِ پا کحل البصر ہے
اسی کا دین، دینِ حق ہے زاہدؔ
اسی کی راہ، راہِ معتبر ہے

دوسرا بند پندرہ اشعار پر مشتمل ہے اور مثنوی کی ہیئت میں ہے:

محمد نورِ انوارِ ہدایت
محمد روحِ ارواحِ سعادت
محمدؐ تاجدارِ تاجداراں
محمد شہریارِ شہریاراں
محمدؐ آبروئے بزمِ امکاں
حبیبِ خالق و محبوبِ دوراں
محمد اک مثالِ بے مثالی

انیسِ بیکساں، مولی الموالی

تیسرا بند نو اشعار پر مشتمل ہے۔اس میں مسدس ہیئت کے تین بند ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

یہ اعجازِ نبیؐ لطف و رحمت
اندھیرے بن گئے نورِ ہدایت
جو وحشی تھے بفیضانِ رسالت
بنے معمارِ تہذیب و حضارت
جو علم و معرفت سے نابلد تھے
معلم بن گئے سارے جہاں کے
محمدؐ ہی کی خوشبو سے معطر
سعیدؓ و سعدؓ و عمارؓ و ابوذرؓ
محمدؐ ہی کے حسنِ تربیت سے
بلالؓ و مصعبؓ و سلمانؓ چمکے

چوتھا بند پھر مثنوی کی ہیئت میں ہے:

رشید و مرشد و عالم محمدؐ
امام و مصلح و اعظم محمدؐ
طبیبِ جسم و عقل و دل محمدؐ
حکیم و عارف و کامل محمدؐ
جہاں ممنونِ احسانِ محمدؐ
زمانہ ہے ثناخوانِ محمدؐ
محمدؐ مرکزِ ارمانِ زاہد
محمدؐ پر نچھاور جانِ زاہدؔ

i۔اس نعت کے تمام بند ایک ہی بحر میں لکھے گئے ہیں۔(مفاعیلن، مفاعیلن، فعولن) اصولاً مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کی طرح ہوتا ہے اور شاعر سے یہ حق کون چھین سکتا ہے کہ وہ ایک مطلعے کے بعد اسی قافیے میں دوسرا یا تیسرا یا کئی مطلعے لا سکے۔یہاں بھی شاعر نے مثنوی کی اس پابندی کو تو برقرار رکھا ہے البتہ اس میں غزل کی خوشبو بھی ڈال دی ہے جو یقیناً تنوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ii۔پہلے تین بندوں کے جن اشعار میں اسمِ پاک ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم استعمال کیا گیا ہے، مصرع (صرف پہلا یا پہلا، دوسرا یہ دونوں) کے شروع میں استعمال کیا گیا ہے۔چوتھے بند میں یہ اسمِ مقدس جن

اشعار میں موجود ہے، دونوں مصرعوں میں ہے اور صرف آخر میں ہے، جبکہ آخری شعر میں دونوں مصرعوں کے آغاز میں استعمال کیا گیا ہے۔

iii۔ نغمگی، خطیبانہ جوش، تعظیم رسولؐ اور جذبہ ودل، ساری نظم میں ظاہر ہے۔ شاعر نے ایک ہی نعت میں تین ہیئتوں کا مرکب ڈھانچہ استعمال کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ہیئت بدلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ تکلف اور تصنع سے پاک نعت میں یہ ہیئتی تجربہ کامیاب بھی ہے اور قابلِ تحسین بھی۔ اس مرکب ہیئت میں مثنوی کی ہیئت غالب ہے کیونکہ وہ دو بندوں پر مشتمل ہے۔ اسے مثنوی، غزل اور مسدس کی مرکب ہیئت کہا جاسکتا ہے"۔(۱۴۳)

اس اقتباس سے مترشح ہوا کہ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں نعت پاروں کا تجزیاتی مطالعہ پورے تنقیدی شعور کے ساتھ کیا ہے اور اپنے نتائجِ فکر باقاعدہ تنقیدی زبان میں رقم کیے ہیں۔ "اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ" ایک تحقیقی مطالعہ ہونے کے باعث تو اہم ہے ہی، اس کی اہمیت ان آراء سے اور بڑھ جاتی ہے جو فنی آگہی اور تنقیدی بصیرت کی آمیزش کے ساتھ حوالۂ قرطاس کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر اِفضال احمد انور، فنی جمالیات، تاثرات اور تجزیہ کاری کے ساتھ نعت کے ہیئتی تنوع میں تاریخی تسلسل کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں، اس لیے ان کے منہاجِ تنقید کو ہم جمالیاتی، تاثراتی، تجزیاتی اور تاریخی دبستانِ تنقید کا مرکب کہہ سکتے ہیں۔

ix۔ اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا یہ مقالہ، روہیل کھنڈ یونیورسٹی (بریلی، بھارت) میں ۱۹۹۴ء میں پیش کیا گیا تھا جس پر مقالہ نگار کو پی۔ایچ۔ڈی کی سند عطا کی گئی۔(۱۴۵)

مذکورہ مقالے کے تین ابواب تنقیدی مباحث کے لیے وقف ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

چھٹا باب: امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعت گوئی کے انفرادی خدوخال

آٹھواں باب: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی نعت گوئی کا ادبی مقام

نواں باب: اردو نعت کی تاریخ میں نعت نگاری کی حیثیت سے امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مقام(۱۴۶)

چھٹے باب کے شروع میں مقالہ نگار نے لکھا ہے:

"امام احمد رضا خاں صاحب کی شاعری میں ان کے جذبے کے خلوص وصداقت کا رچاؤ شروع سے آخر تک اپنی تمام تر آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ ان کی نعت عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی عملی محبتوں کا آئینہ ہے۔ اس میں ان سوختہ جانوں کے سوزوگداز اور عقیدت ونیاز کی مہکیں بسی ہیں اور خود امام موصوف کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ انکے اشعار جذبوں کی اکائیاں ہیں جو لفظوں کے روپ میں لو دے رہی ہیں۔ امام احمد رضا خان کی شاعری اکتسابی نہیں وہبی ہے، لفظوں کی نہیں جذبوں کی شاعری ہے۔ ان کے یہاں

تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ان کی نعت جن خارجی اوصاف سے مزین ہے وہ کہیں بھی ان کے اظہار جذبات یا ترسیل فکر میں حارج نہیں ہوتیں۔ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور موثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ان کے یہاں شعری اور شعوری صداقت کا خوب صورت توازن پایا جاتا ہے۔ان کی شاعری پر سادگی، معصومیت، شگفتگی اور عاشقانہ سرمستی کی ایک ایسی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے جو قاری کے دروں خانہ ایک مدوجزر برپا کردیتی ہے۔مولانا موصوف کے یہاں غزل کے پیرائے میں لمبی لمبی نعتیں ہیں اور بعض نعتیں بڑی مشکل زمینوں اور ردیفوں میں لکھی گئی ہیں لیکن حضور ختمی مآب ﷺ کی محبت کا تیز دھارا سنگلاخ زمینوں کو چیرتا ہوا اس طرح گزر گیا ہے کہ شادابی اور زرخیزی کے جو آثار ان کی نعتوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ دوسروں کے یہاں نرم اور ہموار زمینوں میں بھی نظر نہیں آتے"۔(۱۴۷)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا اندازِ تحسین، تاثراتی ہے۔بعض جگہ ان کی تنقیدی رائے پر فاضلِ بریلوی کی محبت اور ان کی شخصیت کی عظمت کا غلبہ بھی محسوس ہوتا ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں:

"پوری اردو نعت گوئی کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس کا کلام کلی طور پر شرعی خامی سے پاک ہو سوائے مولانا بریلوی کے"۔(۱۴۸)

ڈاکٹر عزیزی کا درج بالا بیان پڑھنے کے بعد جب ہم ان کی کتاب پڑھتے ہیں تو ذہن کو جھٹکا لگتا ہے۔وہ خود لکھتے ہیں:

"۸رذی الحجہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کو کانپور سے محمد آصف نامی کسی شخص نے لکھا کہ دیوان حدائق بخشش کی ایک نعت کے اس مصرعہ "حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو" میں لفظ شہنشاہ کا استعمال مناسب نہیں اس لیے اس کو یوں بدل دیا جائے "حاجیو آؤ مرے شاہ کا روضہ دیکھو"۔

حضرت فاضل بریلوی نے لفظ شہنشاہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل شعراء، صوفیاء اور علماء کے اشعار اور نگارشات سے استدلال کیا۔

امام رکن الدین ابوبکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید کرمانی، علامہ خیر الدین زرکلی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ مصلح الدین سعدی، حضرت امیر خسرو، مولانا جامی، حافظ شیرازی، مولانا نظامی، شیخ شہاب الدین وغیرہ وغیرہ. ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے لیے شہنشاہ، ملک الملوک اور سلطان السلاطین وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں"(۱۴۹)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے صحیح بخاری کی حدیث کے مقابلے میں امت کے اکابرین کے عمل کو ترجیح دی۔اس رویے پر اعتراضات بھی ہوتے رہے ہیں لیکن ان اعتراضات کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔مفتی محمد زرولی خان صاحب نے لکھا:

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے"باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک و

تعالیٰ اور یہ حدیث لائے ہیں' قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخنی الاسماء یوم القیمۃ رجل تسمی ملک الاملاک' آگے چل کر ملک الاملاک کا معنی سفیان سے نقل کیا ہے "تفسیرہ شاھان شاہ [بخاری ج ۲ ص ۹۱۶]"۔(۱۵۰)

اس کے بعد مفتی زرولی نے اعلیٰ حضرت کے مذکورہ شعر پر وارد ہونے والے اعتراض اور اس کی مجوزہ اصلاح کا حوالہ دے کر لکھا ہے:

انہوں [اعلیٰ حضرت] نے اس کے جواب میں بہت سارے مصنفین کے نام لکھ بھیجے جنہوں نے اپنی کتابوں یا کتاب کے خطبوں میں آنحضرت ﷺ کے لیے شہنشاہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اب یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان علماء میں ایک اعلیٰ حضرت ہوئے اور ان سب نے مل کر یہ نام استعمال فرمایا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کسی حدیث یا سنت نبوی کے موافق ہے جب حدیث میں ممانعت آئی ہے تو بشمول اعلیٰ حضرت کے سب کے سب غلطی پر ثابت ہوئے۔

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر

قول اللہ فعل احمد را بگیر

اب اس سلسلے میں چند گذارشات پیش خدمت ہیں:

[۱] اعلیٰ حضرت نے بخاری شریف سے لاعلمی ظاہر کی کیوں کہ صحیح تحقیق کے مطابق وہ بغیر دورۂ حدیث کے مقام اعلیٰ حضرت تک پہنچ گئے۔

[۲] جب حدیث میں اس کو منع فرمایا تو یہ عزت واحترام کیسے ہوا۔

[۳] جب پیغمبر ﷺ نے اس کو بدترین فرمایا ہے تو یہ آداب نہیں بلکہ بے ادبی کا ارتکاب ہے۔

[۴] امتِ محمدیہ کے جماہیر کے یہاں قرآن کریم کے بعد اصح کتاب بخاری شریف ہے اس پر عمل ضروری تھا یا امتیوں کے نام گنوانا؟"۔(۱۵۱)

مفتی محمد زرولی خان کے اعتراضات کا شاید [بلکہ یقیناً] ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں ان کا یہ دعویٰ کہ "صرف اعلیٰ حضرت کا کلام کلی طور پر شرعی خامی سے پاک ہے" معرضِ خطر میں پڑ جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے خود لکھا ہے:

"نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ نعت پاک پر جب تک قرآنی ادب کا سایہ نہ ہوگا نعت میں پاسِ شرع نہ ہوگا اور وہ راستے سے ہٹ جائے گی"۔(۱۵۲)

اس کے بعد "عینیت اور پردۂ میم" کے عنوان کے تحت انہوں نے شعراء کے قابل گرفت اشعار نقل کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"حقیقی تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود کی غلط سمجھ کے سبب نعت مجروح ہوئی ہے۔ احمد کے میم کو ہٹا کر احد

بنادیا گیا ہے اور عرب کے عین کو لفظ سے جدا کر کے رب بنادیا ہے۔ حضرت محسن جیسے عظیم نعت نگار کے یہاں بھی اس طرح کے مضامین ملتے ہیں ؎

عینیت غیر رب کو رب سے

غیریت عین کو عرب سے

ذات احمد تھی یا خدا تھا

سایہ کیا میم تک جدا تھا

[۲] شائق حیدرآبادی لکھتے ہیں:

میم کا رخ سے ہٹا کر گھونگھٹ

شکل دکھا دو میرے پیارے احمد

[۳] صحو ابوالعلائی کہتے ہیں ؎

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضور

ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور

امیر مینائی اور اقبال جیسے مشاہیر شعراء نے اسطرح کا مضمون باندھا ہے:

[۴] ہو جائیں امیر احمد بے میم پہ قرباں

خلعت احدیت کا بھی پایا شب معراج [امیر مینائی]

[۵] نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر

وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر [اقبال]

مدینہ شریف کے لیے یثرب کا استعمال منع ہے۔

محمد علی جوہر، حفیظ جالندھری، ظفر علی خاں، امیر مینائی وغیرہ نے بھی یثرب کا استعمال کیا ہے۔

نعت کے موضوعات اور مضامین کے برتنے میں شرعی حدود سے باہر جانے کی چند مثالیں:

[۱] ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ

مصطفیٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ [شائق حیدرآبادی]

[۲] اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد (ﷺ) سے [فاران سیر ت نمبر]

[۳] کالی کملی والے بھیا آداب سرکار

[۴] محمد سر قدرت ہے کوئی رمز اسکی کیا جانے

شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے [شائق]

[۵] ناسخ کے یہاں خدااور رسول کوایک کردینے کاانداز دیکھئے ۔

معانی قل ہواللہ احد کے ہیں یہاں ناسخ

برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

[۶] حالی کا یہ شعر دیکھیں۔ مرتبہ رسالت کے کس قدر خلاف ہے۔

مجھے دی ہے بس حق نے اتنی بزرگی

کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

[۷] شہیدی کا یہ شعر بھی مرتبہ الوہیت کے منافی ہے ۔

خدامنہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے

زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

[۸] مرزا سودا کا یہ شعر انبیائے کرام کی توہین کے مترادف ہے ۔

کرے جو ہمسری اس سے کسے تاب

کہ نبیوں سے ہیں بڑھ کے اسکے اصحاب

[۹] جوگن کی جھولی بھر دے اورام نام والے

اس بت کورام کردے اورام نام والے (امجد حیدر آبادی)

حضورﷺ کو خدا سمجھ لینا۔ ان سے دیگر انبیاء کے تقابل میں انبیاء کی توہین کا پہلو نکال دینا، نبیﷺ کو ایلچی اور بھائی کہہ کر ان کی بارگاہ قدس میں بے ادبی کا ارتکاب کرنا، ان کے لیے دل ربا، رنگیلے وغیرہ کا استعمال، خدااور رسول کے فرق کو مٹادینا، خدا کو جسم والا سمجھ کر منہ کا چوم لینا کہنا وغیرہ۔۔۔غلط روایات اور معجزہ کا بیان، مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا۔۔۔تمام باتیں شرعاً ناروا ہیں''۔(۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوا کہ مقالہ نگار نعت کے شرعی حدود سے واقف بھی ہے اور ان حدود کو پامال کرنے والے شعراء کی گرفت کرنے میں عملی تنقید Practical Criticism کا سہارا لے کر اپنی رائے دینے پر بھی قادر ہے۔ علاوہ ازیں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے کلاسیکی فنی روایت کے ادراک کے ساتھ شعری جمالیات کی نقاب کشائی میں بھی تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً

''کلام رضا بریلوی کا آہنگ:

اس ذیل میں آہنگ سے مراد، ترنم، نغمگی، لہجہ کا دھیماپن اور مٹھاس نیز لہجہ کی جھنکار، بلند آہنگی وغیرہ سب کو شامل کرلیا گیا ہے۔

شاعری میں الفاظ کی اشاریت بنیادی تاثر یا شعری تجربہ کی ترسیل کا فرض انجام دیتی ہے اور تاثر کو گہرا کرتی ہے۔ شاعری میں لفظی صوتیت بھی شعری تجربے کے آہنگ سے پھوٹی ہے لہٰذا اچھا شاعر، شعری تجربہ کے اظہار کے لیے انھیں الفاظ کو استعمال کرتا ہے جو صوتیاتی نقطہ نظر سے موزوں اور مناسب ہوں۔

موزوں الفاظ کے انتخاب، ان کی مناسب ترکیب وترتیب کے علاوہ مضمون کی شگفتگی پر بھی حسن صوت کا انحصار ہوتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ زمین کی شگفتگی بھی ضروری ہوتی ہے۔

حسن صوت کے عمل میں جمالیات وامیجری وغیرہ بھی معاون ہوتے ہیں۔رضا کی یوں تو تقریباً سبھی نعتیں اپنے لب ولہجہ کے اعتبار سے صدا کا بانکپن لیے ہوئے ہیں لیکن چند نعتیں ایسی بھی ہیں جو نغمگی، ترنم اور بلند آہنگی کا ایک سماں باندھ دیتی ہیں۔ چار زبانوں کی مشہور نعت:

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہ دوسرا جانا

اپنی موسیقیت اور نغمگی میں لاجواب ہے جبکہ ۴ زبانوں پر یہ نعت مشتمل ہے وہ بھی اس طور پر کہ ہر مصرعہ اول میں عربی وفارسی کے ٹکڑے ہیں اور مصرعہ دوم میں اردو ہندی کے۔چند اشعار اور پیش ہیں:

البحر علا والموج و طغا من بیکس و طوفاں ہوش ربا

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہء مہ زلف ابر اجل

تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم

برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

یا شمس نظرت الی لیلی چو بہ طیبہ رسی عرضے بکنی

توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی موری شب نے نہ دن ہونا جانا

الروح فداک فزد حرقا اک شعلہ دگر بر زن عشقا

مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

مصوتوں یعنی پیدا، جانا، علا، ہوا، مری، موری، لیلی، الی وغیرہ ہکارت اور ہائے مخلوط والے لفظوں کی بھی کثرت ہے۔علاوہ ان کے شد، سو ہے، ارض، فزد وغیرہ صفیری اور مسلسل آوازوں کی بہتات اور ردیف و قافیہ کا صوتی اجتماع ہے۔آوازوں کے جوڑے رم جھم، رم جھم، راج، تاج، وغیرہ کا اصوات کے الگ الگ فردیوں نے ایک موسیقیت برپا کردی ہے۔بندش کی چستی بھی ہے۔جمالیات، امیجری، معنی آفرینی ہر ایک نے مل کر اس نعت کو نغمگی اور موسیقیت میں ڈھال دیا ہے''(۱۵۴)

اس پیراگراف سے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا انتقادی منہاج ''اسلوبیاتی'' Stylistics تجزیہ کاری کا نمونہ لگتا ہے۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے میں اسلوبیات کا تعارف کروادوں۔گوپی چند نارنگ نے لکھا:

''اسلوبیاتی تجزیے میں ان لسانی امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے کسی فن پارے، مصنف

،شاعر، ہیئت، صنف، یا عہد کی شناخت ممکن ہو۔ یہ امتیازات کئی طرح کے ہوسکتے ہیں:

[۱]صوتیاتی (آوازوں کے نظام سے جو امتیازات قائم ہوتے ہیں)،ردیف و قوافی کی خصوصیات، یا معکوسیت، ہکاریت یا غنیت کے امتیازات یا مصمتوں اور مصوتوں کا تناسب وغیرہ)۔
[۲]لفظیاتی (خاص نوع کے الفاظ کا اضافی تواتر، اسما، اسمائے صفت، افعال وغیرہ کا تواتر اور تناسب ،تراکیب وغیرہ)۔[۳]نحویاتی (کلمے کی اقسام میں سے کسی کا خصوصی استعمال، کلمے میں لفظوں کا دروبست وغیرہ)۔[۴]بدیعی Rhetorical بدیع وبیان کی امتیازی شکلیں،تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل، علامت، امیجری وغیرہ۔[۵]عروضی امتیازات (اوزان ، بحروں، زحافات وغیرہ کا خصوصی استعمال اور امتیازات)۔اسلوبیات کے ماہرین جو سائنسی طریق کار اور معروضیت پر زور دیتے ہیں، لسانی خصائص کے اضافی تواتر اور تناسب کو معلوم کرنے کے لیے کمیتی اعداد وشمار کو بنیاد بناتے ہیں"۔(۱۵۵)

گوپی چند نارنگ کی تصریحات سے میرا موقف سمجھنا آسان ہوسکتا ہے کیوں کہ رضا بریلوی کے کلام کی خصوصیات ظاہر کرنے کے لیے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے جو بحث کی ہے وہ "اسلوبیاتی تجزیے" کے ذیل میں آتی ہے۔ اسلوبیات، فن پارے کی خوبیوں کی نشاندہی کا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ نعتیہ شاعری کا تنقیدی ادب ابھی تشکیلی مراحل سے گزر رہا ہے، اس لیے مدح مصطفیٰ ﷺ کے ایسے فنی تجزیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ اسی ذیل میں "استعارہ" والی بحث بھی ملاحظہ ہو:

""معنی کی وضاحت اور شدت کے حصول کے لیے استعارہ سے زیادہ اہم کوئی طریقہ نہیں۔ یہ محض ایک تزئینی شے نہیں بلکہ شعر کا جوہر ہے۔ استعارہ کو صفائی خیال کی کلید اور معانی کا گنجینۂ طلسم کہا گیا ہے۔ امام احمد رضا کے کلام میں بہت ہی لطیف استعارے موجود ہیں جن میں تازہ کاری اور جدت بھی ہے۔ امام موصوف کے قصیدہ سلامیہ ہی میں استعاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

۱۔مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام — شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم تاجدار حرم — نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود — گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود — نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
نور عین لطافت پہ الطف درود — زیب و زین لطافت پہ لاکھوں سلام
سرو ناز قدم مغز راز حکم — یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام
نقطہ سر وحدت پہ یکتا درود — مرکز دور کثرت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ بیحد درود — ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

سر غیب ہدایت پہ لاکھوں درود　　　عطر جیب نہایت پہ لاکھوں سلام (۱۵۶)

گوکہ سلام کے ان اشعار میں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے استعاروں کی نشاندہی نہیں کی ہے لیکن یہ اشعار ادب کے ہر طالب علم کے لیے استعاروں کی شناخت کا اشاریہ ہیں۔

تنقید نگار کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی فن پارے کے توسط سے ادبی تاریخ پر تقابلی نظر ڈالتے ہوئے فنکار کے مقام کا تعین کرے۔ اس لیے مقالے کے نویں اور آخری باب میں احمد رضا خاں بریلوی کا مقام متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

> "ایک بڑا تخلیقی ذہن اپنے عہد کے تنقیدی معیاروں کو بے حقیقت بنانے کا فن جانتا ہے۔ غیر شعوری طور پر ہی وہ کچھ ایسا کر جاتا ہے کہ تنقید اس کے فن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں کر پاتی۔ اردو شاعری کے جملہ معتبر رویوں پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور میر سے لیکر فراق تک سبھی کے قد ناپے گئے مگر اردو غزل کے بہترین پارکھنے بھی ہمت نہیں کی کہ امام احمد رضا خاں صاحب کی نعت۔ کے منفرد رکھ رکھاؤ سے بحث کر سکتا۔ اردو کے بڑے شاعروں کا سارا بڑا پن شاعرانہ سحر کاریوں کے گرد گھومتا ہے۔ ان سب کا جلوہ ایک جگہ اور پورے فکری وفنی التزام کے ساتھ اگر دیکھنا ہو تو فاضل بریلوی کی حدائق بخشش دیکھیں۔ یہاں میر کی دردمندی بھی ہے، غالب کا تفکر بھی، مومن کی شائستہ نظری بھی ہے، سودا کی خلاقی ذہن بھی، درد کی عارفانہ سادگی بھی ہے، ذوق کی زبان دانی بھی، اقبال کی فلسفیانہ گہرائی بھی ہے، حالی کی عاجزی وانکساری بھی، جگر کی والہانہ ربودگی بھی ہے، فانی کی فلسفیانہ نظری بھی، حسرت کی واقعیت بھی ہے اور اصغر کی معرفت پسندی بھی۔ کہنا یہ ہے کہ اردو شاعری کی دوسو سالہ تاریخ میں جو طرز فکر کا اظہار رونما ہوا ہے اس کی اعلیٰ ترین عکاسی کا نمونہ حضرت فاضل بریلوی کی نعت نگاری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک رنگ کی تلاش میں ہزار رنگوں سے ہو کر نہیں گزرے۔ قدرت کا ان پر یہ احسان تھا کہ ان کی نگاہ حقیقت شناس اٹھی تو محبوب حق پر، رکی تو محبوب حق پر۔ ایک ہی رنگ میں آنکھ ایسی رنگی کہ جملہ مظاہر کائنات حسن نگاہ ہو کر رہ گئے۔ عشق رسول ﷺ میں غرق ہو کر انہیں شاید خود اندازہ نہ ہو کہ وہ اردو کی اعلیٰ ترین شاعری کے کن کن مقامات کو چھو چھو گئے کہ وہ تو عشق سرکار دو عالم میں غلطاں رہے۔ انہیں کیا پتہ کہ ان کے عشق میں وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ان کا کہا ہوا نہیں لگتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کہلوا رہا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں۔ یہ بات اردو کے کسی شاعر کے یہاں ہے ہی نہیں اس لیے ان کی شاعرانہ انفرادیت کسی بھی بڑے سے بڑے ناقد شعر کے لیے تسلیم کرنا سرمایۂ سعادت سے کم نہیں"۔(۱۵۷)

زیر مطالعہ مقالہ صرف احمد رضا خاں بریلوی کی شاعرانہ عظمتوں کے تذکرے کے لیے وقف ہے اس لیے اس میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تجزیاتی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ ہوا ہے۔ ان کا تنقیدی منہاج تاثراتی، تشریحی، تاریخی، جمالیاتی اور اسلوبیاتی تنقید Stylistic Critcism کا مرکب ہے۔ اپنے ممدوح کا مقام اور اس کے کلام کی قدر متعین

کرتے ہوئے ان کی رائے پر عقیدت کا پرتو بھی محسوس ہوتا ہے، تاہم تنقیدی منہاج کی اہمیت قائم رہتی ہے۔

X۔مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ:

ڈاکٹر سراج احمد بستوی کا یہ مقالہ، کانپور یونیورسٹی (بھارت) میں پیش کیا گیا اور وہیں سے مقالہ نگار کو پی۔ایچ۔ڈی، کی سند عطا کی گئی۔

نعت کی ہیئت و مواد کے ضمن میں صاحبِ مقالہ لکھتے ہیں:

''نعت، مضامین و مواد کے اعتبار سے اصنافِ ادب میں سب سے مشکل صنف گردانی جاتی ہے مگر ہیئت و ساخت کے اعتبار سے اس کی وسعت آفاقی ہے وہ اصنافِ ادب کی ہر صنف میں کہی جاتی رہی ہے اور کہی جاتی رہے گی اور میں تو نعت کی اس آفاقیت کو حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و رافت اور ان کی نبوت و رسالت کی آفاقیت کا پرتو سمجھتا ہوں کہ جس طرح آپ کی رحمت و رافت اور نبوت و رسالت کائنات کے ذرے ذرے کے لیے ہے اسی طرح نعت نگاری کا دائرہ بھی جملہ اصنافِ ادب کے لیے ہے وہ کسی بھی صنف میں کہی جا سکتی ہے۔ ہیئت و ساخت کی کوئی پابندی نہیں''۔(۱۵۸)

احمد رضا بریلوی کی ''صنائع بدائع اور علم عروض سے ماہرانہ واقفیت'' ظاہر کرنے کے لیے مقالہ نگار نے ایک باب میں لکھا ہے:

''صنائع بدائع شاعری کا حسن اور زیور ہے۔ جس سے کلام میں جان اور لطف پیدا ہوتا ہے اس کے بغیر شاعری جسدِ بے روح معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کے استعمال میں بڑے ہی قرینے اور سلیقے کی ضرورت ہے اعتدال شرطِ اولین ہے۔ اس لیے کہ اگر شاعر اعتدال کو خیر باد کہہ کر صرف صنعتوں کی دنیا میں کھو کر شعر کی تخلیق کرے گا تو ایسی صورت میں یقیناً شاعری کی تخلیق، آمد کے بجائے آورد کی نذر ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاعر کی تخلیق میں بے کیفی اور کم مائیگی کی سی کیفیت پیدا ہو جائے گی جو شاعری کے معائب سے ہے''۔((۱۵۹)

مقالہ نگار نے صنائع بدائع کے نمونے دکھانے کے لیے کلامِ رضا کے اشعار بھی دیے ہیں اور مختلف صنعتوں کی تعریفات بھی دی ہیں، مثلاً صنعتِ تجنیس، صنعتِ اشتقاق، صنعتِ اقتباس، حسنِ تلمیح [تلمیح]، صنعت عکس مستوی، صنعت ترصیع، صنعتِ تضاد، صنعتِ تنسیق الصفات، مراعاۃ النظیر، حسنِ تعلیل، صنعتِ ایہام، صنعتِ تلمیح، لف ونشر، لف ونشرِ مرتب، لف ونشر غیر مرتب، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل وغیرہ وغیرہ۔ آخر الذکر صنعت کا احوال مقالہ نگار نے اس طرح لکھا ہے:

''مجاز مرسل: ایک لفظ کے معنی جب اصل لفظ کے خلاف لیں۔ اگر وہ معنی تشبیہ کے علاقہ سے لیے جائیں تو اسے استعارہ کہیں گے اور اگر کسی دوسرے تعلق سے اس کے معنی مراد لیے جائیں تو مجاز مرسل کہیں گے۔ مجاز مرسل کے قرینے اس اس کے تسمیات، استعارہ اور تشبیہ سے بالکل الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ یہاں لفظ اپنے

حقیقی معنی میں مطلقاً استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے معنی ہمیشہ مجازی ہوتے ہیں مگر ان معنی مجازی اور لفظ مستعملہ میں کوئی نہ کوئی قرینہ مراد ضرور ہوتا ہے۔ یعنی کبھی کل بول کر جزو مراد لیتے ہیں اور کبھی جزو بول کر کل۔ کبھی سبب بول کر مسبب اور کبھی مسبب بول کر سبب مراد لیتے ہیں۔ کبھی ظرف بول کر مظروف اور کبھی مظروف بول کر ظرف اسی طرح چند اور قرینے بھی ہیں لیکن شاعری میں عموماً مذکورہ بالا قرینے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ بہر حال مجاز مرسل بھی تشبیہ، استعارہ اور کنایہ کی طرح سے آرائش کلام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے برمحل استعمال سے کلام بلیغ ہوجاتا ہے" [بحوالہ تحقیقی اور ادبی جائزہ، علامہ شمس بریلوی]۔ (۱۶۰)

اس عبارت کے بعد کلام رضا سے دو اشعار نقل کیے ہیں اور تفہیمی اشارہ کیا ہے:

فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا

آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

یہاں ظرف بول کر مظروف یعنی دریا بول کر پانی مراد لیا ہے۔

بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنوئیں کا پیاسا

خود بجھا جائے کلیجہ مرا چھینٹا تیرا (۱۶۱)

ضمائر کے استعمال کے حوالے سے ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے امیر مینائی اور رضا بریلوی کے کلام سے نمونے دے کر موازنہ کیا ہے:

"ضمائر کے استعمال میں اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ آیا اس کا تعلق عبد سے ہے یا معبود سے۔ نیز اسی کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہوتی ہے کہ کس ضمیر کا مرجع کیا ہے۔۔۔ حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر دیکھیے۔

پاک تھی رنگ دورنگی سے وہ خلوت گہہ خاص

وہی شیشہ وہی مئخوار تھا معراج کی رات

حضرت امیر مینائی کے اس شعر میں دو طرح کی خرابیاں جھلکتی ہیں اول یہ کہ اس میں شیشہ و مئخوار جیسے سوقیانہ اور غیر مہذب الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جو نعت کی نازک طبیعت کے مناسب نہیں۔ نیز ان الفاظ کا استعمال نہ تو ذات باری تعالیٰ کے لیے روا ہے اور نہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے لیے۔ دوسری خرابی یہ کہ لفظ "وہ" کا مرجع و مشارٌ الیہ کون سی ذات ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ سرکار دوعالم کی ذات گرامی ہے یا اللہ جل شانہٗ کی۔ غرض مرجع اور مشارٌ الیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے شعر چیستاں ہو کر رہ گیا ہے"۔ (۱۶۲)

امیر مینائی کے شعر میں ضمائر کے غیر محتاط استعمال کا ذکر کرنے کے بعد مقالہ نگار نے رضا بریلوی کے ہاں ضمائر کے استعمال میں معنوی حسن ظاہر کرنے کے لیے کچھ اشعار دیے ہیں:

''حضرت رضا بریلوی نے اپنی نعتوں میں کثرت کے ساتھ ضمائر کا استعمال کیا ہے مگر بڑے ہی حسن وخوبی اور سلیقہ سے کہ کہیں بھی اس کے مرجع کے تعین میں کسی طرح کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مفہوم کو اپنے پیرایہ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تو نہیں نور خدا ظل خدا تو ہے
تری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھکو شایاں ہے
فقط اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہیے خدا تو ہے

مذکورہ شعر کو دیکھئے کس حسن وخوبی کے ساتھ ضمائر کا استعمال کیا ہے مگر مرجع ومعنی کے تعین وتفہیم میں کسی طرح کی کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ چند اشعار اسی قبیل کے اور ملاحظہ ہوں ۔

انہیں کی بو مایہ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے
وہی نور حق وہی ظل حق ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے
چنین وچناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک تمہاری مہک
زمین وفلک سماک وسمک میں سکہ نشاں تمہارے لیے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے
تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

۔۔۔مذکورہ اشعار میں ضمائر کے استعمال کی کثرت اور گہما گہمی دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے ضمائر کی زبان میں نعت نگاری کی ہے۔ جو ان کی انفرادیت کا بین ثبوت ہے''۔(۱۶۳)

نعتیہ شاعری جس حزم و احتیاط کی متقاضی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے رضا بریلوی کے اشعار لکھنے کے بعد ان پر تبصرہ کیا ہے۔ مولانا کے اشعار اور مقالہ نگار کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بیقرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے
ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مذکورہ بالا اشعار کو دیکھئے حضرت رضا بریلوی کا طائر فکر، ان کی خیال آوری، جدت و ندرت، عروج و ارتقا کی آخری منزل پر گامزن ہے مگر کس درجہ حزم و احتیاط کے ساتھ کہ شعر کو پڑھنے کے بعد عقل حیرت کے گرداب میں چکر کاٹنے لگتی ہے کہ وہ اس مقام پر کیسے ثابت قدم رہ گئے۔ چنانچہ وہ اس مقام پر حزم و احتیاط کی زمام کو چابک دستی اور مضبوطی سے پکڑے ارشاد فرماتے ہیں۔

اے شوق دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' (۱۶۴)

ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے اپنے مقالے میں کچھ زیادہ تنقیدی آراء نہیں دی ہیں۔ ان کی رائے پر عقیدت کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کچھ اشعار کی شرح بھی انہوں نے کی ہے جو تشریحی تنقید (Descriptive Criticism) کا نمونہ ہے۔ ایک شعر کی شرح مع حلِ لغات یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ مقالہ نگار کا اندازِ استدلال واضح ہو سکے:

''نعل شرف تاج سر، تاج شہاں خاک نعل
یہ تن الطف ہے جاں جانِ جہاں ظلِ تن

حلِ لغات: نعل شرف۔ بزرگی کی حامل کفش۔ الطف۔ لطیف سے اسم مبالغہ۔ آپ کی نعلین مبارک کی بزرگی کا کیا بیان کروں کہ وہ سر کا تاج ہے۔ بلکہ نعلین کی خاک بادشاہوں کے سر کا تاج ہے۔ آپ کا یہ بہت ہی لطیف جسم عاشقوں اور آپ کے نام لیوا غلاموں کی جان ہے اور آپ کا سراپا اپنی تقدیس و رفعت کے اعتبار سے تمام جہان کی جان ہے۔ آپ کے جسم مبارک کا سایہ چونکہ جان جہاں ہے اسی لیے کسی کو نظر نہیں آتا کہ جان مرئی شے نہیں ہے''۔(۱۶۵)

مقالہ نگار پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت کا اثر اتنا ہے کہ اس نے ''شہنشاہ'' کے لفظ کی حدیث میں آنے والی ممانعت کو

نظر انداز کرتے ہوئے وہی واقعہ دہرا دیا ہے جو ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے لکھا تھا اور جس کے حوالے سے ہم نے مفتی زرولی خان کا اعتراض بھی نقل کر دیا ہے۔ دیکھیے کس قدر فخر سے بستوی نے لکھا ہے:

''[حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو] محمد آصف صاحب کو لفظ شہنشاہ پر اعتراض تھا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔ مولانا بریلوی کا موقف یہ تھا کہ یہ لفظ مناسب ہے چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں ۔۔ حضرات علماء و صوفیاء کی نگارشات سے ۳۳ حوالے پیش کیے اور یہ ثابت کیا کہ ان حضرات نے شہنشاہ، ملک الملوک، سلطان السلاطین وغیرہ استعمال کیے ہیں''۔(۱۲۶)

حدیث کی مخالفت میں اگر اعلیٰ حضرت نے کوئی استدلال دے بھی دیا تھا تو اسے ہمارے محققین کو اتنے فخر سے نقل نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ جن بزرگوں نے ممنوعہ لفظ یا الفاظ استعمال کیے تھے حدیث کے واضح الفاظ کے سامنے ان بزرگوں کے کسی طرز عمل کا حوالہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسے استدلال سے مقالہ نگار کا موقف اس لیے کمزور ہو جاتا ہے کہ اس کا منہاج تنقید معروضی نہیں رہ پاتا۔

زیر مطالعہ مقالے میں بہت زیادہ تنقیدی مواد نہیں ہے۔ اس لیے صرف یہ بتا کر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سراج احمد بستوی کا منہاج نقد تاثراتی، تقابلی اور تشریحی تنقیدی دبستان کا مرکب لگتا ہے۔

انتخابوں اور تحقیقی مقالوں میں شامل تنقید کے معیارات کا جائزہ:

اس باب میں ہم نے دس نعتیہ انتخابوں اور آٹھ تحقیقی مقالوں کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کیا ہے۔ انتخاب ہائے نعت کے مقدموں میں عمومی تنقیدی آراء ملتی ہیں جن میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے لونی عکس (Shades) نظر آتے ہیں، جن کا ذکر ہم نے پچھلے صفحات میں کر دیا ہے۔

اسی طرح تحقیقی مقالوں کا مطالعہ بھی ان میں درج تنقیدی آراء کے حوالے سے گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تحقیقی مقالوں کا مقصد نعت گو شعراء کے کوائف، نعتیہ ادب کی تاریخ اور مختلف اصناف سخن کے خصائص کا عمومی جائزہ لینا تھا اسی لیے مقالہ نگاروں نے کلام سے زیادہ کلیم کے احوال پر زور دیا، یا کلام پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی۔ بہر حال محققین کی تنقیدی آراء میں تنقیدی بصیرت کا بھرپور اظہار ہوا ہے جس نے نعتیہ ادب میں خالص تنقید کے فروغ کی راہ ہموار کر دی ہے۔ ڈاکٹر زریں شوکت چغتائی اور ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالوں کے عنوانات ہی تنقیدی رجحان کی عکاسی کر رہے تھے اس لیے ان مقالوں میں نسبتاً زیادہ تنقیدی مواد ہے۔

زیر مطالعہ آنے والے مقالوں میں سے اکثر کا تنقیدی معیار بلند ہے۔ جس نے مستقبل کے نقاد کے لیے نعت کی تحسین (appreciation) کے ضمن میں سائنٹیفک مطالعے کی راہ ہموار کر دی ہے۔

☆☆☆

باب پنجم: ماخذ و منابع:

۱۔ خیرالبشر ﷺ کے حضور میں، ص ۱۵

۲۔ ایضاً ص ۱۵

۳۔ ایضاً ص ۱۶

۳[الف]۔ انتخاب نعت، عبدالغفور قمر، ص ۲۰، ج دوم

۴۔ خیرالبشر ﷺ کے حضور میں، ص ۱۶

۵۔ ایضاً ص ۲۰

۶۔ ایضاً ص ۲۳

۷۔ ایضاً ص ۲۶

۸۔ مجموعہ محمد حسن عسکری، ص ۴۱۱

۹۔ ارمغان نعت، ص ۱۷

۱۰۔ ایضاً ص ۲۷

۱۱۔ ایضاً ص ۲۸

۱۳۔ بحر الفصاحت، حصہ ششم، علم بدیع، ص ۹۰

۱۴۔ ارمغان نعت، ص ۲۸

۱۵۔ مخزن نعت، ص ۳

۱۶۔ ایضاً ص ۴

۱۷۔ ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰

۱۸۔ مخزن نعت، ص ۷

۱۹۔ ایضاً ص ۱۱

۲۰۔ ایضاً ص ۱۴

۲۱۔ دبستان لکھنؤ، ص ۵۵۴

۲۲۔ مخزن نعت، ص ۱۵

۲۳۔ ایضاً ص ۱۶

۲۴۔ مخزن نعت، ص ۱۶

۲۵۔ ایضاً ص ۱۷

۲۶۔ ایضاً ص ۳۹

۲۷۔ نعت کائنات، ص ۵۵

۲۸۔ ایضاً ص ۳۹

۲۹۔ تنقیدی دبستان، ص ۶۰

۳۰۔ مستند نعتیہ کلام، ص ۴۹

۳۱۔ پروفیسر ارشاد علی خاں، جدید اصول تنقید، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء، ص ۷۵

۳۲۔مستند نعتیہ کلام، ص ۵۱
۳۳۔غزل میں نعت کی جلوہ گری، نعت رنگ شمارہ ۹، ص ۱۳
۳۴۔مستند نعتیہ کلام، ص ۵۱
۳۵۔ایضاً ص ۵۸
۳۶۔ایضاً ص ۵۹
۳۷۔ایضاً ص ۶۰
۳۸۔ایضاً ص ۶۰
۳۹۔ایضاً ص ۶۱
۴۰۔ایضاً ص ۶۱
۴۱۔ایضاً ص ۶۱
۴۲۔ایضاً ص ۶۲
۴۳۔ایضاً ص ۶۲
۴۴۔ایضاً ۶۲
۴۵۔ایضاً ص ۶۳
۴۶۔ایضاً ص ۶۶
۴۷۔جمال اندر جمال، ص ۷
۴۸۔ایضاً ص ۶
۴۹۔مہکا مہکا حرف حرف، ص ۹
۵۰۔اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی۔
۵۱۔بحر الفصاحت، حصہ سوم ص ۴۶۲
۵۲۔ایضاً ص ۴۷۰
۵۳۔انتخاب نعت، عبدالغفور قمر، حصہ دوم، ص ۲۹
۵۴۔تنقیدی دبستان، ص ۱۲۲
۵۵۔ہمہ نعت، آصف بشیر چشتی، ص ۷
۵۶۔ایضاً ص ۸
۵۷۔ایوان نعت، ص ۱۱
۵۸۔تنقیدی دبستان، ص ۴۱
۵۹۔ایضاً ص ۴۱
۶۰۔ایوان نعت، ص ۱۳
۶۱۔لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص ۵۴۵
۶۲۔ایضاً ص ۵۵۰
۶۳۔ایضاً ص ۵۵۵
۶۴۔ایضاً ص ۵۷۱

۶۵۔اردو کی نعتیہ شاعری،ص۲۴

۶۶۔ایضاً ص۲۶

۶۷۔ایضاً ص۸۵

۶۸۔ایضاً ص ۱۱۱

۶۹۔ایضاً ص۱۱۳

۷۰۔اردو میں نعتیہ شاعری،ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق،ص۱۷۶

۷۱۔ایضاً ص۱۷۳

۷۲۔ایضاً ص۱۸۰

۷۳۔ایضاً ص۲۹۶

۷۴۔اردو میں نعتیہ شاعری،۲۹۶

۷۵۔ایضاً ص۴۳۶

۷۶۔ایضاً ص۴۴۷

۷۷۔ایضاً ص۴۴۸

۷۸۔ایضاً ص۸۸۵

۷۹۔ایضاً ص۳۷۷

۸۰۔اردو میں نعت گوئی،ص"ن"

۸۱۔ایضاً ص"ج"

۸۲۔ایضاً ص۳۳۳

۸۳۔ایضاً ص۳۴۱

۸۴۔ایضاً ص۴۳۷

۸۵۔ایضاً ص۴۷۲

۸۶۔ایضاً ص۴۷۲

۸۷۔ایضاً ص۴۷۳

۸۸۔ایضاً ص۴۷۶

۸۹۔ایضاً ص۴۷۸

۹۰۔یضاً ص۴۶۱

۹۱۔اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر،ص۳۵۴

۹۲۔ایضاً ص۴۲۱

۹۳۔ایضاً ص۴۲۱

۹۴۔ایضاً ص۴۲۱

۹۵۔ایضاً ص۴۳۹

۹۶۔ایضاً ص۴۲۲

۹۷۔ایضاً ص۴۲۳

۹۸۔ایضاً ص ۵۳۶

۹۹۔ایضاً ص ۲۲۷

۱۰۰۔ایضاً ص ۲۲۹

۱۰۱۔ایضاً ص ۲۲۹

۱۰۲۔ایضاً ص ۲۲۹

۱۰۳۔ایضاً ص ۲۳۰

۱۰۴۔ایضاً ص ۲۳۱

۱۰۵۔ایضاً ص ۲۳۱

۱۰۶۔ایضاً ص ۲۳۲

۱۰۷۔ایضاً ص ۲۳۴

۱۰۸۔ایضاً ص ۲۳۵

۱۰۹۔ایضاً ص ۲۳۶

۱۱۰۔ایضاً ص ۲۳۸

۱۱۱۔اردو نعت کے جدید رجحانات، ص ۱۱

۱۱۲۔ایضاً ص ۲۱

۱۱۳۔ایضاً ص ۲۲

۱۱۴۔ایضاً ص ۲۲

۱۱۵۔ایضاً ص ۲۳

۱۱۶۔ایضاً ص ۲۳

۱۱۷۔ایضاً ص ۲۷

۱۱۸۔ایضاً ص ۲۹

۱۱۹۔ایضاً ص ۴۲

۱۲۰۔ایضاً ص ۵۸

۱۲۱۔ایضاً ص ۵۹

۱۲۲۔ایضاً ص ۶۰

۱۲۳۔ایضاً ص ۶۶

۱۲۴۔ایضاً ص ۷۶

۱۲۵۔ایضاً ص ۸۴

۱۲۶۔ایضاً ص ۱۰۶

۱۲۷۔ایضاً ص ۱۰۷

۱۲۸۔ایضاً ص ۱۰۷

۱۲۹۔ایضاً ص ۱۲۴

۱۳۰۔ایضاً ص ۱۲۶

۱۳۱۔ ایضاً ص۱۳۲

۱۳۲۔ ایضاً ص۱۳۳

۱۳۳۔ ایضاً ص۱۴۰

۱۳۴۔ ایضاً ص۳۳۶

۱۳۵۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، ص۲۲۸

۱۳۶۔ ایضاً ص۳۵۳

۱۳۷۔ ایضاً ص۴۰۴

۱۳۸۔ ایضاً ص۳۵

۱۳۹۔ ایضاً ص۴۵

۱۴۰۔ ایضاً ص۴۶

۱۴۱۔ ایضاً ص۴۶

۱۴۲۔ ایضاً ص۴۹

۱۴۳۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص۱۱

۱۴۴۔ اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، ص۴۸۷

۱۴۵۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص۸

۱۴۶۔ ایضاً ص۴

۱۴۷۔ ایضاً ص۳۲۴

۱۴۸۔ ایضاً ص۳۲۸

۱۴۹۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص۲۹۳

۱۵۰۔ الاحسن، کراچی، ص۸

۱۵۱۔ ایضاً ص۹

۱۵۲۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص۱۶۰

۱۵۳۔ ایضاً ص۱۶۳

۱۵۴۔ ایضاً ص۴۷۱

۱۵۵۔ ادبی تنقید اور اسلوبیات، گوپی چند نارنگ، ص۱۷

۱۵۶۔ اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص۵۳۹

۱۵۷۔ ایضاً ص۶۶۴

۱۵۸۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، ایک تحقیقی مطالعہ، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، کانپور یونیورسٹی، بھارت، ۱۹۹۷ء، ۱۶۵

۱۵۹۔ ایضاً ص۳۳۹

۱۶۰۔ ایضاً ص۲۴۷

۱۶۱۔ ایضاً ص۲۴۸

۱۶۲۔ ایضاً ص۱۸۰

۱۶۳۔ ایضاً ص۱۸۳

۱۶۴۔ایضاً ص۱۸۶

۱۶۵۔ایضاً ص۱۹۱

۱۶۶۔ایضاً ص۱۹۶

☆☆☆

بابِ ششم

نعت رنگ اور دیگر کتابی سلسلوں، مجلوں اور رسائل میں شائع ہونے والے تنقیدی مضامین کا جائزہ

باب ششم میں درج ذیل تین عنوانات کے تحت گفتگو کی جائے گی:

۱۔نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ

۲۔جدید شعری رجحانات کی روشنی میں نعتیہ شاعری کو پرکھنے کے میلانات کا جائزہ......اور

۳۔تنقیدی اصولوں کی فکری، فنی اور مذہبی اساس کی تلاش وجستجو

اردو ادب میں نعتیہ گلدستوں کی اشاعت کے مظاہر بہت سے سامنے آئے لیکن قیامِ پاکستان کے بعد بھی ایک مدت تک ماہناموں، سہ ماہی یا شش ماہی ادبی رسالوں میں نعتیہ شعری سرمائے کو اجاگر کرنے کے واضح نقوش قائم نہیں ہو سکے۔تاہم انفرادی کوششوں سے بعض مخصوص رسائل میں نعتیہ ادب کی جھلکیاں سامنے آتی رہیں۔رسائل نے بیشتر رسول ﷺ نمبر شائع کیے جن میں نعتیہ شاعری تو ہوتی تھی لیکن نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین نہیں ہوتے تھے۔ہمارے پیشِ نظر کچھ رسائل ہیں مثلاً

i۔''خاتونِ پاکستان'' (جلد۱۴۔شمارہ۱):

''خاتونِ پاکستان'' کے مدیر شفیق بریلوی تھے۔ادارہ مسرت جہاں اور طلعت شہناز پر مشتمل تھا۔یہ رسول ﷺ نمبر ربیع الاول شریف ۱۳۸۲ھ مطابق اگست ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا۔اس رسالے میں نعتیہ شاعری کے وافر نمونے موجود ہیں لیکن تمام مضامین سیرت اور تعلیماتِ رسول ﷺ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہیں۔نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس رسالے میں کوئی مضمون نہیں ہے۔

ii۔''ماہِ نو'' سیرتِ رسول ﷺ، مدیر:ظفر قریشی:

''ماہِ نو'' کا شمارہ بابت جولائی، اگست ۱۹۶۳ء، سیرتِ رسول ﷺ نمبر کے طور شائع ہوا تھا۔اس شمارے میں افسر صدیقی امروہی کا ایک مضمون ''اردوئے قدیم اور نعت گوئی'' (صفحات ۱۱۰۔۱۱۶، ۱۶۳) شائع کیا گیا تھا۔لیکن یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے اس لیے اسے تنقیدی مضمون نہیں کہہ سکتے۔البتہ نعتیہ ادب کے علمی ابعاد کے پھیلاؤ کے ذکر میں اس مضمون کی گونج ضرور سنائی دیتی رہے گی۔

iii۔ماہنامہ بصیر، کراچی، رسولِ پاک نمبر، مدیر اعلیٰ ظفر حمید دھلوی، ستمبر ۱۹۷۲ء:

اس رسولِ پاک نمبر میں بھی سیرتِ پاک یا تاریخ اسلام کے حوالے سے مضامین ہیں، نعتیہ شاعری پر کوئی مضمون نہیں ہے۔

۱۔نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ:

الف۔سیارہ ڈائجسٹ کا رسول ﷺ نمبر (جلد۲۰۔شمارہ۵ نومبر ۱۹۷۳ء):

سیارہ ڈائجسٹ کے مدیر اعلیٰ سید قاسم محمود تھے۔رسول نمبر ﷺ کی دو جلدیں شائع کی گئی تھیں۔دوسری جلد میں

اردو نعت کے حوالے سے دو مضامین شامل کیے گئے تھے:

(اول) نعت گوئی اور اس کا فن، شمیم احمد

(دوم) اردوئے قدیم اور نعت گوئی، افسر صدیقی امروہوی

ان مضامین میں دوسرا مضمون وہی ہے جو "ماہِ نو" میں شائع ہو چکا تھا۔ تنقیدی اشارے اس میں بھی موجود ہیں۔ لیکن ہمارے موضوع سے مختلف ہونے کے باعث ہم اس پر گفتگو نہیں کریں گے۔ شمیم احمد کا مضمون "نعت گوئی اور اس کا فن"، تنقیدی نوعیت کا مضمون ہے۔ اس مضمون کو ہم نعت کے موضوع سے متعلق "فکری اشتعال انگیز" (Thought provoking) کا حامل کہہ سکتے ہیں۔ اس میں کسی شاعر کے کلام کا تقابلی جائزہ، تجزیہ یا امتیازی نقوش کی نشاندہی اور تعینِ قدر (Comparison,analysis,discrimination and evaluation) جیسے تنقیدی اصولوں کے تحت تو بات نہیں کی گئی ہے۔ تاہم موضوع کی اہمیت اور نعتیہ شاعری کے محرکات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے مطالعے کی حد تک محمد حسن عسکری کے مضمون "محسن کاکوروی" (۱) کے بعد شمیم احمد کا یہ مضمون، نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت میں ایک اہم مضمون ہے۔ شمیم احمد نے اپنے اس مضمون میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے چند اہم نکات اٹھائے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> "شاعری کا موضوع انسان اور آدمی کے وہ تجربات اور جذباتی واردات ہیں، جن سے وہ بحیثیت ایک آدمی کے دوچار ہوتا ہے۔ اور اس میں عمومیت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے مذہبی شاعری ایک مخصوص گروہ، نسل یا قوم تک محدود ہو سکتی ہے۔ جب کہ شاعر انسانی جذبات اور اس کے تجربات کی تعمیم کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے اور خلوص کا اظہار کھل کر کرتا ہے، مگر اسے اپنی شاعری کا موضوع نہیں بنانا چاہتا، جس سے تخصیص پیدا ہوتی ہے۔ تعمیم کے اس پہلو میں ایک بات یہ پیشِ نظر رکھی جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ شاعری کی انسانی قدر کی وسعت اور جہت کی عمومیت کے باوجود کسی شاعر کی شاعری میں جو تہذیبی روح جلوہ گر ہوتی ہے، اس کا تعلق اس کے اپنے عقیدے، مذہبی شعور، دینی اقدار اور اس کے نظامِ فکر کے آثار سے اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اس کے بغیر آپ شاعری کی انفرادیت کا تعین ہی نہیں کر سکتے۔ اسی لیے میر عیسائی روح ادب سے مختلف نظر آئے گا اور دانتے، رومی سے الگ تشخص قائم کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کا موضوع عام انسانی تجربات ہوتے ہیں۔
>
> دوسری بات جو پہلی بات سے زیادہ اہم ہے، وہ یہ ہے کہ ماورائے کائنات کسی حقیقت کو شاعری کا موضوع بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ شاعری جس تجربے کا اظہار اور بیان ہے، اس میں اس کا شخصی تجربہ ہی اس کے اس جوہر کو اظہار میں لاتا ہے۔ نفسِ انسانی کا کوئی تجربہ ہو، یا کسی مادی حقیقت کا اظہار، شاعر نے جب تک اس سے شخصی سطح پر کوئی تعلق نہ قائم کیا ہو، وہ اس کو اپنا تجربہ نہیں کہہ سکتا۔ یکسر غیر مادی تصور کا اظہار وہ کس شکل اور کس رنگ میں کرے گا، جب اس کی کوئی متعین جہت اور آثار اس کے تجربے ہی میں نہیں آئے ہیں؟
>
> یہی وہ مجبوری ہے کہ جب تک شاعر اس کو کوئی مجاز کا لباس نہ دے دے، اس سے یہ کام چلتا ہی نہیں۔

چنانچہ جو کچھ نعتیہ اور روحانی شاعری ہمیں میسر ہے وہ ساری کی ساری مجاز کے پردے میں ہے.........اردو کے جدید تر شاعروں کی نعتیہ شاعری کوئی رسمی چیز نہیں۔ روایتی شاعری سے تو انھیں ویسے ہی چڑ ہے۔ یہ ان کے سنجیدہ ترین ابلاغ، پُرخلوص جذبات سے دہکتی ہوئی شاعری کا ایسا اسلوب ہے، جو غالباً حالی کے دور تک کو پھلانگ کر پھر اپنی اس اکائی، اس وحدتِ فکر کی تلاش میں ہے۔ جس کو اس نے ۱۸۵۷ء کے بعد کھو دیا تھا''۔(۲)

اس مضمون میں موضوع سے متعلق چند اہم باتیں ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نعتیہ شاعری کے دو انداز ہیں:

☆ بیانیہ شاعری: جس میں حضورؐ کی ذات و صفات کی قرآنی تلمیحات اور تصوف کی اصطلاحات میں مدح کی گئی ہو اور قصائد کے اسلوب میں حضورؐ کے روحانی مراتب و مدارج کا اظہار کیا جائے۔

☆عقیدت کا پرخلوص اظہار: حضورؐ کی ذات سے اپنی والہانہ شیفتگی کی بنیاد پر ایسے پرخلوص انداز میں عقیدت کا اظہار جس میں شاعر کے جذبات بھی اسی سرمستی کا اظہار بن جائیں جیسا اس کا خلوص ہے۔(۳)

شمیم احمد نے سماجی نفسیات کی روشنی میں بتایا ہے کہ جب پاکستان بننے کے بعد اس کے نصب العین کو پسِ پشت ڈال دیا گیا تو شعراء نعت کہنے کی طرف مائل ہوئے۔ کیوں کہ ان میں اپنے مرکز کی طرف لوٹ آنے کا جذبہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شاید جب ہمارے اجتماعی قومی مزاج میں کوئی ایسی تبدیلی ہونے لگتی ہے، جس سے اس اکائی یا وحدت پر کوئی ضرب پڑنے لگتی ہے، جس سے ہمارا اسم قائم ہے، ہمارا وجود اپنی انفرادیت قائم رکھتا ہے، تو اس باغی اور لا مرکزی ذہن کا توڑ از خود ہونے لگتا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے اپنی اکائی سے الگ ہونے اور ٹوٹنے کا جو عمل ملک میں ہمارے بنیادی نظامِ فکر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، اور جس نے بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی تھی، اسے روکنے کا، اس سے مدافعت کرنے کا وہ جوہر جو ہماری قومی زندگی کا وصف ہے، پھر بروئے کار آ رہا ہے۔ آج پاکستان کے نئے لکھنے والوں کی صف سے بغیر کسی تحریک کے جو پُرقوت ذہن اس عمل کے سامنے سدِ سکندری بنے کھڑے ہیں، وہ سب نعت کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنا رہے ہیں''۔(۴)

نعتیہ شاعری پر شمیم احمد کا یہ تبصرہ، اس شاعری کی تفہیم اور اس کے محرکات جاننے کے لیے ایک اہم اور فکر انگیز تحریر ہے۔ شعری ادب کی تنقید میں شاعری کا عمومی ادراک (Perception) بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ شمیم احمد نے مذہبی شاعری کی روح تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کی ہے۔ نعتیہ ادب میں ایسی علمی بحثیں بہت کم ہوئی ہیں، اس لیے اس تحریر کو تنقیدی نقطۂ نظر سے ایک فکری جست کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ صریرِ خامہ کا ''قصیدہ نمبر'':

شعبۂ اردو، جامعہ سندھ، سے ۶۸۔۱۹۶۷ء میں شائع ہونے والا ''صریرِ خامہ''، نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کی آبیاری میں اولیت کا حامل مجلّہ ہے۔ اس کا قصیدہ نمبر، نعتیہ شاعری کے قصیدہ طور لکھے ہوئے نمونوں پر تنقیدی بحث کا دروازہ

کھولنے کا وسیلہ بنا۔اس مجلّے میں نعتیہ قصائد پر تین مضامین لکھے گئے ہیں:

(اول)امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں

(دوم)محسن کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، آنسہ سردار اختر بانو

(سوم)محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ۔محمد عبدالمقیت شاکر علیمی

(اول)امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ:

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کا یہ مضمون، تحقیقی نوعیت کا ہے۔اس میں امیر مینائی کے قصائد کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ بقول مضمون نگار، امیر مینائی کے شعری اندوختے میں نعتیہ قصائد صرف ''تین ہیں''۔ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کے تنقیدی اشارات کی ایک جھلک درج ذیل اقتباس میں دیکھی جاسکتی ہے:

> ''(امیر مینائی نے) ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے......حضور اکرم ﷺ کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے، وہاں بہاریہ تمہید ہے اور اتنی لطیف ہے کہ اس کی نظیر شاذ ہے۔اصل مدح میں امیر مینائی نے ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے۔ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے۔لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے، تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کی بجائے اس کی ظاہری ادائیں زیادہ دل فریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوسِ نظر بن جاتا ہے اور اس وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کارفرما سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ عقیدت بھی چراغِ راہ بن جاتی ہے۔پھر وہ ممدوح جس کی وجہ سے ہنگامہ ہست و بود قائم ہوا ہو، اور جو سب کا ہو اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا کچھ نہیں کہہ سکتا۔لیکن امیر مینائی ایک باکمال شاعر بھی تھے، وہ غزل کے استاد سہی لیکن قصیدے میں بھی وہ اردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ان کی علمی استعداد پرشکوہ الفاظ پر شاندار تمہیدیں، دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے اور گو کہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں، لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی لغت بہت سے شاعروں پر بھاری ہے''۔(۵)

اس اقتباس سے ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کا تنقیدی منہاج ظاہر ہوتا ہے۔انہوں نے قصیدے کے فنی در و بست کو پیشِ نظر رکھ کر امیر مینائی کے قصائد کی تحسین کرتے ہوئے انہیں اردو قصیدہ گوئی کی تاریخ میں بہترین قصیدہ گو شعراء میں شمار کیا ہے۔ساتھ ہی ان کی نعتیہ شاعری کی اس روش کو بھی اجاگر کیا ہے جس کے باعث امیر مینائی کی نظر حضور اکرم ﷺ کے جمالِ صوری پر زیادہ رہی۔حقیقت میں عقیدت کی آمیزش سے جو شعرِ عقیدت وجود میں آتا ہے اس کی توجیہ بھی پیش کی اور نعتیہ شاعری کی اس روش پر ہلکا سا طنز بھی کر دیا۔اس طرح ان کی تنقید میں تقابل، تجزیہ، امتیاز اور تعینِ قدر کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان کی طرف سے شعراء کو حقیقت گریز مبالغے سے بچنے کا پیغام بھی مل گیا ہے جو ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کے اس تنقیدی رجحان کا غماز ہے جو تشریحی تنقید یا Legislative Criticism کا طرۂ امتیاز ہے۔

(دوم) محسن کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ:

اس مضمون میں مضمون نگار آنسہ سردار اختر بانو نے محسن کاکوروی کے نعتیہ قصائد کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ قصیدہ گوئی میں محسن کی ندرت پسندی اور پرشکوہ الفاظ سے گریز کی روش کی مضمون نگار نے تعریف کی ہے اور محسن کی مثنویوں میں قصیدے کے رنگوں کی آمیزش کی بھی تحسین کی ہے۔ ہمارے مقالے میں چوں کہ محسن کاکوروی کا ذکر جا بجا آچکا ہے اس لیے یہاں ہم مضمون کے اسی مختصر تعارف پر اکتفا کرتے ہیں۔(۶)

(سوم) محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ:

محمد عبدالمقیت شاکر علیمی کا مضمون ''محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ''، قصیدے کے فنی دروبست کے حوالے سے معلوماتی ہے اور عربی نقادانِ ادب مثلاً ابن رشیق قیروانی (المتوفی ۴۵۶ھ)، ابوہلال عسکری (المتوفی ۳۹۵ھ)، یحییٰ بن علی یمنی، شمس الدین محمد قیس رازی، علامہ قلقشندی اور قدامہ بن جعفر وغیرہم کے تنقیدی نظریات کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں قصیدے کے معرف چار اجزا کا ذکر ہے یعنی [i] تشبیب [ii] گریز [iii] مدح، اور [iv] دعائیہ۔ اس مضمون کا آخری پیراگراف مضمون نگار کی تنقیدی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مہر توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو   شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول
>
> مرجعِ روح امیں زیبِ دہِ عرشِ بریں   حامیِ دینِ متیں ناسخِ ادیان و ملل
>
> حقیقت یہ ہے کہ محسن کاکوروی علیہ الرحمۃ کا یہ نعتیہ قصیدہ اردو قصائد میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ خصوصاً اس قصیدے کی تشبیب کو سودا اور ذوق جیسے باکمال شعراء بھی نہیں پہنچے۔ انہوں نے اپنی تمام فنکارانہ صلاحیتوں کو اس قصیدے میں صرف کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وخلوص کی انتہا کر دی جس کی وجہ سے اس قصیدہ کا مقام اتنا بلند ہو گیا۔ مجموعی طور پر مضامین کی بلندی، الفاظ کی شان وشوکت، بندش کی چستی، تشبیہات و استعارات کی رنگینی اور تلمیحات کا عنصر اس قدر رچا ہوا ہے کہ ان کے معاصر شعراء عاجز ہیں، اور یہی سب چیزیں ان کے باکمال شاعر ہونے پر دلالت کرتی ہیں''۔(۷)

صریرِ خامہ کا قصیدہ نمبر بنیادی طور پر توفنِ قصیدہ نگاری اور اس صنف کے مختلف ابعاد پر گفتگو کے لیے وقف ہوا تھا، تاہم نعتیہ قصائد کے ذکر نے اسے اردو کے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں محسوب کرنے کے قابل بھی بنا دیا ہے۔

ج ''صریرِ خامہ'' کا نعت نمبر:

''صریرِ خامہ''، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، کا مجلّہ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مجلّے کے نگرانِ اعلیٰ، شیخ الجامعہ شیخ ایاز اور مرتب حمایت علی شاعر ہیں۔ جامعات کی سطح پر نکلنے والے مجلوں کی تاریخ میں ''صریرِ خامہ'' کا یہ نعت نمبر، اس جہت میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجلّے میں شامل حمایت علی شاعر کے مضمون، ''اردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال'' سے نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کی ضوریزی نمایاں ہے۔ اس مضمون میں بڑے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ

موضوع کی نزاکتوں کی طرف دھیان دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تنقیدِ نعت کے خدوخال بھی اس مضمون کے مافیہ سے جھلک رہے ہیں۔اس مضمون کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

☆ شاعری حسنِ تخیل کا ایسا طلسم ہے جو تنقیدی شعور کو بھی کچھ دیر کے لیے مبہوت کر دیتی ہے۔

☆ یہ [شاعری] حواس کی بیداری کے باوجود روح میں در آتی ہے۔

☆ دینی مکاتبِ فکر ذیلی تضادات میں الجھے ہوئے ہیں اس لیے نعت گو شعراء بھی ارتفاع اور عمق کی تلاش میں عقیدے کے بنیادی مثلث (Triangle) [خدا، قرآن اور رسول ﷺ] کی حدود عبور کر جاتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

> ''ہر عمارت ایک بنیاد پر اٹھائی جاتی ہے اس لیے بنیاد سے ہٹ کر جو بھی تعمیر ہوگی وہ دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر دے گی۔ بنیاد روح کو یقین عطا کرتی ہے اور یقین ایمان کا حرفِ اول ہے۔ میرے پیشِ نظر یہ حدیث بھی ہے کہ: ''من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار'' (جس نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے) (۹)

اس کے علاوہ انہوں نے عبدیت کے مفاہیم پر بھی گفتگو کی ہے جس کے حدود نعتیہ شاعری میں اکثر قائم نہیں رہتے۔ حمایت علی شاعر کے نزدیک یہ افضل ترین مقام صرف حضورِ اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ ع خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔ حمایت علی شاعر نے بڑے فکری نکتے اٹھائے ہیں۔ ایک اہم نکتہ اس طرح معرضِ تحریر میں آیا ہے:

> ''وہ علم اول جو حضرت آدمؑ کی معرفت خدا نے انسان اور صرف انسان کو عطا کیا ہے غور کیا جائے تو ''اُمّی تا اقراء'' اسی علم اول کے استعارے کی بازگشت ہے اور آنحضرت کا سینہ اقدس (جس میں قرآن اتارا گیا) اسی علم کا شہر ہے جو دونوں عالم کے لیے رحمت بنا کر ہمارے درمیان آباد کیا گیا تا کہ ہمارے دل و دماغ پر آگہی کے دروازے کھول دیے جائیں اور ہم عہد بہ عہد اپنی مجتہدانہ فکر اور مجتہدانہ عمل سے (جسے میں سائنسی علوم سے تعبیر کرتا ہوں) بشریت کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کریں جو ''عبدیت'' کا منتہا ہے۔
>
> آنحضرت ﷺ کے فکر و عمل سے یہ نکتہ ہم اسی وقت اخذ کر سکتے ہیں جب ہمیں ان کی شخصیت کی عظمت کا معنوی ادراک حاصل ہو۔ ہمارے بیشتر نعت گو شعراء میں اسی ادراک کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے۔۔ اپنی تمام تر محبت اور عقیدت کے باوجود عمومی اور سطحی سا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ خود فرضانہ اور جامد فردیت یعنی نفسی نفسی کا شکار ہے تو شاید غلط نہ ہو''۔ (۱۰)

مضمون نگار نے اردو نعتیہ ادب کے سات سو سالہ مطالعے کے بعد جو اہم نکات اٹھائے ان سے خلوص، فکری سنجیدگی اور دردمندانہ تشویش کا اظہار ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری اور اس کی تنقید میں فکری عمق پیدا کرنے کے لیے، حمایت علی شاعر کے اٹھائے ہوئے نکات پر غور و فکر کرنے سے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ حمایت علی شاعر نے صرف نکتہء اعتراض ہی نہیں اٹھایا بلکہ نعتیہ شاعری کا آدرش بھی پیش کر دیا۔ انہیں اقبال کے ہاں فکری ارتفاع اور عمق کے آثار دکھائی دیے تو انہوں نے اپنے

قاری کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہوئے لکھا:

''ہمارے عہد کی خوش نصیبی ہے کہ اقبال جیسا شاعر ہمیں نصیب ہوا جس نے مذہبی عقائد پر بھی ہمیں سائنسی انداز میں سوچنے کا حوصلہ دیا اور ایسی نعتیہ فکر عطا کی جو شخصیت کے معنوی ادراک کا در باز کرتی ہے اور ہمارے شعور پر رسول اکرم کی عظمت کے نئے افق روشن کرتی ہے:

لوح بھی تو قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ ، تیرے محیط میں حباب (۱۱)

حمایت علی شاعر کے مضمون کی تنقیدی اہمیت مسلم ہے۔ انہوں نے نعتیہ شعری سرمائے کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور اس موضوع کو رطب و یابس سے پاک کرنے کے لیے تنقیدی اشارے کیے ہیں۔ پھر اپنے شعری آدرش کا نمونہ پیش کر کے عام شعراء کو اس فکری بلندی کو چھونے کی دعوت دی ہے۔

صریرِ خامہ کے نعت نمبر میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مضمون ''شہیدی کی نعت''، ڈاکٹر سید یحییٰ احمد ہاشمی کا مضمون ''محسن کاکوروی کی نعت گوئی''، ڈاکٹر شاہ محمد نعیم ندوی کا مضمون ''امیر مینائی کی نعت گوئی''، ڈاکٹر نجم الاسلام کا مضمون ''اردو نعت کے مطالعے''، اظہر قادری کا مضمون ''ہندو شعراء بارگاہِ رسول میں'' اور فہمیدہ شیخ کا مضمون ''قدیم اردو نعت گوئی''، محققانہ مضامین ہیں۔ گو ان میں تنقیدی بصیرت کے شواہد ملتے ہیں تاہم ان مضامین میں زیرِ بحث آنے والے بیشتر نکات اور بیشتر مطالعات، ہمارے مقالے میں کہیں نہ کہیں جگہ پا چکے ہیں اس لیے تکرار سے بچنے کے لیے ان مضامین کی صرف نشاندہی کر دینا ہی کافی ہوگا۔

۲۔ شاعری کو جدید شعری رجحانات کی روشنی میں پرکھنے کے میلانات کا جائزہ:

د۔ ماہنامہ سیارہ، عبدالعزیز خالد نمبر:

رسائل میں نعتیہ تنقیدی مضامین کا پہلا قابلِ ذکر نقش ہمیں ''ماہنامہ سیارہ'' کے عبدالعزیز خالد نمبر میں نظر آتا ہے جو مئی ۱۹۶۹ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ (۱۲)۔ اس رسالے میں عبدالعزیز خالد کی عام شاعری پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن زیادہ توجہ ان کی نعتیہ شاعری پر دی گئی ہے۔ تقریباً ہر مضمون نگار نے نعت کا موضوع چھیڑا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ نعتیہ شاعری پر درجِ ذیل مضامین ہیں:

(اول) عاشقِ رسول ﷺ، خالد، عفت موہانی (صفحہ ۳۱۶)

(دوم) خالد کی نعتیہ شاعری، پروفیسر آلِ محمد عبدالرؤف قاطمی (صفحہ ۵۶۱)

(سوم) خالد اور نعتِ سرورِ کونینؐ، حسن مثنیٰ ندوی (صفحہ ۵۶۶)

(چہارم) خالد کی نعت گوئی، سیدہ حنا (صفحہ ۵۷۹)

(پنجم) خالد اور نعتِ سرورِ کونینؐ، حضور احمد سلیم (صفحہ ۵۹۰)

ان مضامین کے علاوہ دو مضامین ایک علاحدہ عنوان ''پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز'' کے تحت لکھے گئے ہیں جن کے

موضوعات میں نعتیہ شاعری کا عنصر شامل ہے:

(ششم) خالد کا اسلامی ادب، پروفیسر اسرار احمد سہاروی (صفحہ ۵۹۹) اور

(ہفتم) کلامِ خالد میں اسلام کی عکاسی، پروفیسر ہارون الرشید (صفحہ ۶۰۷)

درج بالا سات مضامین میں عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ان مضامین کا مختصر مختصر تعارف درج ذیل ہے:

(اول) عاشقِ رسول ﷺ خالد، عفت موہانی:

عفت موہانی نے خالد کو "عظیم ورفیع الشان شاعر" قرار دیا ہے۔انہوں نے بتایا ہے کہ دنیا کے بہترین فنکاروں نے خالد کو متاثر بھی کیا ہے اوران کا مبلغ علم بھی کچھ کم نہیں ہے۔خالد کے نعتیہ قصیدے "فارقلیط" کو وہ ایک عظیم کارنامہ قرار دیتی ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

> یہ (فارقلیط) خالد کے بلیغ فکر وفن کا ایسا ارفع مرقع ہے کہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے، اس سے قبل ایسی جامع و مانع نہ کوئی کتاب تھی اور نہ اس کے بعد مستقبل قریب و بعید میں مرتب کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ایک ایسا حرف آخر جس کے بعد خود شاعر نے اپنا مجوبہ روزگار قلم توڑ دیا ہوتا اگر معا بعد "منحمنا" لکھنا نہ ہوتی۔(۱۳)

آگے چل کر انہوں نے بتایا ہے کہ خالد اسلام کی بقا، اسلام کی محبت اور پیغمبر اسلام کے عشق ہی کو شعری لباس پہناتے ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

> "عشق رسولؐ میں وہ (خالد) رومی و حافظ، غالب و اقبال سے بھی بہت آگے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔جن کا زندہ جاوید ثبوت فارقلیطؔ اور منحمناؔ ہے۔ان دونوں کتابوں میں الفاظ کا ایک بحرِ ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے۔نہ صرف اردو کے الفاظ، بلکہ دنیا کی تمام زبانوں کے شیریں اور دلنشین الفاظ جو ان کے آگے پیچھے موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ایک لڑی میں پرو دیئے۔۔۔یہ بھی ایک خاص وصف ہے کہ ہر شعر مترنم اور موسیقی آفریں ہے۔مثلاً
>
> میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے
>
> میں سانسوں کا مہماں تو موجِ ہوا ہے
>
> سراپا ستودہ سراپا محمدؐ
>
> کسے اس کی توصیف کا حوصلہ ہے
>
> شمار کرنے چلیں ان کی خوبیوں کا اگر
>
> تو ساتھ چھوڑ دیں تھک تھک کے نیل سنکھ پدم (۱۴)

(دوم) خالد کی نعتیہ شاعری، پروفیسر آل محمد عبدالرؤف فاطمی:

پروفیسر آلِ محمد عبدالرؤف فاطمی نے بھی اپنے مضمون ''خالد کی نعتیہ شاعری'' میں شاعر کی کثیر اللسانیت کا ذکر کیا ہے جو عبدالعزیز خالد کا ایسا اختصاص ہے جس میں ان کا کوئی دوسرا شاعر شریک نہیں ہے۔ نعتیہ شاعری کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''نعت میں عام طور پر سرورِ کائنات کا سراپا، اور آپؐ کے فضائل کا بیان ہوتا ہے یا پھر معجزات و خوارق کے بیان پر زور دیتے ہیں۔ خالد کے ہاں ان تمام باتوں کے علاوہ ایک خاص خوبی یہ ہے کہ واقعات و شواہد کا بھی بکثرت ذکر آ گیا ہے۔ اور اقبال کی طرح مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور انھیں اس بات کی نصیحت بھی کی گئی ہے کہ دنیاوی سربلندی اور اخروی نجات کا واحد ذریعہ فخرِ موجودات کی پیروی ہے ۔

کوئی عبدِ عزیٰ، کوئی عبدِ حارث

جسے دیکھیے بندۂ ماسوا ہے

اور دیکھیے کہ اس کے بعد کس طرح نصیحت کرتے ہیں۔

نگہبان ہوں علم کے ہونٹ تیرے

کہ علم اوج و اقبال کا راستہ ہے

تو لنگڑے کی لاٹھی بن اندھے کی آنکھیں

کہ فیض و کرم شانِ اہلِ وفا ہے

اور ملاحظہ کیجیے کہ دوسروں کی دریوزہ گری سے کس خوبصورتی کے ساتھ باز رکھنا چاہتے ہیں۔

ملی کس سے خوش حالی و تندرستی

تو اپنی حقیقت کو کیوں بھولتا ہے (۱۵)

(سوم) خالد اور نعتِ سرورِ کونین، حسن مثنیٰ ندوی:

حسن مثنیٰ ندوی، اپنے مضمون ''خالد اور نعت سرورِ کونین'' میں عربی، فارسی اور اردو میں نعت گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے قصیدہ گوئی کا احوال سناتے ہیں۔ وہ محسن کاکوروی کے قصیدۂ لامیہ کا ذکر کر کے خالد کے قصیدۂ میمیہ کی تحسین کا پہلو اس طرح نکالتے ہیں:

''خالد کے قصیدۂ میمیہ کی نوعیت بھی اس لحاظ سے بالکل جدا ہے کہ یہ بلا تشبیب، بغیر تذکرۂ محبت، بغیر منظر کشی اور بغیر تمہید، براہِ راست مدح و ثنائے خواجہ سے شروع ہوا ہے اور مدح و ثنائے خواجہ بھی وہ جو فکر و نظر کی گہرائی سے ابھری ہے۔

مُطاعِ آدم و انجم، متاعِ لوح و قلم

محمد امی و محبوبِ کبریا صلعم

اسے غالب کی زبان سے یوں سنیئے

مُطاعِ آدم و عالم، محمدِ عربی

وکیلِ مطلق و دستورِ حضرتِ باری

عبدالعزیز خالد نے "مطاعِ آدم و انجم" اور پھر "محبوبِ کبریا" کہہ کر مفہوم کو نئے رخ سے آگے بڑھایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مخفف "صلعم" غالباً اس سے پہلے کہیں اس طرح کسی شعر میں مستعمل نہیں ہوا۔ یہ مطلع ہے قصیدے کا۔ اس کو پڑھتے ہیں سعدی کے یہ شعر بھی یاد آجاتے ہیں۔

کریم السجایا جمیل الشیم

نبی البرایا، شفیع الامم

شفیع مطاع، نبی کریم

قسیم جسیم نسیم وسیم

خالد کے ذہن میں پہلی وحی...... اقرا باسم ربک الذی خلق ...... جلوہ گر ہے۔ ان کی فکر ہمہ تن گوش ہے اور نوائے سروش سن رہی ہے۔ اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم یعلم (پڑھو تمہارا رب انتہائی کرم فرما ہے جس نے قلم کے ذریعے علم عطا کیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو اسے معلوم نہ تھا) یقیناً "مطاعِ لوح و قلم" تو اللہ کا رسول ہی ہے بلکہ وہی ساری کائنات ہے۔

وہ عبدہٗ و رسولہٗ وہ اسمہٗ احمد

کتاب و حکم و نبوت کا خاتِم و خاتَم

عبدہٗ و رسولہٗ کی یہ صفت ایسی نہیں کہ آدمی سرسری گزر جائے۔ نہ صرف اتنا کافی ہے کہ عبدہٗ کے معنی معلوم ہوں، اس لفظ کو صرف لغت کی مدد سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے لیے فکر و نظر کی راہنمائی ضروری ہے۔ یہ صفت بڑی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اقبال جیسے صاحب نظر نے اس کو یوں سمجھا ہے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

ما سراپا انتظار او منتظر

کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست

عبدہٗ جز سرِ الا اللہ نیست

خالد کو اس کی خبر تھی انہوں نے یہیں سے اس کی ابتدا کی اور اس کے بعد کہا:

حمود و حامد و احمد محمد و محمود

کریم و میر کرام و مکرم و اکرم

عطائے حق کا جو قاسم ہے وہ ابوالقاسم

ملیک مقسط و معطی و مقتدر کی قسم

(چہارم) خالد کی نعت گوئی:

سیدہ حنا نے اپنے مضمون بعنوان "خالد کی نعت گوئی" میں خالد کی انفرادیت اجاگر کرتے ہوئے لکھا:

"نعت کے میدان میں گو خالد اپنے پیش رو اردو شعراء سے آگے نہیں بڑھ سکے تاہم اس میں بھی انہوں نے کچھ قابل قدر اضافے کیے ہیں۔ قدیم صحیفے کھنگال کر انہوں نے شمع نبوت کے پروانوں کو آقائے دو جہاں کے ایک نئے لقب سے آشنا کیا ہے یہاں میری مراد "منحمنا" سے ہے۔ گو اس کے تلفظ اور ماخذ کے تعین میں لوگوں کو خاصی دشواری پیش آئی تاہم مجھے امید ہے کہ مستقبل قریب میں حضور سرور کائنات کا یہ لقب بھی فارقلیط کی طرح معلوم و معروف ہو جائے گا۔

اسی طرح اب تک نثر کی کتابوں میں تو اس امر پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ زمانہ ماقبل کے تمام پیغمبر اور اوتار حضورؐ کے مژدہ گو یاں تھے، لیکن نظم میں معاملہ: "دعائے خلیل اور نوید مسیحا" سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ خالد نے اس میں زرتشت، کرشن، کنفیوشس، ارسطو اور گوتم بدھ کے ناموں کا اضافہ کیا ہے

مبشر اس کے تھے زرتشت و کرشن و کنفیوشس

نقیب پیش رس اس کے ارسطو و گوتم!

اور مراد موسیٰ عمران و عیسیٰ مریم

اس طرح نعت گوئی کی تاریخ میں لفظ "صلعم" کا استعمال بھی خالد کا اضافہ ہے"۔(۱۷)

(پنجم) خالد اور نعتِ سرورِ کونین:

حضور احمد سلیم کا یہ مضمون، عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں تلمیحات کے سلسلے اور تاریخی واقعات کے احوال کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش ہے۔ خالد کے کلام کی قراءت، کے لیے جس وسعتِ مطالعہ کی شرط ہے وہ خالد کے قارئین میں، مشکل سے ایک دو فیصد ہی پوری کر سکتے ہوں گے! یہی وجہ ہے کہ حضور احمد سلیم نے بہت سی تلمیحاتی گرہیں کھولنے کی کوشش کرنے کے باوجود یہ لکھ دیا:

"فارقلیط مخلصانہ جذبات و احساسات ہی کا مرقع نہیں بلکہ سیرت نبوی کا ایک دلآویز عکس بھی ہے، جس میں تاریخی واقعات کی کڑیاں بھی ہیں اور گرانقدر تلمیحات کا ذخیرہ بھی۔ بعض واقعات اور تلمیحات کی وضاحت "الواح" کے عنوان کے تحت کر دی گئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تشنگی باقی نہیں رہتی۔ مثلاً ایک جگہ "لونا" کے کردار کی وضاحت کے لیے چودھری افضل کی کتاب 'جواہرات' سے پورا افسانہ نقل کر دیا گیا ہے جس کی ضخامت ۳۹ صفحات ہے۔ فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے حوالے انہی زبانوں میں درج ہیں جس سے محض اردو دان قاری کو مدد نہیں ملتی۔ تاہم بیشتر حصہ خود قاری کے وسعتِ مطالعہ کا مرہونِ منت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب سے خاطر خواہ مستفید ہونے کے لیے، نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ

ادبیاتِ قرآنِ کریم، احادیث، قرونِ اولیٰ کی شخصیتوں کے نسب نامے، شجرے نام بنام اور علم الاصنام سے وابستگی ضروری ہے، مطالعہ کتاب کی ان شرائط نے اسے خاصا، خواص پسند، بنادیا ہے۔ کیوں کہ اشعار میں جا بجا نہ صرف عربی مرکبات بلکہ پورے پورے مصرعے عربی میں نظم کیے گئے ہیں۔ ان اشعار کو ملاحظہ کیجیے:

علیٰ نفس محزوں و قلب کئیب سدا فیضِ فیاض نازل ہوا ہے

تکون الجبال کثیباً مہیلا تو مٹی کے پتلے کا مذکور کیا ہے

کرے غش اذا الصحف نشرت پر بدن سنگ و آہن کا دل موم کا ہے

کہیں اعلم الناس با لشعر جس کو وہ خوش نحل شیریں، بر حتمہ ہے

اس نوع کی تراکیب ملیں گی۔ تاریخی واقعات کا ذکر جس طور ملتا ہے اسے ایک واضح بیان کا درجہ بمشکل ہی دیا جاسکتا ہے۔(۱۷۔الف)

(ششم) خالد کا اسلامی ادب:

پروفیسر اسرار احمد سہاروی نے اپنے مضمون ''خالد کا اسلامی ادب'' میں عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری میں عربی، فارسی، ہندی اور دیگر زبانوں کے برمحل استعمال کی نشاندہی کرکے اس روش کو سراہا ہے۔ قرآن وحدیث کے مفاہیم اور بعض بعض جگہ آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کے اصل متن کو اشعار میں سمونے کی تحسین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''خالد صاحب کا کلام اسلامی طرزِ فکر، اسلامی طرزِ زندگی، اسلامی معتقدات کو مسلسل شعر کے حسین قالب میں ڈھال رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے کلام میں ہر جگہ قرآن وحدیث کے جامع کلمات نگینوں کی طرح جڑے ہوئے نظر آتے ہیں جو اپنی مافوق الفطرت آب وتاب سے شاعر کے کلام میں جگمگ پیدا کردیتے ہیں۔ یہ الٰہی اور انسانی کلمات کا امتزاج عجیب روح پرور کیفیات پیدا کردیتا ہے''۔(۱۸)

اس کے بعد مضمون نگار نے خالد کے طویل نعتیہ قصیدے ''فارقلیط'' کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں، جن کا یہاں نقل کرنا غیر مناسب تطویل کا باعث ہوگا، کیوں کہ ہم خالد کے اشعار پہلے بھی کئی جگہ پیش کر چکے ہیں۔

(ہفتم) کلامِ خالد میں اسلام کی عکاسی:

خالد کا کلام بالخصوص نعتیہ کلام اسلامی طرزِ حیات کی عکاسی کرتا ہے۔ درج بالا عنوان کے تحت لکھتے ہوئے، مضمون نگار، خالد کو نعت گوئی کا نیا طرز ایجاد کرنے والا شاعر قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''خالد کو پیغمبرِ اسلام سے والہانہ محبت وعقیدت ہے جس کا اظہار انہوں نے دو نہایت طویل نظموں ''فارقلیط'' اور ''منحمنا'' میں کیا ہے۔ لیکن ان کی نعت گوئی کا انداز بالکل جدا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انہوں نے نعت گوئی کا ایک نیا طرز ایجاد کیا ہے۔ وہ صرف مدح وتوصیفِ پیغمبر تک اپنی نعتوں کو محدود نہیں رکھتے بلکہ تاریخ، سیرت، اسلامی اقدار وعقائد اور تعلیمات کو بھی اس میں شامل کرلیتے ہیں۔ اس طرح ان کے یہاں نعت گوئی کا مفہوم نہایت وسیع ہوگیا ہے''۔(۱۹)

درجِ بالا مثالوں سے نعتیہ شاعری کی تنقیدی اساس کی نشاندہی تو ہو ہی جاتی ہے۔ لہٰذا ''نعتیہ شاعری کے ضمن میں ادبی تنقید کے ظہور کا جائزہ'' کے زیرِ عنوان، صرف اتنی مثالیں ہی دے دینا کافی ہے۔

۲۔ شاعری کو جدید شعری رجحانات کی روشنی میں پرکھنے کے میلان کا جائزہ:

☆ ماہنامہ شام وسحر کے نعت نمبر:

ماہنامہ شام وسحر، کے چھ، نعت نمبر شائع ہوئے۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۱ء میں اس کا پہلا شمارہ آیا۔ جنوری۔ فروری ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والے شمارے میں تحسین فراقی نے ایک مضمون ''جدید اردو نعت گوئی، ایک جائزہ'' کے زیر عنوان لکھا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے جدید نعت کے مابہ الامتیاز خدوخال اجاگر کیے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے:

i۔ جدید نعت میں حضور کی سراپا نگاری اور معجزہ نگاری کا رجحان تقریباً ختم ہو گیا ہے۔

ii۔ اس میں حضور ﷺ کی سیرت نگاری بڑی بلیغ صورت میں سامنے آ رہی ہے۔

iii۔ عہدِ حاضر کا روحانی وتہذیبی کرب، نعت میں شہر آشوب کی طرح جھلکنے لگا ہے۔ جدید نعت، فرد سے لے کر ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے گہرے کرب اور درد سے مرتب ہوئی ہے۔

iv۔ جدید نعت، شاعری کی جدید اصناف میں بھی لکھی جا رہی ہے۔

v۔ جدید نعت میں عبد ومعبود کے فرق وامتیاز کا شعور بھی جھلکتا ہے۔ (۲۰)

تحسین فراقی حالی کو ''جدید نعت'' کا بنیاد گزار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> ''اردو میں جدید نعت گوئی کا اولین سنگِ بنیاد حالی نے ''مدوجزر اسلام'' کی شکل میں رکھا اور یوں پہلی بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انقلاب انگیز شخصیت شعری روپ میں ہمارے سامنے آئی۔ حضور کی سیرتِ طیبہ اس طرح سامنے لائی گئی کہ اس سے والہانہ محبت کرنے کو جی چاہا...... اس کو اپنا لینے اور اس میں ڈوب جانے کی آرزو جاگی۔ حالی کی نعت کا گداز نہ صرف یہ کہ اس کے اپنے داخلی مزاج کا نتیجہ تھا، بلکہ اس میں ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے گہرے کرب اور تہذیبی انحطاط کی گونج بھی صاف سنائی دیتی ہے''۔ (۲۱)

''شام وسحر'' کے نعت نمبر ۴، میں حامد یزدانی نے ''آزاد نعتیہ نظمیں، ایک تذکرہ، ایک جائزہ'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے، عارف عبدالمتین کی تحریر سے درج ذیل ایک اقتباس دیا ہے:

> ''آزاد نظموں میں نئی شاعری کے اسی آبدار عنصر کا بالخصوص خیال رکھا گیا، جو ایمائیت سے عبارت ہے اور جو مافی الضمیر کے اظہار کے لیے علائم ورموز کو بروئے کار لانے کا قائل ہے۔ اس علامتی طرزِ ابلاغ نے جدید نعت کو ایک ایسی تہ داری سے ہم کنار کیا ہے، جس نے اسے نہ صرف مزید عمق فراہم کیا، بلکہ ایک انفرادی آن بان بھی ارزانی کی ہے''۔ (۲۲)

آزاد نظموں کے ضمن میں لکھتے ہوئے حامد یزدانی نے آثم مرزا کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تحریر میں جدید شعری

رجحانات کا فہم اور جدید تنقیدی اسلوب کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''آثم مرزا، مقبول افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ آزاد نعتیہ نظموں میں ان کا انداز اور اسلوب قابلِ توجہ ہے۔ جہاں وہ ان نظموں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مثالی سیرت و کردار کی عظمت بیان کرتے ہیں، وہاں آج کی مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان قوم کی حالتِ زار کا تذکرہ بھی بڑے دردمندانہ لہجے میں کرتے ہیں۔ ان کے کلام کی سلاست اور روانی ان کی نظموں کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی ایک نعت کے کچھ حصے ملاحظہ ہوں:

وہ سردارِ کونین، خیر البشر ہیں
ازل جن کی تابع، ابد جن کی خادم
طلوعِ سحر کی جبیں پر درخشاں ہوا ان کا نام
شفق ان کے چہرے کا پرتو
دھنک کے ہر اک رنگ میں ہے انھی کا تبسم
......وہ کشمیر ہو یا کہ بیت المقدس
ہو قبرص کہ افغان یا ایتھوپیا ہو
انھی کی جلائی ہوئی مشعلوں کی ضیا پاشیوں سے
ہے مظلوم چہروں پہ عزم و صداقت کی سرخی
...... ہر اک دور میں ان کی عظمت نمایاں
ہر اک دور کے پاسباں بھی وہی ہیں
ہر اک دور کے درد کے ہیں وہ درماں
کرم کی نظر میرے آقاؐ!
کہ پھر آج ناؤ ہماری
بھنور میں گھری ہے.................(۲۳)''

انور جاوید کی نعتیہ نظم کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں:

''انور جاوید۔۔۔کی نعتیہ نظم ''نقشِ بے مثال'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے اس عظیم انقلاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس نے غلاموں کو شہنشاہانِ زمانہ کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل و برتر بنا دیا۔ آپ کا درسِ مساوات و اخوت بنی نوعِ انسان پر ایسا احسان عظیم ہے کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ آیئے ''نقشِ بے مثال'' پڑھیں:

تیری ہستی ماورائے فہمِ انساں.................. تو خدائے لم یزل کا ایک نقشِ بے مثال

صنعتِ ربِ دو عالم کا نمایاں شاہکار

دے کے پیغامِ مساوات و اخوت

دہر میں انسانیت کا بول بالا کر دیا

ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

زیدؓ و سلمانؓ و بلالؓ ایسے غلاموں، بے نواؤں

کو شہنشاہوں کا ہمسر کر دیا

اس طرح انسانیت کو کر دیا عالی وقار

اس کو بخشا ایک حسنِ اعتبار

ابنِ آدمؑ پر ہے یہ احساں

اک احسانِ عظیم!.......................(۴۴)

اسی طرح محمد نواز کی نعت پر اظہارِ خیال کرتے ہیں:

''محمد نواز کی نعت کا وہ حصہ بہت اثر انگیز اور جامع ہے اور سلاست و برجستگی سے بھرپور ہے، جس میں انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم کی چشمِ کرم کو دنیا کی ہر ہمدردی اور مدد پر ترجیح دی ہے:

مگر آسمان وزمیں کے خیرو

زمانے کی بچی عدالت کے بچے دیکیلو

رکو! میں تمہاری کسی بھی اعانت کا طالب نہیں ہوں

مرے درد و غم کی، مری ٹھوکروں کی، مری بے بسی کی

شہِ دو جہاں کو خبر ہو گئی ہے

کہ میرے نبیؐ کی مقدس نظر میں

عقیدت کے معصوم آنسو بڑی بے بہا چیز ہیں.................(۴۵)

نعتیہ شاعری کے حوالے سے ادبی رسائل میں تنقیدی مضامین کی اشاعت اور اس شاعری کو جدید شعری منظر نامے کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کا عمل، قابلِ لحاظ مقدار میں، پہلے پہل صرف ''شام و سحر'' کے مذکورہ چھے نمبروں میں نظر آتا ہے۔ ان نمبروں میں نعتیہ ادب کی اجتماعی تخلیقی فضا کا احوال بھی رقم ہوا ہے، اصنافِ سخن کے ضمن میں بھی گفتگو کی گئی ہے، اور انفرادی شعری کاوشوں پر بھی شعراء کی تحسین روا رکھی گئی ہے۔ اس تحسین میں تنقیدی بصیرت بھی کام میں لائی گئی ہے۔ اجتماعی فضا میں نعت گوئی کی تاریخ بھی بیان ہوئی ہے، جس میں نعتیہ شاعری کے خدوخال بھی اجاگر کیے گئے ہیں۔ لیکن ان مضامین میں تنقیدی عمل کم اور تاریخ نویسی کا رجحان زیادہ ہے۔ چنانچہ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم اپنے موقف کی وضاحت کے لیے

ان مضامین سے کچھ اقتباسات پیش کر دیں جن میں تنقیدی بصیرت مترشح ہو۔ ظاہر ہے اس میں ان تمام مضامین کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ نمائندہ تحریروں کا ذکر ہو جائے گا۔

مزید برآں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن قلم کاروں کی تحریریں کسی نہ کسی حوالے سے اس مقالے میں زیرِ بحث آ چکی ہیں یا کسی اور باب میں ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے، ان کی تحریروں کا ہم رسائل کے ضمن میں ذکر نہیں کریں گے۔ مثلاً وہ تمام قلم کار جن کی کتابوں پر ہم کسی باب میں تذکرہ کر چکے ہیں یا کریں گے، ان کی اگر کسی مجلّے، کتابی سلسلے یا رسالے میں کوئی تحریر ہوگی تو اس کا ذکر یہاں نہیں کیا جائے گا، تا کہ وہ قلم کار بھی نمایاں ہو سکیں جن کی تنقیدی کتابیں منصۂ شہود پر نہیں آ سکی ہیں۔ علاوہ ازیں ہم صرف ان تحریروں کا احاطہ کریں گے جو اردو نعت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں، عربی، فارسی یا پاکستان کی علاقائی زبانوں کے نعتیہ ادب سے متعلق تمام تحریریں بھی، ہمیں بحالتِ مجبوری نظر انداز کرنا ہوں گی۔

مذکورہ اصول کے تحت ہمیں شام و سحر کے نمبروں میں جن مضامین کا ذکر کرنا ہے وہ درج ذیل اہلِ قلم کے ہیں:

☆علیم ناصری

☆ڈاکٹر انور سدید۔

☆جعفر بلوچ۔

☆پروفیسر سید مشتاق احمد۔

☆نعتیہ شہر آشوب، علیم ناصری:

علیم ناصری نے نعتیہ شہر آشوب کے حوالے سے جو مضمون قلم بند کیا وہ ماہنامہ شام و سحر، لاہور، کے نعت نمبر ۳، میں صفحات ۹۱ تا ۱۰۸ کی زینت بنا۔

اس مضمون میں علیم ناصری نے نعتیہ شاعری کی ابتداء اور اس کے موضوعات پر لکھتے ہوئے عربی نعت میں اظہار کی شعری صورت پانے والے موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب اسلام کی کرنیں عجم میں پھیلیں تو نعتیہ شاعری میں ایک موضوع کا اضافہ ہوا جو "آشوبِ ذات یا آشوبِ دہر پر شاعروں کی مرثیہ گوئی" کی شکل میں سامنے آیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> "عرب کے بعد عجمی ممالک میں جب نورِ اسلام جلوہ گر ہوا تو اس موضوع میں کچھ مقامی رنگ کی بھی آمیزش ہوتی گئی۔ خصوصاً فارسی نعت گوئی، جو طلوعِ اسلام سے کم و بیش تین صدیاں بعد وجود میں آئی اس میں ایک اور موضوع کا اضافہ ہوا، اور وہ تھا "آشوبِ ذات یا آشوبِ دہر" پر شاعروں کی مرثیہ گوئی"(۲۶)

اپنے مضمون میں علیم ناصری نے فارسی شعراء کے لکھے ہوئے شہر آشوب کے حوالے دیئے ہیں۔ اردو کے شعراء میں نعتیہ شہر آشوب لکھنے والے پہلے شاعر حالی ہیں۔ جن کی آواز "عرضِ حال بہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات" کی صورت میں اردو نعت کی دنیا میں گونجی تھی۔ علیم ناصری نے حالی کو پہلا نعتیہ شہر آشوب لکھنے والا شاعر قرار دیا ہے اور ان کے مذکورہ عرضِ حال، کے مافیہ کو زیرِ بحث لائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے

امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اس میں وہ مسلمانانِ ہند کی زبوں حالی کا رونا روتے ہیں۔ ایک ایک خرابی کا ذکر کرتے ہیں۔ ملت کی اخلاقی کمزوریوں اور معاشی اور معاشرتی پستی کی نشاندہی کرتے ہیں:

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں

پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت، نہ فضیلت نہ ہنر ہے

اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

اور پھر آخر میں یہ گزارش کرتے ہیں:

فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں

بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی

ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

حالی جانتے ہیں کہ بگڑی کو سنوارنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کرتے ہیں تو یہ کہ آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، کیوں کہ آپ کی دعا مقبول ہے"۔(۲۷)

درج بالا اقتباس میں جو فکری نکتہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ حالی نے حضورﷺ سے براہِ راست حالات کے بدل دینے کی درخواست نہیں کی بلکہ رب تعالیٰ سے دعا کرنے کی التماس کی۔ علیم ناصری نے یہ نکتہ اجاگر کر کے نعت گو شعراء کو فکری اصابت کے عنصر کی طرف رجوع کا مشورہ دیا ہے۔ اس نکتے کی تنقیدی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیے علیم ناصری نے مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کا بھی یہی پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ان [مولانا ظفر علی خاں] کے ہاں بھی مولانا حالی کی طرح نعتیہ شہر آشوب ملتے ہیں۔ مگر ان میں بھی وہی عقیدہ کارفرما ہے یعنی وہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخاطب تو کرتے ہیں مگر دعا ہی کے لیے عرض کرتے ہیں:

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب

صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب

خیر البشر ہے تو، تو ہے خیر الامم وہ قوم

جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ

ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب

صد حیف ترے غلام نصاریٰ کی قید میں

دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب

اے قبلہء دو عالم وائے کعبہء دو کون

تیری دعا ہے حضرتِ باری میں مستجاب

یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر

دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام

عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب" (۲۸)

علیم ناصری نے اپنے مضمون میں جو فکری نکتہ پیش کیا ہے اس کی طرف ہمارے نعت گو شعراء کو بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور نقادانِ نعت کو بھی اس نکتے سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔

☆ خالد بزمی، ایک منفرد نعت گو، ڈاکٹر انور سدید:

شام وسحر کے نعت نمبر ۵ میں ڈاکٹر انور سدید کا خالد بزمی کی نعتیہ شاعری پر مضمون چھپا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مضمون میں جدید نعت کے خدوخال پیش نظر رکھتے ہوئے خالد بزمی کی شاعری میں ایسے موضوعات کی نشاندہی کی ہے جو حالی کے بعد سے نعت کا حصہ بنتے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"خالد بزمی کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وحیاتِ گرامی اور صفات و تعلیماتِ حسنہ کو ہی اپنی نعتوں میں پیش نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نعت کو تبلیغ حق اور دعوتِ دین کا وسیلہ بھی بنایا۔ ان کا ایقان وایمان ہے کہ بنی نوعِ انسان کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک وہ اپنے مقاصد کو نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے تابع فرمان نہ بنالے۔ چنانچہ جب وہ مدینے کی طرف چلتے اور نبیء اکرمؐ سے استفادہ کی راہ دکھاتے ہیں تو درحقیقت وہ حضورؐ کے وسیلے سے انسانی تہذیب ومعاشرت کی اصلاح کا ہی چارہ کرتے ہیں۔ ان کی نعت میں متعدد مقامات پر ایسے اشارے موجود ہیں، جو بلاواسطہ طور پر تبلیغ دین کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور اس مقام پر ان کے دل میں درد کی ایک لہر بھی زیریں سطح پر موجزن نظر آتی ہے۔ وجہ یہ کہ جدید زمانے نے مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ ہمارا عہد اضطراب وتشکیک کا عہد ہے۔ یہ دور پریشانی اور پشیمانی کا دور ہے۔ خالد بزمی نے اس دور کے بھٹکے ہوئے انسان کو اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کی ہے، جو حضور نبیء

کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے پھوٹتی ہے اور جو فلاح کی راہ ہے۔اس مقام پر خالد بزمی ہمیں شاعر ہی نہیں، مصلح بھی نظر آتے ہیں۔قوم کی عاقبت نااندیشی پر مولانا الطاف حسین حالؔی نے بھی آنسو بہائے تھے، مولانا ظفر علی خان نے بھی شکوہ کیا تھا۔علامہ اقبال بھی مغموم و پریشان رہ چکے ہیں۔اس قومی زوال پر خالد بزمی نے بھی اپنے تاثرات نعت میں پیش کیے ہیں اور واضح الفاظ میں اس ادبار سے نجات حاصل کرنے کا طریق بھی بتایا ہے۔ان کے نزدیک قرار جان اور سکون دل حاصل کرنے کا دوسرا کوئی وسیلہ (نہیں) صرف مدینہ ہے:

تو کیوں ہے سوگوار، مدینے سے دل لگا
مل جائے گا قرار، مدینے سے دل لگا
بزمی اگر سکونِ دل وجان چاہیے
کیوں پھر رہا ہے خوار، مدینے سے دل لگا
حضور پاک کے بعد اور حضور پاک سے پہلے
جہاں کا قافلہ سالار آیا ہے نہ آئے گا
(شام وسحر، نعت نمبر۵،ص۰۷۴)

☆علیم ناصری کا اسلوبِ نعت نگاری، جعفر بلوچ:

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کے اسلوبِ نعت نگاری پر قلم اٹھایا ہے۔انہوں نے اسلوب پر بات کرنے سے قبل، علیم ناصری کے اس شعری آدرش کو ان کے کلام کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔نعت کی عظمت کا تصور علیم ناصری کے ہاں کیا ہے؟ یہ بات جاننے کے لیے درج ذیل اقتباس کافی ہے:

''جناب علیم ناصری نعت گوئی میں فکری اور وجدانی طور پر سلامت روی کے قائل ہیں اور اس راہ کی مشکلات کا انہیں کامل احساس وادراک ہے۔چنانچہ وہ کہتے ہیں:

نطق بے باک سنبھل اپنی حقیقت پہچان
کون ہے جس کو کہ ہے نعت میں یارائے سخن
یہ قصیدہ نہیں شاہوں کا بقولِ عرفؔی
ہے دمِ تیغ پہ یہ راہ، یہ صحرا ہے نہ بن
نعت گوئی میں رہے حفظِ مراتب کا خیال
چھوٹ جائے نہ کہیں ہوش وخرد کا دامن
عجز و بے چارگی زیور ہے ہنر مندی کا
ان کے دربار میں بس حسنِ عقیدت ہے حسن(۳۰)

نعتیہ شاعری کے لیے جس حزم واحتیاط کی ضرورت ہے اس کی طرف خود شاعر نے اشارے کر دیئے ہیں، یہ شاعر کا

تنقیدی شعور ہے اور جعفر بلوچ نے اسے منتخب کر کے اپنی تنقیدی دانش اور راست فکری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔تنقید نگار نے شاعر کا یہ عقیدہ بھی پیش کیا ہے کہ:

خدا سے نعت نگاری کی توفیق ملنے کے بعد فن کی مشکلات شاعر پر خود بخود آسان ہو جاتی ہیں"۔

طبعِ دراک کو جب اذنِ ثنا گوئی ملے
اسے رہتی نہیں پروائے مفاعیل فعول
جادہء نعتِ پیمبرؐ میں نگوں سر ہے قلم (۳۱)
مثلِ الہام ہے الفاظ و معانی کا نزول

شاعر کا عقیدہ اپنی جگہ بہت درست ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے اصول کو "تحدیثِ نعت" کے طور پر قبول کرنا چاہیے۔ایسا نہیں کہ شاعر نے تحصیلِ فن میں کوئی کسر چھوڑی ہو۔توفیقِ ثنا مل جانے پر جس قدر خلوص سے نعت نگاری کی راہ اختیار کی جائے اور اسقام وتسامح سے بچنے کی کوشش کی جائے اسی قدر اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔درِ بالا قطعہ، ایسے نعت نگاروں کی نشاندہی کرتا ہے جو زبان، بیان، فن اور مافیہ کے تقدس سے آگاہ ہو کر سعیء نعت نگاری میں مصروف ہیں۔توفیقاتِ کے اصولوں میں تعمیم نہیں ہوتی اور نہ ہر نعت گو کے ہاں وہ نظر آتی ہے۔

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے کلام کے خاص خاص پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔جعفر بلوچ کی تحسین میں فن شناسی کا عنصر اور نعتیہ ادب کی نزاکت کا احساس بھرپور رنگ بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"جناب علیم ناصری کی وسعتِ مطالعہ کا اظہار ان کی نعت سے بھی ہوتا ہے۔وہ جابجا قرآن واحادیث سے تلمیحات لاتے ہیں۔تاریخ اسلام کے روشن ابواب سے حوالے دیتے ہیں اور مشہور شعرا کے اشعار کی تضمین کرتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کیوں نہ ہو قلب میں تقویتِ ایمان و یقیں
جب وہ صدیقؓ کو ارشاد کرے لا تحزن!
ہوگیا زندہء جاوید شہادت دے کر
ابنِ نوفل تھا نوامیسِ رُسُل کا محرم (۳۲)

جعفر بلوچ نے علیم ناصری کو قادر الکلام پایا اور اس کے شواہد ناصری کے کلام سے پیش کر دیئے۔علاوہ ازیں انہوں نے نعت نگار کے تخلیقی میلانات میں شعرائے ماسبق کے اسالیب کے اثرات دیکھ کر موازنہ کرتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ علیم ناصری، علامہ اقبال کی فکر اور ان کے اسلوب سے بہت متاثر ہیں کیوں کہ ان کے شعری لہجہ یا Diction اقبال کے لہجے سے قریب تر ہے۔جعفر بلوچ نے کس کس زاویئے سے علیم ناصری کے فن کا جانچنے کی سعی کی ہے، یہ جاننے کے لیے ہمیں ان کی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرنے ہوں گے۔وہ لکھتے ہیں:

''جناب علیم ناصری بڑے قادرالکلام شاعر ہیں،انہیں لفظوں کے مزاج سے مکمل آگہی ہے۔وہ لفظ کو اس کے صوتی اور معنوی حُسن کے ساتھ برتنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔وہ حسبِ موقع الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر انہیں اس حسن سے بندش میں لاتے ہیں کہ ثقیل سے ثقیل لفظ بھی سراپا لطافت بن جاتا ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

پھر سے آئینِ براہیم ہوا جلوہ نما
ریزہ ریزہ ہوئے کعبے کے بھی لات و ہبل
طائرِ سدرہ تری ہم سفری پر نازاں
تیرے نقشِ کفِ پا، مشتری و ماہ و زحل
مجھ کو خوش آتا ہے آقا تری نعتیں لکھنا
میرا شیوہ نہیں لالائی اصحابِ دوَل
اس کے گرویدہ رہے ہیں اور رہیں گے حشر تک
عابدینِ قانتین و عابداتِ قانتات
اس کے نقشِ پا کے شیدائی رہیں گے تا ابد
مؤمنینِ صالحین و مؤمناتِ صالحات

جنابِ علیم ناصری کی قدرتِ کلام کا اظہار ایسے اشعار سے بھی ہوتا ہے، جن میں وہ قرآن و حدیث کے الفاظ اور جملوں کو سموتے ہیں، دیکھیں:۔

فیض سے اس کے ملی امتِ مرحوم کو
رغبتِ خذ ما صفا، ہمتِ دَع ما کدر
مدحِ محبوبِ خدا عین رضائے حق ہے
آشکارا ہے رفعنا لک ذکرک سے یہ راز
نقطۂ اقراء ہے وہ، مرکزِ اسرا ہے وہ
شرحِ الف لام را، رمزِ الف لام میم (۳۳)

فن زندگی کا عکاس ہے۔نعتیہ شاعری میں عصری حسیت کی آمیزش سے اس فن کو زندگی سے قریب لایا جاسکتا ہے۔علیم ناصری نے عصری حسیت کو کس طرح سمویا ہے، اس کا احوال جعفر بلوچ کی زبانی سنیئے:

''نعت نگاری میں جناب علیم ناصری نے عصری تقاضوں کو بھی فراموش نہیں کیا۔ان کی نظر عالمِ اسلام اور اس کے موجودہ مسائل پر ہے۔وہ اسلام اور آخری پیغمبرِ اسلام سے مسلمانوں کی دوری پر کڑھتے ہیں۔اور انہیں یہ بات سمجھاتے ہیں کہ ان کے جملہ مسائل کا حل، اتباعِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہے۔

وہ کس کرب سے کہتے ہیں:۔

اسلام کے درپے ہیں سب روسی وامریکی
سب ہندی وصیہونی، افرنگی والمانی
ان کی یہ تمنا ہے ہم اخذل وارزل ہوں
باقی نہ رہے ہم میں، تنظیمِ مسلمانی

اور پھر کس دل نشین انداز میں اتباع خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلاتے ہیں:۔

اس کی طاعت کو علیمؔ اپنا وظیفہ جانو
پیروی اسوۂ کامل کی بنالو معمول

اہلِ فن ہمیشہ پیش رفتگاں کے علم و ہنر سے استفادہ کرتے آئے ہیں۔ چراغ سے چراغ جلتا آرہا ہے اور اسی سے علم وفن کی آبرو باقی ہے جناب علیم ناصری نے بھی متعدد سخنوران پیشیں سے اکتساب و استفادہ کیا ہے۔ لیکن حضرت علامہ اقبالؒ سے وہ خصوصاً متمتع یاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے حضرت علامہ اقبالؒ کی زمینوں میں دادِ سخن دی ہے۔ ان کی لفظیات کو برتا ہے۔ ان کے افکار کو برنگِ دگر ادا کیا ہے۔ اپنے کلام کے مجموعی تاثر کے اعتبار سے وہ دبستانِ اقبالؒ کے ایک ممتاز اور معتزز رکن نظر آتے ہیں۔ اور یہ ان کی سلیم الطبعی اور راست فکری کی محکم دلیل ہے.......... مغربی حکمت کی منزل ناری پر جناب علیم ناصری کی یہ تنقید بھی حضرت علامہ اقبالؒ کے افکار کا پرتو جمیل معلوم ہوتی ہے۔

حاصل نہ ہوا مجھ کو عرفان کا ذرہ بھی
افرنگ کے کتب کی گو خاک بہت چھانی
جدت کے سبھی دعوے ظلمات بداماں ہیں
تعلیم حجاب آگیں، تہذیب ہوس رانی

اسی طرح ذیل کے اشعار سے بھی اقبال سے اثر پذیری مترشح ہے:۔

بارگہِ مصطفےٰ مسکنِ شاہ وگدا
مرجع جن وبشر، مامنِ سرخ وکبود
اس کی نظر کیمیا، اس کا سخن انگبیں
اس سے نگاہوں میں نور، اس سے دلوں کی کشود

مجموعی طور پر جناب علیم ناصری کی نعت علم وفن کی بلندیوں کی امین ہے۔ اور اپنے انداز دل کشائی اور عصر افروزی کے بہت سے امکانات رکھتی ہے"۔(۳۴)

☆ شاعرِ چادرِ رحمت، منیر قصوری، از پروفیسر سید مشتاق احمد:

پروفیسر سید مشتاق احمد نے منیر قصوری کی نعت گوئی پر "شاعرِ چادرِ رحمت" کے زیرِ عنوان قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے ذیلی عنوانات قائم کر کے اپنے مضمون میں منیر قصوری کی نعت گوئی کے خدوخال اجاگر کیے ہیں۔ مثلاً پیش منظر، حضورؐ کے ممنونِ کرم ہونے کا احساس، مطالعہ قرآن و حدیث، لفظوں کا صحیح استعمال، اضطراری کیفیات اور خلوصِ طلب، امید و یقین کا پہلو، عجز و انکسار اور سوز و گداز، اسلوبِ نگارش، صنائع بدائع، صنعتِ تلمیح، صنعتِ لف و نشر مرتب، صنعتِ تعلیل، حشو و زوائد سے پاک شاعری، سہلِ ممتنع اشعار، سلاست و روانی، تکرارِ لفظی کا حسن، سادگی و برجستگی، خوبصورت نئی ردیفیں، نئی تراکیب، چست بندشیں، قادر الکلام شاعر، کلامِ دلپذیر اور فکری تنوع اور منیر قصوری کا تصورِ نعت وغیرہ وغیرہ۔

عنوانات قائم کر کے ان کے ذیل میں شاعر کے کلام سے استشہاد کرتے ہوئے صاحبِ مضمون نے اپنے مضمون کو جاندار بنایا ہے۔ عنوانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار، اردو ادب کے کلاسیکی تنقیدی مزاج کے قریب رہتے ہوئے کچھ جدید شعری رجحانات کی پرکھ سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔

ہم پروفیسر سید مشتاق احمد کے مضمون سے چیدہ چیدہ پیراگراف کے اقتباسات درج کر کے ان کے تنقیدی منہاج کی سمت نمائی کی کوشش کرتے ہیں۔ "لفظوں کا صحیح استعمال" کی سرخی قائم کر کے وہ لکھتے ہیں:

> منیر قصوری کو لفظ کے صحیح استعمال کا کمال سلیقہ ہے، وہ لفظ کی ہیئت اور معانی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اس نے عربی فارسی زبانوں میں وسعتِ مطالعہ سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لفظ کے صحیح استعمال پر قدرت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جغادری شاعر جو بزعمِ خویش اپنے آپ کو علماء میں شمار کرتے ہیں، وہ رحمت للعالمین کو رحمۃٌ للعالمین لکھنے پر مصر ہوتے ہیں۔ حالانکہ جہاں تک اس لفظ سے پہلے حرفِ ندا "یا" نہ لکھا جائے، رحمت کی ۃ پر دو زبریں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ قواعد کے خلاف ہے۔ منیر قصوری چادرِ رحمت میں رحمت للعالمین کو رحمتٌ للعالمین ہی لکھتا ہے۔ میں نے منیر قصوری سے پوچھا کہ وہ اپنی نعتوں میں گنبدِ اخضر یا قبہ خضرا کیوں استعمال کرتا ہے۔ "گنبدِ خضرا" کیوں نہیں لکھتا۔ جس کا استعمال قریباً ہر چھوٹے بڑے نعت گو شاعر نے کیا ہے۔ اس نے کہا عربی میں حضورؐ کے سبز گنبد کے لیے "القبۃ الخضراء" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ القبۃ چونکہ مؤنث ہے اس لیے اس کی صفت الخضراء بھی مؤنث لائی جاتی ہے اور گنبد فارسی لفظ ہے جو مذکر ہے، اس لیے اس کے ساتھ اس کی صفت اخضر (مذکر) لانا ضروری ہے۔ اس کے ہاں اس کا استعمال دیکھیے: ۔
>
> جب سے جمالِ قبہ خضرا نظر میں ہے
>
> سرکارِ دو جہاں کا سراپا نظر میں ہے
>
> یا پھر: ۔
>
> ایسا نظارہ سرِ قبہ خضرا دیکھا
>
> میں نے ہر شخص کو جذبات میں ڈوبا دیکھا
>
> اسی طرح گنبدِ اخضر کی مثالیں ملاحظہ ہوں: ۔

فضائے یکراں ہے گنبدِ اخضر کے سائے میں

جہاں اندر جہاں ہے گنبدِ اخضر کے سائے میں

یا پھر:

اپنی پستی کی طرف جب بھی نظر کرتا ہوں

رفعتِ گنبدِ اخضر مجھے یاد آتی ہے (۳۵)

پروفیسر سید مشتاق احمد نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''کلامِ دلپذیر اور فکری تنوع''، اس کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''منیر قصوری کی نعتیہ شاعری ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے وقت، قاری شاعر کا شریکِ سفر ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اس سفر کے دوران کہیں ستانے کے لیے بھی نہیں رکا۔ لہٰذا ہمسفر کے رکنے کے لیے بھی اس نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ جس منزل پر اس نے پہنچ کر دم لیا ہے، اس کا شریک سفر بھی وہیں پہنچ کر دم لیتا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ شاعر نے قاری کو اپنے زبان و بیان اور افکار کے تنوع میں ایسا جکڑ لیا ہے کہ جب تک وہ پوری کتاب ختم نہ کر لے اس کی بے چینی ختم نہیں ہوتی اور یہ ایک اچھے شاعر کے کلام ہی کی خصوصیت ہوتی ہے:

منیر قصوری کے فکری جمال اور تنوع کی کچھ جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

رنج و محن تو میری طرف دیکھتے نہیں

وہ جانتے ہیں میرا سہارا حضورؐ ہیں

ایمان کیا ہے اس کی تو مجھ کو خبر نہیں

اتنا پتا ہے میرا عقیدہ حضورؐ ہیں

الفاظ کا قرینہ اشکوں کو دے دیا ہے

اس طرح کر لیا ہے سامان التجا کا

جب سے شہرِ مصطفیٰؐ میں ہوں منیرؔ

وسعتِ ارض و سما رکھتا ہوں میں

چند لفظوں میں مرتب کر رہا ہوں آرزو

ان سے مجھ کو صرف عرضِ مدعا درکار ہے

کیا کہوں سرکارؐ سے کیا چاہتا ہوں میں منیرؔ

یہ تو مجھ کو بھی نہیں معلوم کیا درکار ہے

منیر قصوری اس بات سے بھی بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت لکھنا کسی بشر کے لیے ایسا ہی ہے، جیسا اک ذرّے کا سورج کے اوصاف بیان کرنا۔ بھلا ذرّہ بھی سورج کے مقام سے

باخبر ہوسکتا ہے جو اس پر بات کرے گا۔ ہر گز نہیں۔ چنانچہ منیر قصوری کہتا ہے:۔

ممکن نہیں ادا ہو حق نعتِ مصطفےٰ کا

اک ذرہ اور دعویٰ خورشید کی ثنا کا (۳۶)

☆''نقوش'' کا رسول ﷺ نمبر، جلد دہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء:

''نقوش'' ایک معروف ادبی رسالہ ہے جس کے رسول ﷺ نمبر کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس رسالے کی ۱۳ جلدیں شائع ہوئیں۔ زیر تبصرہ جلد، رسول ﷺ نمبر کی دسویں جلد ہے۔ اس شمارے میں تین مضامین اردو نعتیہ شاعری سے متعلق ہیں۔ ایک مضمون مجرد ''نعت'' پر ہے جس میں نعت کے لغوی مفہوم کا تعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ان چاروں مضامین کی ترتیب کچھ یوں ہے:

i۔ نعت (لغوی مفہوم)، ڈاکٹر ریاض مجید

ii۔ اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات، ڈاکٹر شاکر علیمی

iii۔ اردو کے نعتیہ گلدستے، ڈاکٹر فضل حق خورشید

iv۔ اردو زبان میں نعتیہ کلام، حفیظ تائب

ڈاکٹر ریاض مجید کے تحقیقی مقالے کا ذکر متعلقہ حصے میں ہوگا اس لیے ان کی اس تحریر پر یہاں تبصرہ کرنا، باعثِ تکرار ٹھہرے گا۔ ڈاکٹر شاکر علیمی کا مضمون ایک خاص موضوع یعنی ''اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات'' پر ہے اس لیے اس مضمون کی نوعیت ایک تحقیقی مضمون کی ہے تنقیدی مضمون کی نہیں ہے۔ ''اردو کے نعتیہ گلدستے'' (ڈاکٹر فضل حق خورشید) والا مضمون بھی تحقیقی نوعیت کا ہے۔ لہٰذا ان مضامین پر گفتگو کرنا ہمارے دائرۂ تحقیق میں شامل نہیں ہے۔ حفیظ تائب کا مضمون ''اردو میں نعتیہ کلام'' بھی تحقیقی مضمون ہے۔ اس لیے یہاں صرف نشاندہی کردی گئی ہے۔

☆لیلۃ النعت، مجلّہ، مرکزی گل بہار نعت کونسل پاکستان (ٹرسٹ):

مرکزی گلبہار نعت کونسل پاکستان (ٹرسٹ) کے زیرِ اہتمام محافلِ نعت بھی سجائی جاتی رہی ہیں اور سالانہ بنیادوں پر مجلوں کی اشاعت کا بندوبست بھی کیا جاتا رہا ہے۔ شہزاد احمد، ایڈیٹر ماہنامہ ''حمد ونعت'' کراچی، کے مضمون ''مرکزی گلبہار نعت کونسل کے مجلّے لیلۃ النعت'' مشمولہ مجلّہ ۲۰۰۲ء، سے معلوم ہوا کہ اس تنظیم کے مجلّے ۱۹۸۷ء سے ۲۰۰۲ء تک تسلسل کے ساتھ جاری کیے گئے ہیں۔ ان مجلوں میں مختلف عنوانات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ نعت کے موضوع پر بھی کچھ مضامین شائع کیے گئے ہیں لیکن ان میں تنقیدی قدر کے مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ''نعت نگاری میں ذم کے پہلو'' کے زیرِ عنوان، رشید وارثی کا ایک مضمون 'لیلۃ النعت'' کے مجلّے بابت ۱۹۹۴ء (صفحات ۹ سے ۲۵ تک) میں شائع ہوا تھا جس کی دوسری قسط مجلّہ 'لیلۃ النعت ۱۹۹۵ء' (صفحات ۱۰ تا ۲۳) کی زینت بنی۔ ہم اپنے اس مقالے کے متعلقہ حصے میں رشید وارثی کی کتاب (جس میں ''اردو نعت نگاری میں ذم کے پہلو کے زیرِ عنوان مضمون موجود ہے) پر گفتگو کریں گے۔ اس لیے

تکرار سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ یہاں صرف مضمون کی نشاندہی کر دی جائے۔

☆ ماہنامہ ''الرشید'' لاہور، کا نعت نمبر، بادارت عبدالرشید ارشد، ۱۴۱۱ھ:

ماہنامہ الرشید لاہور کا نعت نمبر ۱۴۱۱ھ کے بجائے ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا تاہم اس کے ہر صفحے پر ۱۴۱۱ھ ہی تحریر ہے۔ ہم نے انتساب کے ذیل میں مدیر کے دستخط کے ساتھ لکھی ہوئی تاریخ کو معتبر جان کر یہ بات لکھ دی ہے۔ اس شمارے کی دو جلدیں ہیں، حصہ اول میں مولانا محمد اشرف خاں سلیمانی کا صرف ایک مضمون بعنوان ''قرآنِ کریم میں نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' شائع کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں نعتیہ شاعری کے مضامین کے لیے قرآنی آیات کی صورت میں بنیادی مواد فراہم کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی تنقیدی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ مواد جب تک کسی شاعری میں استعمال نہ کیا جائے اور جب تک اس کی تنقیدی نہج پر پرکھ کا کام مکمل نہ ہو، اس کوشش کو خالص تنقیدی عمل سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم اس کا صرف حوالہ دے دینا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

☆ ''اوج'' نعت نمبر ۱ اور ۲، گورنمنٹ کالج، شاہدرہ، لاہور، ۹۳-۱۹۹۲ء:

اوج نعت نمبر کی ترتیب و تدوین کا سہرا پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے سر رہا۔ اس مجلّے کی اشاعت کے کچھ عرصے بعد ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کو شہید کر دیا گیا تھا۔ موصوف نے اس مجلّے کو بڑی محنت سے مرتب کیا اور ۱۹۹۲ء کو نبی کریم ﷺ کے اسم گرامی ''محمد ﷺ'' کے اعداد ۹۲ کی مناسبت سے اوج کے نعت نمبر کی اشاعت کے لیے موزوں ترین سال جانا تھا۔

اوج کے نعت نمبر میں نعت کے موضوع کی تفہیم کے لیے چھ مضامین ایسے شامل کیے گئے ہیں جن میں نعتیہ شاعری کے فنی اور شرعی تقاضوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ مضامین براہِ راست تنقید پر تو نہیں ہیں لیکن ان میں موضوع سے متعلق تنقیدی نکات ضرور پائے جاتے ہیں۔ پہلے ان مضامین کی فہرست ملاحظہ فرمالیجیے:

i۔ صنفِ نعت، مجید امجد

ii۔ نعت کیا ہے؟ سید ریاض حسین شاہ

iii۔ نعت کا فن، ڈاکٹر شہ رشاد عثمانی

iv۔ نعت اور اس کے آداب، مولانا محمد تقی عثمانی

v۔ نعت میں احترامِ رسالت کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

vi۔ نعتِ نبی، عزیز صابری

موخر الذکر مضمون، راقم الحروف کا ہے، اس پر گفتگو قطعی نہیں کی جا سکتی۔ دیگر مضامین کا تعارف حاضر ہے:

i۔ صنفِ نعت، مجید امجد:

مجید امجد نے نعت کے موضوع کی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے اردو نعت کے بیشتر ذخیرے کے معنوی معیارات

سے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔نعت کا صحیح ادراک ہی ان کے تنقیدی شعور کی غمازی کر رہا ہے۔ان کی تحریر سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

''صنفِ نعت ایک نہایت ادق اور نہایت وقیع صنف ہے۔شعر اور اس کے اوزان میں جکڑے ہوئے الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام اثر اندازیوں کے باوجود،توصیف رسول ﷺ کے اظہار کے مقام پر آ کر عاجز ہو جاتا ہے۔ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جب تک حقیقت رسالت کی عظمت کا ادراک کامل حاصل نہ ہو،لکھنے والے کا بھٹک جانا ایک یقینی امر ہے اور سب سے بڑھ کر ضروری شرط یہ بھی ہے کہ نعت نویس عشق رسول ﷺ کے جذبات صادق سے بہرہ مند ہو اور جذبہ اس کے اعمال و تصورات پر حاوی ہو۔یہ عشق رسول کا جذبہ روح نعت ہے اور مقام مصطفوی ﷺ کا سچا ادراک رجحان نعت ہے۔دونوں صفات ایک ہی جلوے کا پرتو ہیں اور یہ صفات جب آئینۂ شعر میں منعکس ہوں گی تو نعت اس رتبے کو پہنچ سکے گی جو اس کا مقصود ہے۔لیکن عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ مروجہ نعتیں اس معیار پر پورا نہیں اترتیں۔یہاں یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ بعض جلیل القدر شعراء کا نام لے کر ان کی نعتوں کا ذکر کیا جائے جن کے بیان کی معنویت اس نازک اور مشکل مقام پر آخر مطالب مقصودہ کی سطح تک نہیں پہنچ سکی''۔(۳۷)

ii۔نعت کیا ہے؟سید ریاض حسین شاہ:

سید ریاض حسین شاہ نے حضور اکرم کی ایک حدیث (لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین [تم میں سے کسی ایک کا بھی ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ماں باپ،اپنی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرنے والا نہ ہو]) کی روشنی میں نعت کا جواز پیش کیا ہے۔نعت کے مفاہیم و مطالب کے تعین کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''لغت اور آثار و روایات کی مدد سے نعت کے جو مفاہیم و مطالب حاصل ہوئے ان کی ترتیب یہ ہے:
[ا] اوصاف بیان کرنا [ب] احوال بیان کرنا [ج] حلیہ واضح کرنا [د] تعریف میں مبالغہ کرنا [ہ] سفارش کرنا [و] نقل کرنا یا نقل اتارنا [ز] جوہر سامنے لانا [ح] کسی جنس کا اپنی انواع پر فضیلت ثابت کرنا [ط] خواص منکشف کرنا [ی] عمدہ صفات رکھنا [ک] کسی شے کا قدیم الاصل ہونا [ل] دوڑ میں آگے بڑھ جانا [م] صفت کو موصوف کے ساتھ لانا [س] اور حضور ﷺ کی مدح و تحمید بجا لانا۔
نعت کے مذکورہ صدر لغوی معنی و مطالب کی روشنی میں اصطلاح نعت کا موضوع آسانی سے متعین کیا جا سکتا ہے۔نعت کا مدار چوں کہ رسول کریم ﷺ کی ذات مسعود ہے،اس اعتبار سے آپ کی ذات سے لے کر صفات تک،آپ کے افکار سے لے کر اعمال تک،زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نعت کا موضوع نہ بن سکتا ہو۔اخلاق،سیرت،معجزات،غزوات،خطبات،عبادات،مناکحات،معاملات،معمولات،عادات،تعلیمات،سب تک نعت کا دامن پھیلا ہوا ہے''۔(۳۸)

iii۔نعت کا فن، ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی:

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی نے، اردو نعت کی تاریخ، اس کی فنی حیثیت اور ایک ہیئت میں مقید نہ ہونے کے حوالے سے نعت کے موضوع کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ مضمون لکھا ہے۔ انہوں نے فن کی شرائط کی بات کرتے ہوئے لکھا:

''موضوع جتنا عظیم و وقیع ہوگا اس سے اتنی ہی عظیم شاعری کے سوتے پھوٹیں گے، بشرطیکہ شاعر و فنکار نے اسے اپنے جذبے کی بھٹی میں پگھلا کر شعر کے پیکر میں ڈھالا ہو، موضوع کی اہمیت کے ساتھ موضوع کو برتنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ لائق توجہ ہے وہ فنکارانہ جذبہ صادق ہے۔ یہ جذبۂ صادق ہی ہے، جو اپنے موضوع سے گہرا لگاؤ پیدا کرتا ہے اور پھر وہ شعر کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی جذبے اور لگاؤ کو غالب نے ''دلِ گداختہ'' سے تعبیر کیا ہے اور اقبال کی زبان میں ''نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر'' اسی سے فن میں جان آتی ہے اور فن کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے''۔(۳۹)

iv۔نعت اور اس کے آداب، مولانا محمد تقی عثمانی:

مولانا محمد تقی عثمانی کے مضمون پر یہاں تبصرہ کرنا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ ان کی تنقیدی آراء پر ہم اس مقالے میں کہیں اور قدرے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

v۔نعت میں احترامِ رسالتؐ کے تقاضے، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی:

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے بھی نعتیہ شاعری کے موضوع کی نزاکتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے جس میں تنقیدی نکات بھی بیان ہو گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''''نعت کا مقام و مرتبہ: نعت کی پذیرائی زیادہ تر دینی حلقوں میں ہوئی۔ اس لیے عام ادبی حلقے اسے دینی ادب کا حصہ سمجھ کر علماء و صوفیاء کے لیے خاص قرار دیتے رہے۔ ادب کے ناقدین کے ہاں کسی ادبی تخلیق میں دینی عنصر کا وجود اسے دوسرے درجے کا ادب بنا دیتا ہے۔ اس لیے ادبی حلقوں میں اسے نظر انداز کیا گیا۔ دوسری جانب دینی حلقے تھے، وہاں بھی اسے مناسب مقام نہ ملا۔ ان کے ہاں نعتیہ شاعری صرف وقتی آسودگی اور قلبی بے قراری کے لیے لحاتی قرار کا باعث رہی۔ نعتیہ شاعری کے فنی جائزے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خوش عقیدگی اور خوف فسادِ خلق بھی ہے کہ ایسے مقدس کلمات کو کیسے نقد و نظر کے تختے پر چن دیا جائے۔ اس وجہ سے نعتیہ ادب کا باقاعدہ اور سنجیدہ فنی محاکمہ نہ ہوا، جو رائے بھی قائم ہوئی وہ مفروضوں پر مبنی رہی۔ نعت کی شعری حیثیت کو خود نعت گو حضرات کے طرزِ عمل سے بھی نقصان پہنچا۔ شعری صلاحیت رکھنے والے عموماً وہ لوگ تھے جو دینی حلقوں میں قابلِ احترام شخصیتوں کے مالک تھے۔ وہ لوگ دربارِ نبوی کی نزاکتوں کو سمجھتے تھے اور شاعری کے رموز و خواص کو بھی۔ مگر وہ نعت کو اپنے ضمیر کی آواز اور اپنی عقیدت کا اظہار جان کر اس کی نمائش مستحسن نہ سمجھتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ یہ جذبہ ریاکاری کی زد میں نہ

آجائے۔ اس کے برعکس وہ اصحاب تھے جنہیں شعر اور جذبہ شعر پر دسترس حاصل نہ تھی، یا اگر جذبہ تھا بھی تو اس کے شعراً اظہار کی صلاحیت نہ تھی۔ بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ارادت کا اظہار شعر کے بغیر نہیں ہوسکتا' اس طرح ہر وہ شخص جو وزن و قوافی کی عامیانہ سی شد بد بھی رکھتا تھا' شعر کہنے لگا۔ عوام نے محبت سے انہیں سنا، اور یوں یہ شعوری کوشش جو زیادہ تر تصنع کے ذیل میں آتی تھی، مقبول ہوگئی"۔ (۴۰)

نعتیہ شاعری کے ادبی معیارات کے عدم تعین اور ناقدین کی عدم توجہی کی جو وجوہات ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے بیان کی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان کے تحقیقی تجزیئے کی روشنی میں اب ایک تنقیدی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اب ایسے شعراء بھی نعتیہ شاعری کررہے ہیں جو اپنی ادبی حیثیت منوا چکے ہیں۔

iv۔ نعتِ نبی ﷺ، عزیز صابری:

راقم الحروف کے اس مضمون سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

☆ ماہنامہ حمد و نعت، کراچی، ایڈیٹر، شہزاد احمد:

۱۹۹۰ء سے غالباً ۱۹۹۶ء تک کبھی ماہانہ کبھی دو ماہی اشاعت کی صورت میں "ماہنامہ حمد و نعت" جاری رہا ہے۔ ہمیں مجلّے کے اجراء کی تاریخ متعین نہیں کرنی ہے اس لیے ہم صرف اپنے موضوع "تنقیدِ نعت" کے حوالے سے اس میں موجود مواد کا جائزہ لیں گے۔

ماہنامہ حمد و نعت، جلد ایک، شمارہ ، جولائی ۱۹۹۰ء ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ:

اس شمارے میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا مضمون "ورفعنا لک ذکرک" کے عنوان سے شاملِ اشاعت ہے۔ یہ مضمون شفیق بریلوی کی کتاب "ارمغانِ نعت" میں بھی شامل ہے، اس لیے اس پر باب پنجم میں تبصرہ کردیا گیا ہے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر سید شمیم گوہر کا ہے، جس کا عنوان ہے "امام الشعراء مولانا غلام امام شہید"۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی کتاب پر بھی ہمارا تبصرہ متعلقہ حصے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس مضمون پر بھی گفتگو نہیں ہوسکتی۔

ماہنامہ "حمد و نعت" کراچی، جلد ا، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۰ء، محرم الحرام ۱۴۱۱ھ:

اس شمارے میں ڈاکٹر سید شمیم گوہر کا مضمون "کرامت علی خاں شہیدی" کے عنوان سے ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے "تجلی زارِ نعت" کے عنوان سے لکھا ہے۔ دونوں مضامین پر یہاں گفتگو نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ ان قلم کاروں کی تحریروں کا جائزہ اسی مقالے کے متعلقہ حصے میں پیش کردیا گیا ہے۔

ماہنامہ "حمد و نعت" کراچی، جلد ۶، شمارہ ۸۔۹، فروری۔ مارچ، شمارہ ۱۰۔۱۱، اپریل، مئی ۱۹۹۶ء:

ان شماروں میں تنقیدی نوعیت کے دو مضامین ہیں، ایک سید رفیق عزیزی کا بعنوان "غیر محتاط نعت گو"۔ دوسرا رشید وارثی کا مضمون "نعت نگاری میں ذم کے پہلو"۔ مؤخر الذکر مضمون کا ذکر ہمارے مقالے میں کئی جگہ ہوچکا ہے۔ اس

لیے صرف سید رفیق عزیزی کے مضمون کا مختصر ذکر کرتے ہیں:

"غیر محتاط نعت گو"، سید رفیق عزیزی:

سید رفیق عزیزی کا درج بالا مضمون شاہ انصار الٰہ آبادی کی کتاب "سراج السالکین" کے تنقیدی مطالعے پر مبنی ہے۔ لیکن اس مضمون میں سید رفیق عزیزی نے صرف ایسے اشعار کی نشاندہی کی ہے جو نعت کے نہیں ہیں بلکہ منقبت یا غزل کے عمومی مزاج کے ہیں۔ کام تو بہت اہم ہے لیکن تنقیدی طریق کار سے ہٹ کر ہے۔ صرف اشارات کر کے اسقام کی نشاندہی کر دینا تنقیدی عمل تو ہے لیکن یہ کوئی قابلِ لحاظ تنقیدی نہج نہیں ہے۔ بہر حال نعت کی دنیا میں تنقید کا اتنا کام بھی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ بقول حسن احسانی مراد آبادی

ع جو سو رہے تھے، وہ جاگے، اٹھے، چلے تو سہی!

سید رفیق عزیزی لکھتے ہیں:

"محبوب رب العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو کچھ عرض کیا جائے وہ نعت ہے اہل علم و ادب نے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت میں منظوم کلام کو بالتخصیص نعت کا نام دیا ہے اور شان نبوی، شمائل نبوی، صفات نبوی، سیرت نبوی، اسوۂ نبوی کے مضامین بیان کرنے تک اس فریضے کی سرحدیں قائم کر دی ہیں۔ آج نعت گوئی میں سخن آرائی کے نئے نئے تجربات کیے جا رہے ہیں، لیکن نعت گوئی میں قدرِ مشترک، یہ نکتہ ہے کہ وہ شعر یا اشعار جنہیں بطور نعت منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے اس کی واحد خصوصیت یہ ہو کہ بات سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ کسی بشری شخصیت کے لیے نہیں کہی جا سکتی ہو۔ مثلاً

آسماں خوان، زمیں خوان، زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

(اعلیٰ حضرت) یا

یا رب پھر ایک بار غریبوں پہ مرحمت
مدت ہوئی زیارتِ انساں کیے ہوئے

(میکش اکبر آبادی) یا

خوش رہیں تیرے دیکھنے والے
ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

(ذہین شاہ تاجی) یا

مساوات و انصاف کا ابر برسا، ہوا دامن زندگی دھل کے اجلا
فضا سے چھٹا ہر غبار جہالت ، زمیں جگمگائی، فلک جگمگایا

جن نعتوں میں غزلوں کی طرح الگ الگ ہر شعر ایک مکمل مضمون کا حامل ہوتا ہے، ثنائے رسول کریم (صلوا علیہ وآلہ) کے ان اشعار کے مجموعے کو "نعت" کہا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی نعتیہ نظم ہو تو پھر اس مضمون کی تکمیل کے لیے طرح طرح سے اصل مدعا بیان کرنے کے (لیے) مربوط اشعار کہے جاتے ہیں۔

اس مجموعہء نعت (سارج السالکین) میں بکثرت غزلیہ، موعظتی اور منقبتی اشعار بھی "نعت" کے ضمن میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ خاص طور پر ہر مقطع کا شعر بجائے نعت، مناقب علی وآلِ علی کا درج ہے۔ مجموعے کے صفحہ ۴۳ پر دوسری نعت "حسنِ عالمگیر" کے عنوان سے ہے، جس کا مطلع ہے

واللہ ارض پاک میں ہے یہ کہاں کا حسن

ذروں کے قلب وجاں بھی ہیں دونوں جہاں کا حسن

حسنِ عالمگیر میں نو اشعار ہیں۔ لیکن درج ذیل اشعار نعت شریف سے قطعاً الگ ہیں:

روحِ عمل میں دم ہو تو کچھ بات بھی بنے

وہ حسن دیکھ سکتا نہیں قلب وجاں کا حسن (موعظت)

عکسِ غبارِ شاہ نجف چاہیے مجھے

واللہ خاک ہے یہ زمین وزماں کا حسن (منقبت) کیوں مسکراتے حضرتِ اصغرنہ تیر پر

اس غنچے میں سمویا تھا باغِ جناں کا حسن

تیسری نعت کا عنوان "عالم کیف" ہے۔ نو شعر میں تین اشعار غیر متعلق ہیں

اے برق تپاں آمرے سینے میں سما جا

بے چین ہی پر کھلتا ہے بے چین کا عالم (غزلیہ)

ہر اشک کی آغوش ہے رحمت کا بہانہ

خوشیوں میں سمویا ہے مرے چین کا عالم (حمدیہ)

چوتھی نعت "محسن عالم" کے گیارہ اشعار میں دو غیر متعلق ہیں

روحِ اہلِ یقیں جگمگانے تو دو

ہر نظر ہو گی باب السلام آپ کا (منقبتِ اہل یقین)

مرتبہ کیا ہے؟ پیشِ خدا و رسول

اے حسین علیہ السلام آپ کا (منقبت میں ممدوح سے ان کا رتبہ پوچھا گیا ہے) (۴۱)

سید رفیق عزیزی کے اٹھائے ہوئے سوالات اپنی جگہ لیکن ان کا اندازِ تنقید، سنجیدہ تنقیدی عمل سے بہت دور ہے۔ یک لفظی تنقید یا جملے بازی، استہزائی عمل کا حصہ تو ہو سکتی ہے، سنجیدہ تنقید نہیں کہلا سکتی۔ بہر حال شعری اسقام یا کم از کم نعت میں دوسرے موضوعات کی غیر ضروری کھپت کی نشاندہی کر دینے سے موصوف کسی نہ کسی طور متفنن نقاد بن گئے ہیں۔

☆ کتابی سلسلہ ''ایوانِ نعت''، مرتب: ملک فاروق احمد، باراول مارچ ۱۹۸۸ء:

کتابی سلسلہ ''ایوانِ نعت'' کا یہ شمارہ نمبر ۵ ہے۔ اس کتابی سلسلے میں مختلف مضامین سیرتِ مبارکہ لکھے گئے ہیں۔ کچھ ایسی محافل کی رودادیں بھی ہیں جو میلاد یا محفلِ نعت کے نام سے منعقد کی گئیں۔ ہم نے ایوانِ نعت کا تعارف کروانے کی غرض سے ایک مضمون کا انتخاب کیا ہے جو فیض الحسن کی نعتیہ تصنیف ''ارمغانِ فیض'' کے فنی محاسن کی نقاب کشائی کے لیے محمد یونس چودھری نے لکھا ہے۔ اس مضمون کا انداز تشریحاتی (Descriptive) ہے۔ مضمون نگار نے اپنی پسند کے نعتیہ اشعار منتخب کر کے ان کے معنوی جمال کی ضوریزی کی طرف اشارے کیے ہیں۔ چند تشریحاتی نکتے ملاحظہ ہوں:

''تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریم ذات
تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفلِ ثبات
دونوں جہاں پہ ہے محیط تیری ہی رحمتِ تمام
تیرے کرم کے سامنے تنگ ہے دامنِ حیات
تیرا عروج باعثِ رونقِ عالمِ وجود
تیرا نزول علتِ حسنِ جہانِ ممکنات
تیرے جمال کی قسم رقص کرے گا حشر تک
تیری نوائے شوق کی دھن پہ ضمیرِ کائنات

ان شعروں میں ایسا محسوس ہوتا ہے جسے (جیسے) شاعر اپنے باطن کی پاکیزہ آنکھوں سے اس حسنِ مجسم کے حسن و جمال کو کھلی کتاب کی صورت میں دیکھ رہا ہے ان شعروں میں شاعر نے جہاں حضورﷺ کے فیضان و کرم کی بات کی ہے وہاں ان کے جمال کی قسم کھاتے ہوئے ان کی نوائے شوق کی دھن پر ضمیرِ کائنات کو مجبورِ رقص کر دیا ہے۔ یہ شعروں کے اپنے دھڑکتے ہوئے باطن کی تصویر ہے۔

حضور نبی کریمﷺ چوں کہ اول بھی ہیں اور آخر بھی ان کی ذات کے اس پہلو کو شاعر نے کس حسن کمال سے اور کس زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے یہ صرف اس کی عشقِ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی روح ہی سمجھ سکتی ہے۔

تیرے ہی نام سے ہوا نسخہء زندگی شروع
تیرے ہی ذکر پر ہوا ختم صحیفہء حیات

۔۔۔یہ شعر جناب سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے اول و آخر ہونے پر شاعر کے ایمانِ کامل کی دلیل ہے''۔(۴۲)

۳۔ تنقیدی اصولوں کی فکری، فنی اور مذہبی اساس کی تلاش و جستجو:

☆ کتابی سلسلہ ''نعت رنگ''، مدیر سید صبیح رحمانی:

کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا پہلا شمارہ ہی ''تنقید نمبر'' تھا جو اپریل ۱۹۹۵ء میں شائع کیا گیا۔ اس کتابی سلسلے کے، تادمِ تحریر، بائیس شمارے منصہء شہود پر آچکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے باب ششم کے عنوان میں اس کا نام نمایاں کیا۔ اس

مجلّے کے بائیس شماروں میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

شمارہ۱، اپریل ۱۹۹۵ء:

i۔ نعتِ سرورِ کائنات، ایک منفرد صنفِ سخن، ڈاکٹر محمد اسحق قریشی

ii ۔ ممنوعاتِ نعت، عاصی کرنالی

iii۔ نعتیہ ادب میں تنقیدی جمود، ادیب رائے پوری

iv۔ نعت نگاری میں ذم کے پہلو، رشید وارثی

v۔ نعتِ نبیؐ میں زبان وبیان کی بے احتیاطیاں، عزیز احسن

اس فہرست میں شامل پہلے چار مضمون نگاروں کے تنقیدی منہاج پر اس مقالے میں متعلقہ ابواب میں گفتگو ہو چکی ہے یا ہو جائے گی، اس لیے ان مضامین پر یہاں تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانچواں مضمون راقم الحروف کا لکھا ہوا ہے، لہٰذا اس مضمون کے حوالے سے کچھ لکھنا مناسب نہیں۔

شمارہ نمبر۲، جنوری ۱۹۹۶ء:

i۔ اردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات، عاصی کرنالی

ii۔ اردو نعت میں شانِ الوہیت کا استخفاف، رشید وارثی

iii۔ نعت اور شعریت، عزیز احسن

iv۔ جدید نعتیہ ادب اور بارگاہِ رسالت میں استمداد، استغاثہ وفریاد، شبیر احمد قادری

v۔ دبستانِ کراچی کی نعتیہ شاعری، صبیح رحمانی

یہاں بھی صرف چوتھے نمبر پر مذکور مضمون کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ بقیہ مضامین اور مضمون نگاروں کی نوعیت وہی ہے جیسی سطورِ بالا میں عرض کر دی گئی۔۔۔۔ شبیر احمد قادری کے مضمون ''جدید نعتیہ ادب اور بارگاہِ رسالت میں استمداد، استغاثہ وفریاد'' کے کچھ نکات ملاحظہ ہوں:

> ''یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ مدد اسی وقت چاہتا ہے جب وہ مبتلائے ابتلا ہو، بے چینی اور بے بسی اس کا مقدر ٹھہرے، شاعر جب بارگاہِ سرورِ دارین ﷺ میں عرض گزار ہوتا ہے تو اس کی غایت الغایات یہی ہوتی ہے کہ اس کے ذاتی دکھ درد دور ہو جائیں۔ ملتِ مسلمہ کی ظلمتیں اجالوں میں بدل جائیں، شبِ یلدا صبحِ روشن میں ڈھل جائے، استمداد طلب شاعر رنگ، خوشبو اور روشنی کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ حضور سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو دراصل اللہ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔ حضور کی ذات کو وسیلہ بنا کر ربِ عطا سے مانگنے کا یہ قرینہ دراصل محبت کے ان قرینوں میں سے ہے کہ جس سے مانگنا مقصود ہو اسے اس کی محبوب ترین شے کا واسطہ دیا جائے اور اسے وسیلہ بنا کر مانگا جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے حضور استغاثہ وفریاد کرنے والے استمداد یہ رنگ اختیار کرنے کے پیچھے یہی جذبۂ خیر اور حسنِ نیت کارفرما ہوتا ہے۔ حضورؐ منگتوں کی فریاد ضرور سنتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا

خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اکیفیت کو یوں دوٹوک الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ؎

فریاد امتی جو کرے حالِ زار کی

ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں یوں بارگاہِ حضور میں چارہ سازی کی درخواست کرتے ہیں ؎

شہا بے کس نوازی کن، طبیبا چارہ سازی کن

مریضِ دردِ عصیانم، الغثی یارسول اللہ

حکیم الامت علامہ محمد اقبال معروف معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے مگر ان کی متعدد اردو اور فارسی نظموں میں بحضور رحمۃ للعالمین سید المرسلین، ذاتی کرب اور امت محمدیہ کی زبوں حالی کا پر درد بیان ملتا ہے۔ جس میں چارہ سازی کے لیے التجا کی گئی ہے ؎

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر

مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کے جدید نعتیہ ادب پر اثرات بڑے گہرے اور انمٹ ہیں۔ ان کی کئی معروف نعتیں استغاثہ و فریاد کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ''فریاد بحضور سرورِ کونین'' اور ''عرضِ حال بدرگاہِ رب العزت بتوسط حضور خواجہ دو جہاں'' اس سلسلے کی بہترین مثالیں ہیں۔ مولانا کی شاعری میں عصری کرب کے حوالے سے استمدادیہ انداز کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

جاگ اے یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج

لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج'' ۔(۴۳)

☆نعت رنگ، شمارہ نمبر ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء:

نعت رنگ کے اس شمارے میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درجِ ذیل ہے:

i۔اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعتِ شان کا استفصار......رشید وارثی

ii۔نعت پر تنقید (دوسرا رخ)......پروفیسر عاصی کرنالی

iii۔اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار......ڈاکٹر عصمت جاوید

iv۔امام احمد رضا اور محسن کاکوروی......ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

v۔بانگِ درا کی نعتیہ تب و تاب......پروفیسر محمد اقبال جاوید

vi۔جاذب قریشی؛ جدید تر لہجے کا شاعر......عزیز احسن

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر عصمت جاوید کے مضمون پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ بقیہ مضمون نگاروں کا

ذکر متعلقہ باب میں ہوگا۔ آخری مضمون ذکر سے اس لیے مستثنیٰ رہے گا کہ خود راقم الحروف کا ہے۔

اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار:

ڈاکٹر عصمت جاوید کا تعلق بھارت سے ہے۔ نعت رنگ نمبر ۳، میں ان کا مضمون ''اردو نعت گوئی میں عقیدت و محبت کا اظہار'' اس نکتے کی وضاحت سمیٹے ہوئے ہے کہ اردو نعت میں شعراء نے جناب نبی کریم علیہ السلام کی تعریف میں الوہیت و عبدیت کے ڈانڈے ملا تو نہیں دیئے؟۔۔۔اور اس کا جواب انہوں نے بعض محتاط شعراء کی نعتوں کی مثالوں کی روشنی میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جن قوموں نے خالق و مخلوق کے درمیان اس نازک فرق کو ملحوظ نہیں رکھا وہ گمراہ کن عقائد، فسق و فجور، ظلم و تعدی اور اصنام پرستی کی آڑ میں نفس پرستی کا شکار ہو گئیں اور آج بھی ہیں، ہندوستان کے نام نہاد توحید پرستوں میں اس خطرناک رجحان کی طرف حالیؔ نے مسدس حالی میں جہاں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہاں یہ بھی کہا ہے
>
> ع نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
>
> جہاں تک اردو کے نعتیہ ادب کا تعلق ہے، کچھ نعت گو ایسے ضرور ہیں جنھوں نے حاشا وکلا اس قسم کی گستاخی کر کے "ولم یکن لہ کفوا احد" کے بنیادی عقیدے سے انحراف کیا ہے، لیکن مستثنیات سے قطع نظر، ہمارے نعت گو شعرا نے جوشِ عقیدت میں بھی تم العبد والمعبود کے درمیان جو قاب قوسین سے بھی کم فاصلہ ہے، اسے ملحوظ رکھا ہے، اور جہاں بھی حدود شریعت کے متجاوز ہونے کا خطرہ محسوس کیا ہے وہاں یا تو خاموشی اختیار کر لی ہے یا پھر اس سے بچ نکلنے کی کوئی دوسری صورت نکالی ہے، مثلاً حفیظ جالندھری کہتے ہیں:
>
> بہ صورت نور سبحانی بہ معنی ظلِ روحانی\
> نشان حجت حق مظہر تائید ربانی\
> وہ جس کو فاتح ابواب اسرار قدم کہیے\
> بنائے عرش و کرسی باعثِ لوح و قلم کہیے\
> علی الاعلان سر کنت کنزاً مخفیاً کہیے\
> مگر اس کو شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہیے
>
> دیکھیے اصغر گونڈوی نے وفورِ شوق میں شرک سے بچنے کی کیا صورت نکالی ہے
>
> جلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں\
> نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود
>
> اصغر گونڈوی نے اکثر مقامات پر تم العبد اور معبود کے اس لطیف فرق کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے مثلاً
>
> عظمت تنزیہ دیکھی، شوکتِ تشبیہ بھی\
> ایک حال مصطفیٰ ہے ایک قال مصطفیٰ

بجلی ہو، مہر و ماہ ہو، یا شمع حرم ہو

ہے سب کے جگر میں رخ تابانِ محمد

اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے

ہے سامنے آئینہ ء حیرانِ محمد

وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنی ء کونین

وہ جانِ حسن ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود (۴۴)

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر ۴، مئی ۱۹۹۷ء:

صبیح رحمانی کی ادارت میں نکلنے والا کتابی سلسلہ "نعت رنگ" نمبر ۴، اس اعتبار سے بڑا اہم اور وقیع ہے کہ اس میں دنیائے ادب کے معروف نقادوں کی تحریریں نظر آتی ہیں۔ مثلاً

i۔ نعت اور گنجینہ ء معنی کا طلسم، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔ اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت، ڈاکٹر فرمان فتحپوری

iii۔ محرکاتِ نعت، ڈاکٹر سلیم اختر

iv۔ جدید اردو نعت اور علامت نگاری، احمد ہمدانی

ان کے علاوہ تنقیدی قدر کے حامل کچھ مضامین اور ہیں، مثلاً

v۔ اردو نعت اور شاعرانہ تعلی، رشید وارثی

vi۔ اردو نعت اور جدید اسالیب، عزیز احسن

vii۔ نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ، پروفیسر محمد اقبال جاوید

viii۔ نعیم صدیقی کی ایک نعت، ڈاکٹر ایوب شاہد

ix۔ حسرت حسین حسرت اور ان کا فنِ نعت گوئی، پروفیسر حفیظ تائب

x۔ عرفان بجنوری کی نعت گوئی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ان مضامین کا تعارف بھی بہت منتخب (Selected) ہوگا۔ کیوں کہ یہاں بھی بعض مضمون نگاروں کے نام ایسے آگئے ہیں جن کا ذکر کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی باب میں اس مقالے میں موجود ہے مثلاً ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، رشید وارثی، پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر حفیظ تائب، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی وغیرہم۔ بقیہ مضامین کا مختصر مختصر ذکر ان کی تنقیدی اہمیت کے حوالے سے درج ذیل کیا جاتا ہے:

ii۔ اردو نعت گوئی میں ہیئت کے تجربوں کی ضرورت، ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا یہ مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے لیکن چوں کہ اس میں شعری اصناف کی ہیئت کے حوالے سے

نعتیہ ادب کا ذکر آیا ہے اس لیے اس مضمون کی تنقیدی قدر بھی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے بہت مختصر لیکن بڑے جامع انداز میں اردو کی ابتدائی شاعری میں مثنوی کی مقبولیت اور اس صنف کے نمونوں کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے تقریباً ہر مثنوی کی ابتداء میں حمد و نعت کے عناصر کی نشاندہی کی ہے۔ موضوع کی اہمیت پر ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''نعت کا موضوع بہت بڑا ہے اور بڑا موضوع، شاعر سے فکر و فن کے بڑے کینوس کا تقاضا کرتا ہے۔ یوں تو اردو نعت کے سرمائے میں اکثر غزل کی ہیئت کی نعتیں بھی نہایت بیش بہا مقام رکھتی ہیں۔ لیکن غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی، اقبال سہیل، محسن کاکوروی کی طویل نعتیہ مثنویات و قصائد، علامہ اقبال کی نظموں اور مولانا حالی کے مسدس کے نعتیہ اجزاء کی بات ہی کچھ اور ہے اس لیے اردو نعت کو شعر کی نئی نئی ہیئتوں اور فکر و فن کے نئے نئے سانچوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے''۔ (۴۵)

iii۔ محرکاتِ نعت، ڈاکٹر سلیم اختر:

ڈاکٹر سلیم اختر، ''نفسیاتی تنقید'' کے متخصص اسکالر ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری میں پوشیدہ ان مقاصد اور جذبوں کی نشاندہی کی ہے جو شاعر کے لیے نعتیہ شاعری کی طرف میلان کے محرک بنے۔ مضمون بہت مختصر ہونے کے باوجود تنقیدی اہمیت کا حامل اور فکری تغذیے (food for though) سے لبریز ہے۔ چند ایک اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''اگرچہ شاعری کے محرک کئی جذبات ہیں لیکن ان میں محبت کا جذبہ غالباً سب سے زیادہ قوی اور دیرپا ثابت ہوتا ہے۔ محبت کا یہ جذبہ جب فن کی صورت اور تخلیق کے روپ میں جوت پاتا ہے تو پرزم سے نکلی شعاع کی مانند کئی رنگوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ ہر رنگ اگرچہ حسن اور دلکشی میں منفرد ہوتا ہے مگر اپنی اصل سے اس کا ناتہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ اس طرح انسان جب محبت کا اظہار تخلیقی سطح پر کرتا ہے تو یہ بھی متنوع روپ دھارتی ہے۔ ایک سطح پر یہ مثالی محبت ہے پھر اس سے بلند تر سطح پر یہ مجرد (آئیڈیل، تصور، وطنیت) کی محبت ہے اور سب سے بلند ترین سطح پر یہ خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ شاید اسی لیے اردو ادب میں حمد و نعت قدیم زمانے سے ملتی ہیں...... نعت کے محرک جذبے کو محبت سے واضح کرنے کے باوجود یہ امر واضح رہے کہ یہ لفظ عمومی حیثیت میں ان تمام جذبات و احساسات کا احاطہ نہیں کر پاتا جو انفرادی حیثیت میں کسی بھی نعت گو کے لیے محرک کا کام کر سکتے ہیں۔ شاید ان تمام جذبات و احساسات کی درجہ بندی ممکن بھی نہ ہو۔ تاہم چند اہم محرک جذبات و احساسات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ یہ تو طے ہے کہ ان محرک جذبات میں آنحضرتؐ سے محبت اور عقیدت سر فہرست ہے، بقول اقبال:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال (۴۶)

اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

محبت کے بعد نعتیہ شاعری کے محرکات میں ڈاکٹر سلیم اختر نے جذبہء ''شفاعت طلبی'' کو شعر عقیدت کا محرک بتایا

ہے اور اس کے بعد حضور اکرم کے اوصافِ حمیدہ کی شمولیت کو بھی نعت کا محرک گردانا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک:

''کرداری اوصاف کے بغیر محض جسمانی حسن پیغمبرانہ شان کے منافی ہے''(۴۷)

نعت گوئی کے چند محرکات کا ذکر کر کے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

''نعت گوئی کے ان چند محرکات کے بیان کا یہ مطلب نہیں کہ تمام نعت گو صرف ان ہی کے مطابق نعت کہتے ہیں۔ نعت، شاعر کی اسلامی اور تخلیقی شخصیت کے امتزاج کا فن کارانہ نمونہ ہوتی ہے اس لیے اظہار میں اتنا ہی تنوع ملتا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کے تخلیقی مزاج میں''۔(۴۸)

iv۔ جدید اردو نعت اور علامت نگاری، احمد ہمدانی:

احمد ہمدانی کا یہ مضمون اپنے موضوع کے اعتبار سے نعتیہ شاعری میں خاصے کی چیز ہے اور انتہائی درجہ تنقیدی قدر کا حامل بھی۔ کیوں کہ اس مضمون سے قبل ''علامت'' (Symbol) کے استعمال کو نعتیہ شاعری سے منسلک کر کے زیرِ بحث نہیں لایا گیا تھا۔ علامت نگاری کے ضمن میں احمد ہمدانی لکھتے ہیں:

''علامت نگاری دراصل ایک شعوری اور ارادی تکنیک ہے۔ علامت نگار شعراء کہتے ہیں کہ خارجی و معروضی عالم گزراں اصل میں حقیقت نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے مناظر اور اس کی اشیاء میں مشابہتیں بھی غیر حقیقی ہیں چنانچہ یہ لوگ اپنے احساس میں جنم لینے والے ہیجانات ہی کو حقیقی تصور کرتے ہیں اور ان ہیجانات کی مماثلتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں''۔(۴۹)

علامت نگاری کے محرکات کا ذکر کر کے احمد ہمدانی نے کچھ شعراء کی شاعری میں علامتوں کا استعمال، شعری مثالیں دے کر علامتوں کی تفہیم کی سعی کی ہے اور ساتھ ہی علامتوں کے باطن سے پوشیدہ معانی کشید کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے:

''نذیر قیصر ایک عیسائی نعت گو شاعر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ صرف مسلمانوں کے لیے رحمت نہیں تھے بلکہ رحمت للعالمین ہونے کے ناتے وہ تمام انسانوں کے لیے رحمت تھے۔ لہٰذا وہ عیسائی ہونے کے باوجود ثنائے رسولِ پاکؐ کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں علامتوں کا استعمال بڑی خوبصورتی سے ہوا ہے، مثلاً ان کے اشعار دیکھیے:

دن سے پہلے سورج آئے رات سے پہلے شام
صبحیں تیرے نقشِ قدم ہیں خوشبو تیرا نام
دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت
تیرے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت
خوشبو اسم بنے اور اسم سے آگے نور کا ہالا
آج کی رات اس ہالے کو میں تنہا دیکھنے والا

پہلی شام مدینہ کی اور دھند سے لپٹے باغ
سایہ سایہ دیکھ رہا ہوں صورت اور چراغ
کوئی درد پھول بنے کبھی ترا درشن ہو
اڑ رہی ہے دوش پر صحرا کی شال
ہاتھ میں کھلتا ہوا کرنوں کا پھول (۵۰)

احمد ہمدانی نے نذیر قیصر کی شاعری کی مثالیں دے کر ان میں استعمال ہونے والی علامتوں کے معانی کی پردہ کشائی کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''خوشبو تر اقیام: سے مراد حضورؐ کی ولادت سے پردہ کرنے تک کا زمانہ ہے جسے شاعر نے پوری نوعِ انسانی کے لیے فرحت و شادمانی کا سبب بتایا......روشنیوں کے کھیت کی بلاغت قابلِ داد ہے۔ روشنیوں سے مراد حضورؐ کی تعلیمات ہیں جبکہ کھیت ان تعلیمات کے بڑھنے اور پھیلنے کا اشارہ ہے۔ دھند سے لپٹے باغ سے ذہن ایامِ جاہلیت کا منظر آنکھوں کے سامنے لاتا ہے۔ یہاں کے باغ سے مطلب عالمِ انسانیت ہے اور دھند میں لپٹنے کا مطلب گمراہی اور تاریکی میں گھرا ہونے سے ہے یعنی حضورؐ کی آمد سے پہلے عالمِ انسانیت تاریکی میں گھرا ہوا تھا۔ صورت اور چراغ سے مراد حضورؐ کی ذات اقدس اور آپ کی تعلیمات ہیں۔ درد پھول بنے یعنی حضورؐ کی زیارت سے دردِ فرقت اپنی جگہ فرحت و شادمانی بن جائے۔ صحرا کی شال سے مراد ریگستان کا طرزِ حیات ہے اور ہاتھوں میں کرنوں کا پھول کا مطلب ہے قرآن پاک۔ ان علامتوں میں ظاہری مشابہتیں نہیں ہیں لیکن تاثرات و احساسات میں موجود مماثلتوں سے انکار ممکن نہیں''۔ (۵۱)

احمد ہمدانی نے اپنے تجزیاتی مطالعے سے نعتیہ تنقیدی سرمائے کو ثروت مند بنانے کی ایک راہ سجھائی ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں نذیر قیصر کے علاوہ رشید قیصرانی، حفیظ تائب، سرشار صدیقی، ریاض حسین چودھری، صبیح رحمانی اور خاور اعجاز کی نعتیہ شاعری میں علامتوں کے استعمال کی مثالیں پیش کر کے تشریحاتی تنقید (Descriptive Criticism) کی تیکنیک بروئے کار لاتے ہوئے کچھ علامتوں کی تفہیم کی کوشش بھی ہے۔

علامتوں کی تفہیم، علامتوں کے استعمال کی نشاندہی اور ان کے استعمال کے محرکات پر احمد ہمدانی کا یہ مختصر مضمون ایک رجحان ساز مضمون ہے۔

viii۔ نعیم صدیقی کی ایک نعت، ڈاکٹر ایوب شاہد:

ڈاکٹر ایوب شاہد کا درج بالا مضمون بھی تشریحاتی تنقید کا نمونہ ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے نعیم صدیقی کی ایک نعت منتخب کر کے اس کے معنیاتی دائروں کی وسعتوں کا اندازہ لگانے کی سعی کی ہے۔ اس مضمون میں بوقلموں فکری زاویے سامنے آئے ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک شعر کی تشریح کے حوالے سے متعلقہ اقتباس نقل کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

''نعت کا مرکز و محور تو وہ ذات عظیم و اکبرؐ ہے جس کا تعلق اپنے تعلق میں پھر کسی کو برداشت نہیں

کرتا۔اس لیے نہیں کہ یہاں حسد وتکبر کی جلوہ گری ہے یا احساس کمتری کا کوئی اظہار ہے بلکہ یہاں تو ایک ایسا سفر حقیقت ہے کہ جس پر کسی دوسرے وجود کا اثبات سرے سے ممکن نہیں۔۔۔آنجناب ﷺ سے تعلق کی یہ یکتائیت وہ اعلیٰ ترین حقیقت ہے کہ جس کا سبق خود خالق کائنات نے بار بار اپنے کلام میں پڑھایا اور اسی پس منظر میں۔۔نعیم صدیقی کی نعت کا پہلا شعر دل ودماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

نبیؐ کے عشق میں دنیا سے پیار ٹوٹ گیا

اس اعتبار سے ہر اعتبار ٹوٹ گیا

۔۔۔شاعر کہتا ہے کہ دنیا سے پیار ٹوٹ گیا۔گویا شاعر نے اپنے تخلیقی عمل میں فکر کی صحت کو بھی قائم رکھا ہے کہ پیار نہ ہونا اور بات ہے جبکہ تعلق نہ ہونا دوسری بات ہے۔دنیا سے تعلق کی نفی نہ اسلام کرتا ہے نہ آنجناب ﷺ کی تعلیمات میں ہے۔بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسلام میں رہبانیت نہیں''۔چنانچہ دیکھیے شاعر نے آنجناب ﷺ سے تعلق کی کس عمدگی سے وضاحت کی ہے کہ دنیا ترک نہیں کی،معاملات دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت کا راستہ نہیں اپنایا مگر یہ کہ نبی ﷺ کے پیار اور محبت کے مقابل دنیا کا پیار بے وقعت و بے حقیقت پایا اور وہ تو بھی بے حقیقت و ناپائیدار چیز سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔مگر حیرت ہے کہ یہاں شاعر نے تو نفع ونقصان کا بھی نہیں سوچا بلکہ اس نے تو محبوبؐ کے عشق میں دنیا سے تمام تعلقات میں اس رویّے کی نفی کر دی اور اسی اعتبار وحوالہ سے اپنی شناخت کو اس درجہ کامل کیا کہ دوسرے تمام اعتبارات وعلائق سے گویا بے نیاز ہو گیا۔اور اس میں شک بھی کیا ہے کہ آنجناب ﷺ کے تعلق کے بعد انسان کی ذات میں کسی فرد سے تعلق کی ضروریات یا پیاس کسی سطح ومقام پر نہیں رہتی کیوں کہ خود رب کبریا نے اس ذات کو انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ سے تعبیر فرمایا''۔(۵۲)

رسول اللہ ﷺ سے تعلق اسلام سے تعلق ہے اور اس تعلق کے بعد دنیا سے پیار ہو ہی نہیں سکتا۔شاعر نے جس اہم نکتے کی طرف تخلیقی انداز سے اشارہ کیا تھا،نقاد نے اس نکتے کی فکری نہج پر وضاحت کر کے اسے بہت زیادہ روشن کر دیا۔تشریحی تنقید کا یہ فریضہ فلسفۂ دین اور روحِ اسلام تک رسائی کے بغیر کوئی انجام نہیں دے سکتا۔نعت شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ نعت نگار جو کچھ کہہ رہا ہے نعت کا نقاد اس نکتے کو سمجھ کر اس پر گفتگو کا دروازہ کھولے!

☆ <u>نعت رنگ،کتاب نمبر ۵،مرتبہ: صبیح رحمانی،فروری ۱۹۹۸ء:</u>

نعت رنگ کتابی سلسلے کی پانچویں کتاب میں تنقیدی قدر کے درج ذیل مضامین شامل:

i۔نعت کے عناصر،ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔اردو نعت گوئی کے موضوعات،ڈاکٹر یحییٰ نشیط

iii۔مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت،رشید وارثی

iv۔اردو نعت اور شاعرانہ رویہ،عزیز احسن

v۔منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی، واصل عثمانی

vi۔شاخِ غزل پر مدحت کے خوشنما پھول، عزیز احسن

درج بالا مضامین میں صرف ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور واصل عثمانی کے مضامین پر گفتگو کی گنجائش ہے۔ بقیہ مضامین پر تبصرہ نہ کرنے کی وجوہات پہلے ہی بیان کی جا چکی ہیں۔

ii۔اردو نعت گوئی کے موضوعات، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط:

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے، تاہم اس میں کچھ تنقیدی اشارے بھی پائے جاتے ہیں اس لیے مضمون کا مختصر ذکر ضروری ہے۔ ڈاکٹر نشیط نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ اردو کی نعتیہ شاعری میں بلاتحقیق کچھ اسرائیلی روایتوں کو اور کچھ ہندو صنمیات کو جزوِ نعت بنا لیا گیا ہے۔ صنمیات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں:

> ''ہندوستان میں مسلمان اگرچہ فاتح بن کر آئے تھے، لیکن یہاں کے تہذیب و تمدن نے انہیں مفتوح بنا ڈالا۔ چنانچہ دو قوموں کے ارتباط سے سبحہ و زنار کے رشتے مضبوط ہوتے گئے۔۔۔۔۔ ہندو مذہب میں پیغمبروں کے متعلق یہ تصور عام ہے کہ وہ انسانی شکل میں 'ایشور' ہیں۔
>
> ہمارے نعت گو شعراء نے اس تصور کو بڑی حد تک قبول کیا ہے اور اسی کے مطابق عقائد اسلامیہ کو بالائے طاق رکھ کر نعت نبی ﷺ کو جزوِ ایمان سمجھ لیا ہے۔ افسوس کہ علماء و فضلاء بھی اس بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ محسن کاکوروی رب اور مربوب کا فرق ''عرب'' کا عین ہٹا کر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح احد و احمد میں حرف ''میم'' کا وجود انھیں کھٹکتا ہے۔ دیکھیے انھوں نے کتنی جسارت اور دلیری دکھائی ہے ؎
>
> عینیت غیر رب کو رب سے
> غیریت عین کو عرب سے
> ذاتِ احمد تھی یا خدا تھا
> سایہ کیا میم تک جدا تھا (۵۳)

اسی تسلسل میں انھوں نے مشہورِ زمانہ ایسے اشعار نقل کر دیئے ہیں جن پر ہر حساس ناقد نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے مثلاً

> وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
> اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر
> اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
> جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے
>
> استغفر اللہ!! اوتاروں کی شان میں لکھے گئے بھجن بھی اس کفریہ کلام کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

نعتیہ شاعری میں نسائی انداز کو اپنانے کی مثالیں دے کر بھی ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے کڑی تنقید کی ہے:

"نعت جیسی مقدس صنف میں نسائی انداز اپنا کر انتہائی درجہ کے سفلہ پن کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ شائق

عشقِ نبیؐ میں فراق کی کیفیت کو نسائی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں ۔

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھڑا دکھا جانا

میں برہا دیوانی تڑپت ہوں ذرا آجانا ذرا آجانا

اور مولانا عبدالقدیر حسرتؔ کے یہ حسرت بھرے اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

بھولی بھالی میں ہوں ناری

پیت گلے کا ہار

موری نیا تج دھار

صوفیانہ رنگ ڈھنگ میں حضرت امجدؔ بھی "مدینہ کی جوگن" بن کر نکل کھڑے ہوئے :

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے

پاؤں میں پڑگئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے

گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے

یثرب نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے

کرپا کی ایک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے

بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے

حضورﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر بھی امجدؔ مدینہ طیبہ کو، بحر و قوافی نبھانے کے لیے

یثرب کہہ رہے ہیں"۔(۵۴)

یہ مثالیں نعتیہ شاعری کی تنقید میں اکثر و بیشتر پیش کی جاتی رہی ہیں۔ ہم نے مختصراً ڈاکٹر یحیٰی نشیط کا اندازِ نقد ظاہر کرنے کے لیے ان کے مضمون سے چند اقتباسات دیدیے۔

ڈاکٹر نشیط کا یہ انداز لائق ستائش ہے کہ انہوں نے سخت تنقید کرنے کے باوجود شعرائے نعت کے بارے میں کوئی کفر کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ یہ لکھا:

"نعت گوئی کے یہ چند موضوعات تھے ان پر قصرِ نعت تعمیر کر کے اردو کے نعت گو شعراء سمجھ رہے ہیں گویا انہوں نے جنت میں اپنے گھر تعمیر کرالیے ہیں۔ جو کچھ بعید بھی نہیں کہ اللہ ان کی اسی سرشارانہ عقیدتِ رسولؐ سے خوش ہوجائے اور یہی نعتیں ان کے لیے حدائقِ بخشش بن جائیں......"(۵۵)

۷۔ منفرد لہجے کا نعت گو شاعر سرشار صدیقی، واصل عثمانی:

واصل عثمانی نے سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرشار صدیقی نے جس ادبی اور دلکش اسلوب میں نعت لکھی ہے، واصل عثمانی نے اس ادبیت کی روح کو پالینے کے بعد اس شاعری کی تحسین کی

ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''جب کوئی صحیح العقیدہ شاعر، عجز و انکسار کا جیتا جاگتا مجسمہ جامہ ادب زیب تن کیے ہاتھوں میں عشقِ رسولؐ کی مشعل اٹھائے ایوانِ نعت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اشعار سے قصرِ مدحتِ رسول جگمگا اٹھتا ہے اور محبت و خلوص بھرے لفظ معنی کے گلہائے رنگیں سے وہ خوشبو بکھرتی ہے کہ لوگ خود بخود متوجہ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔سرشار نے صرف اسی عقیدت اور اپنی شاعرانہ قابلیت و ریاضت کے بل بوتے پر نعتیں نہیں لکھیں بلکہ سراپا شوق اور ہمہ اضطراب کی کیفیت کو ادب و احترام کی تنگنائے سے گزارا ہے۔یہی سبب ہے کہ مدحتِ رسولؐ کے ایسے یادگارِ زمانہ اور شاہکار، اُسے خزانہ قدرت سے عطا کیے گئے جن سے نعت گوئی میں ایک نئے لہجے اور اسلوب کا اضافہ ہوا۔دوسرے نعت گو شعراء اس پروازِ تخیل اور اس فنکارانہ صلاحیت پر اسے بہ نظرِ استعجاب تکتے رہ جاتے ہیں۔

''یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے''

سرشار صدیقی، جن کا لب و لہجہ اردو شاعری اور خاص طور سے غزل میں بہت تیز و تیکھا ہے جب نعت گوئی کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو یہاں بھی اپنے لہجے کی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں جو ان کی شناخت کا ضامن ہے۔یہ اور بات ہے کہ تیز و تیکھے لہجے کی جگہ ان کے نعتیہ تغزل میں نرم و نازک لہجہ اس ڈھب سے حلول کر گیا ہے کہ ان کی شناخت بڑی آسانی سے کی جا سکتی ہے۔انھیں خود بھی اس کا احساس ہے کہ وہ نعتیہ شاعری میں ایک ایسا جدید لہجہ تراش رہے ہیں جو آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔

اظہارِ عقیدت میں جو لہجہ تراشوں میں
وہ میرے زمانے کا اندازِ بیاں ٹھہرے
خلوصِ نعت کا جذبہ ہے مشترک سرشار
جدا ہوں سب سے میں اظہار کے قرینے میں

یہ اسی سراپا رحمت و خیر و برکت کا فیضان ہے کہ سرشار صدیقی جیسے شوریدہ بیاں اور تیکھے انداز کا شاعر جب دربارِ رسالت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے تو اس کے اسلوب اور اظہار کے قرینے میں عجیب قسم کی گھلاوٹ، کشش اور نرم و نازک طرزِ اظہار کا لطف نمایاں ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ شعر گوئی سے زیادہ عبادت سمجھ کر کہتے ہیں۔

نعتوں میں برتتے ہیں آدابِ عبادت کے
ہر چند غزل میں ہم شوریدہ بیاں ٹھہرے''

(۵۶)

☆نعت رنگ، کتابی سلسلہ شمارہ نمبر ۶، مرتب: صبیح رحمانی، ۱۹۹۸ء:

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۶ میں بھی حسبِ معمول تنقیدی مضامین کا تنوع ہے۔اس میں شائع ہونے والے مضامین

کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔نعت کے موضوعات، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔نعت گوئی کا تصورِ انسان، جمال پانی پتی

iii۔اردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال، رشید وارثی

iv۔اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش، عزیز احسن

v۔حضارتِ جدید، شفیق فاطمہ شعریٰ، تجزیہ نگار، حمید نسیم

vi۔ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن

vii۔سید ضمیر جعفری کی ایک دلآویز نعت، پروفیسر محمد اقبال جاوید

viii۔اختر بستوی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

ix۔صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری، حبِ رسول ﷺ کا جمالیاتی اظہار، عزیز احسن

درج بالا نو مضامین میں سے صرف تین ایسے ہیں جن پر ہمارے طے شدہ اصولوں کے تحت یہاں کچھ کہا جاسکتا ہے: [۱] نعت گوئی کا تصورِ انسان، جمال پانی پتی [۲] حضارتِ جدید، شفیق فاطمہ شعریٰ، تجزیہ نگار، حمید نسیم، اور [۳] ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن

ii۔نعت گوئی کا تصورِ انسان، جمال پانی پتی:

جمال پانی پتی کا یہ مضمون اس اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ اس میں فلسفیانہ سنجیدگی سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے بشری اور نوری پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ محمد حسن عسکری نے اپنے مضمون ''محسن کا کوروی'' میں نور و بشر کا مسئلہ چھیڑا تھا اور محسن کا کوروی کو حضورِ اکرم ﷺ کی نوری جہت پر ایمان رکھنے والا، جبکہ حالی کو رسولِ کریم ﷺ کی بشریت پر زور دینے والا شاعر کہا تھا۔ حسن عسکری کا ذکر تو اس مقالے میں کئی جگہ اسی حوالے سے ہو چکا ہے، اس لیے یہاں تفصیلات دینے کا موقع نہیں۔ جمال پانی پتی نے محمد حسن عسکری کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے، نعتیہ شاعری پر حالی اور محسن کے فکری رویوں کا پرتو دکھانے کی سعی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''نعت گوئی کے جدید رجحان کا نقطۂ آغاز خواہ حالی کو قرار دیں یا کسی اور کو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ رجحان جہاں اپنے جلو میں بہت سی ایسی قابلِ قدر اور خوش آئند تبدیلیاں لے کر آیا۔ جن سے نعت گوئی کا اسلوب و آہنگ خوب سے خوب تر اور اس کا افق وسیع سے وسیع تر ہوا، وہاں بعض ایسی چیزیں بھی اس رجحان کے ساتھ ہمارے نعت گوئی میں در آئی ہیں جو نعت گوئی کی اسلامی روایت کے بنیادی مزاج سے سراسر خلاف بلکہ اس کی نفی کرنے والی ہیں۔ سرسید کے زیرِ اثر اور پیرویِ مغربی کے بڑھتے ہوئے شوق کی بدولت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلوئے بشریت پر زور دینے والے ایسے لوگ تو بقول محمد حسن عسکری ہمارے ہاں پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے جو آپ کو بڑے بھائی یا ایک بڑے مصلح اور ریفارمر کا درجہ دیتے تھے۔ پھر شوق کی یہی لے جب اور آگے

بڑھی تو ہمارے ہاں ترقی پسند تحریک اور مغرب کی جدید ادبی تحریکات کے دور عروج میں نعت گوئی کا چلن ایسا متروک ہوا کہ اکا دکا مستثنیات سے قطع نظر مجموعی طور پر ہمارے شعرائے کرام کا نعت گوئی سے کوئی واسطہ ہی باقی نہ رہا"۔(۵۷)

حضور اکرم ﷺ کی بشری جہت کے ذکر میں جمال پانی پتی نے احتیاط کا دامن تھام کر چلنے کی ہدایت کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ حضور کے پہلوئے بشریت پر زور دینے کا جدید رجحان اس حد تک نہ بڑھنے پائے کہ ساری توجہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی ایک جہت پر مرکوز ہو کر رہ جائے اور اس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماورائی جہت نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جائے۔دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری اوصاف کی تعریف کے ضمن میں بھی ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ بشر ہونے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام انسانوں کے برعکس بشریت کے انتہائی درجہء کمال پر فائز تھے"۔(۵۸)

حقیقتِ محمد یہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے جمال پانی پتی نے لکھا:

"ذات حق کی تجلیءاول کو حقیقتِ محمد یہ کہتے ہیں۔اس عقیدے کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جو اسماء وصفات کے ظہور سے پہلے چمکا اور زمان ومکاں کی تخلیق سے پہلے درخشاں ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث اول ماخلق اللہ نوری میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔چنانچہ باعتبارِ خلق آپ اول ہیں اور باعتبارِ ظہور آخر۔آپ ہی کے نور سے کل کائنات کی تخلیق ہوئی۔آپ ہی وجہ وجودِ کائنات ہیں۔آپ ہی دیباچہء کونین ہیں۔آپ ہی حقیقتِ آدم علیہ السلام ہیں۔آپ ہی اصل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کی۔آپ ہی عقلِ اول ہیں آپ ہی تعین اول ہیں۔آپ ہی وسیلہ و واسطہ ہیں عبد و رب کے درمیان۔آپ ہی ربط و رابطہ ہیں حق اور خلق کے بیچ"۔(۵۹)

جمال پانی پتی کا مضمون بڑا فکر انگیز اور فکری اشعالک (Thought proviking) پیدا کرنے والا ہے۔اس کا تفصیلی ذکر کرنے کی صورت میں ہم اپنے موضوع کی سرحدوں سے بہت دور نکل جائیں گے اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ ہم غالب کے ایک شعر کے حوالے سے جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا اقتباس دے کر آگے بڑھ جائیں۔وہ لکھتے ہیں:

"غالب نے تقریباً صاف صاف ہی کہا ہے کہ ؎

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مرتبہء غیب ہویت سے پہلی تجلی اپنے آپ پر فرمائی تو نور محمدی ظہور میں آیا۔

اور یوں اللہ تعالیٰ کا نورِ ذاتی ہی نورِ محمدی سے موسوم ہوا (اسی کو حقیقتِ محمدیہ تعین اول اور تجلیِ اول کہتے ہیں)

۔اب یہی نورِ محمدی جب آپ کی صورتِ بشری میں نمودار ہو کر چکا تو آپ کے قدو رخ کا ظہور ہوا"۔ (۶۰)

جمال پانی پتی نے حقیقتِ محمدیہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا وہی نعتیہ شاعری میں متصوفانہ فکر کے ظہور کا موجب بنا ہے۔بعض نقادوں نے جس پہلو کو حدودِ شرع سے متجاوز جانا اور اس کے خلاف رائے دی (جیسا کہ یحییٰ نشیط کے مضمون میں ہم دیکھ آئے ہیں) وہی پہلو دوسرے نقادوں کے نزدیک حقیقت سے زیادہ قریب ہے۔ایسی صورت میں نعتیہ شاعری کی تنقید میں تنازع پیدا ہوتا ہے۔بہر حال یہ فکری نکات شعرِ عقیدت کے انتقادی سرمائے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔اس لیے انتہائی درجے میں قابلِ توجہ ہیں۔جمال پانی پتی کی تنقید کو ہم نعت کے ذیل میں متصوفانہ اور نظریاتی تنقیدی جہت سے تعبیر کرسکتے ہیں۔جمال پانی پتی اپنی تحریر کے بین السطور یہ کہہ رہے ہیں

؎ گوہرے دارم وصاحب نظرے می جویم (حافظ شیرازی)

۷۔حضارتِ جدید، تجزیاتی مطالعہ، حمید نسیم:

شفیق فاطمہ شعریٰ ایک معروف شاعرہ ہیں۔ان کا علمی مزاج اور تخلیقی انداز دونوں قابلِ رشک ہیں۔بھارت میں رہنے والی اس مسلمان شاعرہ کی ایک طویل نظم "حِضارتِ جدید" کے عنوان سے نعت رنگ شمارہ ۶ کی زینت بنی ہے۔اس نظم کا تجزیاتی مطالعہ کرنے کا بیڑہ مرحوم حمید نسیم نے اٹھایا تھا۔نعتیہ شاعری کی تفہیم کے لیے علمی وسعت اور فکری گہرائی سے ہونے والا یہ تنقیدی تجزیہ اس لیے قابلِ ذکر ہے کہ اس میں پہلی بار کسی نقاد نے کسی نعتیہ نظم کے رموز و غوامض کی تفتیش کے لیے طویل فکری سفر طے کیا ہے۔ہم یہاں شفیق فاطمہ شعریٰ کی نظم کا ایک بند اور حمید نسیم کے تجزیاتی مطالعے کا نمونہ پیش کرتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان کا نام
وہ شہ سوارِ رہ گزارِ نور
وہ حسنِ تام، رحمتِ عمیم
سب جہانوں کے لیے
نگاہ ان کی ساعتِ حساب سی
نئی پرانی داد خواہ بستیوں کی داد گر
وہ شارعِ عظیم، وہ حکم
سبھی زمانوں کے لیے
شبانِ وامی ویتیم
فاتحِ رحیم

شہر یار درد مند

معلمِ امم

انھیں کا جلوۂ مکارمِ اتم

بنا جواز آفرینش

آسمانوں کے لیے

پندرہ مصرعوں میں حضور کی شخصیت اور سیرت کا ایک دل نواز اور مکمل خاکہ رقم کر دیا گیا۔ یہ شاعرہ کی قدرتِ کلام اور اپنے موضوع سے دل و جاں وابستہ رہنے اور عشق رسول کے مقامِ قبولیت پر ہونے کی گواہی ہے۔ اب آگے ایک اور قصیدہ ہے جو حالی مسدس میں نعت کے پہلے بند "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" سے اپنی وجدانی کیفیت میں مماثل ہے۔ شعرئی صاحبہ نے اس کیفیت کو اوجِ کمال سے محسوس کیا اور بیان کی عظمت کی سطح پر قلم بند کیا:

یتیم کی ہنسی، اسیر کی رہائی

پھولوں کی شگفتگی

کھلی فضاؤں میں طیور کی اڑان۔۔۔۔انھیں پسند

(یہ بند ظاہری معانی میں بھی دل پذیر ہے۔ دوسرے اور تیسرے مصرعے میں پھول اور طیور استعارے بھی ہوسکتے ہیں۔ اس سطح پر اس کو دیکھو تو یہ اور بھی جمیل رفیع اور تابندہ کلام ہیں)۔

.................یہ نعت فکری، جذباتی اور وجدانی ہر سطح پر لازوال عظمت کی حامل ہے اور تینوں دھارے Inspiration, Emotion, Thought مل کر قصیدہ کو ایک بے مثل روحانی اور جمالیاتی مبداء نشاط جاں بنا دیتے ہیں۔ اگر شعرئی صاحبہ اور کچھ نہ لکھتیں صرف یہ Canto لکھ دیتیں تو شاعری میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہتا، جیسے انگریزی شاعر Gray کا نام اس کی Elegy سے انگریزی شاعری میں زندہ رہے گا۔ یہ آخری حصہ حضارت جدید کے لیے ایک پیغام ہے۔ تالیفِ قلوب اور تسکینِ شعور کی سطح پر۔ لیکن اس میں یہ بات خاص طور سے Stress کی گئی ہے کہ ان کی ذات تہذیب قدیم کے دلدادہ لوگوں کے لیے کسی آزار، کسی فتنے کا سبب نہ تھی کہ حضورﷺ کی دعوت اخوت انسانی اور ان کے پیش کردہ نظام کی اساس عدل و احسان کے دو ہم کار فرما اصولوں پر تھی۔ وہ انسانوں کو گروہوں میں بانٹنے نہیں آئے تھے۔ انسانیت کو ایک وحدت بنانے کے لیے آئے تھے۔ ان کی دعوت کی بنیاد یہ نوید تھی کہ لوگو تم ایک ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو۔ یوں سب برابر ہو۔ تم میں دوسروں سے افضل وہ ہے جو نیکی، تقویٰ اور انسان دوستی میں دوسروں سے سبقت لے جائے۔ یہ نعتیہ قصیدہ اس عشق کا یگانہ اظہار ہے جس کی تعریف میر صاحب نے یوں کی تھی ؎

دور بیٹھا غبار میر اس سے (۶۱)

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

یہاں گنجائش نہ ہونے کے باعث میں نے نہ تو شفیق فاطمہ شعرئی کی شاعری کا مکمل نمونہ پیش کیا ہے اور نہ ہی نقاد

حمید نسیم کی فکری جولانیوں کا احوال پوری طرح رقم ہوسکا ہے۔ مختصر اً عرض ہے کہ شاعرہ نے جس نقطۂ احساس اور علمی ترفع سے لفظ لفظ لکھا تھا، نقاد نے اس کے معنیاتی منشور (Prism) سے اس میں بہت سے خوش نما رنگ دیکھ لیے ہیں اور انہیں دوسروں کو دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حمید نسیم کے تنقیدی عمل میں تشریحی، جمالیاتی، تاثراتی اور تقابلی تنقید کے عناصر گھلے ملے ہیں۔

vi۔ ظفر علی خاں کی نعت نگاری، ڈاکٹر شبیہ الحسن:

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کی دو سطحیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''پہلی سطح پر وہ (ظفر علی خاں) اپنی نعتوں کا سلسلہ اس روایت سے جوڑتے ہیں جن کا تعلق میلاد ناموں اور اسی طرح کی دیگر نعتیہ منظومات سے ہے۔ اس میں شاعرانہ پیرایہء اظہار سب سے زیادہ جلوہ گر ہے۔۔۔۔۔ دوسری سطح پر وہ اپنی نعتوں میں زمانے کے تقاضوں اور عصری آشوب کو نہایت سلیقے اور چابک دستی سے پیش کرتے ہیں اور یہیں ان کا اصل ہنر ظاہر ہوتا ہے''۔ (۶۲)

ہم نے اقتباس سے وہ اشعار حذف کر دیئے ہیں جو ڈاکٹر شبیہ الحسن نے نمونے کے طور پر لکھے ہیں۔ کیوں کہ ہم مولانا ظفر علی خاں کی شاعری پر پہلے بھی دوسرے نقادوں کی آراء نقل کرتے ہوئے ان کے اشعار پیش کر چکے ہیں۔ مضمون نگار نے ظفر علی خاں کی شاعری کے چار مآخذ بتائے ہیں۔ [۱] قرآنِ کریم [۲] احادیثِ رسول ﷺ [۳] حضور ﷺ کی سیرت اور اسلاف کے واقعات و کارنامے [۴] قدما کا کلام۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری کی تفہیم کے لیے تجزیاتی اور عمرانی تنقیدی تکنیک اپنائی ہے اور اسے بڑی کامیابی سے نباہا ہے۔ مضمون کے اختتام پر انہوں نے ایک فکری نکتہ اٹھایا ہے وہ کہتے ہیں:

> ''اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے اس اہم نکتے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اگر نعت نگاری فقط حضور کی مدح سرائی کا نام ہے اور میلاد نامے وغیرہ بہترین کلام ہیں تو ظفر علی خاں ایک کم تر درجہ کے نعت گو ہیں لیکن اگر نعت سے مراد وہ صنف شاعری ہے جس میں حضورِ اکرم کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ عصری کرب اور معاشرتی آشوب بھی موجزن ہو تو ظفر علی خاں ایک بہترین اور منفرد نعت گو ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے عام انداز نعت گوئی سے ہٹ کر اسے ادبی رنگ بخشا اور جذباتی ہیجان کے مقابلے میں عقل اور فکر کو معتبر مقام عطا کیا ہے۔ کیا نعت کے حوالے سے آپ چند ایسے شاعروں کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔۔۔۔؟؟ (۶۳)

آخری پیراگراف لکھ کر ڈاکٹر شبیہ الحسن نے شاعر کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ تنقید میں یہ مرحلہ معروضی انداز سے بہت کم آتا ہے لیکن مولانا کے معاملے میں مضمون نگار کے تعینِ قدر یا Evaluation کا فیصلہ خاصی حد تک درست اور معروضی معلوم ہوتا ہے۔

نعت رنگ کا شمارہ نمبر ۲ ''حمد نمبر'' تھا جبکہ ہم صرف نعتیہ شاعری پر لکھی جانے والی تنقیدی تحریروں کا جائزہ لے رہے ہیں، اس لیے نعت رنگ ۸ کا تعارف حاضر ہے:

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ نمبر ۸، مرتب: صبیح رحمانی:

نعت رنگ شمارہ نمبر ۸ میں درج ذیل مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں:

i۔نعت میں طنز کی شمولیت، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ii۔امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں

iii۔حسرت موہانی اور ان کی نعت گوئی، پروفیسر شفقت رضوی

iv۔علیم صبا نویدی کا فنِ نعت گوئی، ڈاکٹر سید سجاد حسین

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر سید سجاد حسین کے مضمون کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ بقیہ مضمون نگاروں کی تحریروں کا حوالہ اسی مقالے میں کہیں کسی اور باب کا حصہ بنا ہے۔

iv۔علیم صبا نویدی کا فنِ نعت گوئی، ڈاکٹر سید سجاد حسین:

علیم صبا نویدی کے فنِ نعت گوئی پر ڈاکٹر سید سجاد حسین نے قلم اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''علیم صبا نویدی جو شعر و ادب کو جدید پیرایۂ بیان اور نت نئے تجربات سے ہم کنار کرنے کا قائل ہے، اختر الایمان کی طرح وہ بھی شاعری میں کامیابی کے لیے مذہبی تقدس کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں اختر الایمان کا کہنا ہے کہ ''شاعری میرے نزدیک کیا ہے؟ اگر میں اسے ایک لفظ میں واضح کرنا چاہوں تو مذہب کا لفظ استعمال کروں گا۔ کوئی بھی کام جسے انسان ایمانداری سے کرنا چاہے اس میں جب تک تقدس نہ ہو جو صرف مذہب سے وابستہ ہے اس کام کے اچھا ہونے میں ہمیشہ شبہ کی گنجائش رہے گی''، چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبا نویدی نے اختر الایمان کے اس بیان سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو آفاقیت کی حدوں تک پہنچانے کے لیے نعت گوئی کو اپنی فکر و آہنگ کا محور بنایا اور چند ہی برسوں کے اندر یکے بعد دیگرے کئی نعتیہ شاعری کے مجموعے شائع کر دیے۔۔۔۔ نعتیہ سانیٹوں میں

اس کی تخلیقی شخصیت کا متوازن، منظم اور توانا پہلو واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ میرے بیان کی تصدیق کے لیے نعتیہ سانیٹ سے ماخوذ چیدہ چیدہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

صاحبِ کون و مکاں سید لولاک ہیں وہؐ

ان سے ذہنوں میں تجلی کا سماں پھیلا ہے

یہ زمیں پھیلی افق پھیلا جہاں پھیلا ہے

دونوں عالم کے لیے صاحبِ ادراک ہیں وہؐ

جذبۂ عشقِ محمد ﷺ کا سفر ہے نوری

راہ بر محسن اعظم کے معطر جلوے

مہرباں ذات مقدس کے منور جلوے

منزلیں جلوہ فشاں راہ گزر ہے نوری

مدحت شاہ زمن کا ہے نظارا ہر سو

پھول ہی پھول ہیں، جلووں سے لدی ہے خوشبو

نعت گوئی کے دوران عشق احمدیؑ میں سرشاری کے لیے جو وارفتگی، عقل و فہم اور علم و آگہی مطلوب ہے، صبا نویدی کی مذکورہ سانیٹ اس کی بولتی تصویر ہیں جن میں اخلاص و عاجزی کی صفات انتہائی عروج پر ہیں"۔(۶۴)

☆نعت رنگ، شمارہ ۹، مرتب: صبیح رحمانی، مارچ ۲۰۰۰ء:

اس شمارے میں تمام مضامین، اپنے مضمون نگاروں کے ناموں کے ساتھ صرف فہرست میں آسکتے ہیں:

i۔غزل میں نعت کی جلوہ گری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

ii۔اردو نعتیہ شاعری میں شمائل النبی ﷺ، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

iii۔اردو حمد و نعت کی روایت کے چند اساسی محرکات اور ان کے فروغ کی عملی صورتیں، ڈاکٹر عاصی کرنالی

iv۔نعت گوئی کا تصورِ انسان اور مولانا کوکب نورانی، جمال پانی پتی (یہ مضمون "در جوابِ آں غزل" کے مصداق، نعت رنگ کتابی سلسلے کے شمارہ نمبر ۶ میں شائع ہونے والے مضمون "نعت گوئی کا تصورِ انسان" کے حوالے سے اٹھائے جانے والے نکات پر لکھا گیا ہے مولانا کوکب نورانی کا ایک خط بھی، نعت رنگ شمارہ ۸ میں شامل تھا)۔

☆نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۰، مرتب: سید صبیح الدین رحمانی، اپریل ۲۰۰۰ء:

اس شمارے میں تنقیدی نوعیت کے جو مضامین شامل ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔اردو نعت میں ادبِ رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں، رشید وارثی

ii۔اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب، پروفیسر شفقت رضوی

iii۔"نسبت" احساس اور لطافت کا مرقع، عزیز احسن

iv۔حرا کی روشنی......ایک مطالعہ، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

v۔بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر جمیل راٹھور

vi۔مسرور کیفی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

vii۔امین راحت چغتائی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

viii۔جدید لب و لہجے کا نعت گو......سعید وارثی، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

ix۔ بشیر رحمانی کا کیفِ حضوری، ڈاکٹر انور سدید

درج بالا فہرست میں صرف ڈاکٹر جمیل راٹھور کا نام نیا ہے، بقیہ مضمون نگاروں کا تذکرہ کہیں نہ کہیں ہو چکا ہے۔

v۔ بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر جمیل راٹھور:

ڈاکٹر جمیل راٹھور نے بیکل اتساہی کے نعتیہ کلام پر کئی زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے بیکل کے شعرِ عقیدت میں صنفی تنوع بھی دیکھا اور دکھایا ہے اور ان کے کلام میں جھلکنے والی وہ تنقیدی بصیرت بھی اجاگر کی ہے جس نے انہیں نعت کی وادی میں سلامت روی کا قرینہ سکھایا تھا۔ ڈاکٹر جمیل راٹھور اردو کے تمام نعتیہ سرمائے کو معنوی اعتبار سے ''نعت'' ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اردو کا تمام نعتیہ ادب نعت کے زمرے میں نہیں آتا یعنی دانستہ یا غیر دانستہ ایسا نعتیہ ادب بھی تخلیق ہوا جس کا عام تاثر یا تو الوہیت میں داخل کر دیتا ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تنقیص کا پہلو پیدا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین و محققین نے نعت کے فن کو مشکل بتایا ہے''۔ (۶۵)

موضوعِ نعت کی نزاکتوں کا حوالہ ڈاکٹر جمیل راٹھور نے اس لیے دیا کہ انہیں بیکل اتساہی کے شعرِ عقیدت کو اس غیر محتاط رویئے سے جدا دکھانا تھا۔ ڈاکٹر جمیل راٹھور، بیکل اتساہی کی نعتیہ شاعری میں نعت کی نازک حدود میں لامحدود وسعتوں کا بحرِ بیکراں دیکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> روایت وجدت کی خصوصیات کی ہم آہنگی نے اردو شاعری کا ایک نیا باب تعمیر کر کے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اردو کے اس فخریہ ادب میں نعت کا وہ حصہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس میں روایت وجدت کا حسین امتزاج، لہجہ کی خنک، مضامین کی وسعت اور جذبہ عشق رسول ﷺ کی پاکیزہ لطافتیں اپنی مخصوص مہک کے ساتھ موجود ہیں۔۔۔۔ بیکل اتساہی نے رسم و روایت سے آگے بڑھ کر نعت کے مفہوم کو سمجھا ہے اور نعت کی روح کو شاعری میں اتارنے کا ایک منفرد کارنامہ انجام دیا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بیکل کا لب ولہجہ اپنی پہچان آپ ہے۔۔۔ نعتیہ مضامین و مفاہیم کے نئے افق تلاش کرنا ان کا خاصہ ہے اور نعت کی نازک حدود میں لامحدود وسعتوں کا بحرِ بیکراں ان کی نعتیہ شاعری کا طرۂ امتیاز ہے ''یعنی جہاں جہاں خدائی ہے وہاں وہاں مصطفٰیؐ کی مصطفائی ہے''۔ (۶۶)

ڈاکٹر جمیل راٹھور نے بیکل اتساہی کے کلام کا جو نمونہ دیا ہے، اس سے ان کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً

سخن میں کوچہء خیر البشر مہکنے لگا
پڑھی جو نعت مرا گھر کا گھر مہکنے لگا
تصورات میں تھا عکس گنبدِ خضریٰ (۶۷)
کھلی جو آنکھ شعور نظر مہکنے لگا

اسی طرح ڈاکٹر راٹھور نے بیکل اتساہی کے کلام کے محاسن میں یہ بتایا ہے کہ انہیں چھوٹی بحر کے استعمال پر قدرت

ہے، پوربی زبان میں گیت اور غزل لکھنے کی مہارت ہے، قرآنی جملوں یا الفاظ کو شعر کا جزو بنانے کی صلاحیت ہے، احادیث پر بھی ان کی نظر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یکے اتسابی کے نعتیہ آہنگ کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر راٹھور نے تاثراتی اور جمالیاتی تنقیدی تکنیک سے کام لیا ہے۔

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۱، مرتب: سید صبیح رحمانی، مارچ ۲۰۰۱ء:

نعت رنگ، شمارہ ۱۱ میں جو تنقیدی مضامین شامل تھے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ اردو نعت میں ''صلعم'' کا استعمال اور اس کے مضمرات، رشید وارثی

ii۔ نعت اور احترامِ بارگاہِ رسالت، پروفیسر محمد اکرم رضا

iii۔ نعت کے موضوعات، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

iv۔ نعتیہ شاعری کے لوازمات، ظہیر غازی پوری

v۔ گفتنی ناگفتنی، پروفیسر شفقت رضوی

vi۔ غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)، احمد صغیر صدیقی

vii۔ بیدم شاہ وارثی کی نعتیہ تاب وتب، پروفیسر محمد اقبال جاوید

viii۔ علیم ناصری کی نعت گوئی، پروفیسر جعفر بلوچ

مضمون نگاروں کی درج بالا فہرست میں صرف تین نئے ناموں کا اضافہ ہوا ہے [۱] ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، [۲] ظہیر غازی پوری، اور [۳] احمد صغیر صدیقی۔ چنانچہ انہی مضمون نگاروں کی تحریروں کا مختصر تعارف حاضر ہے۔

iii۔ نعت کے موضوعات، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (بھارت):

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا مضمون بنیادی طور پر ایک تحقیقی کاوش ہے لیکن اس میں انہوں نے ایسے موضوعات کی گرفت کی ہے جو ہندو صنم پرستی اور اسرائیلی روایات کے زیرِ اثر نعت میں در آئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اسرائیلیات سے مراد وہ روایات ہیں، جن کا تعلق مذہب یہود کی مرویات سے ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء نے جن اسرائیلی روایات کو نعت کا جزو بنایا ہے، ان میں متعدد قصے وہ ہیں، جو دیگر انبیاء سے متعلق ہیں، لیکن انہیں نبی ختم المرتبت سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ ایسے قصے تمام طور پر دکنی شعرائے نعت کے رشحاتِ قلم کے ثمرات ہیں۔ اسرائیلی روایات بلاقی اور خمیر کے یہاں بکثرت موجود ہیں۔ عہد حاضر کے پاکستانی شاعر عبدالعزیز خالد کی ''فارقلیط'' اس معنی میں ایک اچھی نعتیہ کاوش ہے کہ اس میں مروجہ اسلوب سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اور نیا آہنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اسلوب کی اساطیری اور اسرائیلی فضا نبی رحمت کے تقدس کو داغ دار کرتی دیکھی جاتی ہے۔ عبدالعزیز خالد کی دوسری تخلیق ''منحمنا'' اور تیسری اور چوتھی ''حمطایا'' اور ''ماذ ماذ'' ہیں، جن میں پرانے صحیفوں، خاص طور پر تلمود، زبور وغیرہ عہد نامہ عتیق کی بے شمار تلمیحات در آئی ہیں، جو اسرائیلی خرافات کا حصہ ہیں۔ یہی حال عتیق حنفی کی سلسلۃ الجرس اور جعفر طاہر کے ''ہفت کشور'' کا ہے''۔ (۶۸)

اسی طرح انہوں نے ہندوصنمیات کے ذکر میں محسن کاکوروی، آسی غازی پوری، شائق حیدرآبادی اور امجد حیدرآبادی کے ایسے اشعار پیش کیے ہیں جو نعتیہ شاعری کے تقدس کو پامال کرتے ہیں۔ نعتیہ ادب کی تنقید میں معنوی، نظریاتی اور فکری لغزشوں کی نشاندہی جزوِ تنقید ہے۔ اس لیے ڈاکٹر آزاد کا یہ تنقیدی منہاج تشریعی تنقید یا Legislative Criticism کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔

iv۔ نعتیہ شاعری کے لوازمات، ظہیر غازی پوری (بھارت):

ظہیر غازی پوری نے "نعتیہ شاعری کے لوازمات" کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے شعراء کی فکری اور اظہاری غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ بھی تشریعی تنقید یا Legislative Criticism کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے محمد علوی کے دو شعر نقل کر کے بتایا ہے کہ جب ان کے اشعار پر کفر کا فتویٰ لگا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ محمد علوی کے اشعار لکھ کر وہ ان میں ہونے والی سنگین غلطیوں کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:

"اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ — مگر ایک اچھا نبی بھیج دے
بہت نیک بندے ہیں یارب ترے — کسی پر تو یارب وحی بھیج دے

اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کسی پر وحی نازل ہوگی اور پھر اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ کہ "اگر تجھ کو فرصت نہیں تو نہ آ" یقیناً بے ادبی ہے"۔

ظہیر غازی پوری کا اندازِ نقد دیکھنے کے لیے ان کے مضمون سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

"یہ قلبِ سلیم اس کا پڑھتا ہے کلمہ — جس البیلے افعی نے اس کو ڈسا ہے

کلمہ پڑھنے والے کو تسکینِ قلب اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کارِ ثواب بھی ہے۔ اگر شاعر اس عمل کو سانپ کے ڈسنے سے تعبیر کرتا ہے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ مصرعِ ثانی ناموزوں ہے۔

ہمیں کیوں یا نبی کہنے سے آخر منع کرتے ہو — نبیؐ سے تم کہو وہ چھوڑ دیں چارہ گری اپنی

نبی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور سراپا رحمت بن کر آتے ہیں۔ بھلا ان سے چارہ گری چھوڑ دینے کے لیے کون کہہ سکتا ہے؟ اور پھر کسی کو یا نبی کہنے سے بھلا کون اور کس طرح روک سکتا ہے۔ یہ شعر نہیں مجذوب کی بڑ ہے۔

میں پھیل جاؤں تیری طرح ان فضاؤں میں — یوں مجھ کو رنگ و نور کی صورت میں ڈھال دے

"تیری طرح" گویا نبی کریم ﷺ کی طرح پھیل جانے کی تمنا ان کی ہم سری کے مصداق ہے جو غارت گرِ ایماں تو ہے ہی!

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم — کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

حضورِ اکرم ﷺ کو بے چارگی میں اپنے جیسا کہنا یقیناً گستاخی ہے ایسا اظہار قابلِ مذمت ہے۔ (ایک طرف شعرا نے خدا بنا دیا دوسرے طرف اپنے جیسا بے چارہ بندہ...... خدا کی پناہ!)"۔(۶۹)

ظہیر غازی پوری نے اپنے مضمون میں کچھ اشعار میں عروضی اسقام کی نشاندہی بھی کی ہے۔انہوں نے نعتیہ شاعری کوفنی،فکری لحاظ سے زیادہ معیاری بنانے پر زور دیا ہے۔

vi۔غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)،احمد صغیر صدیقی:

نعت رنگ کے شمارہ نمبر۹ میں ڈاکٹر سید محمد کشفی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ''غزل میں نعت کی جلوہ گری''۔اس مضمون میں ڈاکٹر کشفی نے بہت سے غزل کے اشعار میں نعتیہ شاعری کے معنیاتی رنگ دیکھے تھے۔ظاہر ہے وہ اشعار جس شاعر کے بھی تھے اس نے انہیں غزل ہی سے منسوب کیا تھا۔اس لیے ان اشعار کے معنیاتی دائروں میں ہر قاری اپنے ذوق کے مطابق ہی مفاہیم کی جھلک دیکھ سکتا تھا۔''غزل میں نعت کی جلوہ گری (ایک جائزہ)'' میں مضمون نگار نے ڈاکٹر کشفی کے اخذِ مطالب کے طریق کار کے خلاف رائے دی ہے۔کتابی سلسلے نعت رنگ کو یہ اختصاص حاصل رہا ہے کہ اس میں نہ صرف نعت پر باقاعدہ تنقیدی سلسلہ شروع ہوا بلکہ تنقیدی مضامین پر بھی جوابی مضامین شائع ہونے لگے۔اس طرح اس کتابی سلسلے کے ذریعے ادبی مکالمہ یا Literary Discourse نے صورت پائی،جو نعتیہ ادب میں ایک نئی چیز تھی۔احمد صغیر صدیقی کے اس مضمون کو ''ادبی مکالمہ'' (Literary Discourse) کی حیثیت حاصل ہے۔احسان دانش کے ایک شعر کو ڈاکٹر کشفی نے غزل کے بجائے نعت کا شعر کہنے پر اصرار کیا تھا،احمد صغیر صدیقی نے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا:

''ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو

جناب کشفی نے اسے نعت کا بہت اچھا شعر قرار دیا ہے۔میں ان کی پسندیدگی کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔حضور اکرمؐ کا نقشِ کفِ پا تو اس کائنات کے ذرے ذرے پر مرتسم ہے۔مگر مندرجہ بالا شعر میں جو الفاظ ہیں ان کے وسیلے سے مطلب نکالا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نقش عنقا ہے اور صورت یہ ہے کہ ہوائیں (جو اس کرۂ ارض کو محیط ہیں) وہ بھی اس کی تلاش میں بولائی ہوئی ہیں۔ماری ماری پھر رہی ہیں۔(گویا کہیں نظر نہیں آرہا ہے) کم از کم مجھ کم فہم کی سمجھ میں یہی آرہا ہے۔ایسے نعت کا شعر ہی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ ''بہت اچھا''۔

جناب کشفی نے غالب کے ایک اور شعر کا ذکر کیا ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف،سب درست لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

وہ لکھتے ہیں ''غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں ابھر کر سامنے آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو۔غالب نے یہ مضمون دعائیہ انداز میں باندھا ہے یہ ندرت اسلوب کی مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی اہل ایمان کے لیے جنت ہے''۔

یہ جناب کشفی کی عقیدت کا کمال ہے کہ انھوں نے مندرجہ بالا مطالب اس شعر سے اخذ کیے۔حالاں کہ ان مطالب کا اس شعر میں کوئی شائبہ نہیں ملتا۔غالب کے جس ''یقین'' کی بات انھوں نے کی اسے سامنے رکھیے اور شعر میں موجود الفاظ کی انگلی تھامئے۔آپ کو فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ایک ''شک'' بھرا شعر ہے۔''خدا کرے ایسا ہو'' ہم کب کہتے ہیں؟ جب یقین نہ ہو۔اس شعر میں غالب بے یقینی کی کیفیت میں

ہیں اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ اسے حضور اکرمﷺ سے وابستہ نہیں کیا جاسکتا۔کوئی سوچ سکتا ہے کہ جنت میں حضور اکرمﷺ نہیں ہوں گے؟"(۷۰)

احمد صغیر صدیقی کا مضمون تشریحاتی تنقید (Descriptive Criticism) کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۲، مرتب: سید صبیح رحمانی:

نعت رنگ کتابی سلسلے کے شمارہ نمبر ۱۲ میں تین کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ایک مضمون غالب کی اردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ مضامین کی تفصیل یہ ہے:

i۔ نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید، عزیز احسن

ii۔ تیراوجود الکتاب......ایک مطالعہ، عزیز احسن

iii۔ دلیلِ آفتاب......نعتیہ سمت نما، غفور شاہ قاسم

iv۔ غالب کی اردو شاعری میں نعت کا فقدان، عزیز احسن

یہاں بھی تکنیکی مجبوری کے تحت ہم کسی مضمون پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے کیوں تین مضامین تو راقم الحروف ہی کے ہیں۔ایک مضمون غفور شاہ قاسم کا ہے جن کا ذکر اس مقالے کے متعلقہ باب میں موجود ہے۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۳، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۲ء:

نعت رنگ شمارہ ۱۳، میں تین مضامین تنقیدی نوعیت کے ہیں:

i۔ نعت کے اشعار میں فنی سقم، شارق جمال

ii۔ حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی، ڈاکٹر صابر سنبھلی

iii۔ "کہف الوریٰ" میری نظر میں، ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری (بھارت)

درج بالا تینوں مضامین ایسے مضمون نگاروں کے ہیں جن کا ذکر ہمارے مقالے میں کہیں اور نہیں ہوا ہے، اس لیے ہم تینوں مضامین کا مختصر تعارف کرواتے ہیں۔

i۔ نعت کے اشعار میں فنی سقم، شارق جمال (بھارت):

شارق جمال نے اپنے مضمون میں نعتیہ اشعار میں فنی اسقام کا ذکر کیا ہے۔ان کا زیادہ زور عروضی اوزان کی تقطیع پر رہا ہے۔ چنانچہ عروضی اسقام کی ایک دو مثالیں ان کے مضمون سے نقل کر کے ان کے تنقیدی منہاج کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

"احمد رضا فاضلِ بریلوی کے دو مصرعے ہیں:

"اے بیکسوں کے آقا، اب تیری دہائی ہے"

"یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا"............ان مصرعوں کی تقطیع بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
مف	عول	مفا	عی	لن	مف	عول	مفا	عی	لن
اے	بےک	س ک	اا	قا	اب	تےر	دہا	ئی	ہے

اس تقطیع میں تیسرے خانے میں "بےکسوں" کے جزو کسو، سو کا صرف "س" ہے۔ واؤ گر گیا...... یا گرا کر وزن پورا کیا گیا ہے۔ جس کے سبب، بحر کا نصف حصہ بارکان "مفعول فاعلاتن" معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے مصرع کی تقطیع ملاحظہ فرمائیں:

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱
فا	علا	تن	فع	لا	تن	فع	لا	تن	فع	لن
یع	ن مح	بو	ب م	حب	ے	ن ہو	ے	را	تے	را

خانے میں لفظ یعنی کا جزو "نی" کا حر ف "ن"

اس تقطیع میں دوسرے خانے میں لفظ "یعنی" کا جزو "نی" کا حرف "ن" ہی تقطیع میں ہے "ی" دبا کر وزن پورا کیا گیا ہے۔ اسے یوں وزن سے پڑھا جائے گا:

یعنِ محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا

(یہاں) یائے معروف اور واو...... دونوں حرف، بحر سے خارج کر کے دبا۔ گرا کر وزن پورا کیا گیا ہے...... یہ قاعدہ ناسخ کے زمانہ آخر میں بتایا گیا تھا...... اس قاعدے کے وجود میں آنے کے بعد خواہ غالب کے اشعار ہوں...... ظہیر غازی پوری کے کلام میں یا فاضلِ بریلی احمد رضا صاحب کے شعروں میں یہ سقوطِ حروفِ علت نظر آنے پر اس سے فنی بحث یقیناً کی جائے گی...... اس سقم پر سابقہ شعرائے فارسی و عربی کے اشعار کا سنداً پیش کرنا بھی درست نہیں، کہ ان کے اشعار اس قاعدے کے نافذ ہونے سے پہلے کے ہیں"۔(۱۷)

ii۔ حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی، ڈاکٹر صابر سنبھلی (بھارت):

رضا بریلویؒ کی نعتیہ شاعری ہمارے مقالے میں بہت زیادہ زیرِ بحث آ چکی ہے۔ لیکن نعت رنگ میں شائع ہونے والا مضمون "حضرت رضا بریلویؒ کی نعت گوئی میں مضمون آفرینی"، ہمارے طے شدہ اصولوں کے تحت اس لیے یہاں مذکور ہوا کہ ڈاکٹر صابر سنبھلی کی تنقیدی بصیرت کا نمونہ سامنے آ سکے جو اس سے قبل اس مقالے میں کہیں نہیں آ سکا تھا۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی لکھتے ہیں:

> "اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مضمون آفرینی، قوتِ متخیلہ کا ہی جز ہے، مگر نعت میں اس کے استعمال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ غزل کی طرح نعت میں ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ امام احمد رضا کو قصیدۂ معراجیہ میں اس کے اظہار کا موقع مل گیا اس لیے اس قصیدے میں خوب خوب مضامین کے

انبار نظر آتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ، نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر، حطیم، کی گود میں بھرے تھے
دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے، نسیم گستاخ آنچلوں سے
غبار مشکیں جو اُڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے

آنسوؤں کی تاثیر مسلم ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہمارے مہربان آقا عاصیوں کے لیے بہت رویا کرتے تھے۔ اس مضمون کو امام احمد رضا نے جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے ان کی طباعی کے اعتراف کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ صرف دو شعر ملاحظہ ہوں:

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا — رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دیے ہیں
اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی — اس گل خنداں کا رونا گریہ شبنم نہیں (۲۷)

ڈاکٹر صابر سنبھلی کی تحریر میں فن کی تحسین کا جمالیاتی پہلو نمایاں ہے۔ وہ شعری اظہار کی نزاکتوں کا احساس کر کے اس کا تاثر اپنی تحریر میں قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

iii۔ ''کہف الوریٰ'' میری نظر میں، ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری (بھارت):

قمر وارثی کے مجموعۂ نعت ''کہف الوریٰ'' کا تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری نے لکھا:

''میں شعری مجموعوں کا مطالعہ ترتیب سے کرتا ہوں اور صفحات کی ورق گردانی کرتے ہوئے دھوپ چھاؤں دونوں پر نگاہ رکھتا ہوں تاکہ اظہارِ خیال میں کماحقہٗ تعریف اور حوصلہ افزائی بھی کر سکوں۔ نیز نقد و نظر کا بھی کچھ حق ادا ہو سکے ورنہ صرف ستائشی جملے شاعر کا بھی نقصان کرتے ہیں اور شاعری کا بھی............ ''کہف الوریٰ'' میں قمر نے جذبہ و کیفیت کی پیشکش کے ساتھ فنِ شعری کی بھی فکر کی ہے اور وہ یوں کہ نئی نئی زمینوں کی اختراع قوافی و ردیف کی ندرت پر زیادہ دھیان دیا جس کے سبب کہیں کہیں ان سے چوک بھی ہو گئی ہے۔۔۔ نعت کے لیے ایسی مشکل زمین نکالنی اور اس میں شعر کہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مثلاً

آفتابِ گنبدِ خضرا کے سیارے ہیں لب
اہلِ عرفاں، اہلِ دل، اہلِ نظر میں اور چراغ
دل گوارا نہ کرے جاں سے بھی اپنا رشتہ
عشقِ سرکار سے رشتہ ہو تو ایسا رشتہ

سفر بینائی کا جلوؤں سے اپنے روک دیتے ہیں

قمر باب نبیؐ، مینار و گنبد مل کے آپس میں

خوشبو، دھنک، چراغ، صبا، رنگ، کہکشاں

سب میرے ہم سفر ہیں مدینے کی راہ میں

خاکِ طیبہ جس کو چھونے کا شرف حاصل ہوا

اس جبیں کو دیکھتے ہی رہ گئے شرما کے پھول

کیوں نہ ہو ذکرِ فکر شہ دوسرا چاندنی چاندنی کہکشاں کہکشاں

ہر عمل، ہر قدم، ہر سخن آپ کا چاندنی، چاندنی کہکشا کہکشاں

ظاہر ہے اتنی دشوار زمینوں میں لزوم مالا یلزم کے پیشِ نظر آمد کی تجلیاں آورد جلوؤں میں گم ہوں گی

ہی۔ اس باوصف شاعر کا قلم لکھتا ہے:

طلب ہے نور تو یادِ آپ کی حضور مہک

نہ دل سے دور اُجالا نہ دل سے دور مہک (۷۳)

پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری، نے قمر وارثی کے شعرِ عقیدت کی تحسین کے ساتھ ساتھ بعض اشعار کے حوالے سے سوالیہ نشان بھی لگائے ہیں اور کچھ فنی اسقام بھی واضح کیے ہیں، مثلاً

''یہ عالم ہے قمر سنگِ درِ آقا سے نسبت کا

کہ سجدے عظمتِ محراب و منبر ہوتے جاتے ہیں

یعنی چہ؟

اہلِ دل پر نبی نے در اپنا

منزلِ بے سراغ رکھا ہے

شوقِ قافیہ پیمائی میں معنی فی بطنِ شاعر ہو کے رہ گیا ہے۔

نمایاں اس جبیں پر کس بلا کا نور ہوتا ہے

اس مصرعے میں پہلوئے ذم ہے۔ یوں بھی حیرت و استعجاب، از دیاد اور دلفریبی کے معنوں میں کس بلا کا نور غزلیہ شاعری میں تو کھپ جائے گا مگر نعت میں نہیں۔

سن کے دستک نقشِ پائے سیدِ کونین کی

فرش کیا ہے عرش کی قسمت کے دروازے کھلے

دستک ہاتھ سے دی جانی والی آواز ہے، خواہ تالی بجانے کو کہیے خواہ کواڑ تھپتھپانے کو۔ دستک پاؤں سے نسبت نہیں رکھتی، وہ بھی نقشِ پا سے۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا است

بس ان چند مصرعوں پر میری نگاہ خردہ بیں ٹھہری، خدا کرے قصور میری کم نظری کا ہو۔ (۷۴)

نعتیہ شاعری کی تحسین میں اعتدال کی مثال اُسی صورت میں قائم کی جا سکتی ہے کہ کسی کتاب یا انفرادی نعتیہ تخلیق

میں کوئی سقم نظر آئے تو اس کی بھی نشاندہی کردی جائے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق دانا پوری نے اپنی تنقید میں جمالیاتی تنقیدی نہج پر قائم رہتے ہوئے فن کی تحسین بھی کی جس میں تاثراتی دبستانِ نقد کا اثر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں فنی خامیوں کی طرف توجہ مبذول کرواکے تشریحی تنقید (Legislative Criticism) کا حق بھی ادا کردیا ہے۔ تنقید نگار کا عجز و انکسار بھی (جو نعت کے ضمن میں بہت ضروری ہے) ان کے آخری جملے سے پھوٹا پڑ رہا ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۴، مرتب: سید صبیح الدین رحمانی، دسمبر ۲۰۰۲ء:

نعت رنگ شمارہ ۱۴، میں درج ذیل مضامین شامل تھے:

i۔ اردو میں نعت گوئی کا فن، ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی

ii۔ نعت کا ادبی مقام، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری

iii۔ معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود، عزیز احسن

iv۔ امام احمد رضا کا تصورِ نعت، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

v۔ نعت اور رشید احمد صدیقی، ادارہ

اس شمارے کے حوالے سے ہم صرف رشید احمد صدیقی کی تنقیدی رائے کو تبرکاً شامل کریں گے کیوں کہ نعت کے ضمن میں ان کی رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

v۔ نعت اور رشید احمد صدیقی، ادارہ:

رشید احمد صدیقی نے نعتیہ ادب کے حوالے سے جو کچھ لکھا وہ بہت کم ہونے کے باوجود بڑا اہم ہے۔ اس لیے کہ ان کی نظر نہ صرف اردو شاعری یا اس کے حسن و قبح پر تھی بلکہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی صورتِ حال کو بہتر اور ان کی ثقافتی زندگی کو دینی رنگ میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ اسی لیے ان کے لہجے میں ہلکا طنز بھی آجاتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"نعتیہ شاعری پر وجد یا رقص کرنا بعضوں کے نزدیک عبادت، ورنہ خوش اطواری یا وضع داری سمجھی جاتی تھی۔ سماع کی محفلوں میں آپ نے کیسے کیسے بے سروپا گانوں یا اشعار پر لوگوں کو "دست افشاں و پائے کوباں" دیکھا ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نغمہ یا نعت کا اثر نہیں ہوتا، میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ لایعنی اشعار یا گانے پر سر دھننا کوئی سلیقے کی بات نہیں ہے، خواہ وہ اشعار یا نغمے خدا ہی کے سامنے کیوں نہ پڑھے یا گائے جائیں۔ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ گھٹیا شعر بڑھیا سے بڑھیا گانے کو چوپٹ کردیتا ہے۔ ایسے اشعار یا ایسے گانے پر بھی اگر کوئی رقص یا وجد کرے اور یہ بتائے کہ یہ عبادت ہے تو پھر میں کچھ نہ کہوں گا، سوا اس کے کہ عبادت کا میں بھی قائل ہوں، لیکن اس پر تیار نہیں ہوں کہ عبادت آپ کریں اور خوں بہا میں ادا کروں"۔ (۷۵)

اس ایک پیراگراف میں رشید احمد صدیقی نے نعتیہ شاعری کے عوامی پن اور اس کے بے جا استعمال پر جو کچھ کہہ دیا

ہے اس کی تشریح وتعبیر کے لیے دفتر درکار ہے۔ نعتیہ شاعری جن لوگوں نے اپنائی، ان لوگوں نے شاعری کو پھکڑ پن سے قریب کر دیا اور جن لوگوں کو اپنانا چاہیے تھی انہوں نے اکا دکا نعت ڈھنگ کی کہہ دی اور بس۔ عوامی سطح پر نعت لکھنے، نعت پڑھنے اور نعت سننے کی وہ سنجیدہ کوشش نہیں ہو سکی جو اس موضوع کا تقاضا تھا۔ بعض لوگ نعت پڑھ پڑھ کر جھومتے رہے لیکن اس کی قیمت نعتیہ ادب کو ادا کرنی پڑی کہ ایک عرصے تک کوئی سنجیدہ شاعر یا نقاد اس کی طرف پوری تخلیقی شخصیت کے ساتھ، خلوص سے شامل نہ ہو سکا۔ رشید احمد صدیقی کے مضمون کے درجِ بالا پیراگراف کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اردو نعت کا کیا معیار ہونا چاہیے، اس کی طرف بھی رشید احمد صدیقی نے اختصار کے ساتھ چند باتیں کہہ دیں۔ وہ کہتے ہیں:

> ''اردو نعت میں، میں چند بزرگوں کا قائل ہوں، مثلاً حالی مرحوم، اصغر گونڈوی مرحوم، اور حضرت اقبال مغفور کا۔ جہاں تک شاعرانہ حسن آفرینی وحسن کاری کا تعلق ہے میں محسن کاکوروی مرحوم کے کمال کا بھی معترف ہوں، کیسی پر خار و پر خطر راہوں سے کس لطف و مشاقی سے یہ گزرے ہیں کہ ''بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے، لیکن محسن کے ہاں صناعی ہے، سپردگی نہیں، تخیل کی رعنائی ہے، روح کی وارفتگی نہیں۔ سخن ہے، شغف نہیں۔
>
> اصغر مرحوم کی شاعری میں نزہت ونور کی جو فضا ہے وہ ان کی شخصی تاثرات سے مل جل کر نعت میں جلوہ گر ہوئی ہے، غالباً ایک ہی نعت کہی ہے اور خوب کہی ہے۔
>
> حالی مجسم انسانیت تھے، پھر رحمتِ عالم ﷺ کے حضور میں! اردو نعت میں آج تک نظم کہی گئی ہو یا نثر، حالی کی نعت کا جواب نہ ہوا، ایک سے ایک سحر طراز آئے لیکن حالی سے نہ آگے بڑھ سکے نہ روگرداں ہو سکے، مستفید بھی ہوئے۔ اقبال کو رسالت مآب ﷺ سے جو شخصی والہانہ عقیدت تھی وہ طرح طرح سے ان کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ مجھے اکثر یہ محسوس ہوا ہے کہ اقبال کے کلام کا وزن و وقار اور حسن و جلال رسولِ عربی ﷺ ہی کی گراں مایہ شخصیت کے محور پر گردش کرتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جو ان کے کلام میں کبھی کہیں سے ڈھیلا پن نہیں آنے دیتی''۔(۷۶)

نعتیہ تنقیدی ادب کا سرمایہ چاہے کتنا ہی باثروت اور Rich کیوں نہ ہو جائے، رشید احمد صدیقی کے ان کلمات کا جواب مشکل ہی سے ملے گا! درجِ بالا دو اقتباسات میں ماضی اور حال کے نعتیہ ادبی سرمائے کی بے بضاعتی کا حال بتا کر، رشید احمد صدیقی نے چند شعراء کے نام بھی گنوا دیئے تاکہ شعرِ عقیدت کے حوالے سے ان کا آدرش بھی سامنے آ جائے کہ وہ نعت کو فکری ترفع، فنی معیار اور خلوصِ فن کی کس سطح پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ تنقیدی بصیرت کے اظہار کی یہ صورت نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے میں اضافہ ہے۔

☆ نعت رنگ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۵، مرتب: سید صبیح رحمانی، مئی ۲۰۰۳ء:

نعت رنگ کے پندرھویں شمارے میں تنقیدی نوعیت کے تین مضامین ہیں:

i۔ نعت اور نقدِ نعت...... چند گزارشات، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

ii۔ تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں، پروفیسر افضال احمد انور

iii۔ دیارِ نعت......ایک مطالعہ، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر

مضامین کی اس فہرست میں صرف پروفیسر افضال احمد انور کا نام نیا ہے، اس لیے صرف ان کے مضمون کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

ii۔ تنقیدِ نعت کی اہمیت اور اس کی مثبت جہتیں، پروفیسر افضال احمد انور:

پروفیسر افضال احمد انور نے اپنے مضمون میں تنقیدِ نعت کے حوالے سے اہم گفتگو کی ہے۔ گو ان کی تحریر میں دوسرے مضمون نگاروں کی تنقیدی تحریروں سے اخذ و استفادے کے واضح نقوش پائے جاتے ہیں، تاہم انہوں نے اس اعتراف کے ساتھ ہی قلم اٹھایا ہے کہ نعت رنگ اور ماہنامہ نعت کے کچھ مضامین سے استفادہ کر کے ہی انہوں نے یہ مضمون لکھا ہے۔ بہر حال انہوں نے تنقیدِ نعت کے لیے چار اصول مرتب کیے ہیں:

[۱] نعتیہ شناخت [۲] آداب شریعت (نعتیہ مضامین کا آدابِ شریعت کے مطابق ہونا) [۳] جذبۂ عشقِ رسول ﷺ [۴] لسانی، شعری تقاضوں کی ہم آہنگی۔ وہ لکھتے ہیں:

> [۱] نعتیہ شناخت: کسی بھی نعت پارے کی اولین شرط ہے۔ اس کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ نعتیہ شعر سنتے ہیں توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جائے۔
>
> [۲] یہ دیکھا جائے کہ نعت کے ہر شعر کا مضمون یا مواد شریعت کے مطابق ہے یا مخالف۔
>
> [۳] نعت کا حدود شرع سے آمدہ مضمون سچے جذبے کی چاشنی سے نعت کا شعر بنتا ہے۔
>
> [۴] تنقیدِ نعت میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ شعر، ادبی، لسانی، شعری تقاضوں کو پورا کرتا ہے؟ (۷۷)

نعتیہ شاعری کی بے جا تحسین نے بھی صحیح تنقید کو پنپنے نہیں دیا۔ پروفیسر افضال احمد انور نے اس جانب اشارے کیے ہیں:

> "بدقسمتی سے آج کے اکثر دیباچہ نویس ادبی اوتھ کمشنر بن چکے ہیں جو بغیر پڑھے فوٹو اسٹیٹ پر مہر لگا کر اسے مصدقہ کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتے ہیں"۔ (۷۸)

پروفیسر افضال احمد انور کے تنقیدی نکات میں اصلاحی تنقیدی دبستان (Reformatory Criticism) کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مرتب: سید صبیح رحمانی، فروری ۲۰۰۴ء:

نعت رنگ ۱۶ میں تحقیقی مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ صرف ایک مضمون ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا ہے "مقبول نقش کا نقشِ عقیدت"، اس مضمون میں انہوں نے مقبول نقش کی نعتیہ شاعری کا تعارف پیش کیا ہے جس میں تنقیدی بصیرت سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن ہم یہاں اس مضمون کا تفصیلی ذکر نہیں کر سکتے کیوں کہ ڈاکٹر کشفی کا ذکر ہمارے مقالے میں ان کی کتاب کے حوالے سے ہو چکا ہے۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۷، مرتب: سید صبیح رحمانی، نومبر ۲۰۰۴ء:

زیرِ نظر نعت رنگ کے شمارے میں تحقیقی نوعیت کے مضامین کی تعداد زیادہ ہے۔ تنقیدی مضامین صرف دو ہیں:

i۔ شاعرِ جہاد......رحمان کیانی، شاہ مصباح الدین شکیل

ii۔ حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری، پروفیسر غلام رسول عدیم

اتفاق سے درج بالا دونوں مضامین ایسے ہیں جن کے قلم کاروں کی کوئی تحریر ہمارے مقالے میں زیرِ مطالعہ نہیں آسکی ہے، اس لیے ان دونوں کا مختصر اتعارف پیش کرتے ہیں:

i۔ شاعرِ جہاد......رحمان کیانی، شاہ مصباح الدین شکیل:

رحمان کیانی کی شاعری میں جہاد کا عنصر غالب ہے جو اردو نعتیہ ادب میں خاصے کی چیز ہے۔ شاہ مصباح الدین شکیل نے رحمان کیانی کی شاعری کے خدوخال واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اردو کی نعتیہ شاعری کی مروجہ روایتوں میں رحمان کیانی نے دو انقلابی نظریے پیش کیے ہیں۔ یہ چونکا دینے والی باتیں بڑی فکر انگیز اور سوچنے پر مجبور کرنے والی ہیں۔

ان کی سیرت نہیں صورت کے قصیدے پڑھنا ان کے پیغام نہیں نام کی مالا جپنا
بندگی اور خدائی کی اٹھا کر تمیز نام میں ان کے فقط میم کا پردہ کہنا
روضہ پاک کو کعبے کا بھی کعبہ کہہ کر چومنا، چاٹنا، دہلیز پہ سجدے کرنا
اس کو کیا کہتے ہیں، پوچھوں گا تو لڑ جائیں گے
اور بتاؤں گا تو ہتھوں سے اکھڑ جائیں گے

مولانا جامیؒ کے تتبع میں مروجہ نعتیہ انداز صورت کے قصیدے پڑھنا تھا۔ یہاں ہمیں تخئیل کی نکتہ آفرینی اور لفظ و بیاں کی نزاکتوں کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ عالمِ تبحر مولانا عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ "نعت رسول میں زلف و ابرو کی تعریف و توصیف نہ صرف نا مناسب ہے بلکہ بے ادبی ہے"۔ اپنی نعتیہ نظم "عشقِ رسول ﷺ" میں رحمان کیانی بڑی چبھتی ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں جس سے مولانا جامیؒ کا اتباع کرنے والوں کی جبینوں پر گرہ پڑ جاتی ہے۔ اردو شعراء میں سب سے پہلے یہ نازک احساس ہمیں حکیم مومن خاں مومن دہلوی کے پاس ملتا ہے۔ مولانا قدسیؒ کی شہرۂ آفاق سدا بہار نعت کی تضمین کرتے ہوئے مومنؔ کہتے ہیں:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی
یا نبیؐ یک نگہ لطف بامی و ابی مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

رحمان کیانی کہتے ہیں:

ان کی توصیف میں بھی سوئے ادب کی باتیں نعت میں مے کدہ و بنت عنب کی باتیں
بے حجابانہ قدوعارض و لب کی باتیں شام غم وصل کی شب، صبح طرب کی باتیں

ایسی باتیں کہ اگر منھ سے نکل جاتی ہیں
سن کے بے پردہ خواتین بھی شرماتی ہیں

مولانا جامیؒ کے قصیدۂ صورت کی تراکیب سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے رحمان کیانی نے شاعرانہ کمال سے اسے سیرت کا قصیدہ بنادیا اور تاریخی حقائق سے اپنے استدلال کو محکم تر کردیا اور قرآنی انداز میں قسم کھا کر درجۂ سند بلند تر کردیا۔

والنجم کہ قائل ہوں رسولِ عربی کا حق گوئی و بے باکی و شیریں سخنی کا
منکر ہوں مگر ان کے حسینوں کی طرح سے انداز گل افشانی و غنچہ دہنی کا
جو بدر و احد ،خندق و خیبر کا ہو قائد زیبا نہیں الزام اسے گل بدنی کا
دیوانہ و عاشق نہیں رحمان کیانی اک پیرو ناقص ہے رسولِ مدنی کا

"عاشقِ رسول ﷺ" کے لقب پر پھولوں نہ سمانے والے پہلے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کا حکم سن لیں:"قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فا تبعونی یحببکم اللّٰہ و یغفر لکم ذ نوبکم" (ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا)۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے عشق کی حقیقت کا جائزہ لیں ورنہ گفتۂ رحمان کیانی شرم وندامت کے ساتھ سن لیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے۔(۷۹)

رحمان کیانی کی شاعری کا پہلا اہم نکتہ یہی ہے کہ امتیوں کو عشق کے دعوے کی نہیں پیروی کی ضرورت ہے۔ شاہ مصباح الدین شکیل نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا ہے:

فرصت ہو تو عقلِ عیار سے ایک سوال کر لیجیے۔ کیا غلاموں کا کام اپنے آقا سے عشق کرنا ہے یا اطاعت کرنا؟ وہ جواب جو آپ زبان سے ادا نہ کرسکیں رحمان کیانی بڑی جراءت سے کہہ گزرتا ہے:

میں کہ پشتوں سے ہوں آقائے مدینہ کا غلام میرا طاعت کے علاوہ کوئی منصب نہ مقام
اے زعیمانِ ادب عشق کا ان کے الزام آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک سے سلام
جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں
رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں (۸۰)

شاہ مصباح الدین شکیل نے رحمان کیانی کی شاعری میں جو دوسرا مابہ الامتیاز نکتہ دیکھا ہے وہ ہے رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کا "رسولِ ملاحم (سخت جنگ لڑنے والا رسول ﷺ) ہونا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تاریخ انبیاء میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے کافروں سے معرکوں کا ذکر ملتا ہے۔ شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ نے ورثہ میں دام ودرہم نہیں بلکہ علم اور اسلحہ چھوڑا ہے۔(۸۱)

بربط و دف سیم و زر میراثِ پیغمبر نہیں
خنجر و تیر و تبر ہے ڈھال ہے تلوار ہے

جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے　　خندق کا ذکر کیجیے خیبر کو پوچھیے

بدر و احد کے قائدِ لشکر کو پوچھیے　　یا غزوہء تبوک کے سرور کو پوچھیے

ہم کو حنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں

ہم امتی بانیء رسمِ جہاد ہیں

''مقصدِ حیات متعین ہو جائے تو جسم و جان میں آگ بھر جاتی ہے۔ قلم روشنائی کی بجائے خون سے لکھنے لگتا ہے۔ الفاظ بجلی کی تڑپ بن کر نوکِ خامہ سے نکلتے ہیں۔ جذبہ سرفروشی پر آمادہ کرتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جہاد افضل العبادات ہے''۔(۸۲)

شاہ مصباح الدین شکیل نے نعتیہ شاعری میں جہاد کی روح پھونکنے والے سپاہی کے جذبے سے بھرپور اشعار کی روشنی میں اس کے خلوص اور جراءتِ اظہار کی تحسین کے ساتھ ساتھ اس کی ہنرمندی کی بھی تعریف کی ہے۔ رحمان کیانی وہ واحد نعت گو ہے جس نے نعت کو رزمیہ لہجہ عطا کیا اور نعتیہ شاعری کے روایتی انداز ''اظہارِ عشق'' کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ رحمان کیانی نے ایسے شعرِ عقیدت کی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کروائی جس کے ذریعے عمل کی قوت پر تنویمی کیفیت طاری ہو رہی تھی، جو سکر آمیز فضا کی پیداوار تھا اور جس کے ذریعے بے عملی کو فروغ مل رہا تھا۔

رحمان کیانی ایک نقاد شاعر کی حیثیت سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے افکار و نظریات کی تفہیم کے لیے شاہ مصباح الدین شکیل نے، اصلاحی تنقیدی نہج پر ایک لاجواب مضمون قلم بند کر دیا۔ ہم نے اس مضمون کے اقتباسات پیش کر کے اس کی جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں رحمان کیانی کی شاعری بھی بلند مرتبہ انتقادی کاوش کا حکم رکھتی ہے اور شاہ مصباح الدین شکیل کا تجزیہ تو سونے پر سہاگے کا مصداق ہے۔ یہ توانا آواز نعتیہ تنقیدی آفاق کی وسعتوں میں بے پناہ اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔

ii۔ حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری، پروفیسر غلام رسول عدیم:

پروفیسر غلام رسول عدیم نے حنیف نازش قادری کے دو نعتیہ مجموعوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے: [۱] سخن سخن خوشبو، اور [۲] آبرو۔ اپنے تنقیدی منہاج کے حوالے سے پروفیسر موصوف نے تاثراتی تنقیدی (Impressionistic Criticism) روش اپنائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس مجموعہء کلام (سخن سخن خوشبو) کا سب سے بڑا امتیاز میری نظر میں رحمت طلبی کا شدت سے بھرا احساس ہے جس سے شاعر لحہ لحہ سراپا عجز و درماندگی کی تصویر بنا رحمتِ دو عالم ﷺ سے التجائیں کرتا نظر آتا ہے۔

سوائے طیبہ کے غم کے مارو! کہاں ملے گی
دعائے رحمت، دوائے رحمت، شفائے رحمت
اسے بھی رحمت کی بھیک مل جائے میرے آقاؐ
کہ ہے یہ نازش بھی ایک ادنیٰ گدائے رحمت

شاعر کا دوری و مجبوری کے ہاتھوں بڑپ تڑپ اٹھنا، بے تابانہ دیارِ محبوب ﷺ میں اُڑ کر پہنچ جانے کی تمنا کرنا اور ان بے قراریوں کا بار بار جواب بھی آنا اس کی تشنگی روح میں اور اضافے کا موجب بنتا ہوا نظر آتا ہے......

حضورؐ در پہ بلالیجیے گا نازشؔ کو | تڑپ رہا ہے مدینے کی حاضری کے لیے
پھر مدینے کے گل زار یاد آگئے | پھر وہ گلیاں وہ بازار یاد آگئے
پھر تصور نے مجھ پہ یہ احساں کیا | پھر وہ جالی وہ مینار یاد آگئے
پھر کیا ہے ایک زائر نے وہاں جانے کا ذکر | پھر مری آنکھوں میں رنگیں اشک لہرانے لگے (۸۳)
پھر مدینے کی حضوری کے وہ دن یاد آگئے | وہ حسیں لمحات پھر یادوں کو مہکانے لگے

پروفیسر غلام رسول عدیمؔ نے حنیف نازشؔ قادری کی نعتیہ شاعری کے دوسرے مجموعے ''آبرو'' کے ضمن میں لکھا:

''آبرو'' میں وہ اپنے فکر و فن کے حوالے سے عروج پر نظر آتے ہیں۔ فنی طور پر ''سخن سخن خوش بو'' سے ''آبرو'' تک آتے آتے نازشؔ نے اپنے معاصر نعت نگاروں میں بہت سوں کو کالے کوسوں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ایک ہوتا ہے دیکھا دیکھی کسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرنا اور زمانے کے تیور دیکھ کر پینترے بدلنا اور اس صنف کے نظری و عملی تقاضوں سے پہلوتہی کیے رکھنا ایسا شخص کہنے کو سرکارِ رسالت پناہ ﷺ کی توصیف و ستائش میں لفظوں کا آڑھتی تو ہوسکتا ہے، جوہری نہیں۔ یوں وہ متشاعر ناعت تو ہوسکتا ہے حقیقی نعت گو یا نعت نگا رنہیں۔۔۔۔۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ نازشؔ مومنانہ صداقتوں کے سانچے میں ڈھل کر عشقِ مصطفےٰ ﷺ سے ایسی دھلی دھلائی زندگی کا حامل ہوگیا ہے جس سے اس کے ہر شعر میں تیر و نشتر کی جگر دوزی اور ہر مصرعے میں تلوار کی کاٹ پیدا ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاخِ ہنر پر نت نئے شگوفے کھلتے اور روح پرور پھل پھول آتے ہیں۔ اس کی نعت گوئی کے تیور بتاتے ہیں کہ نازشؔ کی ہر نعت باوضو ہو کر لکھی گئی ہے۔ نماز والا وضو تو ہوگا ہی گمان یہ ہے کہ آنکھیں بھی بے وضو نہ ہوں گی۔ ع زائر کوئے جناں آہستہ چل والی نعت نے زائرین کوئے حبیب کو وہ آدابِ زیارت سکھا دیے ہیں کہ کسی لغزش یا بے ادبی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا''۔(۸۴)

ان اقتباسات سے پروفیسر غلام رسول عدیمؔ کا منہاجِ نقد واضح خدوخال کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ ہم اس اندازِ نقد کو پہلے ہی تاثراتی تنقیدی دبستان سے وابستہ منہاج سے تعبیر کر چکے ہیں۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۱۸، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۵ء:

نعت رنگ کتابی سلسلے کا شمارہ ۱۸، اعلیٰ حضرت (فاضلِ بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ) نمبر کی صورت میں منصہ ءشہود پر آیا تھا۔ اس شمارے میں ''فکر و فن'' کی ذیلی سرخی کے تحت جن مضامین کا تذکرہ ہے ان میں صرف اردو شاعری کے حوالے سے تیرہ [۱۳] مضامین سامنے آتے ہیں۔ ان مضامین میں ایسے موضوعات شامل نہیں ہیں جن میں کسی

ایک جہت کے حوالے سے اشعار کی تلاش و جستجو کا سفر ظاہر ہو یا فن سے زیادہ شخصیت کے محاسن پر گفتگو کا درواکیا گیا ہو۔ تحقیقی مضامین اور دیگر جہات پر لکھے گئے مضامین بھی ان مضامین کے علاوہ ہیں۔

ہمارے مقالے میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اتنی بار ہو چکا ہے کہ نعت رنگ میں شامل مضامین کا انتہائی مختصر تعارف بھی تکرار و توارد کی صورت اختیار کر سکتا ہے، لہٰذا صرف فہرستِ مضامین پیشِ خدمت ہے:

i۔ کلامِ رضا میں توحید کی ضیاباریاں، پروفیسر آفاق صدیقی

ii۔ سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

iii۔ مولانا احمد رضا خانؒ کی اردو نعتیہ شاعری، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

iv۔ حضرت حافظ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، پروفیسر محمد اقبال جاوید

v۔ جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند، پروفیسر محمد اکرم رضا

vi۔ فاضلِ بریلوی کے بعض اشعار کی فنی و لسانی توضیحات، ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی

vii۔ صنعتِ مجوب کے مسائل اور مولانا احمد رضا بریلویؒ کی شعری عظمت، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر

viii۔ شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی (فن اور تنقید)، پروفیسر محمد اکرم رضا

ix۔ اسلوبِ رضا کا بانکپن، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

x۔ رضا بریلوی کی نثریت کے اساسی محرکات، محمد امجد رضا خاں

xi۔ فاضلِ بریلویؒ کا شعری وژن، ریاض حسین چودھری

xii۔ رضا بریلوی...... بابِ تحیر کھولنے والا نعت گو، پروفیسر قیصر نجفی

xiii۔ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی نعتیہ شاعری، پروفیسر محمد فیروز شاہ

نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۱۹، مرتب: سید صبیح رحمانی، دسمبر ۲۰۰۶ء:

نعت رنگ کے شمارہ نمبر ۱۹ میں خالص تنقیدی نوعیت کے صرف تین مضامین ہیں:

i۔ افصح العرب ﷺ کے حضور میں، عزیز احسن

ii۔ نعت گوئی کا تقدس اور اس کی تنقیدی قدریں، ڈاکٹر سراج احمد قادری

iii۔ نعتیہ ادب پر تنقید یا تنقیص، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

iv۔ زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق، کا تنقیدی جائزہ، ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر

راقم الحروف کے مضمون کا ذکر تو اس مقالے میں ہو ہی نہیں سکتا۔ بقیہ مضامین کے لکھاریوں کا ذکر متعلقہ ابواب میں موجود ہے اس لیے یہاں صرف فہرست ہی سے کام چلے گا۔

☆ نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۲۰، مرتب: سید صبیح رحمانی، اگست ۲۰۰۸ء:

نعت رنگ شمارہ نمبر ۲۰ میں دو ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں جن کا تعلق تو روایات سے ہے اور یہ تحقیقی نوعیت کے مضامین ہی شمار ہوں گے لیکن ان کی تنقیدی قدر (Critical Value) اس لیے بہت زیادہ ہے کہ ان روایات کو اردو نعتیہ شاعری میں بہت زیادہ شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ یہ دو مضامین ہیں:

i۔ ثنائے رسول ﷺ روایت سے درایت تک، ڈاکٹر سید محمد یحییٰ نشیط

ii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی

ان مضامین کے علاوہ تنقیدی قدر کے مضامیں درج ذیل ہیں:

iii۔ نعت نگاری میں احتیاط کے تقاضے، پروفیسر محمد اکرم رضا

iv۔ کچھ آدابِ نعت کے بارے میں، ڈاکٹر صابر سنبھلی

v۔ سیماب اکبر آبادی کی نعت نگاری، پروفیسر افضال احمد انور

vi۔ احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

vii۔ کرم و نجات کا سلسلہ (عزیز احسن)، پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

viii۔ قمر رعینی کی نعتیہ شعری اقدار کا جائزہ، عزیز احسن

ix۔ فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری، سید مرغوب اشرف

درج بالا مضامین میں سے صرف نمبر شمار ۲، ۶ اور ۹ کے حوالے سے کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہے۔

ii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی:

تنقیدِ نعت میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے یا رکھا جانا چاہیے کہ جو بات بھی حضور اکرم ﷺ کی ذات سے منسوب کی جائے اور تلمیح کی صورت میں جزوِ شعر بنے وہ صد فی صد مستند ہو۔ بدقسمتی سے اردو نعت میں غیر محتاط شعراء نے بہت سی ایسی روایات کو تلمیحاتی سطح پر عام کروادیا ہے جن کی اصل یا تو اسرائیلیات کی من گھڑت حکایات ہیں یا گمراہ فرقوں کی موضوعات۔ محمد شہزاد مجددی ایک عالمِ دین ہیں اور حدیث کے ضمن میں ہمیں علمائے دین ہی کی رہنمائی درکار ہے، اس لحاظ سے ان کا یہ مضمون تحقیقی ہونے کے باوجود ایک تنقیدی نکتے کی ترویج کے لیے ضروری اور اہم ہے۔

محمد شہزاد مجددی نے اپنے اس مضمون میں ایک معروف روایت "الفقر وفخری و بہ افتخر" (فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں) کے ضمن میں ایک علمی تحقیق پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مضمون نگار نے سند کے طور پر امام ابنِ تیمیہؒ، العسقلانی، شیخ محمد پٹنی اور ان کے شیخ، حافظ ابن حجر اور محدث بریلوی حضرت احمد رضا خاںؒ وغیرہم کے حوالے سے اس روایت کو "موضوع" اور "باطل" لکھا ہے۔ اس تحقیق کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے فتاویٰ الرضویہ جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کا حوالہ بھی دیا ہے (۸۵)۔

مضمون نگار نے ایک دوسری حدیث نقل کر کے اس کے معانی کی تفہیم کے لیے بھی زعمائے حدیث کے حوالے

دیے ہیں۔حدیث شریف ہے "اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرة المساکین"(اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)۔وہ لکھتے ہیں:

''اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا ہے۔۔۔۔امام بیہقی کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ آپؐ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔

ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذ کے الفاظ یوں مروی ہیں:"اللھم اعوذ بک من فتنة الفقر" ترجمہ:اے اللہ! میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں(بخاری الدعوات رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعا رقم ۴۸۷۷)۔سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں: اللھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر (ابوداؤد.....۳۲۴/۴ رقم ۵۰۹۰) ترجمہ:اے اللہ! میں کفر وفقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائق عبرت بھی ہے اور محل تنبیہ بھی۔صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے: فقال رجل و یعتدلان؟ قال نعم (الاحسان ۳ر رقم ۱۰۲۶) ترجمہ:ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔تعوذ و باللہ من الفقر (احمد رقم ۲۳/۱۰۸۷۲،ابن حبان،۲۳۹/۱ رقم ۹۷۹) ترجمہ:فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔سنن نسائی میں ہے۔ نعوذ و من الفقر و فاقہ،ترجمہ:فقر وفاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔(نسائی:۵۷۷۵)

الغرض احادیث صحیحہ میں فقر سے پناہ ونجات اور براءت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔یہاں ایک بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا ہر جگہ فرمایا "ولا فخرٌ و لا فخر" کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہار عبودیت اور تواضع فرمایا ہے۔(۸۶)

نعتیہ شاعری کے متن کی درستگی ہی تو شعرِ عقیدت کو دنیا اور آخرت میں قابلِ قدر بنا سکتی ہے۔اگر متن ہی میں خامی ہو تو دانستہ خامی بڑے خسارے کی بات ہے اور نادانستہ خامی کم از کم اخروی ندامت کا باعث تو بن ہی سکتی ہے۔اللہ ہمیں اس جرم سے محفوظ فرمائے (آمین)۔شہزاد مجددی نے اپنے مضمون میں فقر کے حوالے سے باطل روایت کو تلمیحی سطح پر بیان کرنے والے بہت سے اکابر شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں۔ان شعراء میں حفیظ جالندھری، مرتضیٰ احمد خان میکش، بہادر شاہ ظفر، ماہر القادری، حافظ مظہر الدین، محمد یار فریدی، ضامن حسنی، سید فیضی، بے چین رجپوری، انیسہ ہارون، حسن اختر

جلیل، حافظ لدھیانوی، ایس۔اے۔رحمان، حفیظ الرحمٰن احسن، اسرار احمد مہاروی، سید امین گیلانی، رفیع الدین ذکی قریشی، ڈاکٹر سلطان الطاف علی، جعفر بلوچ (جعفر کی نعت کی تو ردیف ہی "الفقر و فخری" ہے) بشیر حسین ناظم، راجا رشید محمود۔

بشیر حسین ناظم نے البتہ "الفقر و فخری" کی جگہ "العجز فقری" لکھا ہے اور شہزاد مجددی نے اس شعر کے ساتھ یہ فقرے لکھے ہیں:

وہ ایسے قائل "العجز فقری" ہیں کہ عالم کی

غنا و سرفرازی ان کے کفشِ پاپہ قرباں ہے — بشیر حسین ناظم

:("العجز فقری" کے الفاظ کتاب الشفا میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل روایت بیان کرتے ہوئے نقل کیے ہیں)(۸۷)

شہزاد مجددی نے ایک بہت زیادہ معروف اور ایک ایسی موضوع حدیث کی تحقیق ہم تک پہنچائی ہے جو اردو نعت کے اشعار میں بہت زیادہ تلمیحی صورت میں متنِ شعر بنتی رہی ہے۔اللہ انہیں اس کی جزا عطا فرمائے (آمین)!

اس مضمون کے مطالعے سے نعت گو شعراء اور شعرِ عقیدت کی تنقیدی سرگرمیوں سے وابستہ اہلِ قلم کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔شہزاد مجددی نے دو صحیح احادیث لکھ کر معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے کی بھی سعی کی ہے:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار	ترجمہ: جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا (متفق علیہ)
کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع......	ترجمہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔(۸۸)

نعتیہ شاعری کی تنقید میں متن کی درستگی اور خیال کی بے خطابت کا معیار جانچنے کے لیے ایسی تحریریں جن میں موضوع احادیث کی نشاندہی کی گئی ہو، بہت اہم ہوتی ہیں۔اس لحاظ سے شہزاد مجددی کا مضمون ایک رجحان ساز (Trend Setter) مضمون کا درجہ رکھتا ہے۔

vi۔احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار، ڈاکٹر شبیر احمد قادری:

ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے نعتیہ شاعری کے لیے سید وحید الحسن ہاشمی کے متعین کردہ اصولوں کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی کے فن کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"سید وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نعتیہ مجموعے "یاسین" میں فنِ نعت گوئی کے ذیل میں چھ اصولوں کا حوالہ دیا ہے:[۱] مقصدیت [۲] خیال [۳] جذبہ [۴] الفاظ [۵] طرزِ ادا [۶] وزن۔

اس تناظر میں ممتاز شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی مرحوم کی نعتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں محولہ بالا اصول اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دل کشی

اس کا یہ راز ہے، مرا معیار آپؐ ہیں (۸۹)

ندیم قاسمی کی نعتیہ شاعری میں ذکر جمال کی فراوانی کے اسباب تلاش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''ندیم کے فکر وفن کا محوری نکتہ تلاشِ جمال اور ستائشِ جمال ہے۔ وہ جمال کے محدود و مقرر معانی کے بجائے اس کے اندرونی وسعتوں اور نئے ابعاد کا کھوج لگانے کے خواہش مند ہیں۔۔۔۔۔انسانی تہذیب و اقدار کے سب سے بڑے رہ نما نبی اکرمﷺ کی ثنا کرتے ہوئے انھوں نے اپنے مجموعہ نعت کا نام بھی ''جمال'' رکھا ہے۔ نعت کہتے ہوئے وہ لفظ ''محمد'' کو نطق کا جمال قرار دیتے ہیں کہ یہ شاعر کی تمنائے جمیل ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

لفظ محمدؐ اصل میں ہے نطق کا جمال

لحن خدا نے خود ہی سنوارا ہے ان کا نام

ندیم اخلاق اور تہذیب کی اصلاح اور فروغ کے لیے مذہب کی جمالیات کی ترویج کو ضروری سمجھتے ہیں۔(۹۰)

پروفیسر شبیر احمد قادری جدید نعت کے خدوخال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ندیم کے جمالِ فن کی نقاب کشائی کا تنقیدی فریضہ ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عظمتِ انسان کے حوالے سے ندیم کی نعتوں میں تعلیماتِ نبوی کا بیان، خراجِ تحسین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ندیم بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ انسانیت کی عظمت، توقیر اور فلاح کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ یہی فکر اور سوچ انھیں خیر البشرﷺ (کی جناب) میں ہدیۂ سلام و نیاز پیش کرنے پر راغب کرتی ہے:

تو جب آیا تو مٹی روح و بدن کی تفریق

تو نے انساں کے خیالوں میں لہو دوڑایا

یہ بتانے کو، کہ باوزن ہے انسان کی ذات

دستِ یزداں نے جو بخشی ہے، وہ میزاں تو ہے

گواہی دیتا ہے یہ ارتقائے انسانی

کہ کام آئی جہاں بھر کو پیشوائی تری

ان کے پیکر میں محبت کو ملی ہے تجسیم

پیار کرتا ہے ہر انساں سے پرستار ان کا

ندیم کے نعتیہ اشعار اور ان میں پائی جانے والی تہہ داری، ان کے دل سے نکلنے والی وہ آواز ہے جو

محبوبِ کائنات کی مدح وثنا کے لیے بلند ہوتی ہے۔نعت دراصل ان کے دامانِ کرم سے وابستگی کا شعری وسیلہ ہے"۔(۹۱)

پروفیسر شبیر احمد قادری کی تنقید کی اساس جمالیاتی اور تاثراتی تنقیدی دبستانوں کے ملے جلے رجحانات پر ہے۔نعتیہ تنقیدی ادب میں ان کا مضمون تحسینِ فن کی قابلِ قدر مثال ہے۔

ix۔فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری،سید مرغوب اشرف (بھارت):

سید مرغوب اشرف نے، فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری کا تعارف کرواتے ہوئے موضوع کی عظمت اور فن کی بلندیوں کا خیال رکھا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"فیاض ٹانڈوی کے یہاں جذبہء دروں ان کے علوئے فکر اور ندرتِ اظہار کی کشتی پر بیٹھ کر دریائے عشق کی وسعتوں، گہرائیوں اور پہنائیوں میں مسلسل رواں ہے،سرگرمِ سفر ہے۔ایک ایسا سفر جو عاشقِ رسول ﷺ کے لیے ہر شعری قدم کی طرف اُکساتا ہے۔یہ شعری سفر فیاض ٹانڈوی کا مقصدِ حیات ہے اور ان کا ہر شعری قدم فکروتخلیق کی خوراک ہے۔

نبیؐ کے نام کو ہر وقت ورد میں رکھیے
یہ وردِ خاص ہی معراج ہے زباں کے لیے
نعتِ شہِ کونین کے اشعار کہے جا
فیاض ترے ذوق کی معراج یہی ہے (۹۲)

سید مرغوب اشرف نے نعتیہ شاعری کی تحسین میں شعری جمالیات، بیان کی ندرت اور اظہار کی طرفگی و نغمگی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ کا درودِ مسعود ایک نبی آخر الزماں ﷺ کا درود ایک امام الانبیا کا درود ایک رحمۃ للعالمین کا درود ہے جو اس عالم میں ابد تک منبع ہدایت و رحمت رہیں گے۔اس ساعتِ سعید کی یاد سے، اس پر فکر کرنے سے دل کو جلا ملتی ہے۔قلب کی کثافت دھلتی ہے۔نعت گو شعرا نے اس ساعتِ سعید کا ذکر خوب خوب کیا ہے۔فیاض ٹانڈوی نے مختلف نعتوں میں اس ساعتِ مقدس کی خوب روشنی کی ہے۔جو اپنے حسنِ اظہار و پرکاری ابلاغ سے دلوں کو روشنی سے بھردیتی ہیں۔اس ضمن میں ایک نعت ملاحظہ فرمایئے جو ایک طرب انگیز Symphony کی طرح ہے۔جس کا ہر شعر موسیقی کی ایک لہر ہے۔ان لہروں کا امتزاج سرور و کیف میں ڈبو دیتا ہے۔آخری شعر اس Symphony کا نقطہء عروج ہے کہ اس کا بلند آہنگ سرور کی دنیا سے سننے والے کو واپس لاتا ہے کہ وہ تاج دارِ کونین ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

زمیں پہ آج آمدِ رسولِ ذی وقار ہے — فضائے دہر مظہرِ نشاطِ صد ہزار ہے
لٹائے ابر نے گہر، طرب میں جھوم اٹھے شجر — درود پڑھ رہے ہیں گل، نسیم مشک بار ہے

ہیں طائروں کی ٹولیاں چمن میں وقفِ زمزمہ	سلام اے شہِ زماں، سبھی کی یہ پکار ہے
طرب فزا ہوا چلی، کلی دلوں کی کھل گئی	"ہے عید آمدِ نبیؐ" حیات نغمہ بار ہے
طلوع ہوگا جس جگہ وہ آفتاب والضحیٰ	وہی تو رشکِ صد جناں حرم کا یہ دیار ہے
اٹھو سلام کے لیے وہ تاج دار آگئے	زمانہ جن پہ ہے فدا، خدائی بھی نثار ہے (۹۳)

مضمون نگار نے فیاض تانڈوی کی جس فنی خوبی کا ذکر کیا، اس کے شواہد ان کے کلام سے بھی پیش کر دیئے۔ یہ شاعری واقعتاً نغمگی کا مرقع اور سرشاری کی کیفیت کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔ جشنِ آمدِ رسول ﷺ کے اظہار کے لیے جوطربیہ لہجہ درکار تھا اسی لہجے میں فیاض تانڈوی نے بات کی ہے اور فن، عقیدت اور حبِ رسول ﷺ کے توافق کو محسوس کرتے ہوئے ہی نقاد سید مرغوب اشرف نے اس کی تحسین کی ہے۔ اس طرح ان کا منہاجِ نقد، جمالیاتی تنقید(Aesthetical Cricism) کا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۲۱، مرتب: سید صبیح الدین رحمانی، س۔ن:

نعت رنگ کے اس شمارے میں تنقیدِ نعت کا ایک نیا پہلو سامنے لایا گیا ہے، وہ یہ کہ نعت کے حوالے سے تحقیقی اور تنقیدی تحریریں پیش کرنے والے اہلِ قلم کی "نعت شناسی" زیرِ بحث آئی ہے۔ گو ایسے مضامین میں غالب رجحان مضمون نگاروں کی ستائش کا ہوتا ہے۔ تاہم نعتیہ شاعری کی تفہیم، تحسین اور تنقید کے زاویوں کی روشنی میں کچھ معیارات بھی قلم بند ہوجاتے ہیں۔ نعتیہ ادب میں چوں کہ یہ روش نعت رنگ کی اسی اشاعت کے ذریعے اپنے واضح خدوخال کے ساتھ جلوہ آراء ہوئی ہے اس لیے اسے تنقیدی کاوش کے طور پر قبول کرنے میں کوئی شے مانع نہیں ہوسکتی۔ سید صبیح رحمانی نے اداریے میں اس بات کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ انہوں نے لکھا:

> "گوشہء نعت شناسی اس اعتبار سے توجہ طلب ہے کہ اردو میں نعت پر لکھنے والوں کی اس طرح پذیرائی کی کوئی مثال اس سے پہلے ہمارے ہاں موجود نہیں تھی"۔

نعت رنگ ۲۱ میں شائع ہونے والے تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درجِ ذیل ہے:

i۔ اردو نعت میں ضمائر کا استعمال، رشید وارثی

ii۔ تخلیقی ادب اور نعتیہ ادب کی موجودہ صورتِ حال، عزیز احسن

iii۔ اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی

iv۔ نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش، پروفیسر محمد اکرم رضا

v۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کی نعت شناسی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط

vi۔ نظیر لدھیانوی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اقبال جاوید

vii۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کی نعت شناسی، عزیز احسن

viii۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کی نعت شناسی، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی

ix۔رشید وارثی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا

x۔ڈاکٹر سراج احمد قادری کی نعت شناسی، ڈاکٹر شکیل احمد مصباحی

xi۔اسلوب شناس نعت نگار، احسان اکبر، عزیز احسن

xii۔انور سدید کی حمد و نعت، ظفر علی راجا

xiii۔ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالے ''اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ'' (ایک جائزہ)، سید صبیح رحمانی

xiv۔قلزمِ انوار پر ایک نظر، عزیز احسن

درج بالا فہرست میں یا تو موضوعات ایسے ہیں جن کا ذکر ہمارے مقالے میں کہیں نہ کہیں ہو چکا ہے، یا مضمون نگاروں کے نام کئی بار کے دہرائے ہوئے ہیں، اس لیے ان مضامین پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ البتہ محمد شہزاد مجددی کے مضمون کا ہلکا سا تعارف کروانا ناگزیر ہو گیا ہے کیوں کہ انہوں نے نعتیہ شاعری میں در آنے والی موضوع روایات کا حوالہ دے کر چونکایا بھی ہے اور نعت گو شعراء و نقادانِ فن کو ''تلمیحات'' کے سلسلے میں محتاط رہنے کا پیغام بھی دیا ہے۔

iii۔اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات، محمد شہزاد مجددی:

محمد شہزاد مجددی نے عالمِ دین ہونے کے ناتے اپنی ذمہ داری نباہنے کی سعی کی ہے اور اردو نعت کی تخلیق و تنقید سے منسلک اہلِ قلم کی آگاہی کے لیے ایسی روایات کی اصل سے پردہ اٹھایا ہے جن کا حوالہ نعتیہ شاعری کی تلمیحاتی اساس بن چکا ہے۔ محمد شہزاد مجددی کی تحریر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ''اردو نعتیہ شاعری میں بہ کثرت پائے جانے والے۔۔۔مضامین میں سے ایک معروف مضمون واقعہء معراج میں حضور اقدس ﷺ کے نعلین سمیت عرش پر تشریف لے جانے سے متعلق ہے۔ اس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے عرش الٰہی کی طرف عروج فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیشِ نظر جو موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تھا: ''اے موسیٰ اپنے جوتے اتار دو کیوں کہ تم وادی ءطویٰ میں ہو''، آپؐ نے بھی نعلین اتارنے کا ارادہ فرمایا لیکن ارشاد ہوا: ''یا محمد الا تخلع نعلیک لتشرف السماء بھما'' ترجمہ: اے محمد ﷺ تم اپنے نعلین نہ اتارو تا کہ آسمان ان سے شرف حاصل کرے۔۔۔۔علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس قصے کا تذکرہ اکثر نعت گو شعراء نے کیا ہے اور اسے اپنے تالیفات میں درج کیا ہے اور ہمارے زمانے کے اکثر واعظین اسے طوالت و اختصار کے ساتھ اپنی مجالس وعظ میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ شیخ احمد المقری نے اپنی کتاب ''فتح المتعال فی مدح النعال'' میں علامہ رضی الدین قزوینی اور محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح مواھب اللدنیا'' میں زور دے کر وضاحت کی ہے کہ یہ قصہ مکمل طور پر موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے کو برباد کرے۔ معراج شریف کی کثیر روایات میں کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نبیء کریم ﷺ اس وقت پاپوش پہنے ہوئے تھے''۔(۹۴)

محمد شہزاد مجددی نے اپنے مضمون میں شیخ المقری، امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، امام رضی الدین قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ اس متن کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ امام زرقانی لکھتے ہیں:

"بعض محدثین فرماتے ہیں: جس نے یہ روایت گھڑی ہے کہ آپ نعلین سمیت عرش پر چڑھے خدا اس کو غارت کرے کہ اس نے شدید بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے اور مؤذنین کے سردار اور عارفین کے پیشوا (ﷺ) کے بارے میں ایسی جسارت کی ہے"۔ (۹۵)

احکامِ شریعت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کے استفسار پر جو جواب دیا وہ بھی نقل کیا ہے:

سوال: حضور اقدس ﷺ کا شبِ معراج عرشِ الٰہی پر نعلین مبارک سمیت تشریف لے جانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ محض جھوٹ اور موضوع ہے۔ اللہ اعلم۔ (۹۶)

محمد شہزاد مجددی نے معروف اور غیر معروف شعراء کے ایسے اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں نعلینِ پاک کے حوالے سے درجِ بالا موضوع روایت کو فخر سے بیان کیا ہے:

نعلینِ پا سے عرشِ معلیٰ کو ہے شرف — روح الامیں ہیں غاشیہ بردارِ مصطفیٰ
(بیدم وارثی)

حکمِ موسیٰ کو ہوا "فاخلع" مگر معراج میں — تاجِ فرقِ عرش ہے نعلینِ پائے مصطفیٰ
(وہبی لکھنوی)

تیری نعلین کا وہ رتبہ ہے اعلیٰ جس سے — عرش کے فرش کو حاصل شرف تاج ہے آج
(وحشی، سفینۂ نعت، حصہ ۲)

خود عرش نے بوسے لیے ایقان و ادب سے — کیسے ہو بیاں آپ کے نعلین کا عالم
(شاہ انصار الٰہ آبادی)

نقشِ نعلِ پاکِ سلطانِ امم — بدر بن کے عرش کے اوپر کھلا
ان کے نعلین کا مقام فلک — ان کے نعلین تک مری پرواز
(بشیر حسین ناظم)

سن کے جس نام کو جھک جائے عقیدت کی جبیں — جس کی نعلین کہ اتری نہ سرِ عرشِ بریں
(ادیب رائے پوری)

عرشِ اعلیٰ کا بھی اعزاز بڑھا ہے ان سے — سلسلۂ فیض کا ایسا ترے نعلین میں ہے
(غلام قطب الدین فریدی)

کیا سراپائے پیمبر کامقام نعل تک معراج میں ہے مقتدر

(راجارشید محمود)(۹۷)

نعتیہ ادب میں ایک موضوع روایت کا سفر کس قدر عبرت ناک ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں حضورِ اکرم ﷺ کی ذات وصفات سے سچی محبت ہے۔ محمد شہزاد مجددی نے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروا کے، نعتیہ ادب میں ایک غلط روایت کو مزید پھیلنے سے روکنے کی جو کوشش کی ہے اس کی تنقیدی اہمیت تو ہے ہی۔ ان کے مضمون سے نقادوں میں بھی ذوقِ تحقیق پیدا ہوگا اور شعرِ عقیدت کو استنادی شان دینے والے شعراء بھی ان کی تحقیق سے استفادہ کریں گے۔

محمد شہزاد مجددی نے ناقدین کو یہ راہ سجھائی ہے کہ جب بھی کوئی تلمیحاتی شعر سامنے آئے، صرف اس کے بیان کی خوبیاں ظاہر نہ کی جائیں بلکہ اس میں وارد ہونے والی تلمیح کی کنہ تک پہنچ کر اس کی سند تک رسائی حاصل کرنے کی سعی بھی کی جائے تا کہ نقدِ نعت کا حق ادا ہو سکے۔ شعراء کو تو محتاط رہنا ہی چاہیے۔ ہم شہزاد مجددی کی کاوش کو تشریحی تنقیدی دبستان کے معیارات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

☆نعت رنگ کتابی سلسلہ، شمارہ ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء:

نعت رنگ کتابی سلسلے کا بائیسواں شمارہ تاحال آخری شمارہ (Latest Edition) ہے۔ اس شمارے میں چند مضامین تنقیدی قدر کے حامل ہیں:

i۔ نعتِ نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت، ڈاکٹر شعیب نگرامی

ii۔ اردو نعت میں ضمائر کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)، ڈاکٹر اشفاق انجم

iii۔ نعتیہ شاعری میں نئی رشتوں کی تلاش، عزیز احسن

iv۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا

v۔ ڈاکٹر اسحٰق قریشی کی نعت شناسی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

vi۔ گوہر ملسیانی کی نعت شناسی، پروفیسر محمد اکرم رضا

vii۔ نعت گوئی اور اس کے آداب۔ ایک مطالعہ، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

درج بالا مضامین میں سے صرف دو مضامین ایسے ہیں جن کے لکھنے والوں کی کوئی تحریر ابھی تک زیرِ مطالعہ نہیں آئی ہے۔ اس لیے ہم دونوں مضامین کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

i۔ نعتِ نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت، ڈاکٹر شعیب نگرامی:

ڈاکٹر شعیب نگرامی نے اپنے فہم کے مطابق نعتیہ مضامین کو سمجھنے اور ان کے حوالے سے تنقیدی مضمون لکھنے کی کوشش تو کی ہے لیکن انہیں متحمل مزاج اور ادب شناس تنقید نگار نہیں کہہ سکتے۔ نعت رنگ میں ایسے مضامین بھی شامل

اشاعت ہوتے رہے ہیں جن کے مافیہ سے مرتب یا ادارے کو اتفاق نہیں ہوتا ہے۔ زیرِ مطالعہ مضمون بھی اسی قسم کا ہے۔ اسی لیے مرتبِ نعت رنگ سید صبیح الدین رحمانی نے اداریہ بعنوان ''اپنی بات'' میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھی کہ:

''نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت'' ایک خاص مسلک و مکتب فکر کی واضح ترجمانی اور بعض مقامات پر سخت بیانی کے باوجود ایک اہم اور توجہ طلب مضمون ہے۔ ''نعت رنگ'' کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ہم نعت پر ہونے والی گفتگو اور اس ضمن میں چھڑنے والے مباحث کو امتِ مسلمہ کے مختلف مکاتب فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان مکالمہ بنا سکیں اور ''نعت رنگ'' کے شمارے اس امر کے گواہ ہیں کہ ہم اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں، سو ڈاکٹر شعیب نگرامی کا مضمون بھی اس حوالے سے ہماری خصوصی [توجہ] کا مستحق ہے''۔(۹۸)

ہم اس مضمون کو علمی متانت کے خلاف جانتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں جذباتیت تو ہے، علمیت اور فن شناسی کا جوہر دور دور نظر نہیں آتا۔ اس کی دو ایک مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔ موصوف نے لکھا ہے:

زینتِ یٰسٓ توئی زیبائشِ طٰہٰ توئی
صاحبِ معراج سبحان الذی اسریٰ توئی

شعر میں توحید الوہیت کی نفی کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ کو سبحان الذی اسریٰ توئی کہا گیا ہے جبکہ سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت ''سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ'' ذات باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے''۔(۹۹)

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ ڈاکٹر نگرامی نے شعر کی تفہیم میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے۔ شاعر نے ''صاحب معراج'' کہہ کر آیۂ قرآنی کا تلمیحی اشارہ کیا ہے۔ یعنی جس کے لیے قرآنی آیت ''سبحان الذی اسریٰ۔۔۔الخ'' نازل ہوئی ہے وہ صاحب معراج آپ ﷺ کی ذات ہے۔ اس میں الوہیت کی نفی دیکھنے والے صرف ڈاکٹر نگرامی ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے چل کر موصوف نے اور بھی مضحکہ خیز بات کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اقبال جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے عمر بھر قرآنی تعلیمات کی ترجمانی کی انھوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی عقیدت و محبت میں غلو کرتے ہوئے یہ رباعی (یہ رباعی نہیں ہے، نظم کے دو اشعار ہیں۔ ادارہ) کہہ ڈالی:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے	غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر	وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

اس رباعی کا تیسرا مصرعہ محلِ نظر ہے جس میں رحمتِ عالم ﷺ کو وہی اول وہی آخر کہا گیا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولیت و آخریت کی نسبت اپنی ذات والا صفات کی طرف کی ہے۔ آیتِ شریفہ ہے ''ھو الاول والآخر والظاھر والباطن و ھو بکل شیء علیم'' (۱۰۰)

اس شعر کی تفہیم ڈاکٹر شعیب نگرامی کو کیسے ہو سکتی تھی کہ انہیں تو نظم کے اشعار اور رباعی کے مصرعوں کی پہچان تک نہیں

ہے۔شاعری میں تلمیحاتی اشاروں کے سمجھنے کے لیے کچھ ضروری علم کی ضرورت ہوتی ہے جس کا حصول مضمون نگار نے غیر ضروری جانا۔اسی لیے واضح شعر پر (جس پر ملت کو اور اردو نعت کے دلدادگان کو ناز ہے) اعتراض جڑ دیا۔اگر اقبال کے شعر پر اعتراض کرنے سے پہلے کچھ احادیث کا مطالعہ کرلیا جاتا تو یہ نوبت نہیں آتی۔حضورِ اکرم کی یہ حدیثِ مبارک تو بڑی معروف ہے ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدم علیہ السلام کی روح اور جسم تیار ہو رہا تھا'' (جامع ترمذی، ج: دوم: حدیث ۱۵۴۳، ص ۶۷۵)۔اقبال نے نگاہِ عشق و مستی میں اسی اولیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔آخر ہوتا تو شاید مضمون نگار کو بھی معلوم ہو کہ حضورِ اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا!

مضمون نگار نے کچھ اہم باتیں بھی کی ہیں۔اردو شاعری پر فارسی شاعری کے اثرات بہت زیادہ نمایاں ہیں اس لیے انہوں نے فارسی غزل گوئی میں در آنے والی بعض ایسی روایتوں کو جس میں شریعت اور علماء کا مضحکہ اڑانا معمول بن گیا تھا، اسلامی فکر کے منافی جان کر اس پر اعتراضات کیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

> ''حافظ نے اس زور و شور سے غزل کا غلغلہ بلند کیا کہ اس گنبدِ لاجوردی سے آفرین و مرحبا کی صدا آنے لگی۔عجمی تصوف، یونانی فلسفہ کے تراجم اور الحاد و بے دینی کی اشاعت نے قدرتی طور پر وہ مضامین پیدا کردیے جس نے اسلام کے نظامِ اخلاق کو تہہ و بالا کر ڈالا۔جس نے شریعت اور علما کے بخیے ادھیڑ دیئے۔جس نے واعظ، زاہد اور محتسب کی پگڑیاں اچھال دیں۔جس نے شراب اور پانی کو ایک کردیا۔غرضے کہ شیراز میں اسلام کا شیرازۂ اخلاق بکھر گیا۔ملحدوں، زنادقہ اور صوفیا کی گرم بازاری سب سے زیادہ شیراز ہی میں ہوئی ہے۔اس الحادی دور کی تفصیلات امام ابن قیم الجوزی نے اپنی کتاب ''تلبیسِ ابلیس'' میں درج کی ہیں۔شبلی نے اپنی کتاب ''شعر العجم'' میں لکھا ہے کہ غزل کی رندی و مستی اور صوفیانہ عقائد و خیالات کی ادب پر حکمرانی کے دور میں دوسرے اصنافِ سخن کے ساتھ فارسی نعت گوئی کی بھی ابتدا ہوئی اور فارسی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چند کو چھوڑ کر اکثر فارسی نعت گو شعراء کو نعت کی حد نہیں معلوم تھی''۔(۱۰۱)

بات اگر تحقیقی انداز اور مناسب حوالوں کے ساتھ کی جائے تو دل و دماغ کو اس کے قبول کرنے میں کوئی شئے مانع نہیں ہوسکتی۔مضمون کا درجِ بالا اقتباس ایک فکری سطح اور علمی وقار کا حامل ہے، کاش مضمون نگار جذباتیت سے بچ کر قلم اٹھا سکتے!

اردو نعت کی تنقید میں ڈاکٹر شعیب نگرامی کے کچھ نکات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔یہ اندازِ نقد تشریحی تنقید کے ذیل میں رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے۔

ii۔اردو نعت میں ضمائر کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)، ڈاکٹر اشفاق انجم (بھارت):

اردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ بحث بھی سامنے آئی ہے کہ حضورِ اکرم کے لیے جمع تعظیمی کا صیغہ یعنی ''آپ''

استعمال کیا جائے، ''تو''، ''تم''، ''تیرا''، جیسے ضمائر استعمال نہ کیے جائیں۔ بعض شعراء نے شدت سے اس اصول کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس بات کا چرچا بھی کیا کہ یہی طریقہ، راسخہ ہے۔ اس حوالے سے بعض شاعری کے نبض شناس نقادوں اور شعری ضرورتوں کا خیال رکھنے، نیز لفظ کی تہہ میں پوشیدہ تعظیم یا تضحیک کا معیار جاننے والے اہلِ علم نے اس روش کو انفرادی سوچ قرار دیا۔ ضمائر کی اس بحث میں علامہ قمر رعینی، حنیف اسعدی، پروفیسر سحر انصاری اور ڈاکٹر اشفاق انجم جیسے اہلِ ادب ''آپ'' کو رواج دینے کے حامی رہے اور پروفیسر سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، رشید وارثی اور یہ ناچیز بھی، شعری ضرورتوں اور لہجے کی اپنائیت کے قائلین میں شامل رہے۔

رشید وارثی کا مضمون ''اردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' نعت رنگ شمارہ ۲۱ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں ان کا لہجہ بڑا جارحانہ رہا، جس کے جواب میں ڈاکٹر اشفاق انجم کو قلم اٹھانا پڑا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے خود رشید وارثی کی تحریروں سے ایسے اقتباسات دیئے ہیں جن میں بعض بزرگوں کے لیے صیغہء جمع تعظیمی ''آپ'' یا ''اُن'' استعمال کیا گیا تھا۔ ضمائر کی ان بحثوں میں عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے ضمائر کے حوالے بھی دیئے گئے تھے اور یہ ظاہر کرنے کی سعی کی گئی تھی کہ ان زبانوں میں مروج ضمائر ہی اردو زبان کے ضمائر پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اشفاق انجم کا نقطہء نظر (Point of view) درج ذیل اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے:

> ''عربی فارسی زبانوں میں ''آپ'' جیسی کوئی ضمیر نہیں ہے جو اپنے بزرگوں یا قابلِ احترام شخصیات کے لیے استعمال کی جاسکے۔ ان زبانوں میں بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کے لیے ''انت'' اور ''تو'' جیسی ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں جو ان دونوں زبانوں میں تو درست ہیں لیکن ہماری زبان، تہذیب و آداب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اردو میں ضمیر ''آپ'' کے ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے لیے ''تو'' کے استعمال کو نامناسب سمجھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ جس زبان میں ادب تخلیق کر رہے ہیں اس کے اصولوں اور اقدار کی پابندی بھی آپ پر لازم ہوگی۔ ہم اردو تخلیقات کو اردو ہی کے لسانی اصولوں اور اقدار و روایات پر پرکھیں گے کسی غیر زبان کے اصول و معیار پر نہیں''۔ (۱۰۲)

اس اقتباس سے ضمیروں کے استعمال کے ضمن میں ہونے والی بحثوں کا لب لباب ظاہر ہو گیا ہے۔ تنقیدی سرگرمیوں میں اس قسم کی صورتِ حال بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ ڈاکٹر اشفاق انجم کے حامی، ایسی تمام نعتوں کو رد کر دیں جن میں حضورِ اکرم کے لیے صیغہء واحد حاضر ''تو'' کا استعمال نظر آئے اور ان سے اختلاف رکھنے والے، ''آپ'' کے استعمال کو لطافتِ شعری کے خلاف جانیں۔ بہر حال راقم الحروف کا نقطہء نظر یہ ہے کہ ضرورتِ شعری کے لحاظ سے ضمائر کا استعمال کیا جائے۔ لفظ برتنے کا انداز خود ہی بتا سکتا ہے کہ کونسا لفظ تخاطب میں ناگوار سطح کو چھو رہا ہے اور کونسا لفظ قربت کی لطافتوں کے احساس کا حامل ہے؟

ڈاکٹر اشفاق انجم کا مضمون لسانیاتی بحثوں کا حامل ہے اور اس میں عمرانی فضا کی باتیں بھی کی گئی ہیں اس لیے اس طرح کی تنقید کو ہم عمرانی تنقیدی دبستان اور تشریحی تنقیدی دبستان کا مرکب کہہ سکتے ہیں۔

☆نعت رنگ شمارہ ۲ تا ۲۲ میں شائع ہونے والے خطوط:

نعت رنگ شمارہ اول اپریل ۱۹۹۵ء میں منصہء شہود پر آیا تھا۔ دوسرے شمارے میں اہلِ علم کی آراء سے یہ بات پایہء ثبوت کو پہنچی کہ نعتیہ شاعری پر "تنقید" نعت رنگ سے قبل اتنی بھرپور اور سائنٹیفک انداز سے نہیں ہو سکی تھی۔ یہ گویا اس بات کی تصدیق تھی کہ نعت رنگ ہی نعت پر تنقید کو رواج دینے میں پہل کرنے والا کتابی سلسلہ تھا۔ نعت رنگ شمارہ نمبر ۲ میں محققین، علمائے کرام اور شعراء کے کچھ خطوط شامل تھے۔ ان خطوط کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان لفظوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرہ خیال و قلم سے خارج ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ میرے نزدیک تنقیدِ مروجہ سے بلند و بالا ہو جاتے ہیں۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض وجوہ سے محترم عزیز صاحب اور رشید وارثی صاحب کے مضامین مجھے بطورِ خاص پسند آئے۔ (ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی) (۱۰۳)

۲۔ "نعت رنگ میں تحقیق اور تنقید دونوں کے درمیان توازن ہے" (ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، کراچی) (۱۰۴)

۳۔ تنقیدِ نعت کے مقالے اس نقطہء نظر سے بڑے وقیع ہیں [کہ] جوشِ عقیدت میں اکثر شعراء حزم و احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ (شاہ مصباح الدین شکیل، کراچی) (۱۰۵)

۴۔ نعت کے سیاق و سباق پر گفتگو، نعت کے سفر کی نشاندہی، اس کی صنفی اہمیت پر تنقیدی مضامین اور نعت گو شعراء کی بے احتیاطیوں پر گرفت۔ یہ سب کچھ نعت رنگ میں یکجا ہے"۔ (شبنم رومانی، کراچی) (۱۰۶)

۵۔ آپ نے اس شمارے میں تحقیق و تنقید کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے ہیں، ان میں نعت گوئی کے تاریخی، فکری، جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں بصیرت افروز مباحث ملتے ہیں۔ (مشفق خواجہ، کراچی) (۱۰۷)

۶۔ نعت میں محتاط رویوں کی ضرورت کو ہمیشہ محسوس کیا گیا، لیکن دورِ موجود میں یہ ضرورت کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پہلے عام طور پر وہ لوگ نعت کہتے تھے جن کا فطری رجحان اس موضوع کی طرف ہوتا تھا اور وہ دینی تعلیم رکھتے تھے۔ لیکن پاکستان میں ہر شاعر نعت کہنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور نعت کے موضوعات میں بہت وسعت آ رہی ہے۔ اس لیے نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لانے کی ضرورت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ (حفیظ تائبؔ، لاہور) (۱۰۸)

۷۔ نعت اگر ایک صنفِ سخن ہے اور ہے تو اس پر فنی حوالوں سے تنقید کیوں نہیں ہو سکتی، اگر ہم نے نعت کو محض ثواب (اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی بہت بڑی سعادت ہے جو توفیقِ خداوندی سے ملتی ہے) کمانے کا ذریعہ بنالیا تو نعت بحیثیت صنفِ سخن جمود کا شکار ہو جائے گی، آپ کی کاوش

جرات مندانہ بھی ہے۔ مکرر مبارکباد قبول فرمائیں۔ (ریاض حسین چودھری، لاہور) (۱۰۹)

۸۔ آپ نے نعت گو شعراء کے انداز نظر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا ہے وہ بھی یقیناً قابل تعریف ہے۔ (ڈاکٹر جمیل جالبی، کراچی) (۱۱۰)

۹۔ یہ لازمی ہے کہ نعت گویوں کو اس طرح کی ہدایات دی جائیں اور انہیں نعت رسول اکرم ﷺ میں غیر شرعی باتوں سے اجتناب کے ساتھ ساتھ ادبی و فنی درستگی کا بھرپور خیال رکھنے اور لفظ کے استعمال، واقعہ یا کسی طرح کی روایت وغیرہ کے بیان میں محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے۔ (ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی، بھارت) (۱۱۱)

۱۰۔ نعت میں کن امور کا خیال رکھنا چاہیے اس باب میں حضرت حافظ افضل فقیر اور رشید وارثی کے مضامین قابل توجہ ہیں۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی، لاہور) (۱۱۲)

۱۱۔ تنقید کا یہ انداز اب تک دیگر اصناف سخن کو تو اپنی لپیٹ میں لیتا رہا ہے۔ لیکن احتراماً کسی نے نعت کو نہیں چھیڑا، میں اس بات کا قائل ہوں کہ نعت کو نظریاتی تنقید کا ہدف نہ بنایا جائے، کیوں کہ ہمارے شعراء مختلف مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور ہر شاعر اپنے مسلک کے مطابق نعت کہتا ہے۔ مقصد سب کا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں گل ہائے عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے۔ ہاں اشعار میں فنی خامی ہو تو اس کی طرف اشارہ ضرور کیا جائے، یا پھر ایسے اشعار جن میں شاعر نے اپنے تئیں تو حضورؐ کی
تعریف کی ہو لیکن جو الفاظ استعمال کیے ہوں ان سے ذم کا پہلو نکلتا ہو تو شاعر کی توجہ ان اشعار کی طرف ضرور دلائی جائے تا کہ وہ اپنے شعروں کی اصلاح کر سکے۔ (نقوی احمد پوری، احمد پور شرقیہ) (۱۱۳)

۱۲۔ تعجب ہے کہ ارباب نقد و نظر نے صنف نعت کو اپنی تحریروں میں وہ مقام و روجہ نہیں دیا جو دوسری اصناف سخن کو دیا ہے، آخر کیوں؟ غالباً اس کی وجہ مذہب سے کم تعلقی اور رسول ﷺ کی تعریف و
توصیف کے حوالے سے اس کو (نعوذ باللہ) یک رخہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا رہا، صنف نعت پر جستہ جستہ کام ہوا جو نہ ہونے کے برابر ہے، نعتوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں اور ایک آدھ کتاب تاریخ نعت کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے جس سے سیری نہیں ہوتی۔ آپ کا کام ٹھوس ہے اور آپ نے نعت کو ادبیات کی اعلیٰ اصناف میں شامل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ (تابش دہلوی، کراچی) (۱۱۴)

۱۳۔ علامہ رشید وارثی صاحب کا مقالہ ''اردو نعت میں شان الوہیت کا استخفاف'' پڑھ کر ان کی باریک بین نگاہ تنقید پر داد دینے کو جی چاہا۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی سے ایسی لطیف باتیں بیان کی ہیں جن پر واقعی وہ ہدیہ تحسین کے مستحق ہیں۔ بایں تحقیق و خوبی وہ بعض مقامات پر اپنے منطقی اور فلسفی پیرائے سے اہل سخن کو نشانہ تنقید بناتے چلے جاتے ہیں۔ بات اٹھانے کو بھی جی چاہتا ہے۔ بعض مقامات پر بات کرنے کو بھی جی چاہتا ہے مگر یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
ان کی تنقید سے الفاظ و بیان کی پروانہ کرنے والے ارباب سخن کو لکھنے سے پہلے صد بار سوچنے کا موقع

ملے گا۔ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور)(۱۱۵)

۱۴۔نعت رنگ ۔۔۔ نہ صرف نعتیہ ادب بلکہ مجموعی طور پر اردو ادب میں بھی ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ مختلف ادیبوں، تنقید نگاروں اور مضمون نگاروں نے نعت کے فنی، تخلیقی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کرکے نعتیہ ادب کی اہمیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ اس کے دامن کو بھی وسیع کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ (اشتیاق طالب، کراچی)(۱۱۶)

۱۵۔نعتیہ ادب کو تنقیدی عمل سے گزارنا' ایک نیا اور جراءت مند تجربہ ہے۔ (امین راحت چغتائی، راولپنڈی)(۱۱۷)

۱۶۔ بڑا تعجب ہوا رشید وارثی صاحب کا مضمون پڑھ کر کہ اتنی اتنی بڑی غلطیاں ہونے کے باوجود اب تک ان کو کیوں سامنے نہیں لایا گیا اور ہر کتاب کے تعارف میں جو ادیبوں کی رائے ہوتی ہے وہ صرف تعریف ہی تعریف ہوتی ہے۔ (ارشد اقبال، لاہور)(۱۱۸)

۱۷۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کا طویل مقالہ ''نعت اور گنجینہء معنی کا طلسم'' شمارے کی جان ہے، جو مقالہ نگار کے تبحر علمی اور ژرف نگاہی کا جواز ہے۔ موصوف نے ''لفظ'' کی تخلیقی اہمیت و عایت سے متعلق حوالوں کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ شعر کی صوری و معنوی، جمالیاتی و تاثراتی سطح پر بھی بحث کی گئی ہے۔ (ڈاکٹر انور مینائی، کولار، بھارت)(۱۱۹)

۱۸۔ ''لفظ اور نعت'' پر لکھتے ہوئے کشفی صاحب نے اردو کے معتوب ترین لفظ ''تو'' کو فکری دلائل اور منطقی استدلال سے ادب اور شاعری کی دنیا کا ایک زندہ' توانا اور مقدس لفظ ثابت کردیا ہے اور اس طرح ایک پرانی بحث کی بساط لپیٹ دی ہے۔ (سرشار صدیقی، کراچی)(۱۲۰)

۱۹۔نعت میں سراپا نگاری اور سیرت نگاری کے عنوان سے ڈاکٹر عاصی کرنالی کا مقالہ ایک جامع اور مدلل تحریر ہے۔ جب کہ اسی موضوع سے مماثلت رکھتا ہوا راجا رشید محمود صاحب کا مضمون بعنوان ''منظوم سراپائے حضور ﷺ'' ایک اچھی کوشش ہے۔ ''اردو میں منظوم سیرت نگاری'' کا جائزہ منصور ملتانی صاحب نے پیش کیا ہے جو ایک قابلِ قدر تجزیہ ہے۔ (مجید فکری، کراچی)(۱۲۱)

۲۰۔افسوس یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سے لوگوں نے نعت کو فیشن کے طور پر یا رواجِ عام کی پابندی کی مجبوری کی بنا پر اختیار کرلیا ہے۔ دوسری مشکل یہ کہ اکثر شعرائے کرام کو زبان پر پوری طرح قدرت نہیں، لہذا ان سے عجب عجب طرح کی بے تمیزیاں اور بھونڈے پن سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ایک عام طریقہ یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ یا پیغمبر اسلام سے یوں مخاطب ہوتے ہیں گویا نعوذ باللہ ان کو کچھ دے رہے ہوں، یعنی اظہار محبت اس طرح ہوتا ہے کہ اپنی محبت کا ذکر زیادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو گویا اپنی ثناو توصیف کا مستفید قرار دیے جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے.........مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کا طویل مراسلہ حرف حرف پڑھنے کے قابل ہے۔ ان کی

> یہ بات بھی گرہ میں باندھ لینے کی ہے کہ ہم میں سے اکثر خود پسندی اور خود رائی کے شکار ہیں اور دور خا پن بھی ہم میں کچھ کم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ علمی مباحث کے علاوہ خود حمد و نعت کی شاعری پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ (شمس الرحمٰن فاروقی، بھارت) (۱۲۲)

ہم نے کچھ خطوط کے اقتباسات دیدیئے ہیں۔ بہت سے خطوط لکھے گئے ہیں لیکن ان کے متن سے چند سطور یہاں اقتباس نہیں کی جاسکتیں کہ مطلب ہی خبط ہو جائے گا۔ مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کے خطوط بہت طویل اور ناقدانہ نوعیت کے ہوتے ہیں ان کے اور احمد صغیر صدیقی کے درمیان خط و کتابت کا ایک الگ باب بنانا پڑے گا۔ مولانا کی کتاب ''نعت اور آدابِ نعت'' پر متعلقہ باب میں تعارف موجود ہے۔ وہ کتاب ان خطوط پر ہی مبنی ہے جو نعت رنگ میں لکھے گئے تھے۔ احمد صغیر صدیقی نے بھی بہت سے خطوط لکھے، لیکن جب تک ان خطوط میں اٹھائے گئے سوالات اور پھر ان کے جوابات نقل نہ کیے جائیں ان کے خطوط کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صرف یہ جان لیا جائے کہ نعت رنگ میں شائع ہونے والے خطوط کے حوالے سے ادبی معرکوں کی ایک الگ تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے جس میں مجید فکری، حافظ عبد الغفار اور ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (بھارت) بھی شامل رہے ہیں۔

تبصرۂ کتب:

نعت رنگ چوں کہ نعت سے متعلق نثر و نظم کی اشاعت کے لیے وقف ہے اس لیے اس میں حمدیہ و نعتیہ مجموعوں پر ہی تبصرے کیے جاتے رہے ہیں۔۔ تبصرہ خود ایک تنقیدی عمل ہے لہٰذا سیکڑوں کتب پر تبصروں میں بھی تنقیدی عمل کی ایک زیریں لہر دیکھنے میں آئی ہے۔ ان تبصرہ نگاروں میں حنیف اسعدی، شفیق الدین شارق، عارف منصور، عثمان غنی عادل، عزیز احسن، قمر رعینی، قمر وارثی، قیصر نجفی، محمد صابر، مسعود احمد وغیرہم نمایاں رہے ہیں۔

نعت رنگ میں تنقیدی مضامین کی شرح دوسرے مجلوں میں شائع کیے جانے والے مضامین کی تعداد سے بھی بہت زیادہ ہے اور تنقیدی دبستانوں کے تنوع اور معیار کے اعتبار سے بھی نعت رنگ کے متوازی (Parallel) کوئی بھی جریدہ نہیں ہے۔ نعتیہ شاعری کو ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے کے کام کا آغاز بھی اسی جریدے سے ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس جریدے کا قدرے تفصیلی مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔

نعت رنگ کی اشاعت کے بعد اور اس سے قبل کچھ جرائد نعتیہ شاعری کے فروغ کے لیے منصۂ شہود پر آتے رہے ہیں، لیکن ان میں تنقید کا عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ کچھ رسائل کا تعارف کروایا جا چکا ہے۔ کچھ اور رسائل کا تعارف پیش ہے:

☆ ماہنامہ ''نعت'' لاہور، مدیر راجا رشید محمود:

یہ رسالہ سن ۱۹۸۸ء سے ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ یہ دنیائے نعت کا واحد ماہنامہ ہے جو مسلسل شائع کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شمارہ کسی خاص موضوع پر ہوتا ہے۔ اس میں تحقیقی نوعیت کے

مضامین یا نعتیہ اشعار کی بازیافت پر زور دیا جاتا ہے۔ کچھ موضوعات کا تعارف درج ذیل کیا جاتا ہے:

ا۔نعت کیا ہے؟[۲]مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم [۳] اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو[۴] نعتِ قدسی[۵] غیر مسلموں کی نعت[۶] رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نمبروں کا تعارف[۷] میلاد النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم [۸] دیارِ نور[۹] نورٌ علیٰ نور[۱۰] معراج النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم [۱۱] عربی نعت اور علامہ نبہانی[۱۲] حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سیاہ فام رفقا[۱۳] تسخیرِ عالمین اور رحمۃ للعالمین [۱۴] یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم [۱۵] حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رشتہ دار خواتین وغیرہ وغیرہ۔

درج بالا فہرست مکمل نہ سہی لیکن اس بات کا اشاریہ ضرور ہے کہ اس رسالے میں تحقیق اور نعتیہ سرمائے کی بازیافت کا عمل دخل زیادہ رہا ہے، تنقیدی مضامین اس میں نہ ہونے کے برابر رہے ہیں۔

☆ ''دنیائے نعت''، کراچی، مرتب: عزیز الدین خاکی:

تنظیمِ استحکامِ نعت (ٹرسٹ) کراچی، پاکستان، کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۳ء سے شائع کیا جانے والا مجلّہ ''دنیائے نعت''، عزیز الدین خاکی کے حسنِ ترتیب کا مرقع ہے۔ اس مجلّے میں تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں یا نعتیہ سرگرمیوں سے متعلق خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ کچھ شخصی نوعیت کے نمبر بھی اس رسالے کا طرہ امتیاز رہے ہیں مثلاً ''سید رفیق عزیزی نمبر''۔ اس میں ایسے مضامین بھی ہوتے ہیں جو پہلے کہیں اور شائع ہو چکے تھے۔ نعتیہ شاعری بھی اس رسالے میں نظر آتی ہے۔ لیکن تنقیدِ نعت کی وہ گہما گہمی اور موضوع پر توجہ کا وہ ارتکاز نظر نہیں آتا جو ''نعت رنگ'' کا خاصہ ہے، اگرچہ دنیائے نعت کراچی، کے سرورق پر ''تنقیدی و معلوماتی کتابی سلسلہ'' لکھا ہوا ہے۔ ''علامہ سیماب اکبرآبادی کی نعت گوئی'' کے زیرِ عنوان ایک مضمون ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا ''دنیائے نعت'' سلسلہ نمبر ۳ (مارچ ۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا ہے۔ یہاں اس مضمون سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

> ''ان (سیماب اکبرآبادی) کی نعتیہ شاعری مولانا حالیؔ، مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری سے مماثل اور نعت گو شعراء کی عام ڈگر سے، بہت مختلف ہے.......... سیماب کا دوسرا وصف جو ان کی تمام نعتوں میں یکساں نظر آتا ہے۔ وہ ان کا شاعرانہ اسلوب یا موضوع کے ساتھ ان کا فنی برتاؤ ہے۔ سیماب کو معلوم ہے کہ نعت گوئی کا موضوع بذاتِ خود بڑا عظیم ہے اور اس عظمت کو نعت میں اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب کہ اس کی شایانِ شان مؤثر اور دلکش اسلوب اختیار کیا جائے، مانا کہ شاعری میں یہ بات، بہت اہم ہے کہ کیا کہا گیا ہے لیکن یہ بھی کم اہم نہیں کہ بات کیسے کہی گئی ہے بلکہ خالص فنی نقطۂ نظر سے دوسرے بات کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے اور اسی لیے سیماب نے اپنی نعتوں کے لیے حد درجہ دلآویز اور متغزلانہ پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ انہوں نے نعت میں نئی نئی ترکیبوں، تازہ تشبیہوں اور جان دار استعاروں سے وہی کام لیا جو ایک بڑا شاعر اپنی شاعری میں لیتا ہے''۔ (۱۲۳)

☆ سفیرِ نعت، کتابی سلسلہ، مرتب: آفتاب کریمی:

سفیرِ نعت، کتابی سلسلہ، مرتب: آفتاب کریمی، ۲۰۰۱ء سے سہ ماہی جریدے کے طور پر منصۂ شہود پر آیا اور چند شماروں کی اشاعت عمل میں آئی لیکن آفتاب کریمی کی وفات کے بعد اس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ اس کتابی سلسلے میں بھی نعت رنگ کی طرح ''تنقیدی'' اسلوب غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتابی سلسلے کے نگراں بھی صبیح رحمانی ہی ہیں۔ اس میں کچھ تنقیدی مضامین شائع ہوئے تھے۔ مثلاً چوتھی کتاب اور پانچویں کتاب کے تنقیدی مضامین کی فہرست ملاحظہ ہو:

سفیرِ نعت، کتابی سلسلہ، چوتھی کتاب مرتب: آفتاب کریمی، محسن کاکوروی نمبر:

i۔ محسن کاکوروی کی نعت نگاری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

ii۔ محسن کاکوروی، محمد حسن عسکری

iii۔ مولوی سید محمد محسن کاکوروی، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

iv۔ محسن کاکوروی کی نعت گوئی، صلاح الدین احمد

v۔ محسن کاکوروی کا قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین''، مولانا عبداللہ عباس ندوی

vi۔ محسن کاکوروی، کالی داس گپتا رضا

vii۔ محسن کاکوروی کی نعت گوئی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری

viii۔ محسن کاکوروی کی نعت گوئی، ڈاکٹر سید یحیٰ احمد ہاشمی

ix۔ محسن کاکوروی، منفرد نعت گو، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی

x۔ محسن کاکوروی کی مثنویاں، ڈاکٹر سید محمد عقیل

xi۔ حضرت محسن کاکوروی......نعت رسول کے آئینہ میں، معین الدین حسن کاکوروی

xii۔ محسن کے قصیدے کا فنی جائزہ، محمد عبدالمقیت شاکر علیمی

xiii۔ محسن کاکوروی کا نعتیہ کلام، حکیم عبدالقوی دریابادی

xiv۔ محسن کی نعتیہ مثنویاں، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

xv۔ سید محمد محسن کاکوروی، ڈاکٹر ریاض مجید

xvi۔ محسن کاکوروی کی ''نظم دل افروز''، راجا رشید محمود

xvii۔ نعتیہ شاعری میں ہندی اصطلاحات کے بانی، اقبال صدیقی

xviii۔ محسن کاکوروی......شخصیت اور فن، اخلاق حسین عارف

xix۔ محسن کاکوروی کے قصائد میں نعتیہ رنگ، سردار اختر بانو

سفیرِ نعت کا محسن کاکوروی نمبر ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو کتب یا رسائل میں بکھرے ہوئے تھے اور آفتاب کریمی

نے انھیں یکجا کر دیا۔ مرتب آفتاب کریمی نے اس کا اعتراف اداریے میں بھی کیا تھا:

"پیشِ نظر محسن نمبر میں کئی کتب اور رسائل سے مدد لی گئی ہے۔ ان مضامین سے مترادر ہوگا کہ محسن واحد نعت گو شاعر ہیں جن کی طرف تنقید نگاروں کی توجہ منعطف ہوئی"۔ (۱۲۴)

سفیرِ نعت میں شامل جن مضامین کی فہرست اوپر دی گئی ہے، اس میں بیشتر مضامین پر محسن کے ضمن میں کہیں نہ کہیں ہمارے مقالے میں ذکر آچکا ہے۔ خود محسن کا ذکر متعدد بار ہو چکا ہے، اس لیے یہاں صرف یہ فہرست ہی دے دینا کافی ہے۔

☆سفیرِ نعت کتابی سلسلہ، پانچویں کتاب، کراچی، مرتب: آفتاب کریمی:

پانچویں کتاب میں تنقیدی نوعیت کے درج ذیل مضامین شامل ہیں:

i۔ نعتیہ شاعری کے آداب، ناوک حمزہ پوری

ii۔ ایں رہِ نعت است نہ صحرا است، فاروق احمد صدیقی

iii۔ اقبال سہیل کی نعت نگاری، شاہ معین الدین احمد ندوی

اس فہرست میں صرف ایک فاروق احمد صدیقی کا مضمون ایسا ہے جس کا مافیہ خالصتاً تنقیدی ہے۔ ان کی تحریر سے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"افراط و تفریط کس طرح خطرہ و ایمان بن جاتے ہیں، اس کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو:

توحید کے پلے میں، وحدت کے سوا کیا ہے — جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمدؐ سے

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی — کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

پہلے شعر کے کفر صریح ہونے میں بڑے سے بڑے محتاط اہلِ فتویٰ کو تامل نہیں ہو سکتا اور دوسرے شعر کے بھی منصب رسالت کے منافی ہونے میں کسی اہلِ علم و دانش کو تذبذب نہیں ہوگا۔ جب کہ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی رقم طراز ہیں:

نبی اور ایلچی ایک دوسرے کے مرادف نہیں اور یہاں نبی کو ایلچی کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی، جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی اور یہاں مصرع میں بڑی آسانی سے بجائے ایلچی کے نبی کا لفظ لایا جاسکتا ہے۔

جناب جمال پانی پتی لکھتے ہیں:

انھوں (مولانا حالیؔ) نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثال بشریت اور عبدیتِ کاملہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا در کنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ جس لفظ کا انتساب ہم خود اپنی ذات کے لیے اور اپنے آباو اجداد کے لیے روا نہیں رکھ سکتے، رسولِ معظم ﷺ کے لیے اس کا اطلاق کیسے جائز ہوگا؟ ہر صاحب ایمان اس کا فیصلہ خود ہی کر لے"۔ (۱۲۵)

فاروق احمد صدیقی نے بتایا ہے کہ سیماب اکبرآبادی نے شمس بریلوی کے ایک شعر پر اعتراض کیا تھا، کیوں کہ وہ شعر میں استعمال ہونے والی تلمیح کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ شمس بریلوی نے لکھا تھا:

اب زمانے میں کریں ہم شمس کس کس پر اعتماد
اک عصانے فاش سب رازِ سلیماں کردیا

اس تلمیح کو جو حضرت سلیمانؑ کے عصا سے تھی، جس پر آپ ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے تھے اور جس روز ہیکلِ سلیمانی جنات نے مکمل کی اس روز یہ عصا جس کو ایک عرصے سے دیمک لگ گئی تھی، ٹوٹ کر گر پڑا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسدِ خاکی زمین پر آگیا اور اس وقت تمام جنات کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام واصل بہ حق ہو چکے ہیں۔ میرے شعر کو جناب سیماب اکبرآبادی نے مہمل قرار دیا کہ ان کو صرف عصائے موسیٰ علیہ السلام یاد تھا اور عصائے سلیمان علیہ السلام سے وہ ناواقف تھے"۔(۱۲۶)

علامہ اقبال کے شعر ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسں ، وہی طٰہٰ

پر پروفیسر کلیم الدین احمد نے اعتراض کیا اور اول و آخر کی صفات کو الوہی صفات قرار دیا تو، فاروق احمد صدیقی نے اس کا بڑا مدلل جواب دیا۔ انہوں نے احادیث کے حوالے سے لکھا کہ [۱] مخلوقات میں سب سے پہلے تخلیق آپ ﷺ کی ہوئی [۲] آپ کی نبوت سب پر مقدم ہے [۳] روزِ میثاق الست بربکم کے جواب میں آپ نے سب سے پہلے بلیٰ کہا [۴] اللہ پر سب سے پہلے آپ ﷺ ایمان لائے [۵] روزِ قیامت سب سے پہلے آپ جلوہ نما ہوں گے [۶] روزِ قیامت سب سے پہلے آپ ہی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ [۷] بابِ شفاعت سب سے پہلے آپ ہی کے لیے کھلے گا [۸] سب سے پہلے آپ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

جہاں تک "وہی آخر" کہنے کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں قرآنِ کریم کی آیت بڑی واضح اور غیر مبہم ہے اور مضمون نگار نے حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے اسی آیت کریمہ کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کلیم الدین احمد کے اعتراضات کا مدلل جواب دے دیا گیا۔(۱۲۷)

☆ سہ ماہی "مفیض" گوجرانوالہ، پاکستان، کا نعت نمبر، جلد ۱۵، شمارہ ۲۴، ۲۰۰۵ء، مدیرِ اعلیٰ: محمد اقبال نجمی:

محمد اقبال نجمی کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی "مفیض" (نعت نمبر) نعتیہ مضامین کے ادبی معیارات سے مالا مال ہے۔ اس میں نعت گو شعراء کے فنِ نعت گوئی پر بھی مضامین ہیں اور مختلف اصناف کے لحاظ سے بھی نعتیہ ادب کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مدیرِ اعلیٰ محمد اقبال نجمی نے ایک نمایاں اور اہم کام یہ کیا ہے کہ اس رسالے میں ۱۹۶۳ء سے ۲۰۰۴ء تک شائع ہونے والے ان مضامین کی فہرست دیدی ہے جو کسی نعتیہ تنقیدی مضامین کے مجموعے، نعتیہ انتخاب، کسی نعتیہ مجموعے،

کسی کتابی سلسلے یا کسی رسالے میں، مضمون، مقدمہ، تقریظ، دیباچہ، حرف آغاز یا کسی کتاب کے تعارف کے طور پر لکھے گئے تھے۔ مضامین کی یہ فہرست مرتب کر کے محمد اقبال نجمی نے نعتیہ ادب میں تنقیدی نوعیت کے کام کے ارتقاء کی تاریخ رقم کر دی ہے۔ (۱۲۸)

مفیض نعت نمبر میں تنقیدی نوعیت کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ نعت اور آداب نعت گوئی، پروفیسر اقبال جاوید

ii۔ نعت اشعار کی روشنی میں، محمد اقبال نجمی

iii۔ اردو نعتیہ قطع نگاری، پروفیسر سجاد مرزا

iv۔ سانیٹ اور نعتیہ سانیٹ، ڈاکٹر بشیر عابد

v۔ نعتیہ ہائیکو اور اقبال نجمی، پروفیسر اقبال جاوید

vi۔ مسدس کی ہمہ گیری اور انور جمال کی مدحت نگاری، پروفیسر محمد اکرم رضا

vii۔ رباعی۔ نعتیہ رباعیات اور حافظ لدھیانوی، محمد اقبال نجمی

viii۔ کجری۔ ظافر تشنہ کا نعتیہ دیوان، محمد اقبال نجمی

ix۔ عہد آفریں نعت گو، حفیظ تائب، پروفیسر محمد اکرم رضا

x۔ شاعرِ بے مثال۔ عارف عبدالمتین، پروفیسر محمد اکرم رضا

xi۔ صبا اکبر آبادی اور دستِ دعا، محمد اقبال نجمی

xii۔ راسخ عرفانی، ایک منفرد نعت گو، پروفیسر محمد اکرم رضا

xiii۔ نعت گوئی اور سجاد مرزا کی شوقِ نیاز، غلام مصطفیٰ بسمل

xiv۔ طاہر سلطانی کی نعت گوئی، محسن بھوپالی

علاوہ ازیں مفیض نعت نمبر میں نعتیہ کتب، رسائل، کتابی سلسلوں یا انتخابِ نعت کی کتابوں پر تبصرے کیے گئے ہیں۔ کتب یا رسائل وغیرہ پر تبصروں کے عنوانات اور مبصروں کے نام درج ذیل ہیں۔

i۔ رشید وارثی کا نعتیہ مجموعہ "خوشبوئے نعت"، احسان اللہ طاہر

ii۔ جہانِ حمد، کراچی کا شمارہ نمبر ۱۳، "نعت نمبر"، احسان اللہ طاہر

iii۔ فاروق نازاں کی نعتیہ کتاب۔ "سجدوں کی معراج"، احسان اللہ طاہر

iv۔ "دنیائے نعت" کراچی کا نعت نمبر"، احسان اللہ طاہر

v۔ سعید وارثی کا نعتیہ مجموعہ۔۔۔ ورثہ، احسان اللہ طاہر

vi۔ کتاب۔ خیراتِ مدحت، محمد اقبال نجمی، محمد انور رانا

vii۔غوث میاں کی خوبصورت ترتیب (خواتین کی نعتیہ شاعری)، احسان اللہ طاہر

viii۔پروفیسر شفقت رضوی کی کتاب (نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ)، احسان اللہ طاہر

ix۔متاعِ امیر......میلادِ مصطفیٰؐ نمبر، محمد اقبال نجمی

x۔صاحب قاب قوسین......قمر الزماں قمر قادری، محمد اقبال نجمی

xi۔منزلِ مراد......امیر نواز امیر، محمد اقبال نجمی

xii۔سہ ماہی ''عقیدت'' فروغ نعت کے لیے اچھی کوشش، محمد انور رانا

اس مقالے کی محدودات فہرست بالا میں مذکور مضامین پر اس سے زیادہ روشنی ڈالنے پر مانع ہیں۔ البتہ مفیض کے دو نمبروں کا تعارف کرواتے چلیں:

☆سہ ماہی ''مفیض''، گوجرانوالہ، پاکستان، کا عارف عبدالمتین نمبر، چیف ایڈیٹر: محمد اقبال نجمی:

مفیض کا عارف عبدالمتین نمبر (جلد ۳، شمارہ ۱۱۔۱۲۔ ستمبر۔ دسمبر ۱۹۹۳ء) عارف عبدالمتین کے فن اور شخصیت کے حوالے سے بڑا وقیع شمارہ تھا۔ اس میں تین مضامین عارف عبدالمتین کی نعت گوئی کے حوالے سے بھی لکھے گئے تھے:

i۔عارف عبدالمتین۔ نعتِ حضور علیہ السلام کے حوالے سے شاعرِ بے مثال، پروفیسر محمد اکرم رضا

ii۔عارف عبدالمتین کی نعتیہ شاعری، عرش صدیقی

iii۔عارف عبدالمتین کی بے مثال، پروفیسر اسرار احمد سہاروی

یہ مضامین بھی عارف عبدالمتین کی نعت گوئی پر بڑے اہم مضامین ہیں لیکن ہم چوں کہ اسی مقالے میں متعدد بار عارف کی نعت گوئی کا تذکرہ کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان مضامین کا تفصیلی تعارف پیش نہیں کر سکتے۔

☆سہ ماہی ''مفیض'' کا ''نعت تبصرہ نمبر'' (جلد ۱۸، شماری ۲۷، ۲۰۰۸ء)، مدیرِ اعلیٰ: محمد اقبال نجمی:

نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کا انوکھا کام جو سامنے آیا وہ سہ ماہی ''مفیض'' نے انجام دیا۔ نعتیہ کتب پر جو تبصرے کروائے وہ ایک خاص اشاعت میں کل کے کل شائع کر دیے۔ محمد اقبال نجمی لکھتے ہیں:

> ''نعت تبصرہ نمبر کے پہلے حصے میں حمد باری تعالیٰ کے بعد چند نعت گو صاحب کتب کے حوالے سے خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اس میں گیارہ نعت گو شعرا کے حوالے سے مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں منتخب نعتیہ کتب پر تبصرے شامل ہیں۔ ۱۹۳۰ء سے ۲۰۰۷ء تک شائع ہونے والی سینکڑوں کتابوں میں سے تقریباً سو کے قریب کتب پر تبصرے شامل ہیں......... تنقیدات نعت، تذکار نعت، انتخابات نعت اور رسائل و جرائد نعت کے حوالے سے بہت سے کام میں سے کچھ منتخب کتب و رسائل پر تبصرہ شامل کیا گیا ہے''(۱۲۹)

جن گیارہ شعراء کے فکر وفن پر، تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں فہرست درج ذیل ہے:

i۔ممتاز نعت گو۔ حافظ لدھیانوی، محمد اقبال نجمی

ii۔راسخ عرفانی۔ معتبر اور وقیع نعت گو۔ محمد اقبال نجمی

iii۔سدا بہار نعتیہ پھولوں کا شاعر۔ مسرور کیفی، محمد اقبال نجمی

iv۔مظفر وارثی در بار رسالتمآب میں۔ پروفیسر محمد اکرم رضا

v۔اختر ہوشیار پوری۔ نعت کا مقالہ 'خوشبو کی زبان، محمد اقبال نجمی

vi۔روح عصر کا ترجمان نعت گو۔ سلیم اختر فارانی، محمد اقبال نجمی

vii۔اسوۂ حسنہ کا مبلغ نعت گو۔ سجاد مرزا، محمد انور رانا

viii۔چادر رحمت کا طلب گار۔ ذکی قریشی، محمد انور رانا

ix۔تنویر پھول کی نعت کے رنگ، احسان اللہ طاہر

x۔طاہر سلطانی کی نعت کا فکری جائزہ، احسان اللہ طاہر

xi۔امیر نواز امیر کی نعت منزل مرادتک، احسان اللہ طاہر

شعراء کے فکر وفن کا جائزہ تو ایک تنقیدی عمل ہے ہی، کتب ورسائل پر تبصرہ کرنا بھی تنقید کی ایک جہت ہے اور اس سمت میں امتیازی کام کرنے کا فخر صرف ''مفیض'' کو حاصل ہو سکا ہے۔ نعتیہ ادب کی تحقیق میں یہ تبصرے جہت نما ثابت ہوں گے!

☆ ماہنامہ قرطاس، نعت نمبر، مدیر: محمد امین الدین، ناگپور، بھارت، جون ۲۰۰۵ء:

بھارت میں نعت پر تحقیقی کام کا آغاز تو ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے ۱۹۵۵ء میں اردو کی ادبی تاریخ میں پہلا مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کے عنوان سے لکھ کر کر دیا تھا لیکن تنقیدی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر رہیں۔ پاکستان میں'' نعت رنگ'' کی اشاعت کے بعد جس طرح یہاں نعت کے حوالے سے تحقیق وتنقید کے کاموں میں تیزی آئی اور رسائل کے نعت نمبروں کی اشاعت کا عمل آگے بڑھا اسی طرح بھارت کے ادبی افق پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ ماہنامہ ''قرطاس'' کا نعت نمبر، اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سن ۲۰۰۵ء میں شائع ہونے والے اس نعت نمبر میں تحقیقی مضامین کے ساتھ ساتھ کچھ تنقیدی نوعیت کے مضامین بھی شامل ہیں۔ ان مضامین میں کچھ تو نعتیہ شاعری کے آداب سے متعلق ہیں اور کچھ انفرادی نعتیہ مجموعوں کے تنقیدی جائزے ہیں۔ نعت گو شاعروں کی نعت گوئی بھی زیرِ مطالعہ آئی ہے۔ ان مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔نعتیہ شاعری، لوازم ومحرکات، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

ii۔نعت گوئی، ڈاکٹر حاجی ابوالکلام

iii۔نعتیہ شاعری کے آداب، ناوک حمزہ پوری

iv۔ نعت گوئی کے بنیادی تقاضے، رؤف خیر

v۔ عزیز بگھروی: ایک معتبر نعت گو، ڈاکٹر جمال احمد

vi۔ امین صدیقی: مدح نبی ٔ کریمؐ، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

vii۔ خارزارِ شب میں گلاب، شبیر ہاشمی

viii۔ ڈاکٹر منشاء الرحمن خان منشاء کی نعت گوئی، نگریز الرحمن خان

ix۔ یونس انیس بہ حیثیت نعت گو شاعر، وکیل نجیب

x۔ لطیف یاور کے مجموعے شاخِ طوبیٰ پر ایک نظر، ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن

xi۔ ڈاکٹر ساحل کی نعتیہ شاعری، کلیم احمد

آدابِ نعت سے متعلق جو مضامین شامل ہیں ان میں ایسا ہی لوازمہ (Matter) ہے جس کا ہمارے مقالے میں بار بار ذکر آ چکا ہے، اس لیے ان مضامین کے صرف عنوانات دیدینا ہی کافی ہے۔ بقیہ مضامین میں انفرادی نعتیہ مجموعوں یا کسی شاعر کی شاعری کی تحسین کی گئی ہے۔ شعری تحسین (Appreciation) کا عمل یقیناً تنقیدی عمل ہے لیکن اس میں معروضیت کا فقدان ہوتا ہے۔ ناقدین اپنے ممدوح کی صرف خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور شعری و شرعی خامیوں پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ بابِ چہارم میں ہم نے ایسی مثالیں پیش کردی ہیں جن میں بہت زیادہ قابلِ اعتراض اشعار کو نظر انداز کر کے ناقدینِ فن نے کسی کتاب کی مجموعی شعری فضا کو سراہا تھا۔ ایسے مضامین کا احاطہ کرنے کے لیے ہمیں طویل اقتباسات بھی دینے پڑتے ہیں تاکہ ناقدین کا نقطۂ نظر اور ان کے مضامین میں پیش کی جانے والے شعری نمونے پیش کر کے ہم، کلام اور اس کی تحسین کا معیار ظاہر کر سکیں۔ لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ ایسے تحسینی مضامین کی تعداد تو ہزاروں میں ہے، اگر ہم نے سب کا احاطہ کرنا چاہا تو مقالے کی ضخامت اعتدال کی حدود میں نہ رہ سکے گی۔ اس لیے اس قسم کے مضامین کے بھی صرف عنوانات لکھ دینا ہی کافی ہے۔

☆ ماہنامہ ''کاروانِ نعت''، لاہور، مدیر: محمد ابرار حنیف مغل:

ماہنامہ ''کاروانِ نعت''، محمد ابرار حنیف مغل کی ادارت میں فروری ۲۰۰۶ء سے باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور نومبر ۲۰۱۱ء تک اس کے ۶۸ شمارے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ اس رسالے میں بار پانے والے مضامین کے موضوعات مختلف النوع ہیں، مثلاً

[۱] حمد و نعت [۲] حمدیہ شاعری سے متعلق مضامین [۳] حمدیہ شاعری کی تاریخ سے متعلق مضامین [۴] مناقب [۵] مناقب سے متعلق مضامین [۶] فنِ نعت پر مضامین [۷] تاریخ نعت گوئی پر مضامین [۸] نعت خوانی کی اصلاح سے متعلق مضامین [۹] آدابِ نعت، جس میں نعت لکھنے اور نعت خوانی کے آداب کا احاطہ کیا گیا ہے [۱۰] تنقیدِ نعت، اس میں بھی نعت گوئی و نعت خوانی دونوں کے حوالے سے مضامین پائے جاتے ہیں [۱۱] فروغ نعت، اس میں مصاحبے یعنی Interviews ہیں

جن میں نعت گو، نعت خواں اور نعت خوانی کی محافل کے نقیبوں سے مصاحبے کیے گئے ہیں[۱۲] ابلاغِ نعت، اس میں نعت کے پھیلاؤ کی کوششوں کا تذکرہ ہے[۱۳] مقاصدِ نعت، نعت لکھنے، نعت پڑھنے اور نعتیہ محافل سجانے کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے[۱۴] تبصرہ جات[۱۵] سوال و جواب رفتاویٰ جات[۱۶] متفرقات۔

کاروانِ نعت میں شائع ہونے والے بیشتر مضامین نعت کی ابلاغی سرگرمیوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض مضامین میں نعت گوئی پر بھی تنقیدی نقطۂ نظر سے بات کی گئی ہے مثلاً

i۔ آدابِ نعت، پروفیسر افضا احمد انور (مارچ ۲۰۰۶ء)

ii۔ نعت رنگ (اعلیٰ حضرت نمبر) تنقیدی جائزہ، محمد عمران انیس طاہری (مارچ ۲۰۰۶ء)

iii۔ تنقیدی جائزہ کاروانِ نعت، علامہ شہزاد مجددی (ستمبر ۲۰۰۶ء)

ان مضامین کا صرف ذکر کر دینا ہی کافی ہے۔

☆ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ "مدحت"، مدیر: سرور حسین نقشبندی:

"مدحت" سہ ماہی بنیادوں پر سن ۲۰۱۰ء سے شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں حمد و نعت کے علاوہ کچھ مضامین تنقیدی نوعیت کے شائع کیے جاتے ہیں۔ اس رسالے کا اختصاص یہ ہے کہ ہر شمارے میں کسی نعت گو شاعر کا ایک گوشہ قائم کر کے اس میں اس کی شخصیت فکر و فن کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ میرے پیشِ نظر اس رسالے کے دو شمارے ہیں۔ ان میں جو تنقیدی نوعیت کے مضامین ہیں، ان کی فہرست درج ذیل کی جاتی ہے:

i۔ میدانِ نعت کا بانکا شہسوار، پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ (شمارہ ۲، جون تا ستمبر ۲۰۱۰ء)

ii۔ حافظ مظہر الدین کی نعت، حفیظ تائب، (شمارہ ۲)

iii۔ حافظ مظہر الدین، جدید ادبی نعت کے پیش رو، امین راحت چغتائی (ایضاً)

iv۔ نعت گوئی کا رنگِ دگر! حافظ مظہر الدین، ڈاکٹر ریاض مجید (ایضاً)

v۔ حافظ مظہر الدین، عظیم نعت گو، پروفیسر محمد اکرم رضا (ایضاً)

vi۔ حافظ مظہر الدین کی متاعِ ہنر، خالد احمد (ایضاً)

vii۔ حافظ مظہر الدین۔ ایک صاحبِ حال نعت گو، علامہ محمد شہزاد مجددی (ایضاً)

viii۔ حسان العصر۔ حافظ مظہر الدینؒ، صاحبزادہ محمد اویس مظہر (ایضاً)

ix۔ نعتِ مظہر، ڈاکٹر محمد یسین قمر (ایضاً)

درج بالا فہرست میں سے صرف پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے مضمون کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارا زمانہ مادیت گزیدہ ہے۔ مادی ترقی، مادی خوشحالی، سہولتوں اور آسائشوں کی بہم رسانی، ہر کہ ومہ کا منتہائے مقصود بن کر رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت حافظ مظہر الدین کے دل کو

اپنے حبیب ﷺ کی محبت کے لیے اور ان کے قلم کو اس کی مدحت کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔
مبداء فیاض نے ان کو نغز گوئی، جدت طرازی، بیساختگی و برجستگی، شیریں بیانی، سلاست و روانی کی جواہر مول صلاحیتیں بخشی ہیں، ان کا رخ ہر طرف سے موڑ کر اپنے محبوب کریم ﷺ کی نعت کی طرف پھیر دیا ہے۔(۱۳۰)

ایک سفر کے دوران میں حافظ مظہر الدین کی ایک نعت پڑھنے سے ان (پیر محمد کرم شاہؒ) کے دل پر جو کیفیت گزری اس کا احوال اس طرح رقم کیا ہے:

''پڑھتے پڑھتے جب ان اشعار پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دل پر کیا گزری۔ لطف و سرور کی فراوانی نے بے خود کر دیا۔ ذوق و شوق کے سمندر میں جو طوفان اٹھا، اس کی تلاطم خیز موجیں کہاں کہاں لے گئیں۔ اس کی کچھ خبر نہیں۔ یہ اشعار آپ بھی سماعت فرمائیے۔

وہی ہیں مری عشق و مستی کا عنواں — وہی ہیں مری زندگی کے سہارے
جو تیرے کرم نے دیے ہیں دلاسے — جو تیری نظر نے کیے ہیں اشارے
بڑھے گا مری سمت دستِ عطا بھی — وہ فیاض ہیں اور مشکل کشا بھی (۱۳۱)
دعا لیں گے میری محبت کے آنسو — جزا پائیں گے میرے دل کے شرارے

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحریر پر تاثراتی تنقید (Impressionistic Criticism) کا پرتو صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

☆ نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ ''مدحت''، خصوصی شمارہ نمبر ۳، لاہور، اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۱ء، مدیر سرور حسین نقشبندی:

مدحت کا درج بالا خصوصی شمارہ حفیظ تائب نمبر کے طور پر شائع ہوا۔ اس میں حفیظ تائب کی شخصیت اور فکر و فن پر بہت کچھ لکھا گیا۔ ''ثنائے خواجہ'' کے زیرِ عنوان اٹھارہ [۱۸] مضامین لکھے گئے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔ حفیظ تائب کی اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، ڈاکٹر افضال احمد انور
ii۔ حفیظ تائب کا نعتیہ کلام اور اسمائے خیر الانام، ڈاکٹر محمد طاہر المصطفےٰ
iii۔ حفیظ تائب کی نعت کے نمایاں موضوعات، ڈاکٹر شبیر قادری
iv۔ نعتِ حفیظ تائب میں آشوبِ ملت اور استغاثہ، سعید بدر
v۔ الہامی نعت نگار، ڈاکٹر انور سدید
vi۔ حفیظ تائب جدید تر پاکستانی نعتیہ ادب کے معمار، خالد احمد
vii۔ حفیظ تائب: عصر حاضر کا منفرد نعت نگار، ڈاکٹر ریاض مجید
viii۔ حفیظ تائب اور ان کی نعت گوئی ایک تاثر، ڈاکٹر فخر الحق نوری
ix۔ حفیظ تائب کی نعت میں قرآنی مفاہیم، ارفع جاوید

x۔حفیظ تائب کی نعت میں آیات واحادیث کی جلوہ گری،شہزاد مجددی

xi۔حفیظ تائب کی نعت گوئی کا غزلیہ آہنگ،جلیل عالی

xii۔نعتیہ تغزل اور حفیظ تائب،مسعود اختر

xiii۔حفیظ تائب کی نعت میں فارسی ادب کی چاشنی،جمشید چشتی

xiv۔حفیظ تائب کی نعت میں حاضری اور حضوری کی کیفیات،فیض رسول فیضان

xv۔حفیظ تائب کی نعت گوئی کی خصوصیات،محمد امتیاز

xvi۔حفیظ تائب شاعرِ انسانیت،ڈاکٹر یٰسین قمر

xvii۔پاکیزہ فکر اور صالح عمل کی روایت،ڈاکٹر عباس نجمی

xviii۔حفیظ تائب کی نعت کا اجمالی جائزہ،ارشد شاہین

یہ مضامین تنقیدی نوعیت کی تحسین (Appreciation) پر مبنی ہیں۔حفیظ تائب کے کلام پر ہمارے مقالے میں متعدد تنقیدی آراء رقم کی جا چکی ہیں،اس لیے ان مضامین کا اتنا ہی تعارف کافی ہے۔

☆ ماہنامہ ''بیاض'' (نعت نمبر) لاہور، جلد:۸ اور ۹ دسمبر ۲۰۰۰ء اور جنوری ۲۰۰۱ء،شمارہ ۱۲ اور ا،مجلسِ ادارت: خالد احمد،عمران منظور:

ماہ نامہ ''بیاض'' کے نعت نمبر میں حفیظ تائب کی شاعری پر کچھ تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ان مضامین کے لکھاریوں اور عنوانات کی فہرست درج ذیل ہے:

i۔حفیظ تائب،احمد ندیم قاسمی

ii۔صلوا علیہ و آلہٖ،سید عبداللہ

iii۔مقدمہ،غلام مصطفیٰ خان

iv۔وھی یٰسین وھی طٰہٰ، رشید اختر خاں

v۔اردو نعت گوئی،ریاض مجید

vi۔صلوا علیہ و آلہٖ،اسلوب احمد انصاری

vii۔حفیظ تائب،امجد اسلام امجد

viii۔نعت کا شاعر،خالد احمد

یہ مضامین حفیظ تائب کے فکر وفن پر جمالیاتی اور تاثراتی تنقیدی نہج پر لکھے گئے ہیں اور قابلِ ذکر ہیں۔لیکن ہم یہاں ان کا تفصیلی تعارف نہیں کروا سکتے کہ تکرار و تواردکا احتمال ہے۔

☆ سہ ماہی ''عقیدت'' سرگودھا،فروری، مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء،مرتب: شاکر کنڈان:

شاکر کنڈان کے مرتب کردہ سہ ماہی ''عقیدت'' کے اس شمارے میں تنقیدی و تحقیقی نوعیت کا ایک وقیع مضمون بعنوان ''نغمہء محمدی ﷺ سے نکلی ہوئی جوئے آب'' شامل ہے۔ یہاں اسی مضمون کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

﴿﴾ ''نغمہء محمدی ﷺ سے نکلی ہوئی جوئے آب''، شاکر کنڈان:

مضمون نگار نے معروف جرمن فلسفی اور شاعر جون وولف گینگ گوئٹے کی نظم جس کا جرمنی زبان میں عنوان Mohamets Gesang تھا اور انگریزی میں Mohamet's Song کا عنوان دیا گیا۔ فارسی میں علامہ اقبال نے اس نظم کا آزاد ترجمہ کیا تھا جو ان کی کتاب ''پیامِ مشرق'' میں ''جوئے آب'' کے عنوان سے شامل ہے۔ شان الحق حقی نے اس کا آزاد نظم کی ہیئت میں ''نغمہء محمدی'' کے عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ شاکر کنڈان نے اس نظم کے اصل متن کے ساتھ ساتھ انگریزی، اردو، فارسی، عربی اور پنجابی تراجم دیئے ہیں اور اس نظم میں استعمال ہونے والی علامتوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ نمونتہً نظم کے ایک ٹکڑے کا تجزیہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

''بے نمو وادیاں جاگ اٹھیں، لہلہانے لگیں، جس طرف اس کا رخ پھر گیا اس کے فیضِ قدم سے بہار آگئی آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر طرف کفر و ضلالت کا دور دورہ تھا۔ بدی عام تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کتنی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ لیکن جب آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپؐ نے تبلیغ و دعوت کا سلسلہ شروع کیا تو ظلم و جہل کے بادل چھٹ گئے۔ ہر طرف امن و آشتی کا پھریرا لہرانے لگا اور آپؐ جہاں بھی گئے، رنگ و نکہت و نور بانٹتے گئے۔ بے رونق اور تاریک وادیاں چمک اٹھیں۔ بے برگ و بار درخت ثمر آور ہو گئے اور کائنات میں بہار آگئی''۔ (۱۳۲)

شاکر کنڈان کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے لیکن اس میں تشریحی تنقید (Descriptive Criticism) کی روش اختیار کرتے ہوئے انہوں نے گوئٹے کی نظم کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے۔

شاکر کنڈان کے مضمون کے علاوہ شبیر احمد قادری نے ''خلیق قریشی کی نعتیہ شاعری'' کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

''خلیق قریشی کی نعتوں میں نعت کے روائتی موضوعات خصائل و شمائل رسول کا بیان مدینے سے دوری کا کرب خیز احساس اور حضوری کی تمنا انہیں ہمہ لحہ مضطرب اور بے چین رکھتی ہے۔ اور جب منظوری ہو جاتی ہے تو حضوری بھی ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی بڑے عجز و انکسار اور احتیاط کے ساتھ قلبی کیفیات بیان کرتے ہیں۔ خلیق قریشی ان عاشقانِ رسول میں سے ہیں جو دوری اور مجبوری میں بھی حضوری کا کیف محسوس کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کرتے ہیں۔

ہر غم سے نجات آ کے ملی ہے مرے دل کو — لاریب کہ یہ رحمتِ کونین کا در ہے (۱۳۳)

اس شہرِ دلآرا کے در و بام پہ قرباں — یہ شہر کہ اللہ کے محبوب کا گھر ہے

شبیر احمد کا یہ مضمون تاثراتی تنقیدی عمل کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔

☆ سہ ماہی ''عقیدت'' (تبصرہ نمبر)، شمارہ ۴، اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۵ء، مرتب ر مبصر: شاکر کنڈان:

عقیدت کے شمارہ نمبر ۴، میں تین مضامین مختلف نعتیہ کتب کے فنی و فکری تجزیئے سے متعلق ہیں اور بقیہ حصہ تبصروں پر مشتمل ہے۔ جن میں نعتیہ ادب سے متعلق کتب پر بھی تبصرے ہیں۔ مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

i۔ مہر حرا، پروفیسر زُہیر کنجاہی، سرور انبالوی

ii۔ مشکبار، عدیم یوسفی، زہیر کنجاہی

iii۔ شکیل ساقی کی منظوم سیرت نگاری، ''خیر الوریٰ ﷺ''، شاکر کنڈان

ان مضامین میں تحسینی پہلو نمایاں ہیں۔ تبصرہ نگاروں کے اپنے احساسات کا اظہار ہے۔ مثلاً

i۔ مہرِ حرا، پر سرور انبالوی اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

''زُہیر کنجاہی کی نعتوں میں ان کی حضور نبی کریم ﷺ سے سچی اور والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کے نعتیہ اشعار کے بین السطور ان کے دل کی دھڑکنیں بھی صاف سنائی دیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق ان کے نعتیہ اشعار دل میں اترتے معلوم ہوتے ہیں اور سننے پڑھنے والے پر ایک وجدانی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کے چند اشعار:

مصطفےٰ بھی آپ ہیں خیر الوریٰ بھی آپؐ ہیں — مجتبےٰ بھی آپؐ ہیں، نور الہدیٰ بھی آپؐ ہیں

آپؐ ہی کے واسطے پیدا ہوئے کون و مکاں — یعنی وجہ خلقتِ ارض و سما بھی آپؐ ہیں

آپؐ کے دم سے ہوئی کافور ظلمت دہر سے — مہر فاراں آپ، خورشید حرا بھی آپؐ ہیں

مجھ کو رستے سے بھٹکنے کا کوئی خدشہ نہیں — میری منزل آپؐ، میرے رہنما بھی آپؐ ہیں (۱۳۴)

آپؐ کے در کا گدا ہے یہ زُہیر بے نوا — اس کی حسرت آپ اس کا مدعا بھی آپؐ ہیں

ii۔ ''مشکبار'' عدیم یوسفی، زہیر کنجاہی:

عدیم یوسفی کی تصنیف ''مشکبار'' کی نعتیہ شاعری پر لکھتے ہوئے زہیر کنجاہی نے بتایا:

''عدیم یوسفی صاحب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انہیں نعت گوئی کا فن آتا ہے اور نعت لکھنا جانتے ہیں ورنہ وہ یہ کیسے لکھتے۔

ہیرے، موتی، سونا چاندی، ریشم اور کمخواب نہیں — شہر نبی کا ہر اک ذرہ من بھائے تو بات بنے

عدیم سوچو کہ ہر مخالف بھی جس پہ پورا کرے بھروسہ

کوئی بھی ایسا امیں کہیں ہے، نہیں نہیں ہے، کہیں نہیں ہے

عدیم یوسفی نے روایتی انداز سے ہٹ کر نعت کہنے کی کوشش کی ہے گویا ایک جدت اختیار کی ہے۔ عام طور پر نعت میں حضور پر نور ﷺ کی سیرت و کردار اور صورت کا ذکر ملتا ہے۔ مگر عدیم یوسفی نے جگہ

جگہ نعت کے اشعار میں واقعات اور مقامات کا حوالہ شامل کیا ہے۔

وقت کی نبضیں ساکت تھیں جب — رب کے ہوئے مہمان محمد ﷺ
ادھر موسیٰ کے ضد کرنے پہ بخشی تھی جھلک ہلکی — ادھر پیغام بھیجا ہے شب اسریٰ چلے آؤ (۱۳۵)

زہیر کنجاہی نے عدیم یوسفی کی نعت گوئی کا مطالعہ روایت کی روشنی میں کرتے ہوئے انہیں جدت نگار قرار دیا ہے، اس لیے اس تنقیدی مطالعے کو تقابلی تنقید کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

iii۔ ''خیر الوریٰ ﷺ''، شکیل ساقی، شاکر کنڈان:

شاکر کنڈان نے نبیِ کریم ﷺ کی منظوم سیرت موسوم بہ ''خیر الوریٰ ﷺ'' کا مطالعہ کیا اور شکیل ساقی کے فن کی تحسین کرتے ہوئے لکھا:

''اس (شکیل ساقی) نے حضور نبی کریم ﷺ، میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف اور آپ کی سیرت کو اپنے فن میں یعنی شعر میں لکھ کر سنتِ حسانؓ اور بوصیری ادا کی ہے۔ ایسے اشعار یونہی روا روی میں نہیں ہوتے بلکہ حضورؐ کے عشق میں ڈوب کر یہ لفظ تخلیق ہوتے ہیں''۔

شکیل ساقی کے اندازِ نگارش کو شاکر کنڈان نے ان کی فطرت کا عکس قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''لکھت لکھاری کے کردار اور اس کی فطرت کی عکاس ہوتی ہے۔ کہی یا کی گئی بات کے پس منظر میں کہنے والے کی سوچ، فکر اور خیال اس کے کردار کا اشارہ ضرور کرتے ہیں۔ شکیل نے نوجوانی اس دھرتی پر بسر کی ہے جس سے عقیدت کی بنا پر وہاں کے ہر ذرے کو بوسہ دینے اور ہر قدم پر سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جہاں ہر مسلمان پلکوں کے بل چلتا ہے۔ اور شاید اسی پاکیزگی کا اثر ہے کہ خیر الوریٰ ﷺ جیسی کتاب شکیل کے ہاتھوں اور ذہن سے رقم ہوئی۔

اس کتاب کا ہر ہر شعر دہرانے اور دہراتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے جیسا بیکار آدمی بھی اس کے ورد کو اپنا وظیرہ بنانا چاہتا ہے۔ ایک ایک شعر میں پوری پوری تاریخ بند ہے اور پھر لفظوں کو جس خوبصورتی سے ترتیب دیا گیا ہے وہ اتنے من موہنے اور پرکشش ہیں کہ دل میں اترتے جاتے ہیں۔

خیر الوریٰ ﷺ اگرچہ سیرتِ رسول ﷺ ہے لیکن شاعر کی سوچ، اس کا خیال اور شعری تلازے جابجا اسے دلآویز بناگئے ہیں ۔

دیکھ لیتی ہے اندھیرے میں نگاہِ نکتہ بیں — رات کی جدول پہ تحریر مرصع نور کی
کھلنے لگتی ہے بیک جنبش حقائق کی گرہ — روشنی اور اک سے چھنتی ہے شمعِ طور کی
دل کو چھو جاتے ہیں سارے نقش ہائے رنگ و رنگ — نالہء نے سے صدا سنتا ہے کوئی دور کی (۱۳۶)

شاکر کنڈان کا تنقیدی منہاج، نفسیاتی اور جمالیاتی تنقید کے امتزاج کا غماز ہے۔

مضامین کے علاوہ جو تبصرے عقیدت کے شمارہ ۴ میں شامل ہیں ان میں دو کتابیں نعتیہ ادب سے متعلق بھی ہیں،

جن کے نام درج ذیل ہیں:

i۔نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی، مبصر: شاکر کنڈان (عقیدت، ۴۴، ص ۴۷)

ii۔نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۴۸)

ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مقالے کے متعلقہ باب میں موجود ہے۔

☆''سہ ماہی عقیدت'' سرگودھا (پاکستان) مرتب رمبصر: شاکر کنڈان، ستمبر ۲۰۰۷ء:

سہ ماہی عقیدت کا یہ شمارہ ''تبصرہ نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔اس میں دیگر کتب کے علاوہ چند نعتیہ کتب پر بھی تبصرے ہیں، ہم صرف نعتیہ کتب پر تبصروں کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔کتابوں اور رسائل پر شاکر کنڈان نے تبصرہ کیا ہے جبکہ شاکر کنڈان کی کتاب پر محمد بشیر رانجھا نے مبصرانہ نظر ڈالی ہے:

i۔سہ ماہی مفیض (نعت نمبر)، محمد اقبال نجمی، شاکر کنڈان (عقیدت، ص ۲۷)

ii۔نعت گویانِ سرگودھا، شاکر کنڈان، محمد بشیر رانجھا (ایضاً ص ۳۲)

iii۔فنِ نعت کی نئی جہات، محمد حیات چغتائی، شاکر کنڈان (ایضاً ص ۴۱)

iv۔ایوانِ مصطفیٰ، محبت خان بنگش، شاکر کنڈان (ایضاً ص ۴۹)

v۔باریابی، پروفیسر صدیق شاہد مبصر: ارشد نعیم (ایضاً ص ۵۱)

vi۔خمستانِ سرمدی، ابوالطاف فدا حسین فدا، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۳)

vii۔خوشبو درود کی، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۴)

viii۔شہرِ وفا کی خوشبو، ڈاکٹر محمد مشرف حسین انجم، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۵)

ix۔شہرِ شرف، عبدالرحمٰن انجم، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۷)

x۔خورشیدِ بطحا، حنیف ساجد، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۸)

xi۔خاکِ مدینہ، ساحر شیوی، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۵۹)

xii۔نسبت، سید تنویر احمد، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۶۱)

xiii۔بن جائے سنسار مدینہ، تاج قائم خانی عطاری، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۶۲)

xiv۔ماہنامہ نعت (فدا حسین فدا کی نعتیہ شاعری) راجا رشید محمود، مبصر: شاکر کنڈان (ایضاً ص ۶۷)

☆ششماہی ''متاعِ امیر''، فیصل آباد، (میلادِ مصطفیٰ ﷺ نمبر شمارہ، ماہ اپریل ۲۰۰۵ء تا جون ۲۰۰۵ء، مطابق ماہ ربیع الاول تا جمادی الاول ۱۴۲۶ھ) مدیرِ اعلیٰ محمد امیر نواز امیرؔ:

محمد امیر نواز امیر کی ادارت میں شائع ہونے والا ''متاعِ امیر'' اسلامی ادب بالخصوص نعتیہ ادب کا ایسا جریدہ ہے جس میں عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور پنجابی میں نعتیں شائع کی جاتی ہیں۔اس میں سیرتِ رسولِ کریم ﷺ اور مدحتِ

مصطفیٰ کریم ﷺ پر مضامین ہوتے ہیں۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ نمبر میں نعت کے تعارف سے متعلق دو مضامین ہیں اور شعرِ عقیدت کی تحسین کے حوالے سے ایک مضمون قلم بند کیا گیا ہے، جس میں تنقیدی اشارے موجود ہیں۔ ہم یہاں ان مضامین کی فہرست ہی دے سکتے ہیں کیوں کہ نعت کا تعارف ہمارے مقالے میں پہلے ہی تفصیل سے ہو چکا ہے اور نعت گو کے تعارف پر جس نے خامہ فرسائی کی ہے اس قلم کار کے مضامین اور کتب کا تعارف بھی ہم متعلقہ باب میں کروا چکے ہیں:

i ۔نعت کا اجمالی جائزہ، پروفیسر محمد اکرم رضا (متاعِ امیر، ص ۱۸۹)

ii ۔نعتِ رسول اللہ ﷺ، علامہ مجاہد الحسینی (متاعِ امیر، ص ۱۹۵)

iii ۔آسمانِ نعت کا نجمِ رخشندہ، حضرت ضیاء القادری بدایونیؒ، پروفیسر محمد اکرم رضا (متاعِ امیر، ص ۲۰۱)

☆"متاعِ امیر" معراجِ رسول ﷺ اور انوارِ نعت کا خصوصی شمارہ، ماہ جولائی ۲۰۰۵ء تا ماہ دسمبر ۲۰۰۵ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ تا ذیقعد ۱۴۲۶ھ) مدیرِ اعلیٰ محمد امیر نواز آمیرؔ:

"متاعِ امیر" کے درجِ بالا شمارے میں نعت سے متعلق تنقیدی نوعیت کے دو مضامین ہیں:

i ۔نعت اور شوکتِ معراجِ مصطفیٰ ﷺ، پروفیسر محمد اکرم رضا (متاعِ امیر، ص ۱۷۷)

ii ۔جدید اردو نعت، تسخیرِ کائنات کا شعورِ ابدی، ریاض حسین چودھری (ایضاً ص ۱۳۱)

پروفیسر محمد اکرم رضا کے کام کا تعارف تو اس مقالے میں کئی جگہ ہو چکا ہے۔ ریاض حسین چودھری کے مضمون کا اقتباس حاضر ہے:

> "جدید اردو نعت کا جمالیاتی وژن آج بھی معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے انوار و تجلیات سے منور و تاباں ہے۔ آج اکیسویں صدی کا سائنس دان کائنات کے سفرِ ارتقاء میں معراجِ مصطفیٰ ﷺ کی صداقت پر اس طرح یقین رکھتا ہے، جس طرح ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج کا سورج مغرب میں غروب ہوگا اور کل صبح مشرق کے جھروکے سے طلوع ہو کر اس کرۂ ارضی کی ہر شے کو منور کر دے گا۔ سائنس سفرِ معراج کی گردِ تیقن کی دولت حاصل کرتے ہوئے خود کو سندِ جواز کا مستحق قرار دے رہی ہے۔ معراج آقائے مکرم ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے۔ جو قیامت تک انسان کی تسخیرِ کائنات پر آمادہ رکھے گا اور ہمارا شاعر اس حصارِ رحمت میں عقیدت کے پھول کھلانے کا فریضہ انجام دیتا رہے گا"۔ (متاعِ امیر، شمارہ ۲، ص ۱۳۱) (۱۳۷)

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کو عظمتِ انسانی اور تسخیرِ کائنات کا کلیدی نکتہ اور غیبی اشارہ سمجھ کر جس شاعر نے تسخیرِ کائنات کے بارے میں سوچا اس نے اپنی شاعری کو سائنسی شعور کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا۔ مضمون نگار نے لکھا ہے:

> "امتی کی معراج اپنے نبی ﷺ کے قدمین تک رسائی ہے۔ حضور ﷺ کے حوالے ہی سے اس کا ہر حوالہ ابلاغ پاتا ہے۔ وابستگی کا شعور پختہ ہو تو ایقان کے دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ تمنائیں درِ اقدس پر صدا دیں تو ان کا دامن کرنوں کے پھولوں سے بھر جاتا ہے۔ چاروں طرف کرم کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ سوچیں غلامی کے پیراہنوں میں سجنے لگتی ہیں اور غلامی کا یہی احساس فکر و آگہی کی معراج

ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کا اعزاز لازوال حاصل کرلے تو تسخیر کائنات کی آرزو بھی ثانوی حیثیت اختیار کرجاتی ہے"۔

تسخیر کائنات مرا مدعا نہیں مجھ کو تو صرف آپ کی حاجت ہے آپ سے
(شہزاد احمد)

تاریخ محمد کا نشانِ کفِ پا ہے انسان کو معراج ملی ان کے قدم سے
(سید ابوالخیر کشفی)

اس نے انسان کو جس اوج سے آگاہ کیا تا ابد اس کا اعادہ نہیں ہونے والا
(جلیل عالی)

پہنچنا چاند پر تو اک بہانہ تھا مرے آقاؐ یہ دنیا آپ کے نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہوگی
(وسیم بریلوی)

معراج یہ انسان کی عظمت کے لیے ہے اللہ کا محبوب ﷺ ہدایت کے لیے ہے
(رشید وارثی)

میرے وجدان کا معراج ستارا تو ہے مرا رستہ مری منزل تری سنت نکلی
(اسلم کمال)

تری معراج کے زندہ مظاہر درخشاں تیرے در سے کہکشاں تک
(آثم فردوسی) (۱۳۸)

حضورِ اکرم ﷺ کی معراج کے توسط سے جدید نعت میں جھلکنے والے سائنسی شعور کی طرف اشارے کر کے مضمون نگار نے اپنی تنقیدی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔

☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۱)، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)، اپریل ۲۰۰۷ء، ربیع الاول ۱۴۲۸ھ:

ڈاکٹر محمد مشرف انجم کی ادارت میں شائع ہونے والے کتابی سلسلے کے پہلے شمارے میں تنقیدی نوعیت کے صرف دو مضامین ہیں۔ کچھ نعتیہ کتب پر تبصرے بھی ہیں۔ مضامین اور تبصروں کے عنوانات درج ذیل ہیں:

i۔ ڈاکٹر انجم کا نعتیہ مجموعہ 'شہرِ وفا کی خوشبو'، مبصر: پروفیسر ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم (خوشبوئے نعت، شمارہ ا، ص ۳۶)

ii۔ ڈاکٹر سید قاسم جلال کی نعتیہ شاعری، محمد افسر ساجد (ایضاً ص ۴۴)

<u>تبصرے:</u>

i۔ "آبرو" محمد حنیف نازش، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

ii۔ آقا ﷺ کملی والے، محمد یعقوب فردوسی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

iii۔ زمزمہ وسلام، ابوالامتیاز ع۔ س مسلم، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

iv۔نعت گویانِ سرگودھا، شاکر کنڈان، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

v۔تلاوتِ دل، پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

vi۔جانِ رحمت، عبدالغنی تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

vii۔عنوانِ نجات، سید عارف محمود مجہور رضوی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

viii۔کوثریہ، حفیظ تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

ix۔رنگِ ثنا، مسرور کیفی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

x۔فہرستِ کتب نعت لائبریری شاہدرہ، چودھری محمد یوسف ورک قادری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر مشرف انجم

''خوشبوئے نعت'' میں شامل ہونے والے مضامین، ہلکے پھلکے تنقیدی نوعیت کے تحسینی مضامین ہیں اور کتب پر تبصرہ صرف تعارف تک محدود ہے اس لیے یہ تنقیدی نوعیت کی بہت ہلکی خوشبو کا حامل کام ہے۔ اس لیے صرف مضامین کے عنوانات دے دیئے گئے اور جن کتب پر تبصرے کیے گئے ہیں ان کے نام مع مصنفین و تبصرہ نگار بھی شامل کر لیے گئے۔

☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۲)، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، نومبر ۲۰۰۷ء، شوال، ذیقعد ۱۴۲۸ھ:

خوشبوئے نعت کے دوسرے شمارے میں تنقیدی نوعیت کا ایک مضمون ہے۔ علاوہ ازیں، کچھ نعتیہ کتب و رسائل پر تبصرے بھی شامل اشاعت ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

i۔شہرِ وفا کی خوشبو فن کے آئینے میں، ثاقب رضوی

تبصرے:

i۔فخرِ کونین ﷺ، محشر رسول نگری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

ii۔صلوا علیہ و آلہ، حفیظ تائب، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

iii۔مطلع الفجر، حافظ لدھیانوی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

iv۔ثنائے کریمین، جسٹس (ر) محمد الیاس چودھری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

v۔حرفِ عطا، مسرور کیفی، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

vi۔شہرِ مدینہ ایسا ہے، حافظ محمد حسین حافظ، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

vii۔توصیف، محمد علی ظہوری، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

viii۔خورشیدِ بطحا، محمد حنیف ساجد، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

ix۔سہ ماہی عقیدت (تبصرہ نمبر)، سرگودھا، تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد مشرف انجم

☆ خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳)، حضرت حفیظ تائب نمبر، مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم،، جون ۲۰۰۸ء:

خوشبوئے نعت کا شمارہ نمبر ۳، حفیظ تائب نمبر کی صورت میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں حفیظ تائب کی شخصیت پر

بہت سے مضامین ہیں، دو مضامین میں ان کے کلام پر گفتگو کی گئی ہے۔تنقیدی نوعیت کے صرف یہی دو مضامین ہیں، جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

i۔ دعائیہ لہجے کا شاعر......حفیظ تائب، انور سدید (خوشبوئے نعت ۳، ص ۱۰)

ii۔ حفیظ تائب کے کلام میں سیرت نگاری کا پہلو، سعید بدر (خوشبوئے نعت ۳، ص ۴۰)

ان مضامین پر بھی کچھ نہیں لکھا جا سکتا، اس لیے کہ حفیظ تائب کی شاعری پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ مضمون نگار بھی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

☆ شہرِ نعت، کتابی سلسلہ نمبر۱۴، مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فروری تا نومبر، ۲۰۰۹ء:

"شہرِ نعت" میں تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں اور حمد و نعت کے ساتھ ساتھ نعتیہ کتب پر تبصرے بھی کیے جاتے ہیں۔ زیرِ مطالعہ شمارے میں بھی تین تنقیدی مضامین اور کچھ کتب پر تبصرے ہیں۔ ملاحظہ ہو فہرست:

i۔ خالد بخاری آسمان نعت کا رخشندہ ستارہ، گوہر ملسیانی

ii۔ "قلزمِ انوار" تخلیقِ مقاصد کا آئینہ، عزیز احسن

iii۔ خوشبوئے التفات، ارمغانِ تلمیحات، محمد طارق بن آزاد

تبصرے:

i۔ ممدوحِ خلائق، آفتاب کریمی، مبصر: محمد یوسف ورک قادری

ii۔ حریمِ نعت، ثاقب عرفانی، مبصر: یوسف ورک قادری

گوہر ملسیانی کا مضمون، خالد بخاری کی نعتیہ شعری تصنیف "موجِ عشق" کے تنقیدی مطالعے پر مبنی ہے۔ راقم الحروف نے سبطین شاہجہانی کی کتاب پر روشنی ڈالی ہے۔ محمد طارق بن آزاد نے رشید وارثی کے نعتیہ مجموعے پر لکھا ہے۔ دو مضامین کا تعارف حاضر ہے:

i۔ خالد بخاری، آسمانِ نعت کا رخشندہ ستارہ، گوہر ملسیانی:

گوہر ملسیانی کا درجِ بالا عنوان کے تحت لکھا ہوا مضمون نیم تحقیقی اور نیم تنقیدی نوعیت کا ہے۔ انہوں نے خالد بخاری کی نعتیہ شاعری میں جمالیاتی چکا چوند دیکھی اور اس کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا:

> "اردو نعت کے تخلیق کار حسن و جمال کی صداقت کے امین ہیں۔ وہ اس تصورِ جمال کے تیقن کے لیے اس امر کو اپنے سامنے رکھتے ہیں کہ اللہ جمیل و یحب الجمال روایت کی حقیقت کا یہ رخ شریعت کو بھی جمال عطا کرتا ہے۔ حسن کی صداقت کے تو انگریزی زبان کے شعرا بھی قائل ہیں۔ جواں مرگ شاعر کیٹس
>
> Beauty is truth, truth is beauty that's all :تو پکار اٹھتا ہے (Keats)
>
> All ye know on the earth and all ye need to know

حسن کی صداقت اسی کائنات میں مسلم ہے اور انسانیت اس صداقت کے حسن کی گرویدہ ہے۔ چنانچہ نعت کی صوری روایت، صداقت کا جمال رکھتی ہے۔ یہی نعت کی قدیم روایت کی حقیقت ہے۔ یہ جمالیات سچائیاں اور قدیم روایت کی درخشاں صداقتیں خالد بخاری کے گلہائے عقیدت ''موجِ عشق'' میں جلوہ گر ملتی ہیں۔ وہ شعری جمالیات کی بھرپور عکاسی پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے گلشنِ نعت میں صوری ضیائیں اور سراپا نگاری کی کہکشائیں نورِ مصطفےٰ سے مستنیر ہیں۔ اظہار کی پرکاری اور لفظ و بیان کی سرشاری ادبی حسن و لطافت کے لحاظ سے بھی پرکشش ہے۔ عشق و محبت کا گداز ان کے پرسوز لہجہ میں قلبی تمناؤں کے کئی زاویے رکھتا ہے۔ وہ عشق کی وادیوں میں گھومنے نکلتے ہیں تو روح پرور سماں دیکھتے ہیں۔ اس نورِ محبت کی تمنا قلب و نظر میں قندیلیں روشن کر کے جذبۂ حبِ رسول کو اجاگر کر دیتی ہے:

جب ان کی محبت کا دل میں فانوس فروزاں ہوتا ہے   ہر سمت ہی گویا شام و سحر اک جشنِ بہاراں ہوتا ہے
من نور میں ڈوبا رہتا ہے، تن مہکا مہکا رہتا ہے   ہر برگ خیاباں ہوتا ہے، ہر ذرہ درخشاں ہوتا ہے'' (۱۳۹)

گوہر ملسیانی کا تنقیدی منہاج جمالیاتی تنقید کا مظہر ہے۔

iii۔ خوشبوئے التفات...... ارمغانِ تلمیحات، محمد طارق بن آزاد:

طارق بن آزاد نے اپنے مضمون کی ابتداء میں بتا دیا ہے کہ وہ رشید وارثی سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے رشید وارثی کی کتاب ''خوشبوئے التفات'' پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ انہیں رشید وارثی کے سقیم مصرعے بھی حوالے کے لائق نظر آئے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''ناقدانِ فن اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی کلام پر لکھی گئی تضمین کی قدر و منزلت کا تعین کرنے میں دیگر محاسن کے ساتھ ساتھ جو امر اہم ہے وہ صاحبِ کلام کے رنگ کا متاثر نہ ہونا ہے اور کلام میں پیوند کاری کا احساس پیدا نہ ہونا ہے اور یہ خوبی شاعرِ التفات کی رقم کردہ تضامین میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثلاً تضمین بر کلامِ اقبال:

شوق کی انجمن میں تھا صبحِ ازل سے اضطراب   کس کے خیالِ پاک سے محفلِ کن ہے فیضیاب
کس کی شعاعِ نور سے روشن ہیں ماہ و آفتاب   کس کی تجلیات سے نورِ خدا ہے بے نقاب
پایا جو ساقِ عرش کا نامِ نبی سے انتساب   روحِ صفی پہ وا ہوا شانِ محمدی کا باب
عقلِ سلیم نے کیا جس کے حضور یوں خطاب   لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب (۱۴۰)

تضمین کے اس بند میں ایک مصرع (ع کس کی شعاعِ نور سے روشن ہیں ماہ و آفتاب) بحر سے خارج ہے۔ اس کی تقطیع کی جائے تو ''روشن'' کا نون کٹ جاتا ہے۔ یہ مصرع ''رجز مثمن مطوی مخبون'' یعنی مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن کے وزن پر ہے۔ مصرعے کی تقطیع یوں ہوگی: کس ک شعا [مفتعلن] ع نور سے [مفاعلن] روش ہما [مفتعلن] ہو آفتاب [مفاعلن] آخری لفظ میں ''ب'' بھی دب رہا ہے لیکن اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

رشید وارثی کا یہ مصرع دیکھ کر یاد آیا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' میں علمِ عروض کو غیر ضروری علم قرار دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے نعتیہ ادب کے بعض تنقید نگاروں میں یہ لائق توجہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فن عروض میں کسی حد تک شد بد حاصل کر لینے کے بعد اسی کو نعتیہ تنقید نگاری کی اساس سمجھ کر اس پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔ علم عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں''۔ (۱۴۱)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید وارثی نے اپنی عروضی ناواقفیت کو چھپانے کے لیے علمِ عروض کی اہمیت ہی سے انکار کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے بحر سے خارج مصرعوں اور اشعار کی نشاندہی ضروری ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ نعت گو شعراء کا وہ طبقہ جو اپنے جذبات کے اظہار ہی کو ضروری جانتا ہے (شعری وشرعی اقدار کی پروانہیں کرتا) اس کو ایک قسم کی چھوٹ مل سکتی ہے اور وہ بھی اپنی کمزور شاعری کے لیے جواز کے طور پر رشید وارثی کی تنقیدی رائے کا سہارا لے سکتا ہے۔

رشید وارثی کی کتاب (جس پر طارق بن آزاد نے محبت بھری تنقیدی نظر ڈالی ہے) میں نظریاتی اور مسلکی ناہمواریوں کے ساتھ ساتھ عروضی اغلاط بھی بے شمار ہیں۔ مثالوں کی یہاں گنجائش نہیں ہے ورنہ ہم بتاتے کہ ''خوشبوئے التفات'' میں کتنے عروضی اسقام ہیں اور کتنی نظریاتی اور مسلکی ناہمواریاں ہیں۔

البتہ، طارق بن آزاد کا مبلغ علم اس حد تک درست ہے کہ انہوں نے تلمیح کے استعمال پر علمِ بدیع کی روشنی میں گفتگو کی ہے وہ لکھتے ہیں:

'' کلام میں کسی تاریخی واقعے، کسی آیت قرآنی یا مختلف علوم کی اصطلاحات استعمال کرنا صنعتِ تلمیح کہلاتا ہے''۔ نعتیہ ادب میں تلمیحات کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے مگر یہ اکثر تکرار پر مبنی ہیں کیوں کہ اکثر شعراء اپنی محدود معلومات کے سبب واعظین کی زبان سے بیان کردہ قصص یا عوام الناس میں مقبول واقعات سے ہی واقفیت رکھتے ہیں جبکہ محترم رشید وارثی کے کلام میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی اور نادر و نادر امثال جو کہ نعتیہ کلام میں پہلے مرقوم نہیں اس کے لیے انہوں نے قرآن فہمی کے ملکہ خداداد اور وسعت مطالعہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مثلاً ؎

اجداد کی برکت سے رواں ہے زم زم مولا کی عطا مالک کوثر وہ ہیں

مصرعہ ثانی میں آیت مبارکہ ''انا اعطینک الکوثر'' کی جانب اشارہ ہے۔ اولاً تو وہ واقعہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مبارک ایڑیوں کے صدقے زم زم کا ظہور ہوا۔ اس میں شاید کسی کو ندرت کا فقدان نظر آئے مگر ثانیاً جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ اس سے قبل کبھی بیان نہیں کیا گیا وہ یہ کہ جب بنو جرہم کے کنواں پاٹ کر چلے جانے کے بعد زم زم کا کنواں امتداد زمانہ کے سبب لاپتہ ہو چکا تھا اسے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے بشارت الٰہیہ کے مطابق دریافت کر کے حجاج کے لیے دوبارہ جاری کیا اور آپ کی برکت سے زم زم کی روانی آج تک بحال ہے۔

ابلیس کا سوال بھی کرتا نہیں جو رد کیا کیا تمام خلق پہ اس کی عطا نہیں

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں سورۂ حجر کی ان آیات کی طرف اشارہ ہے، جن میں شیطان رجیم بارگاہ خداوندی میں انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مہلت کا سوال کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ "انک من المنظرین" فرما کر اس کا سوال بھی رد نہیں فرماتا۔ یہ بھی ایک ایسی نادر تلمیح ہے، جس کی نظیر ملنا مشکل ہے"۔ (۱۴۲)

مضمون نگار نے اپنے ممدوح "رشید وارثی" کے کلام میں پائے جانے والے شیعی عقائد کی نشاندہی کرنے والے اہلِ علم کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اہل سنت والجماعت کے ساتھ فی زمانہ یہ المیہ ہے کہ مدح اہلِ بیت کرنا شیعیت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور رد شیعیت کے نام پر تنقیصِ شانِ اہلِ بیت ہوتی ہے اور مداحِ پیمبر و آلِ پیمبر پر شیعہ کا ٹھپہ لگا کر اس کو طرح طرح سے ستایا جاتا ہے اور چوں کہ خوشبوئے التفات میں اصل مذہب اہل سنت کے مطابق تکمیل نعت کے لیے مدح اہلِ بیت بھرپور انداز میں کی گئی ہے تو شاعر موصوف الزامِ تشیع کا تدارک کرنے کے لیے اور حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

مدحتِ مولا میں گزرے مجھ پہ سو سو امتحاں — اس کی گرد رہ کو بھی پہنچے نہیں عقل و گماں

میں وہاں ہوں کاروانِ اہلسنت ہے جہاں — مجھ سے ہو شرکِ رسالت یا حفیظ الاماں

قول احمد ہے، علیؑ کا خون میرا خون ہے — ہیں اگر موسیٰ نبی، تو مرتضیٰ ہارون ہے (۱۴۳)

طارق بن آزاد کی رشید وارثی سے عقیدت اپنی جگہ، لیکن رشید وارثی کے اظہاریوں میں جمہور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے عین مطابق باتیں ہوتیں تو انہیں کوئی مطعون نہیں کر سکتا تھا۔ ان کے کلام میں ہر طرف شیعیت کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ مذکورہ اشعار کا آخری مصرع (ہیں اگر موسیٰ نبی، تو مرتضیٰ ہارون ہے) خود التباس پیدا کرتا ہے کہ شاعر حضرت علی کو ہارون علیہ السلام کا ہم پلہ سمجھتا ہے کیوں کہ اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ حدیث میں بیان کردہ اس حقیقت کا اعلان کرتا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔ دوسری بات جو اظہر من الشمس ہے کہ اہلِ سنت والجماعت حضرت علی کو رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں جبکہ اہلِ تشیع انہیں علیہ السلام لکھتے ہیں اور رشید وارثی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر علیہ السلام کی "ع" کی علامت لگائی ہے۔ ان کے کلام میں حضرات حسنین کریمین اور جنابِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے بھی یہی علامت استعمال کی گئی ہے۔ مزید برآں ان کے کلام سے امامت کا بھی وہی تصور ابھرتا ہے جو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد سے متصادم ہے۔

ہم اگر رشید وارثی کے عقائد کی بات چھیڑیں گے تو اپنے موضوع سے بھٹک جانے کا خطرہ ہے، اس لیے اس ذکر کو یہیں چھوڑتے ہیں۔ اہلِ سنت کی اکثریت کے عقائد اعتدال پر مبنی ہیں جن کے لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"لا یجمع اللہ ھذہ الامۃ علی الضلالۃ ابدا" (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا" اور فرمایا "لا تجمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم" (میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی۔ تم بڑی جماعت کے ساتھ رہو) (۱۴۴)

اس لیے اگر کسی عالمِ دین نے رشید وارثی کو ٹوکا تھا تو اس عالم یا اس طبقے کا مائل بہ حق ہونا زیادہ قرینِ قیاس

جہاں روح الامیں کے بال و پر جلتے ہیں بڑھنے سے

وہاں بس "صاحب لولاک" جانے اور کیا جانے

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس بات کا ذکر ہے کہ معراج کی رات جب جناب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کے پر جل گئے اور انہوں نے معذرت کی کہ میں اور آگے نہیں جا سکتا۔ یہ بات بھی صریح حدیث کے خلاف ہے اور اس کو بھی شعراء نے بہت استعمال کیا ہے۔ واضح رہے کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جس وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام ہی آپ کو وہاں لے کر گئے "فعلا به الی الجبار" [بخاری شریف ج ۲، ص ۱۱۲۰] (۱۳۶)

مفتی محمد زرولی خان کی تحریر میں جو تحقیقی نکات بیان کیے گئے ہیں وہ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے بہت اہم ہیں۔ اگر انہوں نے ایسے اشعار پر گرفت کی ہے جن میں واضح حدیث سے متصادم کوئی مضمون باندھا گیا ہے، تو انہوں نے ایک تشریحی نقاد کا فریضہ انجام دیا ہے۔

خلاصہء کلام یہ کہ نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کو اجاگر کرنے میں سب سے اہم اور نمایاں کردار کتابی سلسلے "نعت رنگ" کا رہا ہے۔ لیکن بعض دوسرے رسائل میں بھی جزوی طور پر کچھ تنقیدی نکات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ نعت رنگ میں تنقیدی نوعیت کی تحریریں اس کثرت اور تواتر سے شائع ہوئیں کہ اہلِ علم نے نعتیہ ادب میں "تنقید" کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ اس مجلے کے توسط سے جو تنقیدی دبستان نعتیہ ادب میں متعارف ہوئے ان میں سے بیشتر وہ تنقیدی دبستان تھے جن کو عام شاعری کی تعیینِ قدر (Evaluation) کے لیے برتا جا رہا تھا...... اس لیے ان تنقیدی دبستانوں کے کچھ اصول قائم ہو چکے تھے۔ نعت شناسی کے لیے ناقدین کو (عام تنقیدی اصولوں کے علاوہ) دینی اقدار کی جانکاری کی ضرورت تھی جس کے لیے کچھ باہمت لوگوں نے محنت کی اور خاصی حد تک نعتیہ شاعری کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب رہے۔

نعتیہ ادب کی تاریخ لکھنا نہ تو ہمارا ہدف ہے نہ مقصد، ہم نے تو نعتیہ ادب کی صرف ایک اجمالی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عمل میں ہمیں بہت سی تنقیدی تحریروں سے کچھ کا انتخاب کرنا پڑا ہے۔ تاہم یہ منتخب تحریریں، نعتیہ انتقادی ادب کے ارتقاء کی داستان بھی بیان کر رہی ہیں اور تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت بھی فراہم کرتی ہیں۔

☆☆☆

ہے۔طارق بن آزاد کو اہلِ سنت والجماعت کے اکابر سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔

☆ ماہنامہ ''الاحسن'' کراچی، (نعت نمبر)، مدیرِ اعلیٰ: مولانا مفتی محمد زرولی خان، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ:

ماہنامہ الاحسن کے نعت نمبر میں مدیرِ اعلیٰ مفتی محمد زرولی خان نے ''معارف ومحاسن'' کے زیرِ عنوان، حضورِ اکرم کے مقامِ رسالت، اسلامی طریقہءادب اور نعتیہ شاعری کے سلسلے میں برتی جانے والی احتیاط کا ذکر کیا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے لکھا ہے:

> ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے "باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک و تعالٰی" اور یہ حدیث لائے ہیں "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخنی الاسماء یوم القیٰمۃ رجل تسمی ملک الاملاک" آگے چل کر ملک الاملاک کا معنی سفیان سے نقل کیا ہے "تفسیرہ شاھان شاہ" [بخاری ج۲ص ۹۱۶] اس حدیث کے پیشِ نظر اور محدثین کی اس تحقیق کے پیشِ نظر کسی مخلوق کا نام شہنشاہ رکھنا ناجائز اور حرام ہے اور یہ اس مخلوق کی عزت نہیں بلکہ توہین ہے اور بارگاہِ الٰہی میں بھی نامناسب اقدام ہے'' (الاحسن، ص۸)

اس کے بعد مفتی محمد زرولی خان نے احمد رضا بریلوی کا مشہور شعر۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

لکھ کر بتایا ہے کہ احمد رضا خان بریلوی سے اس شعر میں حدیث کی روشنی میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا تھا:

> مگر اعلیٰ حضرت نے منظور نہیں فرمایا اور انہوں نے بہت سارے مصنفین کے نام لکھ بھیجے جنہوں نے اپنی کتابوں یا کتاب کے خطبوں میں آنحضرت ﷺ کے لیے شہنشاہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔اب یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان علماء میں ایک اعلیٰ حضرت ہوئے اور ان سب نے مل کر یہ نام استعمال فرمایا ہے۔مگر اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کسی حدیث یا سنت نبوی کے موافق ہے جب حدیث میں ممانعت آئی ہے تو بشمول اعلیٰ حضرت کے سب کے سب غلطی پر ثابت ہوئے۔
>
> نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر　　　قول اللہ فعل احمد را بگیر (۱۴۵)

حدیث شریف کی صحتِ سند کے ساتھ روایت کے موجود ہوتے ہوئے دیگر مصنفین اور خود اعلیٰ حضرت نے لفظ ''شہنشاہ'' کو اس قدر رواج کیوں دیا؟ یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا!

مفتی محمد زرولی خان نے حدیثِ قدسی کے طور پر مشہور روایت "لولاک لما خلقت الافلاک" کو بھی مختلف محقق محدثین کے حوالوں سے ''موضوع'' بتایا ہے۔علاوہ ازیں انہوں نے مومن خاں مومنؔ کا ایک شعر نقل کر کے اس میں بیان کردہ تلمیح کو بھی مبنی بر ضعف قرار دیا:

جہاں روح الامیں کے بال و پر جلتے ہیں بڑھنے سے

وہاں بس "صاحب لولاک" جانے اور کیا جانے

اس شعر کے پہلے مصرع میں اس بات کا ذکر ہے کہ معراج کی رات جب جناب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام کے پر جل گئے اور انہوں نے معذرت کی کہ میں اور آگے نہیں جاسکتا۔ یہ بات بھی صریح حدیث کے خلاف ہے اور اس کو بھی شعراء نے بہت استعمال کیا ہے۔ واضح رہے کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جس وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام ہی آپ کو وہاں لے کر گئے "فعلا به الى الجبار" [بخاری شریف ج ۲، ص ۱۱۲۰] (۱۴۶)

مفتی محمد زرولی خان کی تحریر میں جو تحقیقی نکات بیان کیے گئے ہیں وہ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے بہت اہم ہیں۔ اگر انہوں نے ایسے اشعار پر گرفت کی ہے جن میں واضح حدیث سے متصادم کوئی مضمون باندھا گیا ہے، تو انہوں نے ایک تشریحی نقاد کا فریضہ انجام دیا ہے۔

خلاصہء کلام یہ کہ نعتیہ ادب کی تنقیدی جہت کو اجاگر کرنے میں سب سے اہم اور نمایاں کردار کتابی سلسلے "نعت رنگ" کا رہا ہے۔ لیکن بعض دوسرے رسائل میں بھی جزوی طور پر کچھ تنقیدی نکات پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ نعت رنگ میں تنقیدی نوعیت کی تحریریں اس کثرت اور تواتر سے شائع ہوئیں کہ اہلِ علم نے نعتیہ ادب میں "تنقید" کے وجود کو تسلیم کرلیا۔ اس مجلّے کے توسط سے جو تنقیدی دبستان نعتیہ ادب میں متعارف ہوئے ان میں سے بیشتر وہ تنقیدی دبستان تھے جن کو عام شاعری کی تعیینِ قدر (Evaluation) کے لیے برتا جا رہا تھا...... اس لیے ان تنقیدی دبستانوں کے کچھ اصول قائم ہو چکے تھے۔ نعت شناسی کے لیے ناقدین کو (عام تنقیدی اصولوں کے علاوہ) دینی اقدار کی جانکاری کی ضرورت تھی جس کے لیے کچھ باہمت لوگوں نے محنت کی اور خاصی حد تک نعتیہ شاعری کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب رہے۔

نعتیہ ادب کی تاریخ لکھنا نہ تو ہمارا ہدف ہے نہ مقصد، ہم نے تو نعتیہ ادب کی صرف ایک اجمالی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عمل میں ہمیں بہت سی تنقیدی تحریروں سے کچھ کا انتخاب کرنا پڑا ہے۔ تاہم یہ منتخب تحریریں، نعتیہ انتقادی ادب کے ارتقاء کی داستان بھی بیان کر رہی ہیں اور تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا منہ بولتا ثبوت بھی فراہم کرتی ہیں۔

☆☆☆

باب ششم: مآخذ ومنابع:

۱۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ محمد حسن عسکری (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۰۶

۲۔ سید قاسم محمود، مدیرِ اعلیٰ: سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر، جلد دوم، (نومبر ۱۹۷۳ء، لاہور) ص ۴۷۵

۳۔ ایضاً ص ۴۷۳

۴۔ ایضاً ص ۴۷۵

۵۔ صریرِ خامہ، قصیدہ نمبر، مدیرہ علیا: ریحانہ طلعت خاں، (شعبۂ اردو، جامعہ سندھ، حیدر آباد، ۶۸ /۱۹۶۷ء) ص ۲۰۴

۶۔ ایضاً ص ۳۵۲

۷۔ ایضاً ص ۳۸۴

۸۔ حمایت علی شاعر، مرتب: صریرِ خامہ، نعت نمبر (شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء)، ص ت

۹۔ ایضاً ص ت

۱۰۔ ایضاً ص ج

۱۱۔ ایضاً ص ج

۱۲۔ ماہنامہ سیارہ، عبدالعزیز خالد نمبر، جلد ۱۴، شمارہ ۵، مینیجنگ ایڈیٹر: نوید اسلام صدیقی، (لاہور: صفر المظفر ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء)

۱۳۔ ایضاً ص ۳۱۷

۱۴۔ ایضاً ص ۳۲۴

۱۵۔ ایضاً ص ۵۶۴

۱۶۔ ایضاً ص ۵۷۴

۱۷۔ ایضاً ص ۵۸۰

۱۷ (الف) ایضاً ص ۵۹۲

۱۸۔ ایضاً ص ۶۰۰

۱۹۔ ایضاً ص ۶۰۸

۲۰۔ شام وسحر، نعت نمبر (نقشِ ثانی)، جلد ۸، شمارہ ۱۔۲، (لاہور: جنوری، فروری ۱۹۸۴ء) ص ۱۰۶

۲۱۔ ایضاً ص ۱۰۷

۲۲۔ شام وسحر، نعت نمبر ۴، (لاہور: جنوری، فروری ۱۹۸۵ء) ص ۱۴۰

۲۳۔ ایضاً ص ۱۴۶

۲۴۔ ایضاً ص ۱۴۹

۲۵۔ ایضاً ص ۱۴۹

۲۶۔ شام وسحر، نعت نمبر ۳، ص ۹۴

۲۷۔ ایضاً ص ۹۷

۲۸۔ ایضاً ص ۹۷

۲۹۔ شام وسحر، نعت نمبر ۵، ص ۲۷۰

۳۰۔ ایضاً ص ۲۷۴

۳۱۔ایضاً ص۲۷۳

۳۲۔ایضاً ص۲۷۴

۳۳۔ایضاً ص۲۷۴

۳۴۔ایضاً ص۲۷۵

۳۵۔ایضاً ص۲۹۵

۳۶۔ایضاً ص ۳۰۷

۳۷۔آفتاب نقوی،اوج نعت نمبر۱،(شاہدرہ گورنمنٹ کالج،لاہور،۱۹۹۲ء)ص۱۴۸

۳۸۔ایضاً ص۱۵۲

۳۹۔ایضاً ص ۱۵۷

۴۰۔ایضاً ص۱۷۲

۴۱۔شہزاد احمد[ایڈیٹر]،ماہنامہ حمد و نعت،(کراچی:فروری۔مارچ۱۹۹۶ء)ص۱۳

۴۲۔ملک فاروق[مرتب] کتابی سلسلہ ایوانِ نعت،(مکتبہ ایوانِ نعت،لاہور،باراول مارچ۱۹۸۸ء)ص۶۰

۴۳۔صبیح رحمانی[مدیر]نعت رنگ،کتابی سلسلہ نمبر۲،(اقلیم نعت،شمالی کراچی،کراچی،جنوری۱۹۹۶ء)ص۱۳۶

۴۴۔ایضاً شمارہ۳،ص۸۱

۴۵۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۶۴

۴۶۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۶۵

۴۷۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۶۷

۴۸۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۶۷

۴۹۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۶۸

۵۰۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۷۰

۵۱۔ایضاً شمارہ۴،ص۱۷۰

۵۲۔ایضاً شمارہ۴،۲۲۲

۵۳۔ایضاً شمارہ۵،ص۵۹

۵۴۔ایضاً شمارہ۵،ص۶۰

۵۵۔ایضاً شمارہ۵،ص۶۰

۵۶۔ایضاً شمارہ۵،ص۲۸۲

۵۷۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۲۹

۵۸۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۳۰

۵۹۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۳۴

۶۰۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۴۱

۶۱۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۲۲۲

۶۲۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۲۶۰

۶۳۔نعت رنگ،شمارہ۶،ص۲۶۴

۶۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۸، ص ۱۳۴

۶۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۷

۶۶۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۸

۶۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۰، ص ۲۰۹

۶۸۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۱، ص ۱۱۴

۶۹۔ ایضاً ص ۱۳۶

۷۰۔ ایضاً ص ۱۵۴

۷۱۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۳، ص ۱۶۵

۷۲۔ ایضاً ص ۲۱۶

۷۳۔ ایضاً ص ۲۲۳

۷۴۔ ایضاً ص ۲۲۵

۷۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۴، ص ۱۳۵

۷۶۔ ایضاً ص ۱۳۵

۷۷۔ نعت رنگ، شمارہ ۱۵، ص ۱۹۵

۷۸۔ ایضاً ص ۱۹۹

۷۹۔ نعت رنگ ۱۷، ص ۲۸۶

۸۰۔ ایضاً ص ۲۸۷

۸۱۔ ایضاً ص ۲۹۰

۸۲۔ ایضاً ص ۲۹۱

۸۳۔ ایضاً ص ۳۱۳

۸۴۔ ایضاً ص ۳۲۴

۸۵۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۰، ص ۱۲۸

۸۶۔ ایضاً ص ۱۲۵

۸۷۔ ایضاً ص ۱۳۱

۸۸۔ ایضاً ص ۱۲۴

۸۹۔ ایضاً ص ۳۰۵

۹۰۔ ایضاً ص ۳۰۶

۹۱۔ ایضاً ص ۳۱۰

۹۲۔ ایضاً ص ۳۵۸

۹۳۔ ایضاً ص ۳۶۴

۹۴۔ نعت رنگ، شمارہ ۲۱، ص ۱۱۹

۹۵۔ ایضاً ص ۱۲۴

FNUMBERS ONLY. Corr.Mar.13.final
P. 407

۹۶۔ایضاً ص۱۲۴

۹۷۔ایضاً ص۱۲۸

۹۸۔نعت رنگ، شمارہ ۲۲، ص۱۶

۹۹۔ایضاً ص۴۰

۱۰۰۔ایضاً ص۴۱

۱۰۱۔ایضاً ص۴۷

۱۰۲۔ایضاً ص۴۵

۱۰۳۔نعت رنگ، شمارہ۲، ص۲۹۷

۱۰۴۔ایضاً ص۲۹۷

۱۰۵۔ایضاً ص۳۰۴

۱۰۶۔ایضاً ص۳۰۵

۱۰۷۔ایضاً ص۳۰۶

۱۰۸۔ایضاً ص۳۰۹

۱۰۹۔ایضاً ص۳۱۱

۱۱۰۔نعت رنگ، شمارہ۳، ص۳۲۹

۱۱۱۔ایضاً ص۳۳۱

۱۱۲۔ایضاً ص۳۳۶

۱۱۳۔ایضاً ص۳۴۱

۱۱۴۔نعت رنگ، شمارہ۵، ص۳۶۱

۱۱۵۔نعت رنگ، شمارہ۳، ص۳۴۵

۱۱۶۔ایضاً ص۳۴۶

۱۱۷۔نعت رنگ شمارہ۴، ص۳۱۰

۱۱۸۔نعت رنگ، شمارہ۳، ص۳۵۱

۱۱۹۔نعت رنگ، شمارہ۵، ص۳۶۴

۱۲۰۔ایضاً ص۳۶۵

۱۲۱۔نعت رنگ، شمارہ۱۶، ص۴۱۹

۱۲۲۔نعت رنگ، شمارہ۲۱، ص۶۵۱

۱۲۳۔عزیز الدین خاکی دنیائے نعت، نعت نمبر، سلسلہ نمبر۳، (کراچی، پاکستان، تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) مارچ۲۰۰۴ء)، ص۷۹

۱۲۴۔آفتاب کریمی[مرتب]، سفیر نعت، کتابی سلسلہ نمبر۴، محسن کاکوروی نمبر، (کراچی:) ص۷

۱۲۵۔ایضاً ص۲۵

۱۲۶۔ایضاً ص۲۶

۱۲۷۔ایضاً ص۲۸

۱۲۸۔محمد اقبال نجمی[مدیر اعلیٰ]، سہ ماہی مفیض، نعت نمبر (گوجرانوالہ پاکستان: جلد۱۵، شمارہ۲۳، ۲۰۰۵ء)، ص۵۱۵۔۵۵۲

۱۲۹۔محمد اقبال نجمی [مدیر اعلیٰ]، سہ ماہی مفیض، نعت تبصرہ نمبر (گوجرانوالہ پاکستان: جلد ۱۸، شمارہ ۲۷، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲

۱۳۰۔سرور حسین نقشبندی [مدیر]، کتابی سلسلہ مدحت، شمارہ ۲، (لاہور:) ص ۱۳۸

۱۳۱ایضاً ص ۱۳۹

۱۳۲۔شاکر کنڈان [مرتب] عقیدت (سرگودھا: فروری۔ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء) ص ۳۶

۱۳۳۔ایضاً ص ۲۶

۱۳۴۔عقیدت، شمارہ ۴، تبصرہ نمبر، ص ۱۵

۱۳۵۔ایضاً ص ۱۷

۱۳۶۔ایضاً ص ۲۳

۱۳۷۔متاع امیر، ص ۱۴۱

۱۳۸۔ایضاً شمارہ ۲، ص ۱۴۲

۱۳۹۔شہر نعت، ص ۱۴

۱۴۰۔ایضاً ص ۳۶

۱۴۱۔رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص ۱۹

۱۴۲۔شہر نعت، ص ۴۰

۱۴۳۔ایضاً ص ۴۲

۱۴۴۔المستدرک، امام حاکم، جلد اول: ص ۱۱۵

۱۴۵۔مفتی زرولی خان، ماہنامہ الاحسن (کراچی: الجامعہ العربیہ احسن العلوم، گلشن اقبال، ربیع الاول تا جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ) ص ۸

۱۴۶۔ایضاً ص ۱۰

بابِ ہفتم

نعتیہ شاعری کے حوالے سے وجود میں آنے والی تنقیدی کتب کا جائزہ

باب ہفتم میں مندرجہ ذیل تین عنوانات کے تحت گفتگو کی جائے گی:

۱۔ تنقیدِ نعت میں شعری معیارات کا تعین

۲۔ نقدِ نعت میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی

۳۔ نقدِ نعت میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا جائزہ

تنقیدِ نعت کے حوالے سے منظرِ عام پر آنے والی کتب دو طرح کی ہیں:

[الف] ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں

[ب] ایسی کتب جن کا مکمل متن نعتیہ شاعری کی تنقید پر مبنی ہے

ان دونوں اقسام میں ایسی تمام کتب شامل ہیں:

i۔ جن کتابوں میں نعتیہ تنقید کے عمومی مباحث ہیں

ii۔ جن کتابوں میں عملی تنقید کے نمونے ہیں، یا

iii۔ جن کتب میں کسی ایک شاعر یا ایک سے زیادہ شعراء کی نعتیہ تخلیقات زیر بحث آئی ہیں

نعت کی تنقید کے ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ہم نے جو تین ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں:

۱۔ تنقیدِ نعت میں شعری معیارات کا تعین

۲۔ تنقیدِ نعت میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی

۳۔ نقدِ نعت میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا جائزہ

یہ تمام رجحانات تنقیدی کتب میں ملے جلے ہیں اس لیے کسی ایک کتاب کو کسی ایک معیار کے تحت دیکھنا مشکل ہے۔ بہر حال ہم غالب رجحان کی روشنی میں کسی کتاب کے تنقیدی منہاج کا ذکر کردیں گے۔

[الف] ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں:

ایسی کتب جن میں عام شاعری پر تنقیدی رائے کے ساتھ ساتھ نعتیہ شعری کاوشوں پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے، بہت سی ہیں، لیکن سب کتابوں کا ذکر اوران کے تنقیدی منہاج کی تفتیش ممکن نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں صرف ان نمائندہ کتب کا مطالعہ کریں گے جن میں باقاعدہ تنقیدی رویئے کے خدوخال واضح ہوں گے۔

ایسی کتب جن میں جزوی طور پر نقدِ نعت کے نقوش پائے جاتے ہیں تین طرح کی ہیں:

☆ تاریخ ادب یا تذکرۂ شعراء

☆ عمومی تنقیدی مضامین کے مجموعے

☆ نعتیہ مجموعے

☆ تاریخ ادب یا تذکرۂ شعراء:

اس ذیل میں ہمارے مطالعے میں آنے والی کتابیں دو ہیں:

i۔ پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، غفور شاہ قاسم

ii۔ سخن ورانِ کاکوری، حکیم نثار احمد علوی

☆ عمومی تنقیدی مضامین کے مجموعے:

ایسے مجموعے جن میں عمومی تنقیدی مضامین بھی ہیں اور نعتیہ شاعری پر بھی تنقیدی رائے پائی جاتی ہے، چار ہیں:

i۔ مقدمہ ءسحر وساحری (قارئینِ ادب کی عدالت میں)، جمیل نظر

ii۔ ردِ عمل (تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ) امین راحت چغتائی

iii۔ جستجو (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، تحسین فراقی

iv۔ بت خانہ شکستم من، امیر حسنین جلیسی

☆ نعتیہ مجموعے:

ایسے نعتیہ مجموعے جن میں خود شعراء نے کچھ تنقیدی اصول مرتب کیے ہیں۔ پانچ ہیں:

i۔ ولائے رسول ﷺ (مجموعہ ءنعت) قمر رعینی

ii۔ اساس (شعرِ عقیدت)، سرشار صدیقی

iii۔ زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)، اقبال عظیم

iv۔ اللہ کی سنت (نعتیہ کلام)، منظر عارفی

v۔ فروغِ نوا (مجموعہ ءنعت)، رئیس احمد نعمانی

ا۔ تنقیدِ نعت میں شعری معیارات کا تعین:

''مقدمہ ءسحر وساحری''، ''پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی''، ''بت خانہ شکستم من''، ''اساس'' اور ''سخن ورانِ کاکوری''، ایسی کتابیں ہیں جن میں شعری اسالیب اور معیارات پر توجہ مرکوز کرنے کا غالب رجحان پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اس عنوان کے تحت ہم ان کتاب کا مطالعہ کریں گے:

<u>ا۔ مقدمہ ءسحر وساحری:</u>

جمیل نظر نے اس کتاب میں عملی تنقید کا مظاہرہ کیا ہے۔ عملی تنقید میں شاعری یا فن پاروں کے حسن وقبح پر دلائل کے ساتھ رائے دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے جمیل نظر کی یہ کتاب ایک جارحانہ تنقیدی کاوش ہے جس میں بیشتر اشعار کی لفظی، معنوی اور شعری بنت کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کتاب میں عام شاعری کے تجزیے کے ساتھ ساتھ حنیف اسعدی کے مجموعہ ءنعت ''خیر الانام''، اور تابش دہلوی کی نعتیہ تصنیف ''تقدیس'' کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

حنیف اسعدی کے مجموعہ ءکلام ''خیر الانام'' پر شبنم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی آراء بڑی حوصلہ افزا

اور تحسین آمیز تھیں۔ لیکن جمیل نظر کو اس مجموعے کی شاعری میں اظہار و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں بھی نظر آئی چنانچہ انہوں نے کھل کر لکھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"شبنم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحبان نے اپنے اپنے تبصرہ میں حنیف اسعدی صاحب کو جسقدر معتبر نعت گو ظاہر کیا ہے حنیف اسعدی کا کلام اس معیار پر کہاں تک پورا اترتا ہے اس کے ثبوت کے لیے مولانا کا کلام آپ کے سامنے ہے کہ زبان و بیان کی خامیوں کے علاوہ مولانا کے کلام میں ایسے ایسے شرعی نقائص ہیں کہ جس کی توقع ایک مبتدی شاعر سے بھی نہیں کی جا سکتی۔۔۔اس سے ناقدین کی موجودہ تنقیدی رویوں کے بارے میں صحیح اندازہ ہو جاتا ہے کہ فی زمانہ تنقید کے نام پر کس طرح مدح سرائی کی جارہی ہے"۔(۱)

اس کے بعد مصنف نے مذکورہ کتاب سے کچھ اشعار نقل کر کے انہیں تنقیدی کسوٹی پر پرکھا بھی ہے اور اپنی جانب سے اصلاحیں بھی تجویز کی ہیں۔ نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقیدی رویہ جارحانہ ہونے کے باوجود لائق اعتنا ہے۔ اس تنقیدی عمل میں لہجے کی تختی تو بہرحال غیر مناسب ہے لیکن اصلاحی تجویزوں میں سے بعض بڑی مناسب لگتی ہیں۔
چند اشعار پر جمیل نظر کی تنقید ملاحظہ ہو۔۔۔حنیف اسعدی کا شعر تھا

سب کو بقدرِ ظرف ملا ہے شعورِ ذات
اُن کے لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام

جمیل نظر نے اس کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلنے کا مشورہ دیا: "سب کو انھیں کے در سے ملا ہے شعورِ ذات" اور پھر درج ذیل الفاظ میں اپنی اصلاح کا جواز پیش کیا:

"جب سب کو بقدر ظرف شعور ذات ملا ہے تو حضورؐ کی ذاتِ اقدس بھی اس میں شامل ہے کیونکہ حضورؐ کی ذات خدا کے بعد سہی لیکن آپ کے آگے بھی ایک خط کھنچا ہوا ہے کہ آپ خدا نہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں تقسیم کیے جانے والا شعور ذات خدا نے اپنے محبوب کے حوالے کر دیا اور اب ہر ایک کو بقدر ظرف وہیں سے شعور ذات مل رہا ہے"۔(۲)

حنیف اسعدی نے کہا تھا:

بے قیدِ وقت بھیجے گا اُن پر خدا درود
یہ سلسلہ ہوا ہے نہ ہوگا کبھی تمام

اس شعر کی اصلاح کر کے پہلا مصرعہ یوں کیا ع "جاری ازل سے اُن پہ خدا کا درود ہے"۔۔اور پھر لکھا:

"مستقبل کے صیغہ 'بھیجے گا' سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضورؐ پر درود بھیجنے کا سلسلہ شعر کی شان نزول کے ساتھ ہی شروع ہوا ہے۔ ممکن ہے (نعوذ باللہ) یہ سلسلہ مولانا کی سفارش پر خدا نے شروع کیا ہو۔ بہر حال شعر کے مطابق اس سے پہلے خدا کی جانب سے درود بھیجنے کا سلسلہ نہیں تھا"۔(۳)

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

اپنی غفلت کا یہ عالم اور یہ شفقت آپ کی
جرم ہم سے ہو رہے ہیں اور شرمندہ ہیں آپؐ

جمیل نظر نے اس شعر کے مصرعہ ثانی میں صرف ایک لفظ ''شرمندہ'' کو ''رنجیدہ'' سے بدل دیا اور لکھا:

''جہاں تک اس ناچیز کے مطالعہ کا تعلق ہے کتاب و سنت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ کسی بھی مرحلے پر حضورؐ کو امت کی وجہ سے شرمندگی ہوئی ہو البتہ آپؐ امت کے غم میں رنجیدہ ضرور رہا کرتے تھے ۔ اگر ایسا کوئی ثبوت ہے تو سامنے لایا جائے ورنہ یہ حضورؐ کی ذات اقدس پر صریح بہتان ہے''۔(۴)

حنیف اسعدی کا شعر تھا

مدحت تو ادا ہوئی ہے کس سے
بس یہ کہ زباں کہے محمدؐ

اس شعر کا مصرعہ اولیٰ اس طرح تبدیل کیا ع ''مدحت تو ہوئی ہے کس سے ان کی''۔ اور یوں تبصرہ کیا:

''مدحت کرنا یا مدحت کا حق ادا کرنا ہی لغوی و اصطلاحی معنی میں ہے۔ مدحت ادا کرنا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس لیے بالکل غلط ہے۔ یا یوں کہیے کہ مدحت تو کرے گا کون ان کی''۔(۵)

حنیف اسعدی کہتے ہیں :

حنیف خاک مدینہ ملی جو چہرے پر
تو اپنے جسم سے اس پیرہن کی بو آئی

اس شعر کے مصرعہ ثانی کو جمیل نظر نے یو بدلا: ''تو اپنی ذات کو پہچاننے کی خو آئی''۔۔۔ اور لکھا:

''نعت گوئی میں ایسے الفاظ سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیے جن کی حیثیت ذو معنوی ہو۔ خاص طور پر وہ الفاظ جن میں منفی و مثبت دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ پھول کی خوشبو کو بھی بوئے گل کہا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی بو کو بدبو کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے چونکہ بو خوشبو اور بدبو کی درمیانی کیفیت شامہ کا نام ہے جیسے کھانا اگر خراب ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں بو آ گئی ہے۔ اس لیے نبی کریمؐ کے پیرہن مبارک سے بو ثابت کرنا سوئے ادب ہے۔ اب یہ کہ مولانا کے جسم سے اس پیرہن کی بو آئی یا نہیں آئی اس سلسلے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کے جسم سے بو ضرور آتی ہے لیکن اس پیرہن کی نہیں ہو سکتی''۔(۶)

درج بالا شعر کی تنقید اور دوسرے مصرعے کی تبدیلی اپنی جگہ، لیکن شاعر اور نقاد، دونوں اس مرحلے پر یہ کیسے بھول گئے کہ چہرہ جسم کا ایک حصہ ہونے کے باوجود پورا جسم نہیں ہو سکتا اور چہرے پر پیرہن پہنا نہیں جاتا اس لیے منطقی طور پر یہ بات غلط ہے کہ خاک مدینہ کو چہرے پر ملنے سے پورے جسم سے حضور اکرم ﷺ کے پیرہن پاک کی خوشبو آنے لگے۔ ہاں اگر پورے جسم پر خاک مدینہ کا ذکر ہوتا تو یہ باور کیا جا سکتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پیرہن پاک کی خوشبو پورے جسم میں رچ

بس گئی۔ مزید برآں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ مدینے کی مٹی چاہے کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو حضورِ اکرم کا پیرہن ''وہ مٹی'' نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کے پیرہن کو مدینے کی مٹی سے تعبیر کرنا تو انتہائی بے ادبی ہے۔ رہا سوال نعت کے شعر میں واقعاتی صداقت کا تو اس باب میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ شعر سراسر مبالغہ آمیز ہے۔ لہٰذا شعراء کو ایسے واقعاتی بیانات کی شعری بنت سے احتراز کرنا چاہیے جو صرف تخیل کی تخلیق ہوں۔

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

غلام آنے کو کہتا ہے جا کہو کوئی
حضورِ شاہ ؐ مری بیکلی کا ذکر کرو

اس شعر کے پہلے مصرع کو جمیل نظر نے اس طرح بدلا ع غلام آنے کو بے تاب و مضطرب ہے بہت، اور پھر لکھا:

''اکثر روساء اور جاگیرداروں کے یہاں بعض ملازمین خاندانی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کو خاندان ہی کا فرد شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے منہ پھٹ ہوتے ہیں کچھ اسی قسم کا لہجہ اس شعر میں حنیف اسعدی صاحب کا ہے کہ یہیں سے حضورؐ کے لیے حکم بھیجا کہ 'جا کہو کوئی' یہ مقام مولانا ہی کو حاصل ہے ورنہ ہم جیسے گنہگار تو اس انداز پر سوچ بھی نہیں سکتے''۔(۷)

حنیف اسعدی کہتے ہیں:

اذنِ طواف لے کے شہ دیں ؐ پناہ سے
کعبہ کو جارہا ہوں مدینے کی راہ سے

اس شعر کا پہلا مصرع جمیل نظر نے اس طرح کر دیا ع مانگیں نہ کیوں نصیب شہِ دیں ؐ پناہ سے۔۔اور یوں تبصرہ کیا:

''آپ کعبہ کو براہِ راست جائیں یا مدینہ شریف ہو کر، لیکن فرائض و واجبات کی ادیگی کے سلسلے میں مزید کسی اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی فرض ہیں اور ان کی ادیگی ہم پر قرض ہے''۔(۸)

اس اصلاح اور تبصرے میں جمیل نظر نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔''نصیب'' بنانے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے اس لیے تقدیر بنانے کے لیے حضور ﷺ سے دعا کی درخواست تو کی جاسکتی ہے آپ ﷺ سے تقدیر مانگی نہیں جاسکتی۔ دوسرا پہلو جسے جمیل نظر نے نظر انداز کر دیا یہ ہے کہ حنیف اسعدی نے ''طوافِ کعبہ'' کی غرض سے جانے کی اجازت مانگی ہے ''حج'' کی اجازت نہیں مانگی۔ طواف کعبہ، حج کا ایک رکن تو ہے حج نہیں ہے۔ طواف نفلی بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر جاتا ہے تو عمرہ کرتا ہے جس میں طواف بھی کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ''عمرہ'' بھی نفلی عبادت ہے، فرض نہیں ہے۔ تصوف کے سلاسل میں یہ بات مشہور ہے کہ ''پیر'' کی اجازت کے بغیر نفلی عبادت بھی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ بقول مولانا روم۔

یک زمانے صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اولیاء کو یہ مقام حضورﷺ کے صدقے میں اور ان کے در سے وابستگی کی وجہ سے ہی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر شاعر نفلی عبادت (طوافِ کعبہ) کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادب کا تقاضا ہے۔

حنیف اسعدی نے کہا:

انسان کی عظمت کا سفر ہے شبِ اسریٰ
معراج اضافہ ہے مہماتِ بشر میں

اس شعر کا دوسرا مصرع جمیل نظر نے اس طرح تبدیل کر دیا ع اب کوئی اضافہ نہیں ادراکِ بشر میں۔۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''واقعۂ معراج شریف کو مہم جوئی سے تعبیر کرنا مولانا ہی کا حصہ ہے ہمارے نزدیک تو ایسا تصور بھی بارگاہِ ایزدی میں گستاخی کے مترادف ہے ورنہ مہمات کی جگہ کمالات بھی کہہ سکتے تھے''۔(۸)

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

بس یہی دو ہیں میرے سخن کے اصول
حمد ذکرِ خدا نعت ذکرِ رسولؐ

یہاں بھی جمیل نظر نے دوسرے مصرع کی اصلاح تجویز کی ع حمد ربّ العلا نعت پاک رسولؐ۔۔۔پھر لکھا:

''حمد کے معنی خدا کی تعریف بیان کرنا اور نعت کے معنی حضورؐ کے فضائل بیان کرنا ہیں اس لیے حمد ذکر خدا اور نعت ذکر رسول کہنا بالکل غلط ہے''۔(۹)

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

کس قدر عام ہوئی وسعتِ دامانِ کرم
کتنی صدیوں کے اندھیروں نے اجالا پایا

جمیل نظر نے اس شعر میں استعمال ہونے والے دو الفاظ ''کس'' اور ''کتنی'' کو بالترتیب ''اس'' اور ''ساری'' سے بدل کر دونوں مصرعوں کی اصلاح کر دی اور لکھا:

''کتنی صدیاں کہنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید کچھ صدیاں چھوٹ گئی ہیں ساتھ ہی مصرعہ اولیٰ میں کس قدر کے بجائے اس قدر کہنا چاہیئے''۔(۱۰)

حنیف اسعدی نے کہا:

رُواں رُواں عرقِ انفعال میں تر ہے
یہ جسم لے کے کہاں آگئے مدینے میں

جمیل نظر نے مصرعۂ اولیٰ یوں کر دیا ع بغیر نفس کی پاکیزگی کے عجلت میں۔۔اور لکھا:

"مدینہ شریف پہنچ کر اگر رواں رواں عرق انفعال میں تر ہے تو یہ گناہوں کی تلافی کے لیے فال نیک ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور اپنی خامیوں، کوتاہیوں پر شرمندہ ہے اور یہی ادا خدا کو بھی پسند ہے اور اس کے محبوبؐ کو بھی، لیکن وائے نادانی کہ مولانا اس نیک کام کو بھی الٹا سمجھ رہے ہیں"۔(۱۱)

حنیف اسعدی کے کلام کو تنقیدی اصلاحات سے نوازنے کے بعد جمیل نظر تابش دہلوی کے نعتیہ مجموعہ کلام "تقدیس" کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے نقل کی، انہوں نے لکھا تھا:

"تابش دہلوی صاحب کی نعتوں کے مطالعے نے مجھے یہی احساس دیا ہے اور میں سوچتا رہا کہ تابش صاحب کے کلام میں ان کی جو رمز شناسی ہے، الفاظ کے بطون میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے، برہنہ گفتاری کی جگہ رمز و ایما سے ان کی جو وابستگی ہے، الفاظ اور مفاہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے، لفظوں کو ہشت پہلو نگینوں کی صورت جڑنے اور انھیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے ان سب کا مقسوم و مقدر یہی تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں نعتِ سرورِ کونینؐ کے سلسلے میں ان کے کام آئیں۔ تابش صاحب زبان کی صحت کے بارے میں نہایت سخت گیر اور روایت پرست ہیں۔ وہ ان دو تین آدمیوں میں سے ہیں جنھیں میں دلی کا لہجہ قرار دیتا ہوں"۔(۱۲)

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے دینے کے بعد تابش دہلوی کے چند اشعار تنقید کے لیے منتخب کیے۔ کچھ اشعار اور ان پر کی جانے والی تنقید کے چند نکات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ تابش دہلوی کا شعر تھا:

میری خاکستر کو یارب کنجِ طیبہ چاہیے
اس تمنا کو اک آغوشِ تمنا چاہیے

جمیل نظر نے مصرعہ ثانی علیٰ حالہ برقرار رکھا لیکن پہلا مصرع یوں بدل دیا ع جسمِ خاکی کو خدایا ارضِ طیبہ ہو نصیب
اصلاحِ شعر سے فارغ ہو کر لکھا:

"خاکستر کے معنی، کسی چیز کی جلی ہوئی راکھ کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خاکستر کو غزل میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں نعت کے شعر میں اور وہ بھی کنج کے ساتھ کسی طرح جائز نہیں کیونکہ خاکستر کو کنج میں رکھنے سے سادھی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو کہ ایک مشرکانہ رسم ہے، جس سے مسلمانوں کے عقیدۂ تدفین کی نفی ہوتی ہے۔ اگر یہ تابش صاحب کا ذاتی عقیدہ ہے تو اور بات ہے ورنہ ہر مسلمان کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ منورہ میں دفن کیا جائے"۔(۱۳)

تابش دہلوی کا ایک شعر تھا:

دیدار کی دل کو آرزو ہے
دل کو بھی ذرا نگاہ کیجے

اس شعر کو جمیل نظر نے بدل کر اس طرح کر دیا:

دیدار کی کب سے آرزو ہے
دل پر بھی ذرا نگاہ کیجے

اس کے بعد لکھا:

"یہاں 'دل' کی تکرار بے محل ہے اور صوتی اعتبار سے نامانوس بھی ہے۔ ساتھ ہی یہ کہنا کہ 'دل کو بھی ذرا نگاہ کیجے' خلاف فصاحت اور زبان سے عدم واقفیت کی دلیل ہے"۔ (۱۴)

تابش دہلوی نے کہا تھا:

یہ شہر مدینۃ النبی ہے
ہر ذرے کو سجدہ گاہ کیجے

جمیل نظر کی اصلاح کے بعد اس شعر کی یہ صورت ہو گئی:

دنیائے مدینۃ النبی میں
ہر ذرے سے کھل کے چاہ کیجے

اصلاح دینے کے بعد جمیل نظر نے اپنے دلائل اس طرح رقم کیے:

"عربی میں مدینہ کے معنی ہی شہر کے ہیں۔ اسی لیے ہر شہر کے ساتھ مدینہ لگایا اور لکھا جاتا ہے جیسے مدینۃ المکۃ المکرمہ، مدینۃ الریاض اور مدینۃ الدہران وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ کہنا کہ یہ شہر مدینۃ النبی ہے، عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ البتہ اگر اردو ہی میں 'یہ شہر شہر نبی ہے' کہا جائے تو جائز ہی نہیں بلکہ نفس مفہوم پر زور پڑتا ہے نیز یہ کہ سجدہ گاہ بناتے ہیں کرتے نہیں"۔ (۱۵)

تابش دہلوی کے شعر کی بنت یوں تھی:

ان کا نیاز مند ہوں یہ ناز کم نہیں
پایا ہے میرے عجز نے رتبہ غرور کا

جمیل نظر کی اصلاح کے بعد شعر کی بنت یہ ہو گئی:

ان کا نیاز مند رہوں یونہی تا حیات
آئے نہ میرے ذہن میں سودا غرور کا

اصلاح شعر سے فارغ ہو کر وہ لکھتے ہیں:

"ابلیس نے بھی غرور، عجز و عبادات کے زعم میں یہی دعویٰ کیا تھا کہ میں معلم الملکوت ہو کر آدم خاکی کو سجدۂ تعظیمی نہیں کروں گا۔۔۔ رجز شرعی کے علاوہ جو کہ صرف دین کی برتری اور احیائے دین کے لیے ہوتا ہے غرور یا اس کی کوئی صفت خدا کے سوا ہر مسلمان پر حرام ہے"۔ (۱۶)

جمیل نظر کے لہجے میں تنقیدی حلم کے بجائے غیر منطقی سوچ سے پیدا ہونے والی تلخی ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے

پتے کی بات ضرور کی ہے لیکن ان کے لہجے نے ان کی تنقیدی رائے کا وزن کم کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شعراء سے کوئی پرخاش ہے اور وہ صرف انتقام لینے کے لیے خامہ فرسائی میں مصروف ہیں۔ بہر حال ان کے تنقیدی عمل میں عملی تنقید Practical Criticism کے عناصر پائے جاتے ہیں اور ان کی تنقیدی کاوش کو تشریحی تنقید (Judicial Criticism) کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ ان کی دی ہوئی اصلاحات کی بندش بیشتر حسن سے عاری اور شعریت سے دور ہے۔ نقاد کو اعتراض کا حق تو ہے لیکن کسی شاعر کے کلام پر اصلاح دینے کا حق قطعی نہیں ہے۔

ii۔ پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی، غفور شاہ قاسم:

غفور شاہ قاسم کی یہ کتاب، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، پاکستان میں تخلیقی ادب کے ارتقا کی تاریخ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے پہلی مرتبہ ''نعت'' کو ادبی صنف کے طور پر نمایاں کیا ہے۔ گو نعت سے متعلق باب بڑا مختصر ہے تاہم اس کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس باب میں غفور شاہ قاسم نے نعت گو شعراء کے بارے میں جو رائے دی ہے اس سے ان کے تنقیدی منہاج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ غفور شاہ قاسم کی تنقیدی آراء جاننے کے لیے ان کی تحریر سے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

> ''درد کاکوروی۔۔۔جس شعری روایت سے تعلق رکھتے ہیں اس میں رعایتِ لفظی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے انداز نعت پر قدیم رنگِ سخن کے گہرے اثرات ہیں۔ انہوں نے مراعاۃ النظیر اور دوسری صنعتوں کو نعتیہ مضامین کے اظہار میں شائستگی سے برتا ہے۔ ان کی نعتوں میں زبان و بیان کی سادگی نے اکثر اشعار کو سہل ممتنع بنا دیا ہے۔ مندرجہ ذیل نعتیہ شعر دیکھئے۔ مختصر بحر، آسان قوافی اور سہل لب و لہجہ میں کس طرح اپنے جذبات و کیفیات کا اظہار کیا ہے۔
>
> محمدؐ کا پیالہ پلا دے خدایا — چھکا دے چھکا دے چھکا دے خدایا
>
> مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ — دکھا دے دکھا دے دکھا دے خدایا
>
> نبیؐ کی قسم درد الف سے اب تو — شفا دے شفا دے شفا دے خدایا
>
> ان کی نعتوں میں حب رسولؐ اور اسلام کا درد نمایاں ہے انہوں نے نعت میں کچھ رباعیاں بھی لکھی ہیں جو ان کی شاعرانہ صلاحیتوں اور مہارتِ فن کا ثبوت ہیں''۔ (۱۷)

محمد ذکی کیفی مولانا محمد شفیع دہلوی کے فرزند تھے۔ ''کیفیات'' ان کا مجموعہ کلام ہے۔ جس میں ایک ذیلی عنوان ''ذوق و شوق'' نعتیہ شاعری کے لیے وقف ہے۔ غفور شاہ قاسم نے ان کی نعتیہ شاعری پر اس طرح اظہار رائے کیا ہے:

> ''ان (ذکی کیفی) کی نعتوں میں علمی انداز نمایاں ہے بنی نوع انسان کے لیے آنحضرتؐ کے فیوض و برکات کے تذکار آپؐ کے اوصاف کا بیان، حرم مبارک کی زیارت کا اشتیاق ان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں موضوعات ہیں۔ ان کا ایک شعر دیکھئے
>
> انؐ کی اک نظر سے قبل، انؐ کی اک نظر کے بعد — ہر طرف اندھیرا تھا، ہر طرف اجالا ہے

کس سادگی اور حسن سے آنحضرتؐ سے قبل اور بعد کی تہذیبی وتمدنی اور اخلاقی وروحانی صورت حال کے فرق کو واضح کیا ہے"۔(۱۸)

اثر صہبائی کے کلام پر رائے دیتے ہوئے پاکستانی ادب، کے مصنف نے لکھا:

"نعت رسول اکرم کی طرف ان [اثر صہبائی] کا رجوع غزل گوئی میں پختگی اور مہارت کے بعد ہوا۔ ان کی نعتوں میں اسی سبب غزل کی لفظی ومعنوی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں مشکل پسندی اور مشاقانہ پیرایہ بیان کے نمونے ملتے ہیں۔ خصوصاً ان کی وہ نعتیں جو غیر مردف ہیں۔ ان کی وہ نعتیں جو انہوں نے خواب میں زیارت رسول کریم ﷺ (۶ مئی ۱۹۵۸ء بمقام مری) کے بعد لکھیں شیفتگی وسرشاری سے لبریز ہیں"۔(۱۹)

غفور شاہ قاسم نے ماہر القادری کی نعتیہ شاعری کو بالخصوص توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ انہوں نے ماہر کی احتیاط پسندی اور غلو سے گریز کی روش کو بنگاہِ استحسان دیکھا اور ان کے طرز واسلوبِ نعت گوئی کو معیاری اسلوب کے طور پر اپنی کتاب میں نمایاں کیا۔ ماہر القادری نے نام نہاد ترقی پسندوں کی ملحدانہ روش کے برعکس دینی اقدار کے تحت ادب تخلیق کیا تھا اور بقول غفور شاہ قاسم:

"ماہر نے نعت کو اصلاح وتبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے ایک طرف تو لادینیت اور ملحدانہ افکار ونظریات کی نفی کی اور دوسری طرف اسلامی عقائد میں ہندی اثرات کے سبب جو غلط عناصر پیدا ہو چکے تھے ان کی بیخ کنی کی اور ان مقاصد کے حصول کے لیے نعت کو ایک تحریک کے طور پر استعمال کیا۔ ماہر کی نعت گوئی کا مقصد آنحضرتؐ کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنا ہے۔ ان کی نعت گوئی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اکثر نعت گو شعراء کے برعکس غلوئے عقیدت سے گریز کیا ہے اور توحید ورسالت کی حدِ فاصل کو قائم رکھا ہے اور مشرکانہ بدعات سے گریز کیا۔۔۔ [ماہر القادری] نے عملی طور پر بھی نعت گوئی کا ایک صحیح اور حقیقت پسندانہ معیار قائم کیا جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور جس میں توحید کا تصور مجروح نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنی نعت گوئی کو شاعرانہ رنگ آمیزیوں سے دور رکھا اور اسے اسلامی خطوط پر مرتب کیا۔ ماہر نے اپنی نعتوں میں اسوۂ حسنہ کے منور گوشے پیش کئے۔ صفات نبوی کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبویؐ پر زور دیا۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ انتہائی محبت کا مظاہرہ کیا مگر محتاط طریقے سے اور اپنے جذبات عشق ومحبت کو شریعت کے دائرہ سے باہر نہ جانے دیا"۔(۲۰)

ماہر القادری کی نعتیہ نظموں میں ظہور قدسی کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ یہ نظم سادگی اور تاثیر کے سبب خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس نظم کے انداز واسلوب کو انہوں نے حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام سے مشابہ قرار دیا۔ بعد ازاں لکھا:

"ماہر نے نعت میں حالی اور ظفر علی خان کی روایت کو فروغ دیا۔ اخلاقی مضامین پیش کرتے ہوئے آنحضرتؐ

کے اسوۂ حسنہ کو رہنما بنایا اور نعت کے وسیلے سے معاشرتی وسیاسی سطح پر اصلاح احوال کی کوشش کی۔ آنحضورؐ کی زندگی کے شب وروز سے ان واقعات کو نظم کرنا جو دعوت حق کے مظہر ہوں ان کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ ہے"۔(۲۱)

غفور شاہ قاسم نے پاکستانی ادب کے تحقیقی مطالعے میں 'نعت' کو صنفِ سخن کے طور پر اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ مختلف نعت گو شعراء کے شعری وجدان کی اساسی قدروں کو جاننے کی بھی سعی کی۔ یہ کام جس تنقیدی بصیرت کا متقاضی ہے یقیناً وہ موصوف کی ان آراء سے ظاہر ہو رہی ہے جو انہوں نے مختلف شعراء کے کلام پر دی ہیں۔ غفور شاہ قاسم کا منہاجِ نقد تاثراتی بھی ہے، تاریخی بھی اور تقابلی (Comparative Criticism) بھی۔ ان کی تنقید کو شعری جمالیات کے پیشِ نظر دی جانے والی آراء کی روشنی میں جمالیاتی تنقید کا ایک اچھا نمونہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

iv۔ بت خانہ شکستم من (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) امیر حسنین جلیسی:

امیر حسنین جلیسی کی درج بالا کتاب میں دو مضامین نعتیہ شاعری کے حوالے سے عملی تنقید کے حامل ہیں۔ "پروفیسر اقبال عظیم اور راغب مرادآبادی" اور "راغب مرادآبادی اپنے معیارِ نقد کے آئینہ میں"۔ دراصل یہ دونوں مضامین "در جوابِ آں غزل" کے نمائندہ مضامین ہیں۔ مصنفِ کتاب کے بقول راغب مرادآبادی نے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کو روزنامہ نوائے وقت، کراچی کی اشاعت میں، اقبال عظیم کی نعتیہ کتاب "قاب قوسین" پر معاندانہ تنقیصی مضمون لکھا تھا۔ یہ مضمون ہفتہ وار، چھ اقساط میں راز مرادآبادی کے تعاون سے شائع کیا گیا تھا۔ پروفیسر اقبال عظیم نے بردباری کا ثبوت دیا اور خاموشی اختیار کر لی لیکن امیر حسنین جلیسی نے ترکی بہ ترکی جواب دیئے جو بعد میں اس کتاب کی زینت بنے (۲۲)۔ اس قلمی جنگ میں تنقید سے زیادہ تنقیص کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ لیکن نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقید کچھ ایسی تھی جس سے شعر فہمی کے دریچے ضرور کھلے اور نعتیہ شاعری کو تقدس آمیز شاعری سمجھ کر تنقید سے بالا سمجھنے کے رویئے کو جھٹکا لگا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ مضامین تنقیصی ہونے کے باوجود ایک تاریخی اہمیت ضرور رکھتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد ہم مذکورہ کتاب سے کچھ اشعار پر تنقید اور جوابی تنقید کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں:

"مختصراً راغب صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:

اقبال عظیم صاحب کا شعر ہے:

بر بنائے مصلحت اُمّی لقب　　　لیکن آگاہ رموز کیف وکم

(اعتراض) شاعر کے قول کے مطابق اگر رسول اللہؐ نے خود کو کسی مصلحت کی بنا پر امی لقب کہلوایا تو نعوذ باللہ آپ بندۂ مصلحت تھے اور یہ حضورؐ کی شان میں سوئے ادب اور صریح گستاخی ہے"۔

(جواب)۔۔۔خداوند قدوس نے دنیاوالوں کے سامنے حضورؐ کو امی رکھ کر خود علم لدنی سے سرفراز فرمایا اور آگاہِ رموز کیف وکم کیا۔ یہ مصلحت خداوندی تھی۔ مصلحتِ رسولؐ نہیں۔ یہاں حضورؐ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نعوذ باللہ آپ کو بندۂ مصلحت نہیں کہا گیا"۔(۲۳)

ایک اور نعت کے اشعار جس کی ردیف ''ہٹادو'' ہے:

میرے آقا اندھیرا بہت ہے — اب نقاب اپنے رخ سے ہٹادو

تم تو نورٌ علیٰ نور ٹھہرے — میرے آنکھوں سے پردے ہٹادو

میرے تلوؤں میں چھالے بہت ہیں — مرے رستے سے کانٹے ہٹادو

(اعتراض) نورٌ علیٰ نور ٹھہرے، غلط ہے، نورٌ علیٰ نور ہو، کہنا چاہیے تھا۔ اقبال عظیم پیغمبر اسلام کو حکم دیتے ہیں کہ میرے رستے سے کانٹے ہٹادو، جو صریح گستاخی ہے اور اقبال عظیم کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ ہٹادو کی جگہ آپ ہٹادیجئے کہنا چاہیے تھا۔ یہ اندازِ تخاطب سوئے ادب اور شانِ رسالت میں گستاخی ہے۔

(جواب) نورٌ علیٰ نور ہونا ایک حقیقت کا اعتراف ضرور ہے جو میں اور آپ انفرادی طور پر بھی کر سکتے ہیں اور اس قول سے بعض کو انکار کی جراءت بھی ہوسکتی ہے۔ مگر جب نورٌ علیٰ نور ہونا تمام عالم نے تسلیم کرلیا تو نورٌ علیٰ نور ٹھہرے اور آپ کے نورٌ علیٰ نور ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

ٹھہرے میں جو زور ہے اور اجتماعی تیقن کی جو کیفیت پائی جاتی ہے اسے اہل نظر ہی محسوس کر سکتے ہیں ۔۔۔ شاعر نے ابتدا ہی یوں کی ہے کہ ''میرے آقا اندھیرا بہت ہے'' آقا کو نہ حکم دیا جاتا ہے نہ دیا جارہا ہے۔ درخواست کی جارہی ہے اور یہ مسلسل درخواست ہے۔ ہر شعر میں میرے آقا کہنے کی ضرورت نہیں تھی جو محذوف ہے۔ چوں کہ خود میں راستہ کے کانٹے ہٹانے کی قدرت نہیں پاتا لہٰذا عرض کرتا ہے کہ ''میرے تلوؤں۔۔۔'' نہ یہ چھالے حقیقتاً چھالے ہیں اور نہ یہ کانٹے جسدی طور پر کانٹے ہیں۔۔۔ آقا سے عرض کی جارہی ہے کہ میری مشکلات آسان کردیں۔ پھر ہٹادو ردیف ہے۔ اس میں ہٹادیجئے کیسے کہا جائے۔ قافیہ اور ردیف کی مجبوریاں ہر شاعر کے پیشِ نظر ہونی چاہئیں۔ (۲۴)

اس جگہ امیر حسنین جلیسی نے بات بنانے کی کوشش تو کی لیکن اقبال عظیم کا لہجہ بہرحال حضور ﷺ کے مقام کے لحاظ سے بہت نامناسب ہے۔ ردیف کی مجبوریاں اپنی جگہ، شاعر کی قادرالکلامی کا امتحان تو ایسی ہی ردیفوں میں ہوتا ہے۔ رستے سے کانٹے ہٹانے کی درخواست بہرحال درخواست کے قرینے سے نہیں ہوسکی۔

عمر اقبال یوں ہی بسر ہو ہر نفس یادِ خیر البشرؐ ہو — صبح تا شام ذکرِ مسلسل اور راتوں کو پیہم شبینے

(اعتراض)...... راتوں کو پیہم شبینے پڑھ کر حیرت اور افسوس ہے۔ کیا شبینے ہنگامِ سحر، دوپہر اور سہ پہر میں بھی ہوتے ہیں۔ شبینہ میں تو خود رات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(جواب)...... شبینہ ایک اصطلاح ہے۔ محفل شبینہ دو گھنٹے کی بھی ہوسکتی ہے تمام رات کی بھی۔ سرِ شام بھی ہوسکتی ہے۔ درمیانِ شب بھی۔ چوں کہ تمام راتیں پیہم شبینوں میں گزرتی ہیں۔ صرف شبینے کہنے سے مفہوم ادا نہیں ہوسکتا...... شعر میں راتوں کا ذکر حشو وزوائد میں نہیں آتا۔ ضروری بھی ہے فصیح بھی۔

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقا نے عزت بچالی — فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی

(اعتراض)......غور فرمائیے جو فعل حضورؐ سے منسوب کیا جارہا ہے کیا وہ مستحسن ہے۔ کیا حضور نعوذ باللہ سر حشر اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی عاصی وخاطی کی عزت بچالیں گے؟

(جواب)......اقبال عظیم کہتے ہیں کہ میں عاصی وخاطی ہزار ہا گناہوں کا مرتکب جس کی فردِ عصیاں بہت طویل تھی اور اللہ اعلم بالصواب اس کی کیا سزا ملتی کہ میرے آقا ومولا نے اسلام اور ایمان کی تعلیم دے کر اور راہ شکر پر چلنے کی ہدایت فرما کر میری عزت بچالی اور توبہ کے دروازے کھلوا کر اپنی کملی کے سایہ میں لے کر یعنی اپنی امت میں قبول کر کے میرے گناہوں کو معاف کرادیا۔ یہ حضور کی خطاپوشی اور عفو کے جذبہ کا اظہار ہے۔ 'مجھ' سے مراد اپنی ذات نہیں۔ مرکزِ خیال ایک مسلم ایک مومن ہے۔ اب شعر کی آفاقیت کو پیش نظر رکھیے"۔ (۴۵)

راقم الحروف کو راغب مرادآبادی کا "اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنا" تو قطعی پسند نہیں آیا۔ اس جملے سے انہوں نے نادانستہ طور پر اللہ کی شان میں گستاخی کر دی......لیکن شعر پر ان کا اعتراض بہر حال بڑا وزنی ہے۔ فردِ عصیاں کا ہاتھ میں آجانا صرف روزِ محشر ہی ممکن ہے۔ اقبال عظیم نے صاف کہا ہے کہ "فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر" حضور اکرم ﷺ نے اپنی کالی کملی میں چھپالی۔ فردِ عصیاں دنیا میں کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اس لیے امیر حسنین جلیسی نے جو صفائی پیش کی ہے اور شعر کے معانی کی جو تاویل کی ہے وہ اپنی جگہ۔ بہت خوبصورت ہونے کے باوجود شعر کے الفاظ سے ظاہر ہونے والے مفہوم کی عکاسی نہیں کرتی۔ آیئے اس سلسلے میں قرآنِ کریم سے رجوع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ (اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کو دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ، پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھ اپنا اعمالنامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے) (آیات ۱۳۔۱۴، سورۃ بنی اسرآئیل ۱۷، پ ۱۵)

اس آیتِ قرآنی کی موجودگی میں کوئی بھی ایسا بیان جو قیاس پر مبنی ہو اور ڈرامائی انداز سے ایک واقعے کی صورت میں پیش کیا جائے، کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا خیال، الفاظ کی بندش اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اقبال عظیم مرحوم کی پاکیزہ خیالی اپنی جگہ لیکن الفاظ نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرئی بنایا گیا ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پاچکا ہے لیکن اہلِ علم کے نزدیک اس میں جو سقم پایا جاتا ہے وہ امیر حسنین جلیسی مرحوم کی تشریح وتصریح سے دور نہیں ہوسکتا۔ میرے خیال میں نعت کے اشعار میں اسقام کی نشاندہی پر تاویلات پیش کرنے سے بہتر ہے کہ شعر میں پایا جانے والا ابہام دور کر دیا جائے۔ ایسے معاملات میں "انا" کو قربان کر دینا ہی بہتر ہے۔ بہر حال چوں کہ شاعر نے خود جواب نہیں دیا اس لیے تاویل کا عذرِ لنگ شاعر کے سر نہیں جاتا۔ تاہم اس کی خاموشی اس عذرِ لنگ میں شرکت کی غمازی کرتی ہے۔

امیر حسنین جلیسی کو راغب مرادآبادی کی نعتیہ شاعری میں بھی زبان و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں نظر آئیں انہوں نے ان کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیا۔ مثلاً

"رخِ مصطفیٰؐ کے صدقے یونہی بار بار ہوتا مجھے اپنے ہر عمل پر اگر اختیار ہوتا

پہلے مصرعہ میں 'یونہی' بمعنی کسی جواز کے بغیر بے معنی ہے اور صدقہ ہونے کے ایک عمل کا ذکر گیا ہے لہٰذا دوسرے مصرعہ میں ہر عمل غلط اور مہمل ہے۔ اگر شعر یوں کہا جاتا تو بات بنتی:

رخِ مصطفیٰؐ میں ہزار بار ہوتا مجھے اپنے اس عمل پر اگر اختیار ہوتا

آپ کی شان جمالی کو وہ سمجھا ہی نہیں آپ کو جس نے بھی رشکِ مہِ کامل باندھا

شانِ جمالی کو سمجھنے والے رشکِ مہِ کامل ہی باندھیں گے۔ آپ کو مہِ کامل نہیں کہہ سکتے۔ مہِ کامل کہنے والا شانِ جمالی کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ زود گوئی کا نتیجہ ہے"۔(۲۶)

اس شعر کی معنوی جہتوں کو امیر حسنین جلیسی نے بھی پوری طرح نہیں سمجھا۔ "آپؐ" کے ساتھ "باندھا" میں جو معنوی سقم اور ذم پیدا ہو رہا ہے وہ دیکھنا چاہیے تھا۔ آپؐ کے روئے انور کو تو رشکِ مہِ کامل کہا جا سکتا ہے لیکن ردیف "باندھا" کے ساتھ ضمیر "آپ" کا استعمال بالکل غلط ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں شعر اس طرح ہونا چاہیے تھا ؎

حسنِ سرکارِ دو عالم کو وہ سمجھا ہی نہیں
جس نے وہ چہرۂ زیبا مہِ کامل باندھا

راغب مرادآبادی نے کہا تھا ؎

بدل دیں رحمت اللعالمیں نے سیرتیں جن کی
وہ دشمن سے بھی اپنے بات کرتے ہیں ٹھکانے کی

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر حسنین جلیسی نے لکھا:

"ٹھکانے کی بات کرنا یعنی ہوش کی بات کرنا۔ دشمن سے تو کوئی بھی بے ہوشی کی یا احمقانہ بات نہیں کرتا، خواہ اس کی سیرت کیسی ہی ہو۔ تبدیلیٔ سیرت سے صرف ٹھکانے کی بات کرنے کا سلیقہ آنا، معلول کا غیر اہم ہونا علت کی اہمیت کی توجیہ کرنے سے قاصر ہے، پھر ٹھکانے کی بات، نہایت غیر فصیح ترکیب ہے۔ عامیانہ رنگ جھلکتا ہے۔

بدی کو بھی جو دشمن کی نظر انداز کرتے ہیں
خدا شاہد نہیں جاتی ہے ان کی رائگاں نیکی

آنے کی۔ لانے کی، کے ساتھ گاں نے کی، قافیہ کی بدترین غلطی ہے جس کا ارتکاب اصول قافیہ سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا مبتدی بھی نہیں کرتے۔ اسے سہو نہیں کم نظری کہنا پڑے گا"۔(۲۷)

اسی طرح راغب کا ایک شعر تھا:

جسمِ رسولِ پاک تھا اپنی مثال آپ
اک شمع تھی کہ جس کا نہ سایا نہ دود تھا

اس شعر پر امیر حسنین جلیسی نے یوں تبصرہ کیا:

''اپنی مثال آپ کہنے کے باوجود شمع سے تشبیہ دیدی جو شانِ رسولؐ میں سوئے ادب ہے۔ جو چیز اپنی مثال آپ ہو اسے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اگر سورج اپنی مثال آپ ہے تو آپ اسے کسی کم تر شے مثلاً چراغ سے کیسے تشبیہ دیں گے۔ سایہ کی حد تک تو سوچا جاسکتا ہے کہ جسم اطہر کا سایہ نہ تھا مگر یہاں دود کا جسم پاک سے کیا تعلق ہے''۔(۲۸)

راغب کہتے ہیں:

ابھی تک دور ہوں بابِ حرم سے
ابھی مشکوک ہے میری وفا کیا؟

امیر حسنین جلیسی کی تنقیدی رائے ملاحظہ ہو:

''باب حرم سے مراد ارض مقدس یا حرمین شریفین کا کوئی دروازہ ہے تو دوسری بات ہے ورنہ باب حرم ایک مخصوص دروازہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے مدینہ شریف میں نہیں۔ وفا کے مشکوک ہونے کا خیال حضور اکرم پر الزام ہے۔ اپنی وفا کے معتبر ہونے کا دعویٰ اور حضورؐ ختمی مرتبت میں۔ یہ غرہ گستاخی ہے''۔(۲۹)

ناقد نے دھیان نہیں دیا کہ جہاں صرف حرم یا بابِ حرم کہا جاتا ہے تو ''حرمِ کعبہ'' کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے۔ مسجدِ نبوی کو بھی حرم کہا جاتا ہے لیکن وضاحت کے لیے ''حرمِ نبوی'' کہنا پڑتا ہے۔ چنانچہ راغب کے شعر میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کی صورت بنتی ہے اور یہ شعر نعت کا نہیں بلکہ حمد سے متعلق ہو جاتا ہے۔ ''علیمٌ بذاتِ الصدور'' کی بارگاہ میں اپنی وفا کا دعویٰ کتنا قبیح اور لائق گرفت ہے اس کا اظہار ضروری نہیں۔

بہر حال امیر حسنین جلیسی نے راغب مراد آبادی کے اشعار پر اور اقبال عظیم پر کی جانے والی نکتہ چینی کے دفاع میں جو کچھ رقم کیا، وہ ایک تنقیدی جہت ہے اور اسے ہم متقن تنقید ہی کا نام دے سکتے ہیں۔ اس تنقید کے ذریعے زبان و بیان کے اسرار بھی کھلتے ہیں اور شعر فہمی کے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔

اساس (شعرِ عقیدت)، سرشار صدیقی:

سرشار صدیقی کا شعرِ عقیدت، ''اساس'' کے نام سے کتابی شکل میں آیا ہے۔ اس میں ان کا لکھا ہوا دیباچہ بعنوان ''بڑی بات'' گو بہت مختصر ہے تاہم اس میں تخلیقِ نعت کے ضمن میں ایک اہم نکتہ بیان ہوا ہے۔ جس کی طرف عام طور سے نعت گو شعراء کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس ایک پہلو کی طرف دھیان نہ دینے کے باعث ہی نعتیہ شاعری کو ایک مدت تک صنفِ سخن کے طور پر قبول کیے جانے میں نقاد متذبذب رہے ہیں۔ اب تو یہ فضا بدل گئی ہے لیکن شعراء کی اکثریت اب بھی نعت کی ادبی خوبیوں کا لحاظ رکھنے اور شعری جمالیات کا پاس کرنے میں تساہل سے کام لے رہی ہے اس لیے میرے خیال

میں سرشار صدیقی کا تخلیقی رویہ آئندگاں کے لیے مشعلِ راہ بنے گا۔وہ لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ موضوع کے اعتبار سے ان تمام نظموں کا مزاج مذہبی ہے، لیکن میں نے اظہار کے لیے اپنی شاعرانہ افتادِ طبع کے پیشِ نظر ان پر روایتی عقیدے اور رسمی عقیدت کے نفوذ کے تمام راستے مسدود کر رکھے ہیں۔مذہب کی محدودات کے نام پر شاعری کے بنیادی وظائف و مطالبات کو مجروح ہونے سے بچایا ہے اور روایتی ہیئت و اسلوب سے شعوری طور پر احتراز کرتے ہوئے خالصتاً شعری زبان اور فطری لہجے میں بات کی ہے"۔(۲۹)

سرشار صدیقی کی مقتبس سطور میں وہ تنقیدی شعور جھلک رہا ہے جو کسی ادب پارے کی تخلیق اور اس کی پرکھ کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔شعری جمالیات کا خصوصی خیال رکھنے کے باعث یہ تخلیقی رویہ بھی جمالیاتی تنقید (Aesthetical Criticism) کا مظہر قرار دیا جا سکتا ہے۔

☆سخن ورانِ کاکوری، حکیم نثار احمد علوی:

حکیم نثار احمد علوی کے اس تذکرے کو ہم نے نعتیہ تنقید کی ایسی کتب میں شامل کیا ہے جن میں جزوی طور پر ہی سہی لیکن نعتیہ شاعری پر قابلِ ذکر تنقیدی نقوش پائے جاتے ہیں۔حکیم صاحب نے اس تذکرے میں محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری پر جو سیر حاصل تبصرہ کیا ہے وہ اپنی تنقیدی نہج کے باعث لائق ذکر ہے۔حکیم نثار احمد علوی نے اردو کی شعری روایت کے استنادی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ابتداء ہی میں محسن کے بارے میں ایسی بات کہی جس سے ان کا تاریخی شعور اور کلاسیکی فنی روایت سے بصیرت افروز آگاہی ظاہر ہوتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"محسن نے شاگردانِ ناسخ اور آتش کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ان کا فن لکھنوی روایات و خصوصیات میں پل کر نکھرا اور اس کو انہوں نے نعت میں اپنی خداداد ذہانت سے ایسا برتا کہ ان کا کوئی ہم سر نہ ہو سکا۔(۳۱)

یہ لکھنے کے بعد حکیم نثار احمد علوی نے محسن کاکوروی کے کلام کی خصوصیات اس طرح رقم کی ہیں:

"محسن کی خصوصیاتِ کلام میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ان کی صناعی اور معنی آفرینی ہے اور صنائع بدائع کے مناسب استعمال سے ان کا کلام اپنے ہم عصروں کی نعتیہ نظموں سے زیادہ بہتر ثابت ہوا۔قصیدے کی شان و شوکت میں ان صنائع نے زور بڑھایا۔اضافتوں اور استعاروں نے مثنوی کی بندش چست کی اور اس طرح محسن کی نعت کو خاص درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔مثلاً معراج کی شب ہے۔آدھی رات گزر چکی ہے۔ڈرامے کا پہلا سین مکے کی سرزمین پر دکھایا جائے۔لفظ لیل (شب) کی رعایت سے رات کو لیلی سے تشبیہ دیں گے۔اور ارکانِ حج کا تلازم ملحوظ رکھیں گے:(از نظم موسومہ چراغ کعبہ)

بھیگی ہوئی رات آبرو سے — داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلی گل اندام — شبنم کی ردا، بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے

نا محرموں سے چھپائے چہرہ   پروین کو بنائے منہ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا   انداز خرام صوفیانہ
ناخن کی جگہ ہلال کی مد   دفتر سے طلوع کے ندارد
گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے   ہیں رمی جمار کے اشارے
صورت میں غلاف محترم کے   در پے طواف میں حرم کے

الفاظ: رداء احرام۔ سعی صفا۔ نامحرم۔ رمی جمار۔ طواف۔ رعایت ارکان حج سے اور چوں کہ ناخن کٹوانا بھی حج میں مستحب ہے اس لیے ہلال کو دفتر طلوع سے ندارد کیا۔ واقعی اس رات کو چاند تھا بھی نہیں کہ قمری مہینے کی ستائیسویں شب تھی۔۔۔اس میں شک نہیں کہ یہ التزام مالایلزم نرا تصنع ہے لیکن اس کا استعمال نہایت خوبی سے کیا گیا ہے اور اس دشوار پسندی نے بجائے مثنوی کو ناقص کرنے کے نظم کی لطافت پر جلا کر دی ہے''۔(۳۲)

محسن کے قصیدۂ لامیہ پر بہت سے نقادوں نے لکھا ہے۔ حکیم نثار احمد علوی نے بھی خامہ فرسائی کی ہے:

''محسن کی کامیابی کا یہ راز بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے مناظر قدرت جو اردو سمجھنے والوں کے پیشِ نظر تھے، تشبیب میں استعمال کیے۔ متھرا۔ بندرابن۔ جہاں عشق کے رب النوع نے جنم لیا کاشی اور مہابن جن کو عاشق مزاج حسن و جمال کی سیرگاہ بتاتے ہیں۔ سری کرشن اور گوپیوں کا عشرت خیز اور دردانجام قصہ۔ پھر اسی کے ساتھ ہندوستان کی پیاری برسات کا سماں ۔گلوں کا نمو، گلشنوں کی بہار۔ فاختہ۔ شاماں۔ لال۔ ہریل۔ یہ سب سامان نظمِ اردو میں کیاب تھا محسن نے یہ بھی اپنی ذہانت سے کیا کہ یہ سب سامان قصیدۂ نعت کی تشبیب میں استعمال کیا جس سے ایمان داروں کے قلوب کو یہ اطمینان بھی میسر آیا کہ کفر کو ظلمت سے اور ایمان کو نور سے تشبیہ دی ہے۔ اس طرح شہرت کے پر لگ گئے مقبولیت عام کے موتی نثار ہوئے اور بقائے دوام مقدر ہوئی''۔(۳۳)

محسن کے قصیدے کی تشبیب پر کٹھ ملاؤں نے اعتراضات بھی جڑے، لیکن سچ بات یہ ہے کہ اسی تشبیب کی بدولت محسن کے قصیدے کو مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ حالانکہ قصائد کا عوامی سطح پر مقبول ہو جانا عموماً ممکن نہیں ہوتا ہے کیوں کہ قصائد کی زبان پرشکوہ ہوتی ہے اور مقبولیت کے لیے زبان و بیان میں انتہائی سادگی چاہیے۔ اتفاق سے محسن کی زبان میں سادگی کا عنصر بھی تھا۔

حکیم نثار احمد علوی نے محسن کاکوروی کی دقیقہ رسی، نکتہ شناسی اور جمالیاتی بیداری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:

''علامہ محسن، حضرت بیدلؔ سے متاثر تھے اور ان سے خاص نسبت اور والہانہ عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دقیقہ رس اور نکتہ شناس طبیعت رنگِ بیدلؔ سے اچھی طرح متاثر ہوئی اور انہوں نے اس عہد کی رعایتِ لفظی کو صرف رعایتِ لفظی تک محدود نہیں کیا بلکہ اس کو زبان واجب میں اس قدر سمو دیا کہ زمینِ شعر پر

رعایتِ لفظی کو دیکھتے ہوئے، حسن بیان کی معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک جمالیاتی رنگ بھی نکھر
آیا۔انہوں نے نعت میں اپنا لوہا اس وقت منوایا جب مومن۔ذوق۔غالب۔انیس۔دبیر اور امیر و داغ
دنیائے ادب پر چھائے ہوئے تھے"۔(۴۴)

سخنورانِ کاکوری، شعرائے کاکوری کا ایک تذکرہ ہے۔لیکن اس تذکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف شاعروں کے کوائف ہی جمع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ کلام پر بھی بڑے تنقیدی شعور کے ساتھ، رائے دی گئی ہے۔ہم نے تو صرف محسن کاکوروی کا ذکر ہی دیکھا ہے، حقیقت میں جناب علوی نے محسن کے کوائف بھی بڑی عرق ریزی سے جمع کیے ہیں اور ان کے کلام کی خصوصیات پر بھی بڑے غور و فکر کے بعد قلم اٹھایا ہے۔ہم ان کی تحریر سے یہاں چند نکات اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

☆ذوق کے بعد ممتاز قصیدہ نگار صرف محسن تھے۔

☆بیانِ واقعہ میں صداقت اور امانت اور ہر موقعہ پر شریعت کا لحاظ رکھنا محسن کا شعار تھا۔

☆نقلِ روایت میں خیانت سے انتہائی درجہ گریز کرتے تھے۔

☆شفاعت و نجات اور نظمِ دل افروز میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے، جس کی قرآن و حدیث سے سند نہ ہو۔نظمِ دل افروز میں محسن نے خود لکھا ہے:

رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا
کوئی حرفِ غلط آئے نہ سہواً میرے دفتر میں

صاحبِ تذکرہ لکھتے ہیں:

"غرض یہ تھیں محسن کے کلام کی خصوصیتیں، لیکن یہ سمجھنا کہ جس کلام میں یہ خصوصیتیں ہوں وہ ایسی ہی دلکشی پیدا کر سکتا ہے جیسی کہ مدیحِ خیر المرسلین یا شفاعت و نجات یا نظمِ دل افروز کو حاصل ہے۔"نہیں، ہرگز نہیں"۔(۴۴)

حکیم نثار احمد علوی کا تنقیدی منہاج، جمالیاتی اور تاریخی ہے۔ہندوستانی ماحول کے تناظر میں محسن کی مقبولیت کے محرکات تلاش کرنے کا عمل ان کی تنقیدی بصیرت کو عمرانی تنقید کی حدود میں بھی داخل کرا دیتا ہے۔حکیم نثار احمد علوی کی نکتہ رسی اور تنقیدی بصیرت انہیں، تذکرہ نگار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نقاد کی حیثیت سے بھی منوا لیتی ہے۔

اب تک ہم نے جن کتابوں سے تنقیدی نگارشات کے نمونے پیش کیے، ان میں غالب رجحان شعری معیارات کی روشنی میں نعتیہ تخلیقات کو پرکھنے کا تھا۔اب ایسی نگارشات کا مطالعہ مقصود ہے جن میں نعتیہ شاعری کو شرعی پیمانے پر جانچنے کا عمل نمایاں ہے۔

۴۔ تنقیدِ نعت میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی:

☆ ردِ عمل، تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ:

امین راحت چغتائی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین کے مجموعے میں دو مضامین ''مشکلاتِ نعت'' اور ''حافظ مظہر الدینؒ، جدید ادبی نعت کے پیشرو'' ہمارے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ اول الذکر مضمون نعت کے آداب سے متعلق ہے اور آخر الذکر میں ایک شاعر کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

''مشکلاتِ ''میں امین راحت چغتائی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے اصول مرتب کرنے کی سعی کی ہے۔ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے انہوں نے چند ایسی آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا ہے جن کی روشنی میں نعت رسول ﷺ کے خدو خال کو دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ آیات ہیں: آلِ عمران: آیات ۳۱، ۳۲، ۱۶۴، النساء: ۶۵، ۱۱۵، مائدہ: ۳، بنی اسرائیل: ۷۹،۱..........امین راحت چغتائی نے لکھا:

> ''ان آیات کے مفہوم کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت نے حضور ختمی مرتبت کو اس قدر بلندی عطا فرمائی کہ لوگوں کو حکم دیا کہ اگر تم میری محبت کے خواہاں ہو تو رسول کی اطاعت کرو اس کے عوض اللہ تمہیں اپنی محبت سے سرفراز فرمائے گا بلکہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ مزید ارشاد ہوا کہ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مومنوں پر کہ اس نے ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اہلِ ایمان وہ ہیں جو رسولِ اکرم کے فیصلے سے سرتابی نہ کریں اور جو رسولؐ سے اختلاف کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا انہی آیات میں بشارت دی گئی کہ آج تمہارا دین، تمہارے لیے مکمل کر دیا گیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا گیا۔ یہی نہیں، خالق کائنات نے سرورِ کائنات کو مقامِ محمود عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ آنحضور کو بشیر ونذیر اور سراجِ منیر کہہ کر خطاب فرمایا۔ پھر رب العزت نے لوگوں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جو اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ مزید فرمایا کہ آپؐ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا اور آپ کو کوثر عطا کیا۔
>
> بنظرِ غائر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ارشادات کے ذریعے نعت رسولؐ کے قرآنی خطوط متعین فرما دیئے۔ ان کے بحرِ معانی کی غواصی نعت گو کا کام ہے۔ اسے ہر بار نئے گوہر دستیاب ہوں گے مگر شرط وہی ہے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ نعت کے خدو خال جاننے کے لیے بھی کیا جائے''۔(۳۶)

اس کے بعد امین راحت چغتائی نے احادیث کے مطالعے پر زور دیا ہے اور کچھ واقعات حضور ﷺ کے حسنِ اخلاق کے حوالے سے رقم کیے ہیں مثلاً غزوۂ خندق میں دشمن کا ایک آدمی خندق پار کرنے کی کوشش میں خندق میں گرا اور مسلمانوں نے اسے مار ڈالا۔ دشمن نے اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے سو اونٹ معاوضہ دینے کی پیشکش کی لیکن حضور ﷺ نے انہیں اس کی لاش مفت عطا کر دی۔ غزوۂ حنین کے موقعے پر شیما بنتِ حارث، حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی اور حضورِ اکرم ﷺ کی

رضاعی بہن نے اپنا تعارف کروایا تو آپ ﷺ نے ان کے پورے قبیلے کے تقریباً چھ ہزار اسیروں کو آزاد فرما دیا اور ان کا سامان بھی لوٹا دیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعات بیان کر کے امین راحت چغتائی نے لکھا:

"ہماری نعت کے مضامین قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات اور سیرت کے بیان کردہ مستند واقعات کی روح سے اخذ ہونے چاہئیں۔ شعر بلاشبہ جذبات سے تشکیل پاتا ہے لیکن نعت واحد صنف سخن ہے جو جوش کے باوصف ہوش سے کہنے کا فن ہے"۔(۳۷)

عملی تنقید کا مظاہرہ کرتے ہوئے امین راحت چغتائی نے شعراء کے کچھ تسامحات کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً انہوں نے پہلے ایک شعر لکھا ہے:

صحرا نشیں نبیؐ سے یہ کیا معجزہ ہوا
ذروں کو افتاب کا ہمسر بنادیا

اس شعر کے مافیہ پر انہوں نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"پہلے مصرع سے کچھ یوں تاثر ابھرتا ہے کہ صحرا نشینی، نعوذ باللہ، کوئی بہت پست سی چیز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی معمولی جگہ سے پیدا ہونے والے پیغمبرؐ سے اتنا بڑا معجزہ سرزد ہو گیا۔ نعت گو کا اپنا جذبہ کتنا ہی پاکیزہ و محترم کیوں نہ ہو، شعر بہر حال الفاظ سے ہی تشکیل پاتا ہے اور الفاظ ہی اظہار کا ذریعہ ہیں۔ ایسے یا اس سے مماثلت رکھنے والے مفاہیم کے حامل متعدد اشعار قارئین کی نظر سے گزرے ہوں گے۔ اگر یہ احساس کر لیا جائے کہ نعت بھی نازک آبگینے سے کم نہیں تو ٹھیس لگنے کے امکانات کم ہو سکتے ہیں"۔(۳۸)

نعت گو شعراء کے ایک مرغوب موضوع کی طرف دھیان دلاتے ہوئے چغتائی لکھتے ہیں:

"نعت میں ایک اور میلان بھی بڑے تواتر سے نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ مجھے قبر میں نکیرین کیا کہیں گے۔ نعت سنا کر اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔ یا میں حشر میں نعت رسولؐ پڑھتا جاؤں گا اور یوں میری بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ یا پھر حشر میں میرے اعمال پیش ہوں گے تو "یا محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ کہدوں گا میں"۔ یہی نہیں مجھے ایسے اشعار بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے ۔

در نبیؐ پہ غریب و غنی ہیں سر بسجود — اس آس پر کہ ہو بس اک نگاہ رحمت عام

یا پھر

نبیؐ کے روضے پہ نعت گر تم سنا سکو تو — اسے ہی سجدہ اسے ہی اپنا قیام کہنا

یہ سجود و قیام کے تقاضوں سے ناآشنائی کے مترادف ہے۔ بلکہ قدرے کھل کر بات کروں تو عرض ہے کہ اس میں توحید و رسالت کے مقامات خلط ملط ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی میلان کا ایک اور شعر دیکھیے ۔

کر چکا جب خدا کے گھر کا طواف — پھر تھا میں اور نبیؐ کے در کا طواف

اب نعت گو سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ طواف کہاں کیا جاتا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں آج کی نعت میں ایسے کوتاہ فکر اشعار بھی پڑھنے کو ملتے ہیں کہ

میرے آقا سے برائے زندگی بے تکلف کی ضروری جستجو

دولتِ خیر سے فقر اک عمل خالی ہے میرے آقا اسے ہو جائے یہ تجھیر عطا

اسی سلسلے کے دو اور اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کہتا ہے نبیؐ جی بھیجو نا ہے مٹھو کی میٹھی بولی

روزِ محشر دامنِ احمد سے پونچھا جائے گا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کامرانی اشک کی

یہ اشعار کوئی مقام آشنا شاعر نہیں کہہ سکتا۔(۳۹)

امین راحت چغتائی نے غیر معمولی شہرت حاصل کرنے والے الفاظ "لولاک لما خلقت الافلاک" کو حدیثِ قدسی کے طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ملا علی قاری کی "الموضوعات الکبیر" کے صفحہ ۵۹ کا حوالہ دے کر یہ بتایا ہے کہ یہ جعلی احادیث میں شامل ہے۔ بعد ازاں انہوں نے لکھا ہے:

"خود عربی علوم کے بعض ماہرین بھی اس جملے کو غیر فصیح قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ "لولاک" کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ بات تو ہم سب کے علم میں ہے کہ رسول اکرمؐ کے الفاظ میں تحریف یا ان سے کسی غلط بات کو منسوب کرنے کی سخت وعید ہے۔ لہٰذا نعت گو شعراء کو غیر معمولی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ مختصر یہ کہ ایسے تمام میلانات قرآنی مزاج کے خلاف ہیں اور محض یہ کہہ دینے سے سرخروئی ممکن نہیں کہ:

گناہ گار سہی، اس کے نام لیوا ہیں خدا نے آپ بخشا ان کو اورنگِ خطا پوشی

خدا نے بخش دیا ہم کو بھی برائے رسولؐ ڈروں میں کیوں قیامت سے، شفاعت ہے اگر ان کی

بخشش کا مرحلہ اعمالِ صالح کا محتاج ہے۔ قرآن کا دوٹوک فیصلہ ہے کہ ہر فرد کا مواخذہ اس کے اعمال [سعی] کے مطابق ہوگا اور یہ بات ذہن میں ہمہ وقت رہنی چاہیے کہ قبر و حشر کے معاملات اتنے آسان نہیں۔ یہ اتباعِ سنت سے مشروط ہیں۔ اور قیامت کے معاملات و مراحل سے تو خود رسول اکرمؐ خوف کھاتے تھے اور ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے"۔(۴۰)

امین راحت چغتائی کہتے ہیں کہ غزل کے انداز میں لکھی ہوئی نعت میں غزل کا تاثر زیادہ ملے تو اس کا لہجہ نعت کے لیے مناسب نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نمونے کے طور پر دو اشعار بھی نقل کیے ہیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے:

"حصارِ عشق سے باہر کبھی میں جا نہ سکا ترے سوا کوئی دل میں مرے سما نہ سکا

مجھ سے خرابِ عشق پہ چشمِ کرم کا شکریہ آتی نہیں کبھی کمی، آپ کے التفات میں

یہ اشعار، ظاہر ہے، بطور نعت کہے گئے ہیں لیکن نعت جن جذبات عالیہ اور رفعت فکر و بیان کی متقاضی ہے وہ یہاں مفقود ہے"۔(۴۱)

اپنے مذکورہ مضمون کو امین راحت چغتائی نے تخلیقِ نعت کے ضمن میں ایک صائب مشورہ دیتے ہوئے مکمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"نعت کے جدید شعرا اگر غزلیہ نعت یا نعتیہ غزل سے دامن کش ہو کر نظم کی ہیئت میں نعت کہیں تو ممکن ہے ہم غزل کی روایت، فکر، زبان، تراکیب، تشبیہات و استعارات سے دامن بچا کر نئی نعت کہہ سکیں۔ نظم کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس کا اسلوب بیان مختلف ہے۔ علامتیں الگ ہیں اور خیالات کے بھرپور اظہار کی گنجائش موجود ہے۔ ہمارے بعض شعراء نظم آزاد کے پیرائے میں اچھی نعت کہہ بھی رہے ہیں۔ اس میں سیرت کے اہم واقعات اور متعلقہ آیات قرآنی کی روح کو بڑے دلآویز انداز میں سمیٹا جاسکتا ہے اور نعت کو خانقاہی مزاج سے باہر نکالا جاسکتا ہے"۔(۴۲)

ردِ عمل کا دوسرا مضمون حافظ مظہر الدین کی نعتیہ تخلیقات کے حوالے سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اس میں امین راحت چغتائی نے حافظ صاحب کو جدید ادبی نعت کا پیشرو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وہ (حافظ مظہر الدین) شان الوہیت اور شان رسالت کے بیان میں حفظ مراتب سے بخوبی آگاہ تھے۔ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ جو شعرا توحید و رسالت کے بیان میں محتاط ہوتے ہیں وہ شعر کے جمالیاتی پہلو کو بسا اوقات نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن حافظ مظہر الدین کا جمالیاتی ذوق، ان کے شعور کے پہلو بہ پہلو سفر کرتا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے، فوراً کمک کو پہنچتا ہے اور شعر اپنے منصب جمال پر پوری طرح جلوہ افروز نظر آتا ہے۔ حافظ صاحب کا نعتیہ کلام، بنیادی طور پر جمالیاتی شاعری سے متصف ہے۔ میں انہیں شاعر جمال سمجھنے میں کبھی متذبذب نہیں ہوا۔ ان کی نعت کا یہ اتنا بڑا وصف ہے کہ اس پر ایک الگ مضمون باندھا جاسکتا ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو انہیں معاصر نعت گو شعراء سے ممتاز کرتی ہے"۔(۴۳)

امین راحت چغتائی نے حافظ مظہر الدین کے نعتیہ کلام سے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ بڑی رواں دواں بحروں میں ہیں اور ان کی قراءت سے قاری پر ایک سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ادبی محاسن تو ہر شعر کی فکری و فنی سطح سے ظاہر ہو رہے ہیں:

نام لے باوضو مدینے کا بات کر باوضو مدینے کی
آ کہ تکمیل جذب و شوق کریں آ کریں گفتگو مدینے کی

حضورؐ! ایک نظر، اک نگاہ بندہ نواز حضورؐ! ایک نظر، اک نگاہ بھی ہے بہت
مقربین کا حصہ ہے منزلِ محبوب مرے لیے تو مدینے کی راہ بھی ہے بہت

وارفتگی میں شوق زیارت تو ہے مگر شائستہء جمال ہے میری نظر کہاں

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام   خوب رولیتا ہوں خواجہ کی ثنا سے پہلے (۴۴)

حافظ مظہر الدین کے درجِ بالا اشعار نقل کر کے امین راحت چغتائی نے اپنی تنقیدی رائے کو وزن و وقار سے ہمکنار کیا ہے۔

نعتیہ شاعری کی تنقیدی جہت کے حوالے سے یہ دو مضامین ہی "ردِ عمل" کے مصنف کا تنقیدی منہاج جاننے کے لیے کافی ہیں۔ان تنقیدی آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف،نعتیہ شاعری کے لوازمات سے پوری طرح آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ،شعریت وشریعت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نعت کی تخلیق کا خواہاں ہے۔ان مضامین میں عملی تنقید کے نمونے بھی ہیں اور ادبی تنقید کے معیارات بھی جھلکتے ہیں۔امین راحت چغتائی کو،ہم اپنی آسانی کے لیے،اصلاحی تنقید نگار بھی کہہ سکتے ہیں اور مقنن تنقید کا عملی مظاہرہ کرنے والے نقادوں میں بھی انہیں شامل کر سکتے ہیں۔ان کی تنقید میں شعری جمالیات کی جستجو بھی پائی جاتی ہے اس لیے ہم انہیں تنقید کے جمالیاتی دبستان سے وابستہ نقاد بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن مجموعی طور پر ان کی تحریروں میں بھی تنقید کے مختلف النوع انداز جھلکتے ہیں اس لیے ان کے طریقِ نقد کو اصلاحی،مقنن اور جمالیاتی تنقیدی دبستانوں کا امتزاج کہنا ہی مناسب ہے۔

☆جستجو (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)،تحسین فراقی:

تحسین فراقی نے اس کتاب میں "علامہ اقبالؒ اور ثنائے خواجہ ﷺ" کے عنوان سے ایک مضمون شامل کیا ہے۔اس میں نعت کے نفسِ مضمون اور اس کی شعری جمالیات کے حوالے سے عمومی رائے بھی ملتی ہے۔ہم یہاں تحسین فراقی کے تنقیدی رجحانات کے مظہر کے طور پر ان کی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

> "میرا ایمان ہے کہ جب تک حضور اکرم کی ذات بابرکات سے والہانہ شیفتگی اور شدید جذباتی وابستگی نہ پائی جاتی ہو،کامیاب نعت کہنا ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ کامیاب نعت وہی ہے جس سے حضور کی متحرک حیات طیبہ اپنی تمام آب وتاب اور اپنے تمام محاسن جمیلہ کے ساتھ جلوہ گر ہو کر دامنِ دل کھینچنے لگے۔اب اگر پوچھا جائے کہ حضور اکرم کی سیرت صادقہ کا منبع وماخذ کیا ہے تو بلا تامل قرآنِ حکیم کا نام لیا جا سکتا ہے۔جو ان کے اسوۂ حسنہ پر دلیل ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ان کی چال ڈھال،ان کا سفر وحضر،ان کا خورد ونوش،ان کی استراحت وبیداری،ان کی قیل وقال اور ان کی گفتار وکردار بھی قرآنِ حکیم کے مبینہ اسلوب حیات کے عین مطابق تھے"۔(۴۵)

تحسین فراقی نعت میں صرف ادبی ولسانی خوبیاں دیکھنے کے بجائے زندگی آمیز عشق کی تپش وتاثیر دیکھنا چاہتے ہیں۔صرف لسانی خوبیوں سے مملو شاعری کے نمونوں میں انہوں نے عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی کے قصیدۂ میمیہ اور اردو میں مومن کے قصیدے کا حوالہ دے کر کہا ہے:

> "ادبی اور لسانی عظمت ہی اگر نعت کے طرۂ امتیاز ہیں تو پھر عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی کا نام لیا

جاسکتا ہے جس کا میمیہ اس پہلو کا کامیاب عکاس ہے۔مگر یہ نعتیہ قصیدہ سوزِ محبت اور سپردگی سے یکسر خالی ہے
اور اس میں آورد ہی آورد ہے۔اردو میں مومن کے نعتیہ قصیدے ''چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس''
میں بھی مقصد تاثیر نہیں نمائش ہے''۔(۴۶)

نعت گو شعراء نے حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات کو معشوق فرض کر کے، عاشقانہ نعتیں لکھی ہیں۔ایسی نعتوں میں خارجی متعلقاتِ حسن کا بیان تحسین فراقی کے نزدیک لائق گرفت ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''نعتوں میں خارجی متعلقاتِ حسن مثلاً روئے و موئے، طرہ، چشم نرگس، زلف عنبریں ،ابرو، گیسو، زلف معقد، سرورواں[قدِ محبوب] کا ذکر تواتر سے آتا ہے۔ان کے اشعار میں شاعرانہ صنعت گری تو ہے لیکن دل باختگی اور ربودگی معدوم۔اس قسم کے التزامات میں اگر اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو یہ لطف دے جاتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ فارسی (اور اردو) نعت کا اکثر حصہ اسی سراپا نگاری کی نذر ہو گیا''۔(۴۷)

تحسین فراقی کا مضمون چوں کہ علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری ایک الگ اور اہم موضوع ہے۔پھر ہمارے مقالے میں اقبال کے نعتیہ کلام کے بہت سے نمونے آ بھی چکے ہیں اور مزید بھی کہیں آ سکتے ہیں۔اس لیے ہم تحسین فراقی کے صرف ان تنقیدی خیالات کا عکس دیکھنے پر اکتفا کرتے ہیں جو تخلیق و تنقیدِ نعت کے ذیل میں ان کے مضمون کی زینت بنے ہیں۔تحسین فراقی کا منہاجِ تنقید بھی مقنن اور اصلاحی یعنی Judicial and Reformatory ہے۔

☆ولائے رسول ﷺ:

ولائے رسول ایک کہنہ مشق شاعر، قمر رعینی کا مجموعہ ءنعت ہے۔ان کے شعرِ عقیدت کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر کچھ پابندیاں از خود لگالی ہیں۔مدح رسول اکرم ﷺ کرتے ہوئے انہوں نے کچھ ممنوعات کا خاص خیال رکھا ہے۔کسی شاعر کی طرف سے اس طرح کی احتیاط پسندی اس بات کی غماز ہے کہ وہ حرفِ نعت رقم کرنے سے قبل 'با محمد ﷺ ہوشیار' کے اصول کو پیش نظر رکھنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہے۔ایسی صورت میں کم از کم نعت کے متن (Text) میں تو ایک استنادی شان پیدا ہو ہی جاتی ہے۔بلا شبہ قمر رعینی کی شاعری کا مافیہ خاصی حد تک شفاف ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تنقیدی نظریات کو یہاں نقل کر دیا جائے۔وہ لکھتے ہیں:

''ایک ضروری بات عرض کرتا چلوں کہ میں نے نعت کہتے ہوئے چند باتوں کا بطور، خاص خیال رکھا ہے۔جن میں سے بعض یہ ہیں:

o آپ ﷺ کے لیے میں نے کبھی لفظ ''تو'' کا استعمال نہیں کیا بلکہ حضور کے لیے اس لفظ کے تصور سے ہی لرز جاتا ہوں۔اردو زبان میں جمع تعظیمی کا استعمال حفظِ مراتب کے پیشِ نظر فردِ واحد کے لیے بھی کیا جاتا ہے اور میں نے یہی کیا ہے۔

o لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر لا نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر

> باندھا ہے یعنی اللہ۔ ع اللہ کو لا نہیں اللہ کہا۔ اللہ تعالیٰ کو مخفف نہیں کیا حالانکہ اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔
>
> ٥ یزداں یا اہرمن کے الفاظ بھی استعمال نہیں کیے کیونکہ فارسی میں لفظ یزداں نیکی کے خدا یا خیر کی قوت کے لیے اور اہرمن بدی کے مالک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یزدان و اہرمن کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک خدا (الٰہ واحد) کے نہیں بلکہ دو خداکے قائل ہیں۔ جبکہ میرے نزدیک ایمان کی تکمیل ہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اللہ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم نہ کرلیا جائے۔
>
> ٥ میرے نزدیک حضورِ اکرمؐ مردانہ حسن و جمال کا مکمل نمونہ اور خُلق و مروت اور عفو و کرم کے ساتھ ساتھ شجاعت و بہادری کا کوہِ استقامت تھے۔۔۔اس لیے میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے ایسے الفاظ یا تشبیہات سے گریز کیا جائے جو آپ کی شانِ اقدس کے منافی اور نسوانی حسن کے ترجمان ہوں۔
>
> ٥ حتی المقدور انہی روایات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو مستند کہلاتی ہیں۔
>
> ٥ پوری شاعری میں مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ علاقہ حضورؐ کی تشریف آوری سے قبل یثرب کہلاتا تھا۔۔۔اس لیے مدینے کی بجائے دورِ جہالت کا نام استعمال کرنا نبی کریم سے عقیدت کے خلاف ہے۔ یوں بھی اس کے استعمال کرنے کی واضح ممانعت کی گئی ہے"۔(۸۲)

قمر یعینی کے شعورِ نعت گوئی کا عکس درج بالا سطور سے مترشح ہے۔ صرف ضمائر کے استعمال کے سلسلے میں قمر یعینی کی رائے سے اختلاف ہوسکتا ہے، اور کئی نقادوں نے ایسا کیا بھی ہے (جس کی مثالیں متعلقہ باب میں دی گئی ہیں)، بقیہ نکات نہ صرف وزنی ہیں بلکہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ایسی شرائط عائد کرنے کے بعد انہوں نے جو شعرِ عقیدت لکھا، وہ یقیناً لائقِ تحسین بھی ہے اور دوسرے نعت گو شعراء کے لیے مشعلِ راہ بھی۔

قمر یعینی کے تنقیدی منہاج کو بھی ہم مقنن یا Judicial Criticism کے خدوخال سے مملو پاتے ہیں لہٰذا اسی نام سے موسوم بھی کرسکتے ہیں۔

قمر یعینی کی تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوا ہے کہ انہوں نے ''کبریا'' کے لفظ کو اللہ رب العزت کے اسماء الحسنیٰ میں شمار کرکے نبیﷺ کے لیے ''حبیبِ کبریا'' استعمال نہیں کیا۔ اس روش کی معنوی خوبی کو حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری نے محسوس کیا اور لکھا:

> ''کبریا جو اللہ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن میں کہا ''ولہ الکبریا'' اور بڑائی اللہ کے لیے ہے۔ یہ لفظ اللہ کا اسم صفت نہیں ہے بلکہ صرف صفت ہے لیکن اکثر اردو شعراء نبیﷺ کے لیے ایک صفاتی جملہ استعمال کرتے ہیں جس سے حضورؐ کی شانِ رفیع اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ صفاتی جملہ حبیبِ کبریا یا محبوبِ کبریا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ محبوبِ رب العالمین ہیں اور حبیبِ کبریا کا صفاتی اظہار معنوی اعتبار سے درست نہیں۔ لیکن عربی سے ناواقفیت کی بنا پر یہ جملہ اتنا رواج پا گیا ہے کہ بعض صاحبانِ علم بھی بے دھیانی میں اسے نعت میں استعمال کرتے ہیں۔ قمر یعینی نے اپنے اس مجموعے میں اسے کہیں استعمال نہیں

کیا"۔(۴۹)

نعتیہ شاعری کی تنقید میں قمر رعینی کی احتیاط کا مذکورہ پہلو، جس کی نشاندہی جناب سرؔو سہارنپوری نے کی ہے، ایک جداگانہ تنقیدی رجحان کا غماز ہے۔نعت کے مافیہ (Contents) کے معنوی رخ کا لحاظ رکھنا ہر نعت گو کا فرض ہے۔ ولائے رسول ﷺ کے مطالعے سے یہ بصیرت عام ہوگی!

☆زبورِ حرم (کلیاتِ نعت)، اقبال عظیم:

زبورِ حرم میں اقبال عظیم نے "سخنِ گسترانہ" کے زیرِ عنوان نعت کے تقدس اور اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس میں در آنے والی عام بے احتیاطیوں کا تذکرہ کر کے، شعراء کو ان بے اعتدالیوں سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ نعتیہ شاعری کے مافیہ (Content) کے معاملے میں اقبال عظیم کی حساسیت ان کے اس تنقیدی رجحان کی غماز ہے جسے مقنن تنقید کا نام دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ایک نعت قریب قریب روزانہ کسی نہ کسی ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی جاتی ہے، جس کا ایک شعر ہے:

انہیں تو عرش پہ محبوب کو بلانا تھا　　　ہوس تھی دید کی معراج کا بہانہ تھا

اسی نعت کا ایک مصرع یہ بھی ہے:

صدمہء ہجر خدا سے بھی گوارا نہ ہوا

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے نعوذ باللہ ہوس ناکی اور بہانہ سازی جیسی بدترین انسانی خصلتوں کو منسوب کرنا اور اس کی شانِ بے نیازی کو صدمہ ہجر میں مبتلا ہونے کا الزام دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟(۵۰)

اقبال عظیم نے کسی شاعر کی بے بصیرتی کا احوال اس طرح لکھا ہے کہ اس شاعر نے "بعد از خدا بزرگ توئی" کا ترجمہ "بزرگ" کی جگہ "بزرگ تر" کر کے اپنے مصرعے کا وزن پورا کیا اور مشاعرے میں پڑھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اشعار نقل کیے ہیں، جن میں خیال کی بے راہ روی اور مضمون کی بے اعتدالی اظہر من الشمس ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ایک اور نعت کا مطلع پیش کرتا ہوں:

صنم دیکھا ترا جلوہ، کبھی کچھ ہے، کبھی کچھ ہے　　　کبھی بندہ کبھی مولا کبھی کچھ ہے، کبھی کچھ ہے

اور ایک دوسری نعت کا شعر یوں ہے:

آگے آگے جھومتا جاتا ہے وہ محشر خرام　　　پیچھے پیچھے چومتا جاتا ہوں میں نقشِ قدم

ان اشعار کے متعلق میں خود کیا عرض کروں، بس ذہن میں رکھنے کی بات یہ ہے کہ نعت گو شعرا نے ان اشعار میں لفظ صنم اور ترکیب "محشر خرام" سرورِ کائنات کے لیے استعمال کی ہے جبکہ مطلع کا دوسرا مصرع بھی محلِ نظر ہے:

ہر ابتدا سے اول ہر انتہا سے آخر　　　ہر ابتدا محمدؐ ہر انتہا محمدؐ

اگر یہ توصیفِ رسول ہے تو کوئی شاعر سے پوچھے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا باقی بچا؟ اسی قسم کی بے احتیاطی

کی ایک مثال یہ بھی ہے:

مدینے کی زمیں بھی کیا زمیں ہے　　　　به الفاظِ دگر عرشِ بریں ہے (۵۱)

اقبال عظیم نے لکھا:

''شعرا۔۔۔حضورِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور شریعتِ مطہرہ کی بنیاد پر صنفِ نعت گوئی کو وسعت دینے کی سعی کریں تا کہ سامعین کے ذہنوں میں دینی شعور پختہ ہو اور صحیح رجحانات فروغ پا سکیں لیکن یہ کام بہت آسان بھی نہیں ہے اس لیے کہ جب تک ہم اپنے ممدوحِ محترم کی حیاتِ پاک کے ہر پہلو سے پوری طرح باخبر نہ ہوں گے اور قرآن و احادیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اسلام پر بھی ہماری نظر گہری نہ ہوگی، نعت کے وسیع تر تقاضوں کا پورا ہونا ممکن نہیں''۔ (۵۲)

اقبال عظیم نے شعراء کی رہنمائی کے لیے کچھ الفاظ کے درست تلفظ بتائے ہیں تا کہ ان الفاظ کے اعراب لگانے میں بے احتیاطیاں نہ ہوں کیونکہ عربی الفاظ میں اعراب ہی لفظوں کے معانی متعین کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ جن الفاظ کی فہرست انہوں نے دی ہے وہ درج ذیل ہیں:

اِبْرُو۔ مُحَمَّد ﷺ۔ مُصْطَفٰی ﷺ۔ خَضَرا۔ مُرْسَلْ۔ کِرَام۔ نَبَوِی۔ وُضُو۔ مُبَارَک۔ شَفَاعَت۔ شُجَاعَت۔ رَفَاقَت۔ مَحَبَّت۔ مَسَرَّت۔ خَلْوَت۔ بِعْثَت۔ ثُبُوت۔ مُیَسَّر۔ مُنْحَصِر۔ نَظَرِ کَرَم (نہ کہ نَظَرِ کَرَم)۔ اِبْتِدا۔ اِنْتِہا۔ رِضا۔ شِفا۔ مَرَضْ۔ رِضْوان۔ مَدْح۔ مِدْحَت۔ رَوْشَن۔ رَوْضَہ۔ مَشْعَل۔ نَجات۔ (۵۳)

درجِ بالا فہرستِ الفاظ اور مُقْتَبَس افکار کی روشنی میں اقبال عظیم کی تنقیدی آراء کو اصلاحی تنقید یا (Reformatory Criticism) کے ذیل میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ ان کی تنقید مقنن تنقید اور اصلاحی تنقید کا مرکب ہے۔

☆ اللہ کی سنت (نعتیہ کلام)، منظر عارفی:

منظر عارفی نے اپنے نعتیہ مجموعے میں ''روشن چراغ'' کے زیرِ عنوان، شعرِ عقیدت کی تخلیق کے کچھ اصول بیان کیے ہیں۔ نعتیہ شاعری میں مفاہیم کی پاکیزگی، الفاظ کی نظافت اور خیال کی مستند بندش کے لیے منظر عارفی کے تنقیدی افکار سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''حمد و نعت کہنے کے لیے میں نے چند اصول اپنے لیے مقرر کیے ہیں:

۱۔ حمد و نعت میں کوئی ایسا شعر نہیں ہونا چاہیے جو ایسا ذو معنی ہو کہ جسے جہاں چاہے اس کو چسپاں کر لے، بلکہ حمد و نعت کا شعر کہیں بھی ہو حمد و نعت کا ہی رہے۔

۲۔ حمد و نعت میں منقبت کا داخل کرنا انتہائی غیر ضروری ہے کوئی تاریخی بات ہو تو اور بات ہے۔

۳۔ حمد و نعت میں دعا زیادہ سے زیادہ مقطع تک محدود ہو۔

۴۔ حمد و نعت میں ایسا کوئی شعر نہ ہو جس میں کسی بھی لحاظ سے اپنی خود ستائی ہو۔

۵۔ مندر، کلیسا، وغیرہ، غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو اپنی مسجد اور اپنے کعبے کے مقابل نہ لاؤں۔

نیز اپنے دل یا سر کو کسی بھی موضوع کے تحت کعبہ شریف یا عرش پاک سے افضل قرار نہ دوں۔

۶۔حمد و نعت کے موضوعات میں واعظِ دینی کی مذمت یا تحقیر ہر گز نہ ہو (سب سے پہلا واعظ اللہ تعالیٰ اور پھر اس کے حکم سے اس کے رسول ہیں پھر امتِ محمدیہ کے علماء و مشائخ)۔

۷۔معرفت کے نام پر ٹھیٹ بازاری عاشقانہ موضوعات کو حمد و نعت کا موضوع ہر گز نہ بناؤں۔

۸۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تقابل کرتے ہوئے کسی بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کی توہین یا تنقیص سے اپنی زبان اور قلم کو روکوں۔

۹۔ایسی کسی بات کو قرآن و حدیث نہ کہوں جس کے بارے میں قطعی دلیل نہ ہو کہ یہ واقعی قرآن پاک کی آیت ہے یا واقعی حدیث شریف ہے۔

۱۰۔اپنے لیے معیار بناؤں حمد و نعت شریف کا کہنا۔خواہ ایک کلام تین شعر یا چار شعر پر ہی مشتمل ہو۔مشاعروں میں واہ واہ کے لیے لایعنی قسم کے قطعی غیر متعلق شعر حمد اور نعت شریف کے نام پر داخل کر کے اشعار کی تعداد ہر گز نہ بڑھاؤں۔

۱۱۔کوئی بھی نعت یا حمد کہہ کر ایک مفتی یا شیخ الحدیث مقام کے عالم کو ضرور سنالوں تا کہ وہ اس میں ایسی غلطی دیکھ لیں جو خلاف شریعت ہو اور لاعلمی کی وجہ سے مجھ پر ظاہر نہ ہو سکی ہو۔

۱۲۔لفظ "جان" (مطلق) "یار" "پیا" "دلدار" "دلربا" یا عام طور پر بے محابا دنیا کے معشوقوں کے بارے میں کہے جانے والے الفاظ کا استعمال اللہ کے رسول ﷺ کی شان ارفع کے خلاف سمجھوں۔

۱۳۔آقا ﷺ کے لیے "تم، تیرے، تو، اِس، اُس" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال نہ کروں۔رہا یہ سوال کہ بزرگوں نے کیا، تو جواب یہ ہے کہ اس معاملے میں اپنا کام بزرگ ہی جانیں صرف اس معاملے میں ہی بزرگوں کی تقلید مجھ پر شرعاً کتنی واجب ہے۔

۱۴۔صرف حمد و نعت کے اشعار کہنے پر فریفتہ ہو کر اپنی بے عملی، فرائض و واجبات سے دوری اور خلاف شرع کاموں میں مشغولیت اور اس پر قائم رہنے کو بے حیثیت نہ سمجھوں۔

۱۵۔جنت کی تحقیر نہ کروں، دوزخ کا مذاق نہ اُڑاؤں، اللہ کے سامنے حاضری کو معمولی نہ سمجھوں وغیرہ وغیرہ۔(۵۴)

منظر عارفی کے مرتب کردہ اصولوں میں نکتہ نمبر ۱۴ معاشرتی اصلاح کے لیے ہے بقیہ نکات اصلاحِ فکر و خیال کے حوالے سے تخلیقِ نعت کے ہنگام، تنقیدی بصیرت بروئے کار لانے کے لیے ہیں۔فکر و خیال کی تطہیر کے لیے منظر عارفی کے بیشتر اصول قابلِ قدر ہیں۔یہ تنقید بھی متفنن تنقید اور معاشرتی و اصلاحی تنقید کے دبستانوں کے ذیل میں رکھی جا سکتی ہے۔

☆فروغِ نوا (مجموعہ نعت)، رئیس احمد نعمانی:

رئیس احمد نعمانی کا یہ نعتیہ مجموعہ علی گڑھ (بھارت) سے شائع ہوا ہے۔اس مجموعہ نعت کو مصنف نے پہلا نمونہ

نعت بتایا ہے جس میں بقول ان کے ''ذاتِ نبوی کے احترام واقعی کو ملحوظ رکھنے کی کوشش پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے''۔(۵۵)

رئیس احمد نعمانی نے کتاب کے دیباچے بعنوان ''حرفِ ناگزیر'' میں شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ اور علامہ اقبالؒ کے بعض اشعار پر تنقیدی رائے دی ہے۔لیکن ان کی تحریر کسی نقاد کی تحریر کے بجائے کسی مبارزت طلب پہلوان کی تقریر لگتی ہے۔بات کتنی ہی صائب کیوں نہ ہو بات کرنے کا لہجہ اسے غیر صائب بنا دیتا ہے۔خاص طور پر علامہ اقبال مرحوم کے حوالے سے جو سطور زینتِ کتاب بنی ہیں ان میں فروغ نوا کے خالق کے غصے کو خوب خوب فروغ ملا ہے۔چند تصریحات کے زیرِ عنوان وہ لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں شامل نعتوں میں:

۱۔عشق، عاشق، معشوق جیسے مردود و معیوب الفاظ کو قطعاً استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔سید الانبیاءﷺ کی شان مبارک میں، دوسرے نعت گو شاعروں کی طرح ''تو'' اور ''تیرا'' جیسے الفاظ کسی شعر میں نہیں لائے گئے ہیں۔

۳۔حضور انور افضل البشرﷺ کا اسم گرامی بھی احتراماً عبارت میں نہیں لایا گیا ہے بلکہ ضمائر و صفات کے توسط سے بات کہی گئی ہے۔

۴۔عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے فرق کو التزاماً ملحوظ رکھا گیا ہے اور دیگر شعرائے نعت سرا کی طرح خدا اور رسولؐ کے امتیاز کو نظر انداز کر کے جاہلانہ اظہارِ عقیدت اور ہندوانہ بھجن خوانی سے زبان قلم کو آلودہ نہیں ہونے دیا گیا ہے''۔(۵۶)

درج بالا سطور سے رئیس احمد نعمانی کی احتیاط پسندی تو سامنے آئی لیکن ساتھ ہی ان کا فخریہ لہجہ بھی کھٹکا۔بہر حال یہ تنقیدی رجحان مدرسانہ اور متشددانہ ہے۔وہ مزید لکھتے ہیں:

''۱۔مسلمانوں کی اکثریت کی طرح (جو بالعموم علم سے اور بالخصوص دین سے بے بہرہ ہے)، ہمارے نعت گو شعراء کے ذہن میں بھی ''توحید و شرک'' کا وہ نظریہ واضح نہیں ہے، جو ہوش و حواس کی درستی کے ساتھ قرآن پاک کے ایماندارانہ مطالعے سے متعین ہوتا ہے۔

۲۔وہ ''عبد و معبود'' اور ''خالق و مخلوق'' کے اس امتیاز کی صلاحیت سے محروم ہیں، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں اور مخصوصاً سیدنا و حبینا آرام فرمائے مدینہﷺ کے پورے سفر حیات میں قدم قدم پر نمایاں ہے۔

۳۔۹۹ فیصد نعت نگاروں نے عقل کو بالائے طاق رکھ کر اللہ اور رسول کی محبت کو دو عدد عام انسانوں کی محبت پر قیاس کر لیا ہے۔

۴۔قرآن پاک کی آیات پاک میں بیان شدہ حقائق کی جگہ، عجمی صوفیا کے واہی تخیلات ان کے دماغوں میں مرتکز ہو گئے ہیں اور انھوں نے صوفیوں کے اس ''نظریہ عشق'' کو اپنے شعور پر حاوی کر لیا ہے جو یہودیت، مجوسیت، نصرانیت، بدھ مت اور ویدک دھرم کے فلسفوں کے ساتھ فکری و ذہنی مشارکت رکھتا ہے۔(۵۷)

بعد ازاں جنابِ نعمانی نے احمد رضا بریلوی کی نعت ''واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا'' کو ضمیر ''تیرا'' کے استعمال پر اپنے استاد

کے نام سے اصلاح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ احمد رضا صاحب اس طرح بھی کہہ سکتے تھے:

"واہ کیا جودو کرم ہے شاہِ بطحا آپ کا"

پھر علامہ اقبال کے کچھ اشعار پر سخت تنقید کی ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

نگاہ عاشق کی تاڑ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منھ کو چھپا چھپا کر

ای کہ ذات تو نہاں در پردۂ عین عرب روی خود را در نقابِ میم پنہاں کردہ ای

حمد بے حد مر رسولِ پاک را آن کہ ایمان دادمشت خاک را

نعمانی کی باتوں میں تلخی کے عنصر نے ان کی بات کو ہلکا کر دیا ہے ورنہ بعض اشعار پر گفتگو کی گنجائش موجود ہے۔ بہر حال مسلکی جنگ وجدال میں پڑے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درج ذیل بیان لائقِ توجہ ہے:

> "ہم کو آپ کو اور تمام انسانوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حاملِ قرآن ﷺ پر ایمان لانے کا اور آپ کی اطاعت کا مکلف قرار دیا ہے۔ کسی شاعر یا مولوی، کسی پیر یا جوگی، کسی گیانی یا فلسفی، کسی گیلانی نجفی، کسی لکھنوی یا تھانوی، کسی دہلوی یا بریلوی یا ان کے کلام واقوال پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کا ہرگز ہرگز مکلف نہیں بنایا ہے"۔ (۵۸)

نعت کی تنقید میں دیو بندی اور بریلوی کی مسلکی چپقلش نے ہمیشہ روڑے اٹکائے ہیں۔ کچھ معاملات روحانی سطح پر حقائق ثابتہ بن کر صوفیوں کے حلقے اور ان کے پیروکاروں کے درمیان عقائد کا روپ دھار لیتے ہیں اور کچھ عقیدے روحانی اقدار سے عاری شریعت پر زور دینے والے حلقوں میں پروان چڑھتے ہیں۔ شاعری احساس کی زبان ہے۔ شاعر کا ہر مُخاطَب اس کے دل کے نزدیک ہوتا ہے۔ نعت میں حضور اکرم ﷺ کی ذات کو تصوراتی طور پر ہر شاعر حاضر وناظر جانتا ہے اور اس طرح اس کا لہجہ استغاثے میں بدل جاتا ہے۔ اس تصوراتی روحانی واردات کو تنقید کا نشانہ صرف اس صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب شاعر نے صریح گمراہی کا ثبوت دیا ہو۔ ورنہ ادب فہمی کے تمام دعوے بے قیمت ہو جائیں گے۔ بہر حال رئیس احمد نعمانی کے نقطۂ نظر کو ایک تنقیدی جہت کا درجہ حاصل ہے جسے ہم مقنن تنقیدی دبستان سے منسلک کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

اب تک ہم نے ان کتابوں کا ذکر کیا تھا جو تنقید کے نام پر نہیں لکھی گئیں بلکہ ان کے مصنفوں نے اپنے مسالک کی توضیح کے لیے کچھ تنقیدی اشارے کر دیئے یا شعراء نے اپنے تخلیقی منشور کے کچھ نکات رقم کر دیے۔ ان میں وہ کتب بھی شامل تھیں جن کا اصل موضوع نہ تو تنقید تھا اور نہ ہی نعتیہ شاعری بلکہ ان کتب میں ذیلی اور جزوی موضوع کے طور پر نعتیہ شاعری پر تنقیدی اشارے کر دیئے گئے تھے۔

اب ہم ایسی کتابوں پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کریں گے جو یا تو براہِ راست تنقید پر لکھی گئی ہیں یا جن میں نقدِ نعت کے واضح انداز واسالیب پائے جاتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جن میں کسی نہ کسی شکل میں تنقیدی اشارے موجود ہیں لہٰذا ہم نے نعت کی تنقید کے تنوع کے اظہار کے لیے درج ذیل کتب کو، مطالعے کے لیے منتخب

کیا ہے:

۱۔اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، سید وحید اشرف کچھوچھوی

۲۔نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر

۳۔نعت اور تنقیدِ نعت، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی

۴۔شاعرانِ نعت، راجا رشید محمود

۵۔فنِ نعت کی نئی جہات، محمد حیات چغتائی

۶۔نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید، ادیب رائے پوری

۷۔محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

۸۔اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، پروفیسر شفقت رضوی

۹۔سرودِ نعت، ابوالامتیاز، ع۔س۔مسلم

۱۰۔نعت کے جدید رنگ، جاذب قریشی

۱۱۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں، رشید وارثی

۱۲۔نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین، نظرِ ثانی: پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد ورک

۱۳۔نعت حقیقت کے آئینے میں، محمد شفیق اختر

۱۴۔غالب ثنائے خواجہ ﷺ، سید صبیح الدین صبیح رحمانی

۱۵۔نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی

۱۶۔صنفِ ہزار رنگ، میرزا امجد رازی

۱۷۔نعت نگر کا باسی، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ، صبیح رحمانی

۱۸۔نعت میں کیسے کہوں، پروفیسر محمد اقبال جاوید

۱۹۔قافلۂ شوق کے مسافر، پروفیسر محمد اکرم رضا

۲۰۔جادۂ رحمت کا مسافر، ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی

۲۱۔نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی

۲۲۔نقشِ قلم (علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ)، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

۲۳۔دلیلِ آفتاب، مطالعاتِ نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

راقم الحروف کی بھی چند کتب اردو نعت کی تنقید کے حوالے سے منصۂ شہود پر آچکی ہیں، ان پر تبصرہ یا ان کا تفصیلی یا اجمالی تعارف دینا بھی چوں کہ آدابِ مقالہ نگاری کے خلاف ہے، اس لیے یہاں صرف ان کے نام لکھ دینا ہی

کافی ہے۔

ا۔اردو نعت اور جدید اسالیب (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)،عزیز احسن

۲۔نعت کی تخلیقی سچائیاں (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)،عزیز احسن

۳۔ہنر نازک ہے(تنقیدی مضامین کا مجموعہ)،عزیز احسن

۴۔نعت کے تنقیدی آفاق (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)،عزیز احسن

ان کتابوں میں تنقیدی مباحث نے ادبی مکالمے(Literrary Discourse) کی صورت اختیار کرلی ہے۔اس لیے ہم ان کا مطالعہ تنقیدی دبستانوں کے حوالے سے درج ذیل عنوان کے تحت کریں گے:

۳۔نعت کے تنقیدی عمل میں مختلف تنقیدی دبستانوں کے اثرات کا جائزہ:

اب ہم مذکورہ بالا کتب میں پیش کیے جانے والے تنقیدی اشارات کا جائزہ لیں گے:

ا۔اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات:

درجِ بالا کتاب کے مصنف ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی (سابق صدر شعبہء عربی، فارسی، اردو، دانشگاہِ مدراس، بھارت) نے ''اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات''،''اردو نعتیہ شاعری میں شعراء سے لغزشوں کے بعض وجوہ''اور''استدراک'' کے عنوان سے تین مضامین لکھے ہیں۔یہی مضامین نعتیہ شاعری کی تنقید سے متعلق ہیں۔

اول الذکر مضمون میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ شاعری میں کچھ لغزیں سہواً ہوجایا کرتی ہیں۔جان بوجھ کر کوئی مسلمان حضورِ اکرم کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا مرتکب نہیں ہوتا۔انہوں نے یہ وضاحت کردی ہے کہ کم علموں سے لغزشیں ہوتی ہی ہیں اس لیے ان کی مثالیں دینا بے سود ہے۔صرف ایسے لوگوں کی مثالیں دینا ہے جن کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''ایک صاحب نعت میں لکھتے ہیں: ع عروج حسن عطا ہے تمہاری شاہانہ۔۔۔یہاں سید عالم ﷺ کی عطا کو دنیوی بادشاہ کی عطا کے مثل بتایا ہے۔مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو عطا کرسکتے ہیں وہ دنیا کے بادشاہوں سے ممکن نہیں ہے اور جو دنیا کے بادشاہ عطا کرسکتے ہیں اس کو سید عالم ﷺ کی عطا کے مثل بتانا جہل کے مترادف ہے۔مثل اور مثال میں فرق ہے۔مثل قرار دینے میں مشبہ بہ کا رتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔یہاں دنیاوی بادشاہ کی عطا نعوذ باللہ زیادہ افضل قرار پائے گی۔یہ بیان علم معانی وبیان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔اس بیان میں مثل غلط تو ہے ہی مثال بھی درست نہیں ہے۔ایک صاحب کا شعر ہے: ؎
>
> عمر بھر ہم پھرے کو بہ کو تجھ سا پایا نہیں خوبرو
>
> اردو میں یہ شعر امیر خسرو کے اس فارسی شعر کی بازگشت ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے متعلق کہا ہے ؎
>
> آفاقہا گردیدہ ام عشقِ بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
>
> ......بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نثر میں بیان نہیں کی جاسکتیں،لیکن شاعری میں جائز ہیں۔

حضرت امیر خسرو تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مرشدِ وقت کا سب سے بڑا مرشد ہے۔۔۔۔خلاف واقعہ بیان ہے لیکن ''تو چیزے دیگری'' کے لیے یہ بیان ضروری تھا۔ یہاں مقصد واقعہ نگاری نہیں بلکہ دعویٰ کے ثبوت کے لیے اس شاعرانہ دلیل کو بیان کرنا ضروری تھا۔اس بیان کا تعلق صرف تخیل اور شاعری سے ہے جو شاعری میں جائز ہے۔ایسی خلاف واقعہ بات اگر نعت میں کہی جائے تو جائز نہ ہوگا''۔(۵۹)

نعتیہ شاعری میں درجِ بالا مضمون اس لیے ناجائز ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کا ہم سر تلاش کرنے کا خیال بھی ایمان کے خلاف ہے۔ کیوں کہ مسلمان پہلے سے ہی ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر...... پر ایمان رکھتا ہے۔(۶۰)

ڈاکٹر وحید اشرف نے شاعری میں ضمائر کا ذکر بھی چھیڑا ہے اور جو نکات بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆ہماری کلاسیکی شاعری میں ''تو'' کا استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے۔

☆جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کا صیغہ استعمال کرتے ہیں ان کے خیال میں صرف وہی مؤدب ہیں۔

☆قرآن میں جہاں کہیں خدا نے اپنے کو بندہ سے مخاطب کرایا ہے وہاں صرف واحد کے صیغہ ہی میں خطاب کرایا ہے۔

☆واحد حاضر کے صیغہ میں کَ، انتَ اور واحد غائب کے صیغہ میں ہٗ اور ھُو۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو واحد ہی کے صیغہ میں خطاب کریں۔

☆اردو میں واحد حاضر کے لیے ''تو'' تحقیر اور تعظیم دونوں کے لیے بولا جاتا ہے لیکن محلِ استعمال سے قرینہ واضح ہو جاتا ہے کہ مراد کیا ہے۔

☆جس لفظ میں دونوں معانی کا احتمال ہو اس کا استعمال حمد و نعت میں کفر کے مترادف ہوگا۔

☆اگر کسی کے لیے لفظ ''تو'' تحقیر کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ وہ تنہا قصوروار ہے۔

☆فارسی نعتیہ شاعری میں سید عالم ﷺ کے لیے ''تو'' اور ''توئی'' کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔

☆مخلوق میں حضور ﷺ کی ذات کی فردیت کے اظہار کے لیے ''تو'' کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔

☆اصول یہ ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہو سکتی ہے۔

☆نثر میں رسولِ اکرم ﷺ اور دیگر بزرگوں کے لیے صرف ''آپ'' ہی استعمال کرنا درست ہوگا۔(۶۱)

ڈاکٹر کچھوچھوی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ہر صنفِ سخن میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقائق کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے اور اگر حقائق یا دلائل شاعرانہ ہوں تو ان کی تاویل نعت کے مناسب ہو ورنہ شاعرانہ حقائق سے بھی گریز کرنا چاہیے''۔(۶۲)

کتاب میں شامل دوسرا مضمون ''اردو نعتیہ شاعری میں شعراء سے لغزشوں کے بعض وجوہ'' میں عملی تنقید کے مظاہر

ہیں۔اس کی مثال درج ذیل ہے:

"مثالِ مصطفےٰ کوئی پیمبر ہو نہیں سکتا ستارہ لاکھ چمکے مہر انور ہو نہیں سکتا

۔۔۔اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ستارہ یعنی ہر نبی اس کوشش میں ہے کہ وہ مہرِ انور یعنی سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرح صاحبِ فضیلت ہو جائے جبکہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ یہ تو ملتا ہے کہ بعض نبی نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ آپ ﷺ کی امت میں ہوتے لیکن رشک کا مضمون نبی کی شان کے خلاف ہے"۔(۶۳)

سید وحید اشرف بتاتے ہیں کہ لاعلمی کی بنیاد پر زبان و بیان کی غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں اب تو جدیدیت کے شوق میں بہت سی فاحش غلطیاں ہو رہی ہیں۔ شعراء کو معلوم ہی نہیں کہ شعر سے مدح کا پہلو نکلتا ہے کہ ذم کا۔ اس ذیل میں انہوں نے علیم صبا نویدی کی شعری لغزشوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اک نہ اک طوفان سے روزانہ اک مڈبھیڑ ہے تھامنے کو روز اپنا دامن آئے مصطفےٰ

پہلے مصرعہ میں لفظ مڈبھیڑ بہت ثقیل ہے۔ اگرچہ یہ پابند شاعری ہے مگر مصرعہ میں کوئی رچاؤ اور پختگی نہیں ہے۔ دوسرے مصرعہ میں محاورہ کے غلط استعمال سے ایسا گستاخ آمیز مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ دامن اس کا تھاما جاتا ہے جس سے آدمی مدد یا نجات کا طالب ہوتا ہے۔ "دامن تھامنے" کے بجائے یہاں "بازو تھامنے" کا موقع تھا۔ بازو کمزور کا تھاما جاتا ہے۔ محاورہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اور لکھتے ہیں:

کس کی خاطر عالمِ امکاں کا ہے یہ اہتمام ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفےٰ

اس میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ ہم صرف ایک بڑی معنوی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

"۔۔۔مطلب یہ ہوا کہ ہماری سمجھ سے واقعہ تو یہ ہے لیکن بعض دوسروں کی سمجھ اس کے خلاف ہو سکتی ہے۔۔۔ یہ تو کائنات کا خالق ہی بتا سکتا ہے کہ کائنات کس کے لیے ہے۔۔۔ شاعر اسے اپنے ذمے لے رہا ہے "ہم سمجھتے ہیں" کی جگہ اگر "قولِ ربی ہے" ہوتا تو شعر اچھا ہو یا نہ ہو، بات درست ہوتی۔

بعد رحمت بھی صبا کو آپ سے امید ہے کون ہوگا حشر میں اپنا سوائے مصطفےٰ

یہاں "بھی" کا استعمال ایسا غلط ہے جس نے معنی میں عیب پیدا کر دیا ہے۔ اگر بات یوں ہوتی کہ اپنے گناہوں کے بعد بھی آپ سے رحمت کی امید ہے تو بات درست ہوتی۔ یہاں "رحمت" کو عیب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور شعر ہے:

میری اپنی پتلیاں ان چتلیوں میں ڈوب جائیں زیرِ لب جن چتلیوں میں مسکرائے مصطفےٰ

"چتلیوں میں پتلیاں ڈالنا" کون سا محاورہ ہے؟ اس میں مدح کا کونسا پہلو ہے؟ جس ہستی کی خاکِ پا کو مؤمن اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزومند ہوتا ہے، شاعر بجائے ان کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں میں لگانے کے اپنی آنکھوں کو ان کی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کہنے والا ہی سمجھے۔ یہ بھی شعر دیکھئے:

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے میرے آگے ضوفشاں ہے نقشِ پائے مصطفےٰ

''اللہ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے انھیں وہ (کفر کی) تاریکی سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔قرآن میں یہاں تیرگی سے مراد کفر کی تیرگی ہے۔۔۔لیکن یہاں شاعر لکھتا ہے کہ اسے ابھی تیرگی سے نکلنا ہے۔گویا ابھی اسے ایمان کی روشنی نہیں ملی۔۔۔پہلا مصرعہ یوں ہوتا تو یہ اعتراض جاتا رہتا ع

تیرگی کی بھیڑ سے شکرِ خدا میں بچ گیا، یوں یہاں لفظ ''بھیڑ'' بھی حشو ہے۔۔۔۔اور دیکھئے

دوسرے سایہ کو کیا دیتی جگہ اپنی جگہ　　　　یہ زمیں سایہ بنی تھی زیرِ پائے مصطفےٰ

دونوں مصرعوں میں کیا ربط ہے؟اور شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟یہ وہی سمجھے۔ یہ شعر بھی ہے:

مسجد و منبر میں اسکو قید کیوں کرتے ہیں لوگ　　　　گونجتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفےٰ

۔۔۔شاعر کے دل میں یہ بات رہی ہوگی کہ چاہیئے کہ مسجد میں پیغام محدود نہ کریں بلکہ اسے سارے عالم میں پھیلائیں۔اگر مقصد یہ ہے تو پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہیئے تھا۔

مسجد و منبر میں کیوں محدود کرتے ہیں اسے

لیکن پھر بھی شعر صفائی بیان سے محروم ہے۔شعر میں جہاں صراحت کی ضرورت ہو وہاں ابہام یا گنجلک بیان عیب ہے۔اس میں لفظ منبر ''حشو'' ہے۔(۶۴)

عارف عبدالمتین کی نعت کے کچھ اشعار نقل کر کے ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی نے کئی اسقام کی نشاندہی کی ہے:

''تری حدیث ترے روبرو سناؤں تجھے　　　　یہ آرزو ہے کبھی آئنہ دکھاؤں تجھے

۔۔۔آئنہ دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اپنے چہرے کے عیب کو دیکھ لے۔''تری حدیث۔۔'' کا کیا مطلب ہے؟یہ بھی گستاخ آمیز کلمہ ہے۔

مرا وقار بھی تو ہو مری پناہ بھی تو　　　　میں خود زمین بنوں آسماں بناؤں تجھے

۔۔۔یہ زمین و آسمان بلکہ ساری کائنات جس کے طفیل ہے اور آسمان بھی جس کے علو مرتبہ کے آگے پست ہے شاعر اس کو آسمان بنانا چاہتا ہے۔ع بدیں عقل و دانش بباید گریست

اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر وحید اشرف نے دھیان نہیں دیا کہ شاعر نے بالکل نسائی جذبات کی عکاسی کی ہے۔حضورﷺ کی ذاتِ اقدس سے اپنے تعلق کی خواہش کا یہ اظہار بھی قابل اعتراض ہے۔بہر حال موصوف آگے لکھتے ہیں:

''برس رہی ہے ترے رخ کی چاندنی تجھ پر　　　　قریب آ کہ میں سینے سے بھی لگاؤں تجھے

۔۔۔شاعر نے جراءت نازیبا سے کام لیا ہے۔خود رسول اکرمﷺ جس کو سینے سے لگالیں تو اس کی قسمت چمک جائے۔جیسا کہ آپﷺ نے ایک غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینے سے لگا کر ان کے علو مرتبہ کو ظاہر کر دیا تھا۔شاعر کو سوچنا چاہیے تھا وہ آقائے دو عالمﷺ سے خطاب کر رہا ہے۔

تو مجھ سے روٹھ مگر روٹھنے سے پہلے بتا　　　　تو روٹھ جائے تو میں کس طرح مناؤں تجھے

یوں کہنا ''تو مجھ سے روٹھ'' نعتیہ کلام میں سخت نازیبا ہے۔

یہ میرا شوق کہ میں تجھکو بر ملا دیکھوں | یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھے

[درج بالا] اشعار خالص تغزل کے اشعار ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کی شان کے منافی ہیں۔ شاعر اگر سورۂ حجرات کی تفسیر پڑھ لیتا تو اسے کچھ اندازہ ہوتا کہ یہاں ادب کو کس طرح مدِنظر رکھنا چاہیے''۔(۶۵)

ڈاکٹر وحید اشرف کچھوچھوی نے صفحات ۱۰۲ سے ۱۱۸ تک راقم الحروف کی کتاب ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ اس لیے یہاں ان کے مذکورہ مضمون پر گفتگو نہیں جا سکتی۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی، شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کے حوالے سے شعری زبان میں بھی کچھ نکات بیان کیے ہیں۔ یہ نکات نعت نگاروں میں تنقیدی شعور کے اضافے کا باعث ہوں گے، اس لیے وہ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں:

نعت لکھنے کا ہنر شرط دگر مانگے | عشق اور روشنیٔ قلب و نظر مانگے ہے

قلب سے خامہ طلبگار اثر لفظ میں ہے | لفظ خامہ سے مگر زورِ اثر مانگے ہے

عشق استادِ ادب ہے نہیں محتاجِ ہنر | ہاں مگر سوزِ دل اور خونِ جگر مانگے ہے

طالبِ عفو اگر ہے تو نہ کر عرضِ ہنر | عفو تو تجھ سے ندامت کی نظر مانگے ہے

جذبۂ عشق کبھی چاہتا ہے خونِ جگر | اور کبھی عاشقِ جانباز کا سر مانگے ہے

نعت کے واسطے آواز قلم وقتِ رقم | مجھ سے قلب و جگرِ سوختہ تر مانگے ہے (۶۶)

یہ ہے وہ پرسوز صدا جو باہوش نعت گو کے دل سے نکلی ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبۂ عشقِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آوازہ بلند کرنے والے نعت گو، اس صدا میں، لفظ و معنیٰ اور زبان و بیان کی صداقت کے ساتھ ساتھ عرضِ ہنر میں خاطر خواہ محنت کرنے کی ترغیب کے عناصر بھی پائیں گے۔ ڈاکٹر سید وحید اشرف کا تنقیدی اسلوب، مقنن تنقیدی دبستان کی نمائندگی بھی کرتا ہے اور مقنن، اصلاحی اور جمالیاتی تنقیدی دبستانوں کے امتزاج کا آئینہ دار بھی ہے۔

☆نعت کے چند شعرائے متقدمین، ڈاکٹر سید شمیم گوہر:

ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی یہ کتاب الٰہ آباد (بھارت) سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں نو شاعروں کی نعتیہ نگارشات کا فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف کی یہ تصنیف تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔ غلام امام شہید کے کلام پر ان کی رائے درج ذیل کی جاتی ہے:

''مولودِ شہید نہ صرف فکری و فنی بلکہ صحتِ واقعات و روایات کے لحاظ سے بھی جامع ہے اسی وجہ سے اس کو علمی حلقوں میں خوب سراہا گیا بالخصوص اس کے شعری حصے کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔۔۔''قصائدِ نعتیہ'' ۔۔۔ پورا مجموعہ قصائد اور غزلوں پر مشتمل ہے۔۔۔ اس مجموعے کی تاریخی انفرادیت اس کی نعتیہ غزلیں ہیں اور یہی وہ نعتیں ہیں جو غزل کی شکل و ہیئت میں سامنے آ کر نہ صرف مولانا شہید کے انقلابی کارنامے کو واضح کرتی ہیں بلکہ صنفِ نعت کو پائدار بنا کر اردو ادب کی قسمت سنوارتی ہیں۔ کیسی کیسی معیاری اور جامع غزلیں

کہی ہیں۔ اگر ایک طرف حرف حرف مولانا کی عقیدت ومحبت اور وارفتگی شوق کی چمک چھلک پڑتی ہے تو دوسری جانب فکروفن پختگی ومہارت اور روانی وبیساختگی کا دریا بہتا ہوا بھی نظر آتا ہے۔ اظہارِ کوائف، قلب و نظر اور احساسِ معصیت ان کی شاعری کا روشن خاصہ ہے۔ جلوۂ روحانی کی بارگاہ میں جتنی بھی غزلیں کہی ہیں ان کی کشش ومعیار کا سلسہ کہیں ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ اردو کی نعتیہ شاعری کی یہ ادا، یہ نیا انداز، یہ نئی آنچ، یہ نیا بانکپن اور یہ نئی لچک مولوی شہید نے عطا فرمائی ہے اور نعتیہ غزل کی ہیئت سازی میں انقلاب پیدا کرتے ہوئے تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں قابلِ فخر خدمات انجام دی ہیں''۔(٦٧)

اسی طرح سید کفایت علی کافی مرادآبادی کی نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولد شریف بہاریہ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۷۳ھ حضرت کافی کا دیوان ہے۔۔۔ حضرت کافی کو مثنوی گوئی پر ملکہ حاصل تھا۔ عشق ومحبت اور فکر ونظر کی روشنی میں ڈوبی ہوئی ان کی بعض مثنویاں اردو شاعری میں بہترین اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔۔۔ مولد شریف بہاریہ میں شامل چند غزلوں کی فکری وفنی بلندیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس طور پر بھی کی اردو نعتیہ غزلوں کے ابتدائی دور کے یہی وہ مخصوص فن پارے ہیں جن کی بنیاد پر نعتیہ غزلوں کو بتدریج فروغ حاصل ہوتا رہا۔ غزلوں کا انداز بیاں نہایت سلیس وشستہ اور لطیف وپختہ ہے معنی ومفاہیم کے اعتبار سے بھی جامعیت کی پیکر نظر آتی ہیں۔ شعر گوئی میں مہارت وکمال رکھتے تھے۔ البتہ وہ گہرائی اور تہداری کے عناصر کم ہیں جو شہیدی اور شہید کے ہاں ہے۔ تاہم مکمل صحت وسلامتی اور پختہ کاری کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت کافی کی غزلوں کی حیثیت مسلم ہے''۔ نمونۂ کلام:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اُڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس وکمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو — اس تنِ بیجان پر خاکی کفن رہ جائے گا (٦٨)

حضرتِ کافی کا جو کلام شمیم گوہر نے نمونے کے طور پر دیا ہے اس میں زیادہ تر مضامین اخلاقی اصلاح اور عبرت کے حوالے سے شعری ہئیت میں آئے ہیں۔ کافی اور ان کے عہد اور مابعد کے بہت سے شعراء کے ہاں یہ روش نعت کا جزو بنی ہے۔ حضورِ اکرم کی تعلیمات کے عملی نفاذ کے لیے یہ تذکیر ضروری ہے اس لیے یہ مضامین نعتیہ شاعری کے اچھے نمونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حسن رضا بریلویؒ کے شعری کمالا اور فنی جمال کا ذکر، شمیم گوہر نے اس طرح کیا ہے:

''حسن بریلوی کا بڑا انفرادی مقام ہے وہ اگر ایک طرف عظمتِ رسالت، اظہارِ معصیت، التجائے مغفرت اور احساس ندامت جیسے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی شاعری کا حق ادا کرتے ہیں تو دوسری طرف عمیق معنویت، فنی تہہ داری، فصاحت وبلاغت اور لطیف طرزِ اسلوب پر بھی خصوصی زور دیتے ہیں۔ قدم قدم پر منصب رسالت کی رعایت، نزاکت ونفاست اور شرعی احتیاط وپابندی کے باوجود آزاد فکروں کو متاثر کردینے والی فنی بلاغتوں اور فکری کاوشوں کے قیمتی موتی بکھیر دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا مگر کچھ کر گزرجانے کے

ایمانی حوصلے نے حسن بریلوی کو ہر اعتبار سے سرخرو کیا۔اردو کا کوئی بھی عظیم نعت گو ہو حضرت حسن نہ کسی سے مرعوب ہوتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی کسی شاعر کے سامنے ان کا شعری وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ان کی شاعری قرآن واحادیث، تاریخ وسیَر، واقعات و کردار اور تہذیبی عوامل کی ترجمانی سے منور ہے اور پورا دیوان عشق ومحبت میں رچ بسے اور مہکتے اشعار سے معطر ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے رخسار پر ڈھلکے ہوئے سارے آبگینے ان کے دیوان کے صفحات پر بکھر کر رہ گئے ہوں۔۔۔چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

دکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی — کہ آپ ہی کی خوشی آپؐ کا کہا ہوگا

عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے — خدا گواہ یہی حال آپؐ کا ہوگا

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ رسولؐ — تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں (۶۹)

ڈاکٹر شمیم گوہر نے ایک محقق نقاد کی حیثیت سے جناب حسن رضا بریلوی کے کلام کی قدر افزائی کی ہے۔انہوں نے لکھا ہے:

> ''حسن بریلوی کی شاعری میں مضمون آفرینی کا وقار بہت اعلیٰ ہے اور ان کی شاعری کا یہ وصف نمایاں اور اہم ہے۔داخلی محرکات وکوائف میں غضب کی بے ساختگی ہے وہ تقدس مآب مشاہدات وتخیلات کو ترتیب دے کر بڑی آسانی سے اشعار کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔آورد کی زور آزمائی سے مبرا ان کے جذبات میں ہر جگہ آمد آمد کا بہاؤ ہے۔اس جذباتی بہاؤ نے اپنی قدر و قیمت کو کہیں بھی ہلکا نہیں ہونے دیا۔انتخاب الفاظ یا شوکت الفاظ کی آب وتاب کے ساتھ ساتھ استعارہ و کنایہ اور تمثیلات وتشبیہات کی جلوہ گری بھی ان کی شعری عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔زبان وبیان اگرچہ صاف وسلیس ہے مگر فارسی وعربی کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت ومعیار کا تعین کرتا ہے۔اس کے علاوہ مشکل سے مشکل زمین کو آسان بنا کر اعلیٰ افکار و تخیلات کی دولت سے نواز دینا، یہ بھی حسن بریلوی کی پختہ کاری کا نمایاں ثبوت ہے۔محاوروں کے استعمال پر تو گویا انھیں مہارت حاصل تھی ویسے جدت نوازی اور معنوی [معنی] آفرینی ان کی شاعری کا سب سے قیمتی جوہر ہے جو عشق رسالت کی تابانیوں سے نکلی ہے چنانچہ ان جملہ مرکزی وبنیادی اوصاف محاسن کی روشنی میں انہوں نے اپنے شعری وفنی منصب کو کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور نعتیہ شعروادب کے دامن کو وسیع کرنے میں غیر معمولی خدمات انجام دیں''۔(۷۰)

ڈاکٹر سید شمیم گوہر نے محققانہ اور نقادانہ بصیرت کے ساتھ جو رائے حسن بریلوی کے کلام پر دی ہے وہ بڑی جچی تلی اور مبنی بر حقیقت ہے۔زبان وبیان کا سلیس ہونا ہماری کلاسیکی شعری روایت میں ہی نہیں بلکہ جدید روایت میں بھی شعری حسن کا ضامن قرار پاتا ہے۔معنی آفرینی اور انتخاب الفاظ کا سلیقہ بھی فنی پختگی کی دلیل ہے۔استعارہ وتشبیہ کا حسن بھی شعری قدر بڑھاتا ہے۔یہاں شمیم گوہر نے فنی جمالیات کی روشنی میں حسن بریلوی کے کلام کو پرکھا ہے۔صرف شرعی پیمانوں سے شاعری کی جانچ پڑتال نہیں کی ہے۔حسن رضا خاں کی شاعری کا شرعی پہلو ویسے ہی بڑا مربوط اور مضبوط ہے۔

ڈاکٹر شمیم گوہر مہاراجہ کشن پرشاد، شادؔ کے نعتیہ کلام پر لکھتے ہوئے ان کی شاعری کے محاسن کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''مہاراجہ شاد فارسی شعروادب کے بھی زبردست ماہر تھے انھوں نے زبان فارسی میں بھر پور شاعری کی اور ایک قیمتی مطبوعہ دیوان یادگار چھوڑا اردو دیوان کا نام ''بیاضِ شادؔ'' ہے۔ بیاض کی ابتداء بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کی گئی ہے۔۔۔ پورا بیاض صوفیانہ و عارفانہ اور نعتیہ شاعری کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ بالخصوص حمدیہ و نعتیہ اشعار کی کثرت ہے۔۔۔ مہاراجہ شاد کی نعتیہ شاعری ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہے اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے سنجیدہ جذبات وتخیلات اور احساس وافکار کا اظہار نہ صرف بیاض شاد میں کیا ہے بلکہ خراج عقیدت کے طور پر ''مخمکدۂ رحمت'' کے نام سے باقاعدہ نعتیہ مجموعہ پیش کردیا ہے جوان کی شاعری کے والہانہ پن اور خصوصی رجحان ومیلان کا ایک قیمتی تحفہ ہے۔ مہاراجہ شاد اگر چہ ایک ہندو شاعر تھے مگر عقیدت کا عالم دیکھیے:

ساز گار اپنا زمانہ ہوگیا ہند سے طیبہ کو جانا ہوگیا
دفن یثرب میں ہوا لاشہ مرا اب مسافر کا ٹھکانہ ہوگیا
بت پرستی اب کہاں باقی رہی اس کو چھوڑے اک زمانہ ہوگیا
کفر چھوڑا پی کے مے توحید کی رنگِ شادؔ اب عاشقانہ ہوگیا
شفاعت تری شادؔ کیوں کر نہ ہوگی کہ دل سے ہے تو مدح خوانِ محمدؐ

شاد کی نعتیہ شاعری جذبۂ عقیدت اور حسن لطافت سے وابستہ ہے زبان وبیان معیاری اور باوزن ہے جس میں لپک، لطافت، نزاکت اور سادگی وروانی ہے۔ تصورات میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ ہے اور عقیدت ومحبت میں رکھ رکھاؤ ہے۔۔۔ ہندو شعراء کی صف میں مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کی شعری حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے''۔(۱۷)

شادؔ کی شعری اقدار کی تحسین کے لیے شمیم گوہر نے تاثراتی دبستانِ تنقید کا سہارا لیا ہے۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی کتاب میں متنوع تنقیدی آراء پائی جاتی ہیں۔ تاریخی حوالے سے بھی تنقیدی آراء ملتی ہیں اور فنی جمالیات کی تحسین میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کے منہاجِ نقد میں تقابلی طریق کار بھی ملتا ہے اور تاثراتی بھی۔ اس لیے ڈاکٹر سید شمیم گوہر کی تنقید کو ہم مختلف تنقیدی دبستانوں کا امتزاج کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ نعت اور تنقیدِ نعت:

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی یہ کتاب نو مضامین پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات درجِ ذیل ہیں:

[۱] نعت کے عناصر۔ [۲] نعت کے موضوعات۔ [۳] نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم۔ [۴] غزل میں نعت کی جلوہ گری۔ [۵] نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں (ماضی کا سفر)۔ [۶] نعت گوئی اور سیرت ونعت کی محافل کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم میں۔ [۷] اردو میں نعت کا مستقبل (ایک ریڈیائی فیچر)۔ [۸] سلامِ رضا کے دو باغوں کی سیر۔ [۹] ہیں موجہ پہ ہم (ایک تاثر)۔

ڈاکٹر کشفی کے یہ تمام مضامین، ان کی تنقیدی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ان تمام مضامین میں تنقیدی اشارے پائے جاتے ہیں مثلاً ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' والے مضمون کو ہم ''قاری اساس تنقید'' کی روشنی میں پڑھ سکتے ہیں۔نمبر ۸ اور ۹ پر درج دو مضامین کا تنقیدی منہاج ''تاثراتی تنقید'' سے وابستہ ہے۔یہاں ہم ڈاکٹر کشفی کی تنقید کے چند نکات ہی کی تفہیم کی کوشش کریں گے۔مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ''ہم ایک ہی جملے یا شعر یا مصرعے کو مختلف انداز سے ادا کر سکتے ہیں اور طرز ادا کے اختلاف سے معانی بدل جاتے ہیں، یوں طرز ادا کو معنیہ کی حیثیت حاصل ہے''۔(۷۲)

اس جگہ ڈاکٹر کشفی نے ''قاری اساس تنقید'' (Reader Oriented Criticism/Reader Response Criticism) کا حوالہ دیئے بغیر اس تنقیدی رجحان کا عملی مظاہرہ کیا ہے۔قاری اساس تنقید کا سارا زور ہی کسی فن پارے کی قراءت پر ہوتا ہے۔گوپی چند نارنگ نے قاری اساس تنقید کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے لکھا ہے:

> ''قراءت کا عمل مجہول عمل نہیں ہے، بلکہ قاری کا ذہن قراءت کے دوران فعال رہتا ہے اور قاری کی یہ ذہنی فعالیت متن کو وہ معنی دیتی ہے جو متن سے مراد لیے جاتے ہیں۔۔۔متن میں معنی بالقوۃ موجود ہیں، لیکن وہ عامل قاری ہی ہے جو متن کے معنی کو 'موجود' بناتا ہے۔یوں سمجھیے کہ متن بارود کی ٹکیہ ہے، قراءت کا عمل فتیلہ دکھاتا ہے جو اشتعال پیدا کرتا ہے، اور یوں وہ پھلجڑی روشن ہوتی ہے جس کو معنی کا چراغاں کہتے ہیں''۔(۷۳)

ڈاکٹر کشفی نے ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' میں جن اشعار کی معنویت کا سرا نعتیہ مضمون سے جوڑا ہے ان میں کوئی قرینہ نعت کا نہیں ہے لیکن قراءت کے عمل اور قاری کی نفسیاتی کیفیت نے ان اشعار کو نعتیہ مضمون کا حامل بنا دیا ہے۔اس نکتے کو سمجھاتے ہوئے ڈاکٹر کشفی نے اسلامی معاشرے کی اجتماعی نفسیات کا حوالہ بھی دیا ہے اور شعراء کی انفرادی سائکی (Psyche) میں جھانکنے کی بھی کوشش کی ہے مثلاً ایک واقعہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت احسان دانش کی وفات سے دس بارہ دن پہلے ان سے لاہور میں بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی۔۔۔حضرت احسان دانش نے شعر سنایا:
>
> ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں   ترا نقشِ کفِ پا ڈھونڈنے کو
>
> میں نے کہا: ''چچا! یہ نعت کا بہت خوب صورت شعر ہے''۔مرحوم نے فرمایا ''نہیں! میں نے نعت میں یہ شعر نہیں کہا ہے''۔گفتگو کا سلسلہ کسی اور طرف مڑ گیا۔دس پندرہ منٹ کے بعد احسان دانش مرحوم نے کہا: ''تم نے سچ کہا، یہ نعت ہی کا شعر ہے''۔میں نے عرض کیا کہ تخلیقی عمل بڑی پیچیدہ چیز ہے۔ضروری نہیں کہ فن کار پر تخلیق کا ہر مرحلہ پوری طرح روشن ہو''۔(۷۴)

فرانس کا مشہور ساختیاتی مفکر رولاں بارتھ RONALND BARTHES کہتا ہے:

> ''ادب فی نفسہٖ ابہام سے لبریز ہے اور ایک ہی فارم میں کئی معنی ساتھ ساتھ عمل آرا ہو سکتے ہیں''۔(۷۵)

ڈاکٹر کشفی کی عملی تنقید کا مظاہرہ، تنقید کے کس رجحان کی عکاسی کر رہا ہے، اس کا اندازہ رولاں بارتھ کی درج بالا عبارت سے ہو جاتا ہے۔ ادب کے استاد (کشفی) نے رولاں بارتھ کے اس نظریئے کی عملی طور پر تردید کردی کہ مدرسانہ یا مکتبی تنقید "یک سطحی" تنقید ہوتی ہے اس کا کہنا تھا کہ:

"مکتبی تنقید، متن کے صرف متعینہ طے شدہ معنی کو صحیح سمجھتی ہے اور نہایت ڈھٹائی سے اس پر اصرار کرتی ہے۔ متعینہ معنی تو صرف لغوی معنی ہو سکتے ہیں، اور ادب میں اکثر و بیشتر وہ بیہودگی کی حد تک غلط ہوتے ہیں۔(۷۶)

شعر کی معنوی جہتوں کی تفتیش کے لیے نقاد کا ذہن جتنا فعال ہونا چاہیے، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اسی ذہنی فعالیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ شعراء کے غزل کے اشعار میں نعت کے پہلو تلاش کیے اور ان اشعار کی معنیاتی تعبیر کا جواز پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ظاہر ہے، جو معانی انہوں نے برآمد کیے وہ ان اشعار کے مرادی معانی ہیں اور خود شاعروں نے وہ اشعار کہتے وقت معانی کے اس لونی عکس SHADE کو نہ تو دیکھا تھا اور نہ ہی شعوری طور پر یہ معنی اشعار میں سمونے کی کوشش کی تھی۔ یہاں پھر مجھے رولاں بارتھ یاد آ گیا جو کہتا ہے:

"متن اپنے والد کے دستخط کے بغیر پڑھا جاتا ہے" 'THE TEXT IS READ WITHOUT THE FATHER'S SIGNATURE'(۷۷)

حسرت موہانی کے اشعار میں نعت کی جلوہ گری دیکھتے ہوئے کشفی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا کے بے پناہ نعتیہ اشعار کا رشتہ ادب کے ناقد اور قاری ان کے حقیقی مصداق سے قائم نہیں کر سکے ہیں۔ مولانا کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ میرے معروضات کی روشنی میں کیجیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا ان اشعار کو نعت کے حوالے اور حب رسول کریم ﷺ کے تناظر کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے؟ حسرت کی افتادِ طبع کو بھی سامنے رکھیے:

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے	وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے
دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد	ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے	رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں
سیہ کار تھے باصفا ہو گئے ہم	ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم
دل میں جا دے کے ترے درد کو ارباب ہوس	اب بھی گر چاہیں تو گنجائشِ ایماں کر لیں
"دل کو جمالِ یار کے فیضانِ عشق نے	قندیلِ عرشِ حق کے مماثل بنا دیا
اے حسنِ بے مثال تری دید کے لیے	درکار دیدۂ دلِ بینائے عشق ہے

ان اشعار کی نعت صفتی پر شاید کسی طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ مضمون، اسلوب اور الفاظ کے انتخاب سے ان کی جہت کا تعین ہو جاتا ہے۔ "نگاہِ یار" کا عام عشقیہ شاعری میں کردار یہ ہے کہ وہ تغافل برتتی ہے، عاشق کے جذبات کا اعتراف کرتی ہے، شرما جاتی ہے، آنکھ حسنِ محبوب کا دریچہ ہے مگر آشنائے راز کا تلازمہ نہیں

ملتا۔ آگہی عشق کے راز کو وا ضرور کرتی ہے مگر راز سے آشنا کرنا ایک دوسری اور بلند تر سطح کا عمل ہے۔ اس راز سے تو عاشق بھی آگاہ نہیں تھا۔ یہ آگاہی، یہ معرفت نگاہِ ناز نے عطا کی ہے۔ ''ہیچ ہم سمجھے دو عالم کو تو حیرت کیا ہے''، یہاں کلیدی لفظ ''ہیچ'' ہے۔ دو عالم کو بھلا دینا، غمِ جاناں کو اپنا کر غمِ دوراں اور آلامِ روزگار کو آساں بنا لینا، ستم ہائے روزگار کے باوجود کسی کے خیال سے غافل نہ ہونا، ان واردات وکوائف سے عشقیہ شاعری کا دامن بھرا ہوا ہے۔ مگر دو عالم کو ہیچ جاننا، عشقِ محمدی ﷺ ہی کا عطیہ ہے۔ اور پھر اس عشق کے نامعلوم اور غیر دریافت شدہ مراحل کا بوجھ گویائی کب سہار سکتی ہے۔ عاشق تو بس اتنا اشارہ ہی کر سکتا ہے ''رتبے عشاق کے اس سے بھی سوا ہوتے ہیں''۔ آگ کو راکھ میں بدل دینا، دوسروں کے درد وغم کا احساس پیدا ہو جانا، جذبات کی نرمی، یہ سب باتیں کسی بھی محبوب کی محبت میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ مگر ''باصفا'' صرف عشقِ محمد ﷺ بنا سکتا ہے۔ اس شعر میں صحابہ کرامؓ سے لے کر ہر دور کے وہ برگزیدہ امتی اپنی سوانح سناتے نظر آتے ہیں جن کو نگاہِ محمد ﷺ نے تقویٰ اور صفائے قلب کا امام بنا دیا۔

غزل کی عام روایت تو یہ ہے کہ ''قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا'' اور ''زنار باندھ سبحہ صد دانہ توڑ دے''، تو مولانا حسرت اس روایت کو روایتِ ہوس قرار دیتے ہیں اور اربابِ ہوس سے کہتے ہیں کہ رسولِ عربی ﷺ کی محبت کو دل میں جگہ دے کر ''اب بھی گر چاہیں تو گنجائش ایماں کر لیں'' اور یہ محبت وہ ہے جو دل کو ''قندیلِ عرشِ حق کے مماثل'' بنا دیتی ہے''۔ (۷۸)

فیض احمد فیض کی غزل میں نعتیہ مفاہیم کا سراغ لگانے کے لیے بھی کشفی صاحب نے نہ صرف شاعری کا تجزیہ کیا ہے بلکہ فیض کی تحلیلِ نفسی کی بھی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''فیض صاحب کی زندگی اور ان کی شاعرانہ لغت میں مذہب کے گہرے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے جیل کے ساتھیوں کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایامِ اسیری میں درسِ قرآن حکیم دیتے تھے۔ پھر یہ روایت کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنے آبائی وطن گئے اور وہاں نماز کی امامت کی۔ ان کی شاعرانہ لغت اور امیجری میں بھی مذہب اور اس کی روایات بہت نمایاں ہیں۔ ''شورشِ زنجیر بسم اللہ''، ''آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی''، ''ترا دست، دستِ عیسیٰ، تری یاد روئے مریم''۔ ایسے شاعر ''کے کلام میں مجھے کوئی نعت نظر نہ آئی اور پھر ہوا یوں کہ ٹیلی ویژن کے ایک مذاکرے میں، میں نے کہا کہ اردو کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں ہمیں نعت نظر آتی ہے۔ شعرا اپنے دیوان یا کلیات کا آغاز حمد و نعت کے اشعار سے کرتے تھے۔ آج بھی یہ دستور قائم ہے، لیکن عہدِ حاضر کے ایک بڑے اور اہم شاعر کے کلام میں ہمیں نعت کا جلوہ نظر نہیں آتا۔ شاید یہ بات اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح کہی گئی تھی کہ سننے والوں کا ذہن فیض صاحب کی طرف منتقل ہو جاتا۔ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد بہن ہاجرہ مسرور نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ میں وقت پر پہنچ گیا۔ فیض صاحب پہلے سے موجود تھے، دوسرے مہمان ابھی نہیں آئے تھے۔ میں نے سلام کیا، انہوں نے نہایت

بے دلی سے جواب دیا۔ یہ وہ فیض صاحب نہیں تھے جن سے میں واقف تھا۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں آیا کہ فیض صاحب ناراض ہیں۔ دل کا چور زبان پر آ گیا۔ میں نے کہا "فیض صاحب کیا بات ہے، آپ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں"۔ فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور پھر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہنے لگے کہ جس ذات گرامی کے حوالے سے آپ نے ٹیلی ویژن پر اپنے غصے یا دوسروں کی کوتاہی کا جس طرح اظہار کیا تھا، اس انداز کا اس ذات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ کسی گنہگار یا خطاکار کے کانوں میں جو بات کہنی چاہیے اس کو دنیا میں یوں پھیلانے کا خلقِ عظیم محمدی ﷺ سے کیا تعلق اور آپ تو ادب کے استاد ہیں۔ کیا آپ اپنے طالب علموں کو اس ہفت ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دلِ بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے، اور اس مختصر گفتگو کے بعد فیض صاحب نے اپنا یہ شعر پڑھا:

جتنے چراغ ہیں تری محفل سے آئے ہیں   شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ

اور شاید یہ فیض صاحب ہی کا فیضانِ نظر ہے کہ غزل کی ماہیت کا یہ پہلو مجھ پر روشن تر ہو گیا اور غالباً یہ مضمون اسی گفتگو کا نتیجہ ہے"۔(۷۹)

فیض کے تین اشعار نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر کشفی نے ایک شعر پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اشعار مع تبصرہ یہاں پیش کر دیے جائیں:

"رنگ و خوشبو کے، حسن و خوبی کے   تم سے تھے، جتنے استعارے تھے

ترا حسن دستِ عیسیٰ، تری یاد روئے مریم   یہ جفائے غم کا چارہ، وہ نجات دل کا عالم

رب کریم ہے تو تری رہ گزر میں ہے   سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی

تیسرے شعر میں لہجے کا گداز اور نرمی دیدنی ہے۔ یہ سوز اور لفظی و معنوی تلازمے عہد حاضر کی غزل میں فیض صاحب کی شناخت ہیں۔ بندگی کا لفظ اس شعر کے معانی کی کلید ہے۔ محبت سے آدمی عاجزی سیکھتا ہے، غریبوں کی حمایت سیکھتا ہے، یاس و حرماں اور دکھ درد کے معانی سیکھتا ہے۔ محبت کے اخلاقی اور سماجی معاملات اور پہلو فیض صاحب کی نظم "رقیب سے" میں اس طرح آ گئے ہیں کہ اس نظم کو ہمارے شعری ادب میں ایک منفرد حیثیت حاصل ہو گئی ہے (اگرچہ رقیب کے بارے میں ان احساسات کا اظہار دوسرے شاعر فیض صاحب سے پہلے کر چکے تھے)۔ لیکن بندگی کا علاقہ دنیوی محبت سے قائم نہیں ہوتا۔ پھر دل کا فر تو عشقیہ شاعری میں ایک خوبی کا درجہ رکھتا ہے اور محبوب کی رہ گزر تو جنت کی راہوں سے عزیز تر ہوتی ہے اور رب کریم کی تلاش اس کوچے کے شعری قرائن سے علاقہ نہیں رکھتی۔ شہر تاریخ انسانی میں سب سے آباد ہمہ گیر رہ گزر محمدی ﷺ ہے۔ اس رہ گزر پر سنتِ رسول اکرم ﷺ کا سایہ سروں پر چھایا ہوا ہے، یہاں بندگی کے چراغ

روشن ہیں۔ ملکوتی صفات انسانی عمل کے قالب میں ڈھل کر یہاں جلوہ گر نظر آتی ہیں اور یہ صفات رب کریم تک ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ نبوت محمدی ﷺ، اثبات حق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ دیدۂ صدیقؓ سے دیکھو تو:

از خدا محبوب تر گردد نبی ﷺ

ایمانیات کے درس میں توحید پہلے آتی ہے اور نبوت اس کے بعد، مگر مومن کی زندگی میں نبوت محمدی ﷺ پہلے آتی ہے اور توحید اس کے بعد۔ حضور ﷺ کی زندگی اور سیرت کو دیکھ کر سابقون الاولون، ایمان لائے اور یہ سلسلہ آپ کے وصال کے چودہ سو سال بعد بھی جاری ہے۔

فیض صاحب کا یہ شعر ذات رسول کریم ﷺ سے وابستگی کی عجب مثال ہے۔ یہ بات پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ممکن ہے شاعر کو اپنی تخلیق کے تمام معانی، محرکات اور وسعتوں کی خبر نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے کسی محدود موضوع یا تجربے پر کوئی ایسا شعر کہا ہو جو حدود کو پھلانگ کر لامحدود کی قلمرو میں قدم رکھ دے۔ ہم میں سے کون، کسی شاعر کے کلام کے پس منظر اور محرکات ذہنی کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہے۔ مگر فیض صاحب کے پس منظر، دینی ادب سے ان کے شغف اور شخصیت کے اجزائے ترکیبی اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کے فنی سلیقے اور الفاظ کے استعمال کے سلسلے میں ان کے رویے کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ فیض صاحب کا یہ شعر، نعت کا شعر ہے۔ پھر "جتنے، چراغ ہیں"۔۔۔ کے سلسلے میں انہوں نے جو کچھ فرما دیا تھا اس سے بھی ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے"۔(۸۰)

فضل احمد کریم فضلی کے ایک شعر کی روح تک پہنچنے کی کوشش میں کشفی کہتے ہیں:

"فضل احمد کریم فضلی پختہ اور بیدار ملی شعور کے مالک تھے۔ ان کی نظمیں اس کی شاہد ہیں۔ ان کے ناول پاکستان کی قومی اور سیاسی زندگی کی دستاویزوں کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی دردمندی کا فنی اظہار ہیں۔ غزل میں بھی ان کا یہ انداز کہیں کہیں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ان کی ایک غزل میں نعت کا یہ سادہ، پرتاثیر اور وسیع پس منظر کا حامل شعر نظر آتا ہے:

جب کوئی آپ کا بن گیا   آدمی ہی نیا بن گیا

سرورِ کائنات ﷺ کی نظر کیمیا اثر سے آدمی، کردار اور اعمال کے اعتبار سے یکسر بدل جاتا ہے۔ رات، دن کی چادر اوڑھ لیتی ہے، وحشت، انس اور شائستگی میں بدل جاتی ہے۔ سیرت سازی قرآن حکیم کا موضوع اور نبی اکرم ﷺ کے راستے اور سنت کا حاصل ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی تذکار محمد ﷺ آدمی کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ فضلی صاحب کا یہ شعر، تصویر نہیں مرقع ہے"۔(۸۱)

یہ ہے وہ تجزیہ جو "غزل طور" لکھی ہوئی شاعری میں نعت کے خدوخال اجاگر کرنے کے لیے اور غزل کی ایمائیت میں پوشیدہ معنیاتی رنگوں کو واضح کرنے کے لیے ڈاکٹر کشفی نے پیش کیا۔ انہوں نے وہ تمام معنیاتی آفاق دریافت کرنے

کی کامیاب کوشش کی جو شاعر کے منشا اور اعلان کے بغیر صرف تخلیق کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو سکے۔ قاری اساس تنقیدی دبستان کو عام شاعری میں بھی بہت کم برتا گیا ہے، نعت میں تو اس کے تعارف کی یہ اولین کوشش ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر کشفی نے اشارۃً بھی اس دبستان کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال یہ کاوش آئندگاں کے لیے مشعلِ راہ بنے گی!

ان تنقیدی آراء میں ہمیں نفسیاتی تنقید، عمرانی تنقید، تاریخی تنقید اور قاری اساس تنقیدی دبستانوں کی ملی جلی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کشفی کا بنیادی دعویٰ یا قضیہ (Thesis) یہ ہے:

> ''جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد اور نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اکثر تو شاعر کو خود بھی اپنے اس سفر کی خبر نہیں ہوتی''۔ (۸۲)

اور اسی خیال کی روشنی میں انہوں نے غزل کے مطالعے کا یہ سفر طے کیا ہے۔ نعتیہ شعری اوصاف تلاش کرنے کی یہ کوشش قابلِ قدر بھی ہے اور اس موضوع کی سرحدوں کو وسیع کرنے کی طرف ایک قدم بھی۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے نعت کے مطالعات میں پہلی بار لسانیاتی بحثیں بھی چھیڑیں اور قابلِ قدر نکات اٹھائے۔ ان مباحث کے لیے مذکورہ کتاب میں ان کا مضمون ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' خاصے کی چیز ہے۔ ہمارے عہد میں کچھ شعراء نے (جن میں قمر رعینی، حنیف اسعدی اور بعض دوسرے شعراء شامل ہیں) حضورِ اکرم ﷺ کے لیے لفظ ''تو''، ''تم''، ''تیرا'' کے استعمال کو ناجائز قرار دیا تو بہت سی آراء اس خیال کی تائید میں اور بہت سی مخالفت میں سامنے آئیں۔ ڈاکٹر کشفی نے بھی اپنے مذکورہ مضمون میں یہ بحث چھیڑی تھی۔ ان کا موقف یہ ہے:

> ''بات یہ ہے کہ رسول عربی ﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ''تو'' کی یکتائی کو سمجھا، اسے عشقِ یکتا سے نواز دیا گیا:

نغمہ حق ادھر ہوا، تیرے رباب سے بلند — رک گئے دفعتۂ ادھر ساز و نوائے کافری

کیسے کہوں شہِ رسل، میں بھی ترا غلام ہوں — قبلہ بندگی مرا، تیرا حریم سروری

(علی اختر حیدر آبادی)

اسی امید پہ ہم طالبان درد جیتے ہیں — خوشا درد دے کہ تیرا درد ، درد لادوا ہوگا

(جگر مرادآبادی)

اے سبک سیر جادہء اسریٰ — روک دی تونے وقت کی رفتار

(حفیظ ہوشیار پوری)

اے مرے شاہِ شرق و غرب، نانِ جویں غذا تری — اے مرے بوریا نشیں، سارا جہاں گدا ترا

(احمد ندیم قاسمی)

ہیں تری ذات پہ سو ناز گنہ گاروں کو — کیسے بے ساختہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے ہیں

(حفیظ تائب)

محض وعظ ہو یا سیرت کی کتاب میں ہم نبی کریم ﷺ کی ذات، فلک مرتبت کے لیے ''آپ'' کا لفظ اور بہت سے القاب و آداب استعمال کرتے ہیں۔ ''سرورِ کونین''، ''ختمی مرتبت''، ''سیدِ کل''، ''خیر البشر''، ''رسولِ اعظم''، ''ہادیِ برحق''، ''صاحبِ کوثر''، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب تخلیقی لمحوں میں ہمارا جذبِ دروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑاتا ہے اور جب یہ بزمِ کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے، تو یہ سارے القاب، یہ سارے لفظ ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں۔ ''تو'' میں۔۔۔ یہ چھوٹا سا ایک رکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ خلوت جس میں جمالِ مصطفےٰ ﷺ ہوتا ہے اور ہماری حیرانی۔ یہ ہمارے اختیار کی نہیں بلکہ سپردگی کی منزل ہوتی ہے''۔(۸۳)

اب تک کے مطالعے کی بنیاد پر بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ ادب میں تنقیدی رائے کے جتنے متنوع اظہارات، ڈاکٹر کشفی کی کتاب میں ملتے ہیں اتنے اس میدان کے دوسرے اسکالروں کے ہاں نظر نہیں آتے۔ ''نعت اور تنقیدِ نعت'' کا مطالعہ، ان کی بالغ نظری، تنقیدی بصیرت اور مختلف تنقیدی دبستانوں سے باخبری کی شہادت دیتا ہے۔ چلتے چلتے ڈاکٹر کشفی کی تاثراتی اور تشریحی تنقید کے بھی نمونے ملاحظہ فرمالیجیے۔ احمد رضا خاں بریلویؒ کے معروف سلام ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے حوالے سے انہوں نے اس طرح سوچا:

''سلام کا آغاز 'رحمت' اور 'ہدایت' کے لفظوں سے ہوتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے اشعار میں 'رسالت' اور 'شفاعت' کے ذکر سے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی رسالت کے چار بنیادی عناصر کا ذکر مکمل ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بھیجنے والے نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور انسانوں کی ابدی ہدایت کا ابدی نقطہ آپ ہی کی ذات ہے۔ تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا مخزن اور محافظ قرآن حکیم ہے اور آپ کے اسوۂ حسنہ میں تمام انبیائے کرام کی صفات نقطۂ کمال پر نظر آتی ہے۔ اس کائنات کی تاریخ میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جو بزمِ ہدایت سے خالی رہا ہو اور آخر میں اس بزم کو ابدالآباد تک روشن رہنے والی شمع مل گئی۔ اس شمع پہ لاکھوں سلام اور لاکھوں درود۔ حضور ﷺ کی ذات ہدایت کی برہانِ عظیم بھی۔ قل فللہ الحجۃ البالغہ (سورۃ الانعام۔ آیت ۱۴۹) (آپ کہہ دیجیے کہ بس مکمل حجت تو اللہ کی ہی ہے)''۔(۸۴)

سلام کے اولین اشعار کی معنیاتی چکا چوند دکھانے کے بعد ایک نکتے پر اپنے تحفظات کا بھی اظہار کردیا ہے:

''اس سطح کی بلند شاعری میں چوتھا شعر بے جوڑ لگتا ہے۔ جس کا اس حدیقۂ اول کے ان تمام اشعار سے کوئی علاقہ نہیں جو حضور ﷺ کی سیرت و ذات کو ہمارے وجدان کا حصہ بنادیتے ہیں۔

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود | نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

دولھا، برات، نوشہ، شادی، نوشہ کے تلازمے نہ جانے حضرت احمد رضا خاں صاحب اور ان کے دبستان کے بہت سے شاعروں اور مقرروں کو کیوں اس درجہ پسند تھے۔

نوشۂ بزمِ جنت، کومرکزِ بزمِ جنت، شانِ بزمِ جنت، رونقِ بزمِ جنت، کعبۂ بزمِ جنت، کچھ بھی کہا جاسکتا تھا۔ پورا سلام اپنے شاعر کی قادرالکلامی کا گواہ ہے بلکہ یہ تلازمہ شاعر کی نفسیات کا ایک حصہ ہے۔ اس تلازمہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسے عالمانہ سلام میں جو حدیث وقرآن کی آیات کی ترجمانی کرتا ہے عام سننے والوں کی دل چسپی کے کچھ اشعار شعری ضروریات کا تقاضا تھے"۔(۸۵)

یہاں ڈاکٹر کشفی نے لفظ "دولھا" کے استعمال پر اپنے تحفظات کا بھی اظہار کردیا اور شاعر کی نفسیات کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کردیا جس کے تحت اسے عوامی زبان میں بات کرنے کی رغبت ہوئی۔ بعدازاں اس سلام کے ایک شعر کی معنوی جہتوں کی طرف اشارے کیے ہیں:

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

نائبِ دستِ قدرت ہی کی بات قرآن حکیم نے یوں پیش فرمائی ہے:

وما رمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ.....(سورۃ الانفال۔ آیت ۱۷) (اور [اے رسول] آپ نے مٹی کی مٹھی کافروں کی طرف نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

یہ جنگ بدر کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب رسول ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی کافروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی کافر ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں کو اس مٹھی بھر مٹی نے متاثر نہ کیا ہو اور اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ وہ مٹھی بھر خاک آپ نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی..... یہ دنیا دارالاسباب ہے اور اسی مسبب الاسباب کا کام ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ کو دستِ قدرت کی تاثیر عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر کشفی نے کچھ مزید اشعار کی تشریح کرتے ہوئے لکھا:

اس سلام کے ابتدائی حصے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو مرتبۂ نبوت کی شناسائی کی روشنی سے منور اور عطر سے معطر ہیں:

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
سرِ غیبِ ہدایت پہ غیبی درود عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام
مطلعِ ہر سعادت پہ اسعد درود مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
ربِ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

اس اشعار کے سلسلے میں اجمالاً عرض ہے کہ:

[۱] ان شعروں میں درود کی صفات (جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا ہے) اردو زبان کو ان معنوی اور لسانی وسعتوں سے آشنا کرتی ہیں جو اردو کی نعتیہ شاعری اور عام شاعری میں بھی ناپید ہیں۔

[۲] مرتبہ و رسالت سے متعلق نہایت دقیق نکات دل کو چھونے والی شاعری بن گئے ہیں۔ خیال اور جذبہ کا ایسا امتزاج غالب اور اقبال کی شاعری کے علاوہ کہیں اور مشکل سے ملے گا۔ اس سطح کی نعتیہ شاعری صرف محسن کاکوروی کی دو مثنویوں میں ملتی ہے۔

[۳] تضادات اور انتہائیں مطلع نبوت پر ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوگئی ہیں۔ فتح باب نبوت اور ختم دور رسالت، مطلع ہر سعادت اور مقطع ہر سیادت۔

[۴] ان اشعار کے جسم میں آیات قرآنی کے مفاہیم اور کنائے روح کی طرح دوڑ رہے ہیں:

حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم سے ہر انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور احسان کی دستاویز ہے۔۔۔تم بھلا اپنے رب کی کس کس نعمت سے انکار کرو گے، لیکن ہمارے رب نے کسی نعمت کو اپنے احسان کے طور پر نہیں پیش فرمایا۔ ہاں اس کا ایک احسان ایسا ہے جس کا اس منعم حقیقی نے اظہار فرمایا ہے اور وہ احسان ہے بعثتِ محمدی۔

لقد من اللہ علی المؤ منین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ و یز کیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین O [سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۶۴] (بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انہیں میں سے ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً یہ سب لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)۔

اور ہم اس قول رب کی تصدیق یوں کرتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

اس آیت قرآنی میں بعثتِ رسول اللہ ﷺ کے جو تین عظیم اور انسان و انسانیت ساز مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں، جو [وہ] سلام رضا کے ابتدائی حصے میں مختلف عنوانات اور اسالیب میں پیش کیے گئے ہیں۔(۸۶)

سلامِ رضا کے توسط سے ڈاکٹر کشفی نے نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں تشریحی تنقید کے مختلف ابعاد روشن کیے۔ یہ بھی ایک حد تک ان کا اختصاص ہے۔ تاثراتی تنقید کا نمونہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے پہلے تو یہ بتایا کہ مختلف سماجی علوم کے حوالے سے ادب کا مطالعہ کرنے والے نقادوں کے جمالیاتی نظریئے میں وسعت نہیں تھی۔ پھر لکھا:

"ادب نام ہے "لفظوں کے فن کا"۔ یہ ادب کی ایک جامع اور مانع تعریف ہے۔ یہ تعریف دوسرے فنون لطیفہ کو ادب سے الگ کر دیتی ہے۔ اس میں ادیب و شاعر کا رویہ بھی سمٹ آیا ہے۔ ادب کی تنقید میں لفظوں، تراکیب اور اسلوب سے صرف نظر کون کرسکتا ہے۔ یہ تو ویسی بات ہے کہ جیسے رنگوں اور خطوط کو نظر انداز کرتے ہوئے مصوری پر گفتگو کرنا۔ بات یہ ہے کہ ادب پر "ہوائی" یا "باد ہوائی" گفتگو بہت آسان ہے۔ لیکن کسی فن پارے کو اپنے وجود میں محسوس کرنا اور اس احساس کو لفظ دے کر دوسروں کو اپنی فکر، نظر اور

تنقیدی تجزیے میں شامل کرنا مشکل بات ہے۔ایسی تنقید کو صرف تأثراتی کہنا مناسب نہیں۔ بلکہ جمالیاتی کہنا زیادہ درست اور مناسب ہے۔اس انداز تنقید کے نظارے ہمیں، شبلی، مہدی الافادی، مجنوں گورکھپوری، فراق گورکھپوری، محمد حسن عسکری اور خورشید الاسلام کے یہاں ملتے ہیں۔ میں بھی اس انداز کو اپنانے والے چھوٹے لوگوں میں شامل ہوں"۔(۸۷)

درج بالا اقتباس میں ڈاکٹر کشفی کی تنقیدی تیکنیک کی وضاحت موجود ہے۔ انہوں نے صبیح رحمانی کی ایک نعت پر اپنے تأثرات رقم کرتے ہوئے لکھا:

"ایک نعت پر اپنے تأثرات فی البدیہہ قلم بند کرتا ہوں۔ شاید اس آسماں مرتبت ﷺ اور اس کے مواجہ اور مواجہ کی کیفیت پر لکھی ہوئی نظم کی نسبت سے یہ تحریر بھی لائق التفات ٹھہرے۔

کھویا کھویا ہے دل، ہونٹ چپ، آنکھ نم، ہیں مواجہ پہ ہم
روبرو ان کے لایا ہے ان کا کرم، ہیں مواجہ پہ ہم
لمحے لمحے پہ آیات کا نور ہے، نعت کا نور ہے
نور افشاں درودی فضا دم بہ دم ، ہیں مواجہ پہ ہم
ایک کونے میں ہیں، سر جھکائے ہوئے، منہ چھپائے ہوئے
گردنیں ہیں کہ بارِ ندامت سے خم، ہیں مواجہ پہ ہم
آنسوؤں کی زباں، کررہی ہے بیاں، ان سے احوالِ جاں
صرف اپنا نہیں، پوری امت کا غم، ہیں مواجہ پہ ہم
ہر اندھیرا مقدر کا چھٹنے لگا ، دور ہٹنے لگا
قریہ نور میں آگئے ہیں قدم، ہیں مواجہ پہ ہم
مسکراتی ہوئی ہر تجلی ملی، کیا تسلی ملی
دور ہوتے گئے سارے رنج و الم ، ہیں مواجہ پہ ہم
سب طلب گار ، حرفِ شفاعت کے ہیں، ان ﷺ کی رحمت کے ہیں
چہرے چہرے پہ ہے اک سوالِ کرم، ہیں مواجہ پہ ہم

مواجہ، سرورِ کائنات ﷺ کا تجلی خانہ ہے۔ یہ مقامِ خلوت بھی ہے اور مقامِ جلوت بھی۔ انسانوں کی ایک موجِ رواں مواجہ سے گزرتی ہوئی۔ لوگ نفس گم کردہ گزرتے ہیں اور اس نفس گم کردگی میں آشفتگی کے سارے سامان اور امکان موجود ہیں لیکن یہاں آکر پتا چلتا ہے کہ: انساں عظیم ہے خدایا...... صبیح رحمانی نے مواجہ شریف میں الفاظ کو حروفِ وندا بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں فضا درود و سلام میں گم نظر آتی ہے۔ وقت گزراں کی موجیں سلام پڑھتی ہوئی ابدیت کے سمندر میں داخل ہوجاتی ہیں۔

......"مواجہ پہ ہم" آپ نے دیکھا کہ آپ "ہم" کو کھینچ کر پڑھ رہے ہیں۔۔۔اور "ہم" کی گونج سے اسم "محمد" ادا ہو رہا ہے۔ "محمد" لب پر، کاغذ پر، فضا پر، تصویر کے رنگوں میں۔۔۔۔اس نغمے کی صوتیات پر غور کیجیے کہ آوازوں کے درمیان ہم آہنگی ہے۔ "ص"، "ز"، "م"، "س"، "ط"، "ن"، "ذ"، "و" یہ سب آوازیں نرم آہنگ آوازیں ہیں۔ "ق"، "غ"، "ش"، "خ" آوازوں کا ایک متوازی سلسلہ ہے۔۔۔بلند آہنگ۔۔آپ نے اکثر مصرعوں میں نغماتی تصویریں دیکھی ہوں گی۔یہ پوری نعت صوت وصدا کے ہوتے ہوئے بھی خاموشی کی آواز ہے"۔(۸۸)

یہ ہے وہ تأثر جو ایک ادب کے استاد، ماہر نقاد اور حضور ﷺ کے ادنیٰ غلام نے خود کو مواجہ شریف کے قریب محسوس کرتے ہوئے بڑی دیانتداری سے حوالۂ قرطاس کر دیا۔اس تاثراتی تجزیے میں تاثراتی تنقید کے ساتھ ساتھ غیر شعوری طور پر اسلوبیاتی تنقید بھی معاون ہوگئی۔واضح رہے کہ اسلوبیاتی تجزیے میں کسی فن پارے کے امتیازات کو نشان زد کیا جاتا ہے جو صوتیاتی، لفظیاتی، نحویاتی، بدیعی اور عروضی شکلوں میں ظہور پذیر ہوں۔(۸۹)

"نعت اور تنقیدِ نعت" کے سرسری مطالعے سے ہمیں معلوم ہوا کہ نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے مختلف زاویے ہو سکتے ہیں۔ڈاکٹر کشفی نے اپنی تحریروں میں بیشتر زاویوں کی طرف اشارے کر دیے ہیں۔اس کتاب میں طریقِ نقد کی بوقلمونی اس بات کا ثبوت ہے کہ نعتیہ شاعری کی پرکھ کے بہت سے اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔بات صرف اتنی ہے کہ بقول میرؔ

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ (۹۰)

بات کی تفہیم کے لیے اس شعر میں لفظ "دہر" کو "نعت" سے بدل کر پڑھا جاسکتا ہے۔

۴۔شاعرانِ نعت، راجا رشید محمود:

راجا رشید محمود کی یہ کتاب آٹھ شعراء کے کوائف سمیٹے ہوئے ہے، قدسی، کفایت علی کافی، امیر مینائی، احمد رضا، اکبر وارثی میرٹھی، حیات وارثی لکھنوی، دلورام کوثری، لالہ بچھمی نرائن سخاؔ۔اس کتاب میں زیادہ تر گفتگو شاعر پر کی گئی ہے۔شاعری پر نہیں۔کہیں کہیں شاعری پر بھی گفتگو ہے لیکن وہ بھی بیشتر دوسروں کی آراء پر مبنی ہے۔بہر حال اس کتاب میں تنقیدی اشارے بھی ملتے ہیں۔ہم صرف ایک شاعر کے بارے میں راجا رشید محمود کی تنقیدی رائے یہاں نقل کرتے ہیں۔بچھمی نرائن سخاؔ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"غیر مسلموں کی اردو نعتوں میں عام طور پر وہی مضامین پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی کہی ہوئی نعتوں میں ملتے ہیں۔کہیں کہیں جہاں شاعر کی ذات نمایاں ہوتی ہے، وہاں انفرادیت بھی جھلکتی ہیں مثلاً دلورام کوثری عام طور پر اپنے ہندو ہونے کے حوالے سے بات کرتے رہے۔بچھمی نرائن سخاؔ بطورِ خاص اپنے ہندو ہونے کا ذکر نہیں کرتے البتہ کہیں کہیں مسلمانوں سے خطاب ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ جو بھی مضمون

باندھتے ہیں، وہ رنگی نہیں ہوتا، اس میں ان کی ذات کے حوالے سے ایک مؤثر بے ساختگی پائی جاتی ہے اور یہی سحّا کا تخصص ہے۔ مثلاً نعت گوئی کا ذکر کرتے ہیں تو کہیں کہیں نیا مضمون بھی باندھتے ہیں کہ میری نعت گوئی میں حضرت جبریلؑ یہ اصرار کر کر کے مخل ہو رہے ہیں کہ سحّا، تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روح الامین کہہ کے پکار۔

فکر وصفِ مصطفیٰ میں ہیں مخل روح الامیں　　　کہتے ہیں، کہہ دے سحّا روح الامین مصطفیٰ

لیکن اس موضوع پر جو دوسرے اشعار کہے ہیں، ان میں بھی ان کے ذاتی حوالے نے بے ساختگی کی عجیب دل خوش کن فضا پیدا کر دی ہے:

مری پرسش خدا کے سامنے کیا جانے، کیوں کر ہو　　　کہاں ہے نعت گوئے بندہ؟ گر یوں ہو تو بہتر ہے

اے سحّا جان گئے جاننے والے تجھ کو　　　نعت کہتا ہے، تو فردوس کی تدبیر میں ہے

سخن یہ ہے، لکھوں وصفِ حبیبِ کبریا کیا کیا　　　کلام اللہ سے باقی رہی ان کی ثنا کیا کیا

عشقِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اس عشق کا دعویٰ ہی تو نعت گوئی کی بنیاد ہے۔ سحّا اس موضوع پر یوں قلم اٹھاتے ہیں:

دل میں گر عشقِ نبیؐ ہو تو ہے انساں انساں　　　ورنہ کیا خاک پھر اس خاک کی تصویر میں ہے

خدا کی بندگی یہ ہے کہ اول عشقِ احمد ہو　　　خدا کا عشق کیا کہنا، مگر یوں ہو تو بہتر ہے

کیا کہوں کیفیتیں عشقِ نبیؐ کے درد کی　　　بس فقط اتنا سمجھ لو تم، شفا کچھ بھی نہیں

جب سے ہے عشقِ نبیؐ، عشقِ نبیؐ سے پہلے　　　جو کیا ہم نے، وہ بیکار نظر آتا ہے

حضور حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی نگاہِ لطف کی ہمہ گیری کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں

زمانے کو ہے کافی اک نگاہِ لطف احمدؐ کی　　　پریشانی مری کیا، اک مرا حالِ پریشاں کیا

سحّا کو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم پر اتنا بھروسا ہے کہ اگر کوئی دریوزہ گر سرکارؐ سے دولتِ دارین بھی مانگ لے تو اس در لطف وعطا سے خالی نہ لوٹے گا۔

وہ کرم ہے آپ کا، یہ دولتِ دارین اگر　　　مانگتا ہوں میں تو گویا مانگتا کچھ بھی نہیں

وہ روئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کے موضوع کو اپنے ذاتی حوالے سے بے ساختگی کے اسلوب میں یوں بیان کرتے ہیں: (۹۱)

رخِ احمدؐ نہیں دیکھا، تو پھر کس طرح سمجھو گے　　　بتا بھی دوں اگر، کیوں کر ہوئے شمس و قمر پیدا

راجا رشید محمود کی کتاب میں چوں کہ تحقیقی مواد پر زیادہ زور دیا گیا ہے لہٰذا اس میں تنقیدی منہاج کی تلاش ضروری نہیں۔ تاہم جو مثالیں درجِ بالا اقتباسات میں پیش کی گئی ہیں ان کو، کلاسیکی فنی روایت میں ظہور پذیر ہونے والی مبصرانہ تنقید کا نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔

۵۔فنِ نعت کی نئی جہات (نعت پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب) محمد حیات چغتائی:

یہ کتاب، ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو محمد حیات چغتائی نے مرتب کیا ہے۔اس کتاب میں دس مضامین ہیں جن میں آٹھ مضامین مختلف شخصیات کی نعتیہ شاعری پر تبصرے کی صورت میں ہیں اور دو مضامین ''قدیم اور جدید نعت گوئی کا ادبی محاکمہ'' اور ''سرائیکی میں نعت گوئی''، نعت گوئی کی عمومی فضا کے جائزے پر مبنی ہیں۔تنقیدی مضامین کے اس انتخاب کو مرتب نے ''پاکستان میں اردو نعت کے ارتقاء کا نظری، فکری ولسانی مطالعہ'' (۹۲) قرار دیا ہے۔

''قدیم وجدید نعت گوئی کا ادبی محاکمہ'' بقول مرتب کتاب، روزنامہ امروز سے انتخاب کیا گیا ہے۔اس مضمون میں ڈاکٹر تونسوی نے لکھا:

> ''آج کا دور شاعری علامت کی شاعری کا دور ہے اس لیے نعت گوئی پر بھی اس کا اثر پڑا۔شاعروں نے خوبصورت علامتی انداز میں نعتیں کہیں اور رسول پاک ﷺ کا سراپا بیان کیا۔عبدالعزیز خالد نے اردو نعت کو آگے بڑھایا اور نعت ان کی پہچان بن گئی اور اس طرح حفیظ تائب کی نعت مطالعہ، سیرت، رسول ﷺ ہے۔پر خلوص لہجہ اور عجز و نیاز سے بھری ہوئی آواز انہیں اپنے ہمعصر نعت گو شاعروں میں ممتاز کرتی ہے۔مظفر وارثی نے جدید اردو نعت کی ریت ڈالی اور خوبصورت علامتوں کے اظہار سے عشق رسول ﷺ کے جذبات وواردات کو الفاظ کا ملبوس پہنایا اور ادبیت کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا:

رہ نوردانِ شوق کا رہبر — نقشبندانِ رنگ و بو کا امام
کالی کملی کرم سے لپٹی ہے — زیب تن یا ہے نور کا احرام

(عبدالعزیز خالد)

خوش خصال وخوش خیال وخوش خبر خیرالبشرؐ — خوش نژاد وخوش نہاد وخوش نظر خیرالبشرؐ
دل نواز و دل پذیر و دل نشیں و دلکشا — چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر خیرالبشرؐ
حسنِ فطرت، حسنِ موجودات، حسنِ کائنات — نورِ ایقاں، نورِ جاں، نورِ بصر، خیرالبشرؐ

(حفیظ تائب)

حرفِ دعا ہوں صوتِ پذیرائی دے مجھے — دیکھوں نظر کی اوٹ وہ بینائی دے مجھے
یادِ رسولؐ پیار کی سچائی دے مجھے — مدحِ نبی قرینہء گویائی دے مجھے
کاغذ کی ناؤ ڈال رہا ہوں بہاؤ پر — تنکا بھی پاؤں رکھنے چلا ہے الاؤ پر

(مظفر وارثی) (۹۳)

عارف عبدالمتین کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ''اردو نعت نگاری میں نئی جہت کی منور مثال'' کے زیر عنوان ایک مضمون لکھا ہے۔یہ مضمون مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔اس میں واضح تنقیدی رائے ملتی ہے۔انہوں نے بتایا ہے کہ موجودہ عہد کے احساس عدم تحفظ اور اقدار کی ٹوٹ پھوٹ نے شعراء کو نجات کا راستہ تلاش کرنے کی طرف مائل کیا تو وہ نعت کی طرف آ گئے۔وہ لکھتے ہیں:

> [شاعروں نے] ''نعت نگاری میں پناہ لینے اور پیغمبرِ انسانیت ﷺ کے سائے تلے آنے ہی میں اپنی عافیت

بھی ہے''۔(۸۶)

عارف عبدالمتین کی نعت سے دلچسپی کی وجہ بھی ان کے نزدیک یہی ہے۔ عارف کی نعتیہ شاعری کے متعلق ان کی رائے ہے:

''عارف عبدالمتین کی نعت حیاتیاتی اور کائناتی مسائل کا خالصتاً انسانی حوالے سے اظہار ہے جو وجہ کائنات کی ذات بابرکات کے محور کے گرد گھومتی ہے اور پھر حضورﷺ کی ذات کے حوالے سے حق وصداقت کی تلاش، انسان کی بازیافت اور بطور ایک مسلمان اسوۂ حسنہ کی پیروی عارف عبدالمتین کا واضح مقصد ہے۔ ان نعتوں کا خاص وصف اور عارف عبدالمتین کی تخلیقی قوتوں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے غزل کی زمین میں لکھی ہوئی باسٹھ نعتوں اور آزاد نظموں کے پیرایہء اظہار میں دس نعتوں میں کہیں بھی اپنے آپ کو نہیں دہرایا اور ہر نعت میں حسن کاری اور جمالیاتی تصویر کاری کے عمدہ نمونے ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں اور پھر بڑی بات یہ ہے کہ عارف عبدالمتین نے ایک سچے پیروکار کی طرح اپنی ذات کو مرشد کی ذات کے سامنے گم کر دیا ہے اور اس طرح ایک ہی پیکر تمام تر خیالات، افکار اور الفاظ کا محور ٹھہرا ہے اور وہ بھی ایسا کہ جس کے لیے سوائے ''بے مثال'' کے اور کوئی لفظ سجتا ہی نہیں اور برگ سبز میں عارف عبدالمتین نے اس کی بھرپور وضاحت کر دی ہے: (۹۵)

مگر کہاں کوئی تیرا مثیل عالم میں | ترا مثیل تو خود تو ہے کوئی اور نہیں

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تنقیدی رائے، ان کے تجزیاتی شعور کی عکاس ہے۔ عارف کی نعتوں کا معاملہ ہی یہ ہے کہ ان پر بعض جگہ لہجے کی بے تکلفی کا الزام تو آتا ہے لیکن خلوص کی فراوانی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لہجے کی بے تکلفی بھی عارف عبدالمتین کی نعت میں اس لیے در آئی ہے کہ عارف نے 'غزل طور' نعتوں میں متغزلانہ لہجہ اختیار کیا ہے جو ان کے ضمیرِ فن اور خمیرِ سخن کا حصہ تھا۔ بہر حال نعتوں میں عارف کا جداگانہ اسلوب، ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی محسوس کیا اور لکھا:

''اسلوب بیان کا ایسا اعجاز جو بے مثال کی نعتوں میں ہے اور کہیں پڑھنے میں نہیں آتا۔ اردو نعت میں ڈرامائیت، مکالمہ اور تخاطب کا انداز عارف عبدالمتین کی تخلیقی اختراع ہے۔ علامت واستعارہ کا برمحل استعمال، الفاظ کا مناسب انتخاب، مقام ومرتبے کا لحاظ اور اسلوب کا جلال وجمال ایسی خصوصیات ہیں جن سے بے مثال پوری طرح مملو ہے''۔(۹۶)

ساغر چنیوٹی ایک کم معروف لیکن قادر الکلام شاعر تھے انہوں نے نعتیں بہت اچھی کہی ہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ان کی نعتیہ شاعری پر بھی مضمون لکھا ہے۔ پہلے ان کے اشعار ملاحظہ فرمایئے:

کوئی کملی والے کو کیا جانتا ہے | یہ رمز خدا ہے خدا جانتا ہے
خدا کے کلاموں کو سب جانتے ہیں | کلام محمدؐ خدا جانتا ہے

یہ اشعار لکھ کر ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

'جب یہ صورتِ حال ہو تو پھر ممدوحِ خدا کی مدحت کے مراحل طے کرنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے اور یہاں رمزِ خدا کو بھی سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے اور رموزِ محمدﷺ کو بھی۔ تب جا کر اسرارِ خدا اور شانِ محمدی کا ادراک ہوتا ہے

جہاں تک ساغر چنیوٹی کے نعتیہ کلام کا تعلق ہے تو اس کا مطالعہ اس بات کی واضح نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اس کے پورے اسرار و رموز سے واقف ہیں اور ان میں ڈوب کر اظہار خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں مضامین کی فراوانی دکھائی دیتی ہے اور موضوعات کا ایک سیل رواں نظر آتا ہے جس میں حضور پاک سے محبت، عشق اور عقیدت کا جذبہ ہر ایک لفظ سے مترشح دکھائی دیتا ہے۔ وہ آنحضورﷺ کو سب کچھ مان کر کہتے ہیں:

لقب ملا ہے جنہیں رحمتِ دو عالم کا　　　　انہیں کی کی ہے بصد شوق پیروی میں نے

پیروئ رحمتِ دو عالمﷺ کا یہ وطیرہ ہر ایک شعر سے عیاں نظر آتا ہے اور وہ ہر نعت کو حضورﷺ کا فیضان تصور کرتے ہیں اور یہی حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے [سے] سب کچھ نبی پاک کے وسیلے سے ملتا ہے اور وہی صاحب الوسیلہ ہیں اور اسی کے نور سے دل میں حرارت، حرکت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔ بقول ساغر چنیوٹی:

چمک اٹھا مرا دل، معرفت ہوئی حاصل　　　　عرب کے چاند سے پائی یہ چاندنی میں نے

یہی نہیں بلکہ وہ ذکر نبیﷺ کو زندگی کے مصائب و آلام سے چھٹکارے کا باعث اور اپنی بخشش کا سامان جانتے ہیں۔ اس لیے کہہ اٹھتے ہیں:

یہی ذکر ذکرِ جمیل ہے یہی زندگی کی سبیل ہے　　　　یہی بخششوں کی دلیل ہے وہ ہمارا روزِ جزا بنے

۔اس تناظر میں دیکھیں تو ساغر چنیوٹی نے سیدھے سادے اسلوب اور آسان لفظوں میں مدحتِ پیمبر کی توانا روایت کو اور آگے بڑھایا ہے اور جس احتیاطِ فکر و نظر کی ضرورت تھی اس کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے اسطرح حضور پاکﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور اسوۂ حسنہ کے جن پہلوؤں کا اظہار کیا گیا ہے وہ ساری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور سچ بھی یہی ہے کہ

عشقِ احمدؐ میں ہوئی آج یہ حالت میری　　　　نام لینے سے بہلتی ہے طبیعت میری

اس سے بڑھ کر مسلمان سے فضیلت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے اور عشق احمدﷺ کے طفیل زندگی بھی بن جاتی ہے اور عاقبت بھی سنور جاتی ہے اور پھر وہ منزل آجاتی ہے جس کا ذکر نہایت ہی سادگی مگر پرکاری کے ساتھ ہوا ہے:

جلوۂ محبوبؐ سے حاصل ہوا ہے یہ کمال　　　　کعبۂ دل بن گیا گویا مدینہ دیکھیے

دیکھیے کی اس ردیف نے پوری نعت میں جو حسن پیدا کیا ہے اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے''۔

(۹۷)

یہ ہیں اس تاثراتی، جمالیاتی اور نظریاتی تنقید کے چند نمونے جو ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی شعور کی عکاسی کے لیے ہم نے منتخب کیے۔ طاہر تونسوی نے جو کچھ لکھا ہے اسے تنقیدی لب و لہجے اور ادبی اسلوب کے تحت لکھا ہے۔

۶۔نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید، ادیب رائے پوری:

ادیب رائے پوری کی یہ کتاب اپنے نام کے حوالے سے تو پرکشش ہے لیکن مواد کے اعتبار سے انتہائی سقیم ہے۔ مصنف نے بے جا طول طویل بحثیں چھیڑ کر اپنے موضوع کو تحقیقی، تخلیقی اور تنقیدی بنانے کی کوشش کی ہے جس سے نہ تو یہ کوئی تنقیدی کتاب بن سکی ہے اور نہ ہی تحقیقی یا تخلیقی۔ مرحوم ادیب رائے پوری وسیع المطالعہ شخص تھے لیکن کتاب کی تدوین میں وہ ہر بات کو اس طرح پھیلانے کی کوشش کرتے تھے کہ ایک داستان میں ہزار داستان کا مزہ آنے لگے۔ اسی لیے ان کی مذکورہ کتاب بھی طلسم ہوش ربا کی صورت کہانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ بن گئی۔ لیکن مقصود پھر بھی ہاتھ نہ آسکا۔

میں بڑی مشکل سے چند سطور منتخب کر کے پیش کرنے کے قابل ہوا ہوں کہ ادیب رائے پوری کی تحریر کا کوئی نمونہ تو دکھا سکوں۔ کتاب میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے ''تنقیدی ادب میں جمود اور اس کے نقصانات''، اس عنوان کے تحت لکھتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں:

> نعت گوئی سے ہٹ کر شعر گوئی کی تمام اصناف سخن میں تنقیدی فقدان کے سبب حسن تشکیل و جمال تربیت اور ایجاد الفاظ کے اجتہاد کامل سے محرومی کا اندیشہ ہوتا ہے ایسا ادب روایت پرستی کی چادر میں لپٹا ہوا جمود کی آغوش میں سو جاتا ہے مثلاً حالی تشبیہ و استعارہ کے قدیم رویہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ معشوق کی صورت کو چاند صورت یا جنت، آنکھوں کو نرگس، بادام یا بیمار سے، ابرو کو کمان یا محراب سے مژہ کو تیر سے لب کو نبات یا آب حیات سے منہ کو غنچہ اور کمر کو بال سے مشابہ قرار دینا لازم ہوگیا، حالی کے اس تجزیاتی جملہ میں آخری لفظ ''لازم'' روایت پرستی کی گرد میں دب گیا ہے۔ غالب اس عہد کا ایک شاعر نظر آتا ہے ایسا جو اس رویہ سے بغاوت کی اپنی قوت متخیلہ اور ایجاد کامل کی صلاحیت کے سبب روایت پرستی کے دائرہ خیال سے نکل آیا بظاہر غالب اس عہد کا شاعر شمار ہوتا ہے لیکن بقول خود وہ جہان ناآفریدہ کا شاعر تھا جس نے دانہ ہائے تسبیح کو صد دل عشاق، زنجیر کو موئے آتش دیدہ، خانہ مجنوں کو گرد بے دروازہ بہار کو حنا پائے خزاں اور دریا کو زمین کے عرق انفعال سے تشبیہ دی۔ یہ غالب ہی تھا ورنہ سرمہ کو دود شعلہ آواز، موج شراب کو مژہ خوابناک، اور ساغر کو متاع دست گراں کون کہتا۔ غالب روایت پرستی کا دشمن تھا لیکن روایت سے باغی نہیں تھا وہ روایت پسند تھا ان تمام حوالوں کا مقصد صرف اتنا تھا کہ غیر نعتیہ شاعری میں تنقیدی شعور کے فقدان سے ادب کے نشو ونما کا، جمود مقدر بن جاتا ہے لیکن نعتیہ ادب میں تنقید کے بغیر جمود کے تسلط اور ایجاد الفاظ کے اجتہاد سے محرومی کے علاوہ اس گرفت سے بھی آزاد ہو جاتا ہے جس کے بغیر انسان کے بھٹک جانے ثواب فکر کے صلہ عذاب میں بدل جانے کا خطرہ قدم قدم پر ہے۔ یہاں دونوں ہاتھ سے دامان خیال ہی تھا مانہیں جاتا ایک ہاتھ میں دامن ادب اور دوسرے میں دامن خیال ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبات پر قابو لازم وملزوم ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو متاع ایمان کے برباد ہو جانے کی پشیمانی رہ جاتی ہے۔ نعت گوئی میں تنقید کا عمل، اظہار تمنا، پرواز فکر، انداز بیان ہر اعتبار سے مقدم ہونا تھا لیکن ایک جائزے کے مطابق جس طرح اردو

زبان وشاعری کے گیسو سنوارنے کے لئے بڑی شد ومد سے تنقیدی شعور بیدار ہوا، اس کا عشر عشیر بھی نعتیہ ادب میں نہیں پایا جاتا"۔(۹۸)

درج بالا طویل اقتباس پڑھ کر(جو نقل بمطابق اصل ہے) صرف آخری ایک سطر سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عمومی ادب میں جتنی تنقیدی کاوشیں ہوئیں اس کا عشر عشیر بھی نعتیہ ادب میں نہیں ہوسکیں۔

ادیب رائے پوری نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ نعتیہ ادب نے دکن میں برگ وبار پیدا کیے "اولیائے کرام کی دکن میں آمد" کا عنوان دے کر چھہتر [۷۶] اولیائے کرام کی فہرست مع سنِ وفات درج کر دی جو تحقیقی مواد تو ہے لیکن تنقید کی کتاب کا جزو نہیں ہے۔(۹۹)

ایک جگہ ادیب رائے پوری نے ممتاز حسن کے ایک جملے پر اعتراض کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے:

"جمالیات، اعتراضات اور جوابات: تنقیدی نقد ان پر کچھ کہنے سے پہلے نعتیہ شاعری کے جمالیاتی پہلو پر اعتراضات کا جواب پیش کر دوں۔ ممتاز دانشور جناب ممتاز حسن کا ایک نظریہ گذشتہ اوراق میں پیش کر چکا ہوں۔ جسے دہراتا ہوں۔ "صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصد نبوت سے دلبستگی پائی جائے"۔ اس طویل جملے سے اگر ممتاز حسن صاحب کا مقصد یہ ہے کہ وہ تعلیمات رسول ﷺ اور احکامِ خداوندی کو بیان سیرت کے ذریعہ عام کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تا کہ ملت کو انتشار اور افتراق کی حالت سے نکالیں تو اس مقصدیت کے اعتبار سے ان کا یہ جذبہ قابل ستائش ہے اور یقیناً یہ نعت کے مقاصد میں اعلیٰ مقصد ہے لیکن ممتاز حسن اگر اس بات کو اس طرح فرماتے: "پیکر نبوت کے صوری محاسن کے ساتھ نبوت سے دلبستگی" تو یہ جملہ قابل اعتراض نہ ہوتا اس لیے کہ "لگاؤ کے ساتھ ساتھ" کہنے میں صوری محاسن کے بیان پر قدغن نہیں ہے لیکن جب یہ کہ "صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے" تو یہ لگاؤ کے ترک کرنے کا مشورہ ہو جاتا ہے جب کہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کا قول غیر مبہم ہے اور زیادہ واضح ہے کہ "آنحضرت ﷺ کی مدح کے متعلق نظم اور نثر کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا"۔(۱۰۰)

ممتاز حسن کی تحریر پر تو کہیں اور بات ہو چکی ہے۔ یہاں ادیب رائے پوری کا طرزِ تنقید ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے دو عنوانات [جمالیات، اعتراضات اور جوابات۔۔۔اور مقصدِ نبوت اور جمالیات] ایسے قائم کیے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گفتگو تنقید کے جمالیاتی دبستان کی ہو رہی ہے حالاں کہ یہاں بات صرف پیکرِ نبوت کے صوری محاسن کی ہے، تنقید کے جمالیاتی دبستان کی قطعی نہیں۔ خود انہوں نے جمالیاتی تنقید کا مقصد درج ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

"جمالیاتی تنقید کا کام ادبی تخلیقات کی جمالیاتی اقدار کو دیکھنا ہے۔ ان اقدار کا مطلب وہ خصوصیات جن کا وجود ہر فنی و ادبی تخلیق میں ہوتا ہے۔ جس کے سبب وہ حسین کہلاتی ہے"۔(۱۰۱)

تنقید کے جمالیاتی دبستان کا منصب ظاہر کر دینے کے بعد بھی ادیب رائے پوری نے حضورِ اکرم کے جمالِ صوری کے ذکر کو "جمالیات" کہا تو ہم اسے تنقیدی اصطلاح کی عدم تفہیم ہی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ادیب رائے پوری کی اس کتاب

میں انواراحمد زئی کا دیباچہ ہے۔انہوں نے بڑی چابکدستی سے کتاب کے مزاج کے بارے میں رائے دی ہے:

"زیرِ تبصرہ تحریر کو میں تخلیق کہوں، تنقید کہوں یا تحقیق جانوں؟ واقعی ایک مشکل مرحلہ ہے! اسالیب اور رویوں کے اعتبار سے ان تینوں اصناف کے تقاضے جدا جدا ہیں، پیمانے الگ الگ اور اثر انداز ہونے کی جہات علاحدہ علاحدہ۔ یہاں تک کہ عمومی اعتبار سے انہیں برتنے والوں کے قبیل تک ایک دوسرے سے ممیز و مختلف ہیں۔ مگر جانے حضرت ادیب رائے پوری نے کیا کیا کہ "نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید" کے عنوان سے اس تصنیف میں ان تینوں اسالیب کو یکجا کر دیا اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ ان تینوں کا ممتاز رنگ بھی جدا رہے اور مجموعی کیفیت انہیں ایک دوسرے سے الگ بھی نہ ہونے دے۔ قوسِ قزح شاید اسی خلاقی کا نام ہے"۔(۱۰۲)

ایک ذہین تبصرہ نگار کی طرف سے، موضوع کے برعکس کسی کتاب کے مواد میں تین جدا جدا رنگ پائے جانے پر ایسے انداز سے ہی گفتگو کی جا سکتی تھی کہ تنقیدی رائے میں پوشیدہ "طنزِ ملیح" کو جو سمجھ سکے سمجھ لے جو نہ سمجھ سکے اسے مصنف کی تعریف کے کھاتے میں ڈال دے!

یہ تنقید کی کتاب دیکھ کر ایک تمنا جنم لیتی ہے کہ، اے کاش ادیب رائے پوری مرحوم! کتاب کو صرف اپنے موضوع تک ہی محدود رکھ کر گفتگو کرتے اور ہر بات لکھنے سے پہلے اسے منطق کی میزان پر بھی تول لیتے! کتاب کا نام "نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید ہے" اور اس کے عنوانات میں "خواجہ بندہ نواز گیسو دراز"، "نعت کا اولین نمونہ"، "راگ رام کلی کا خیال"، "قلی قطب شاہ کا دور"۔ "ملا وجہی کی نعتیہ شاعری"، "نصرتی بیجاپوری"، "دکن سے شمال کی طرف سفرِ نعت"، "ترقی پسند ادب پر تنقید"، "ترقی پسند ادب کیا ہے"، "مذہبی موضوعات سے اختلاف کی مثال"، "تصادم اور پسپائی"، "ہر ترقی پسند لینن کا ایجنٹ نہیں"، "ایک عیاش حکمراں"، "اولیائے کرام کی دکن میں آمد"، "جنوبی ہند میں عربوں کی آمد (تہذیب و تمدن پر اثرات)"، "نعتیہ کلام میں فلسفہ وحدت الوجود کی علمی بحث"، "نعتیہ ادب میں کلماتِ شطحیات" وغیرہ وغیرہ عنوانات شامل ہیں۔ ان عناوین پر طائرانہ نگاہ ڈالنے ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصنف نے اپنے موضوع سے کتنا انصاف کیا ہوگا!

۷۔ محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی:

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی یہ کتاب محسن کی شعری عظمت کے اظہار اور ان کی فنی بلندیوں کی نشاندہی کے لیے لکھی گئی ہے۔ نقاد کا کام کسی فن پارے کی تحسین کو صرف اپنے تاثر تک محدود رکھنا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے پاس دلائل بھی ہوتے ہیں جن کی روشنی میں وہ اپنی رائے کو منطقی سطح پر قابلِ قبول بناتا ہے۔ نعیم عزیزی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے "محسن کی شاعرانہ عظمت"۔ اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں:

"محسن کے یہاں صنعتوں کے استعمال میں بھی ان کا رنگ انفرادیت نمایاں ہے۔ انہوں نے رعایتِ لفظی سے زیادہ رعایتِ معنوی ملحوظ رکھی ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب ان کی تخلیقی صلاحیت اور قوتِ ایجاد ہے۔ ان کی رعایت بے ساختہ، ان کی تشبیہات اور استعارات متحرک اور

جاندار اور ان کا عام انداز شاعرانہ ہے۔ انہوں نے تلمیحات واقتباسات کو جس سلیقے سے برتا ہے وہ ان کی تخلیقی حرکیت پر دال ہے۔ تلمیحات، اقتباسات، حسن تعلیل وغیرہ سے کلام کو مزین کر کے محسن نے اسے ادبی وجاہت اور علمی وقار وشکوہ عطا کر دیا ہے"۔ (۱۰۳)

یہ لکھنے کے بعد انہوں نے کچھ ذیلی عنوانات قائم کر کے محسن کے کلام میں صنائع بدائع کے استعمال کی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً تشبیہات، استعارات، تراکیب، مصطلحات، رعایاتِ لفظی، تلمیحات، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تلمیع، صنعتِ حسنِ تعلیل، محاکات، ہندی اور ہندوستانی عناصر، وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہات:

جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر باد لا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

استعارات:

"استعارات کا استعمال بڑا سلیقہ اور بڑی نزاکت خیال وفکر کا متقاضی ہوتا ہے۔ محسن کے استعارات بھی بہت نادرہ کار، رقصاں اور کیف آور ہیں۔ حضور ﷺ کے لیے کیسے پر کیف استعارے محسن نے وضع کیے ہیں:

گلِ خوش رنگ رسول مدنی العربی
زیبِ دامانِ ابد طرہ دستارِ ازل
اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گہر چشمہ کثرت کا کنول

تراکیب:

"محسن نے ترکیب سازی کا بہت ہی اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے اور اس کے توسط سے حضور رسول کونین ﷺ کی صفات عالیہ کو بھی پیش کیا ہے مثلاً:

زیبِ دامانِ ابد، طرۂ دستارِ ازل، سطرِ اخیر، صفحۂ راز، مطلعِ اولیں آغاز، گلِ نو بہارِ معنی، گوہرِ شاہوارِ معنی، اورنگ نشیں، عزت و جاہ، زور سر پنجۂ ید اللہ، ہر نکتہ جانفزائے ناسوت، رازِ ملکوت، سرِ لاہوت، دانش دانائے سر مکنون، درِ بے بہائے تکوین، لعلِ کوہِ تمکین، روزِ طلوعِ صبحِ بینش، صبحِ شش روزِ آفرینش، قبلۂ شش جہات عالم، مرجع کائنات عالم، وغیرہ۔۔۔ محسن نے ان تراکیب کے ذریعہ بھی حضور جانِ نور ﷺ سے اپنی بے پایاں عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

مصطلحات:

"جنابِ محسن نے دینی، علمی اور ادبی مصطلحات کا بہت ہی خوبصورت استعمال کیا ہے۔
ا۔ شعر وسخن سے متعلق: مصرع، مطلع، مقطع، قافیہ، نظم، غزل، قصیدہ، خمسہ، بیاض، دیوان وغیرہ۔

ب۔دینی علوم وفنون سے متعلق:شمسیہ،قطبی،حاشیہ،تفسیر بیضاوی،تفسیر کبیر،تفسیر کشاف،مشکوٰۃ وغیرہ۔

ج۔نجوم و ہیئت سے متعلق:زہرہ،مشتری،ثابت، سیارے،زحل، مریخ، حمل،ثور،عقرب،پروین،بہرام،کیوان،دبیر،طالع،حوت،میزان،دلو،تو قیعات وغیرہ

رعایاتِ لفظی:

''شعر دراصل الفاظ کی خوبیِ ترتیب ہی کا دوسرا نام ہے۔شعر میں الفاظ موقع ومحل کے مطابق ہوں اور ترتیب میں موزونیت ہوتو شعر پر لطف ہوجاتا ہے۔چونکہ محسن کو زبان پر عبور ہے لہٰذا انہوں نے موقع ومحل کی مناسبت سے الفاظ کا خوشنما استعمال کیا ہے۔اس ضمن میں چند اشعار دیکھئے:

اے پرتو مہر لایزالی بے مثل مثال بے مثالی

ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

محسن کے قصیدۂ لامیہ،مثنوی چراغ کعبہ اور صبح تجلی، میں رعایت لفظی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔بقول حسن عسکری:

''رعایت لفظی بری چیز سہی لیکن محسن کی نعتیہ مثنویوں میں یہ رعایت تین دائروں میں یا تین سطحوں پر بیک وقت عمل کرتی ہے۔

ا۔انفرادی طور سے شعر کے اندر رعایت لفظی اور مناسبات کا استعمال۔

۲۔پوری مثنوی میں ایک خاص مضمون کی رعایت اور اس کے مناسبات کا انتخاب۔

۳۔مناسبات سے اس طرح کے مضمون نکالنا جن سے حقیقتِ محمدی کی طرف اشارہ ہو''۔(۱۰۴)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اسی طرح مثالیں دے دے کر بتایا ہے کہ محسن کے کلام میں تلمیحات،صنعتِ اقتباس،صنعتِ تلمیع (ایسی لفظی صنعت جس میں شاعر کسی دوسری زبان کے جملے یا مقولے استعمال میں لائے)،صنعتِ حسنِ تعلیل،محاکات کے استعمالات کتنے نادر ہیں اور ہندی اور ہندوستانی عناصر کس خوبصورتی سے سموئے گئے ہیں۔پھر انہوں نے محسن سے قبل کے نعت نگاروں سے محسن کی شاعری کا تقابلی جائزہ لے کر لکھا:

''محسن سے قبل کے نعت نگاروں کے کلام کے جائزے اور کلام محسن کے جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ نعت کا موضوع محسن کے یہاں ہی آ کر ادبی اور فنی معیار حاصل کرتا ہے۔انہوں نے لکھنوی دبستان شاعری کے فنی عناصر کو اپنی تخلیقی صلاحیت اور اپنے جذبہ کی تقدیس وخلوص کی بنا پر فن شریف بنا دیا۔انہوں نے رعایتِ لفظی سے زیادہ رعایتِ معنوی کو ملحوظ رکھا ہے۔

محسن کی نعتیہ شاعری ویسے تو قریب قریب ہر شرعی گرفت سے پاک ہے اور اگر کہیں بظاہر کوئی شرعی خامی نظر آتی بھی ہے تو وہاں تاویل کی گنجائش ہے البتہ انہوں نے لفظ یثرب کا جو استعمال کیا ہے وہ شرعاً ممنوع اور

غلط ہے۔ بہر کیف ادبی، فنی، علمی اور شرعی اعتبار سے ان کی نعتیہ شاعری بہت بلند ہے اور ان کی تخلیقی حرکیت کی آئینہ دار"۔(۱۰۵)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محسن کاکوروی کو قصیدہ نگاری کے حوالے سے سودا اور ذوق کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور مثنوی نگاری میں میر حسن اور دیا شنکر نسیم کے دوش بدوش دیکھتے ہیں۔(۱۰۶)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا تنقیدی عمل، جمالیاتی اور تقابلی تنقیدی دبستان کے امتزاج کے طور پر سامنے آتا ہے۔

۸۔ اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، پروفیسر شفقت رضوی:

پروفیسر شفقت کی اس کتاب میں کل دس مضامین ہیں جن میں آٹھ مضامین کا مزاج تنقیدی ہے۔ دو مضامین تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ عنوانات کی فہرست یہ ہے:

i۔ اردو میں نعتیہ ادب کی تحقیقی اور تنقیدی کتب کا جائزہ

ii۔ نعت کے حدود

iii۔ لچھمی نرائن شفیق کا معراج نامہ

iv۔ تمیز لکھنوی کی یادگار نعتیں

v۔ غالب حضور رسالت مآبؐ میں

vi۔ حسرت موہانی کی نعت گوئی

vii۔ دستِ دعا کا شاعر۔۔۔صبا اکبر آبادی

viii۔ طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری

ix۔ خوش خصال نعت گو صبیح رحمانی

x۔ اردو نعت اور جدید اسالیب پر ایک نظر

شفقت رضوی کا تنقیدی منہاج ظاہر کرنے کے لیے ہم نے ان کی چند تحریروں سے کچھ پیرے منتخب کیے ہیں۔ نعت کے حدود کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں:

> "مرکز النعت کے ابرو کے اشارہ پر جان نثار کی جاتی ہے۔ شاعری میں محبت کے دعوے کس نے نہیں کیے لیکن جان نثار کرتے کسی کو نہیں دیکھا، گویا محبت کا شاعری میں دخل ایک رسم ہے جو ہر صنف میں ادا کی جارہی ہیں (ہے)۔ نعت گوئی کو اس سے مستثنیٰ قرار دینا ممکن نہیں"۔
>
> نعت گوئی کے لیے شاعری کے فن سے واقفیت اور زبان پر کامل عبور بھی ضروری ہیں۔ شاعری کرنے کے لیے علم عروض کافی نہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی فطرت ودیعت کی جاتی ہے جو شعر گوئی پر آمادہ کرتی ہے اور فطرت ہی قدم قدم پر رہنمائی کرتی اور اظہار کی قدرت بخشتی ہے ان اوصاف کے حامل جب ایک خاص کیفیت میں علم یا تخیل کی بنا پر الفاظ کو ترتیب دیتے ہیں تو اس سے وہ شاعری وجود میں آتی

جسے ''آمد'' کہتے ہیں۔فی زمانہ فطرت کی اس کرشمہ سازی کے شواہد کم ملتے ہیں۔اب شعر وارد نہیں ہوتے ''بنائے جاتے'' ہیں۔یہ بھی گویا ایک رسم پوری کرنے کا ذریعہ ہے جب آورد ہی شعر کی بنیاد ہو تو نعت بھی رسم کے سوا کچھ نہیں''۔(۱۰۷)

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی، نعت میں فنی رچاؤ کے ساتھ ساتھ خلوصِ فکر و خیال اور جذبے کی پاکیزگی دیکھنے کے متمنی ہیں۔نعت میں حب رسول ﷺ کے دعوے کو وہ رسمی سطح سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''زبان دانی سے مراد اس زبان کو جان لینا نہیں ہے جو ماحول کی عطا ہے اور قواعد کی پابند از زبان دانی سے مراد لفظ لفظ کے برتنے کا سلیقہ لفظ شناسی سے حاصل ہوتا ہے۔جب قدرت اور سلیقہ باہم پیوست ہوں، شعر میں وہ بات خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جس کو''تاثیر'' کہا جاتا ہے اس کے بغیر شعر کو شعر نہیں ''کلام موزوں'' کہا جائے گا۔تاثیر ہی شعر کو اور شاعر کے نام کو زندہ رکھتی ہے۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں علم ہے، مرتبہ شناسی ہے وہاں تاثیر نہیں ہے جہاں شعری حسن نے تاثیر پیدا کی ہے وہاں علم کا فقدان ہے۔احترام، محبت، ارادت وعقیدت کی کمی ہے۔البتہ فن دانی کی کرشمہ سازی ہے۔کسی ایک حصہ پر انحصار کرنا دوسری سے اجتناب برتنا کامل فن کاری نہیں اسی لیے نعت کے حدود میں شامل نہیں۔نعت گوئی بہت مشکل فن اس اعتبار سے ہے کہ اس میں مضمون اور اسلوب حدِ اعتدال میں ہونا ضروری ہے۔شاعری میں، مبالغہ جائز ہی نہیں بلکہ سکہ رائج الوقت ہے۔نعت میں اس کی گنجائش نہیں۔جب بھی مبالغہ سے کام لیا جائے گا، پیغمبری، الوہیت کی جگہ لے لے گی اور خارج از امکان بھی ہے اور خارج از ایمان بھی۔اسی طرح لفظ، محاوروں اور روز مرہ کے استعمال میں بھی حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔بے احتیاطی سے شاعر گستاخی کا مرتکب ہو جاتا ہے اس کی سیکڑوں مثالیں رسمی نعتوں میں ملتی ہیں۔نعت کے حدود میں صرف وہی اشعار شامل کیے جاسکتے ہیں جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے ہو''۔(۱۰۸)

اس اقتباس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر شفقت رضوی، نعت میں زبان و بیان کی نفاست اور جذبے کی صداقت دیکھنا چاہتے ہیں۔

پروفیسر شفقت رضوی نے لفظ ''نعت'' کے اختصاصی پہلو پر زور دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لفظ چودہ سو سال سے صرف حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالے سے لکھی ہوئی شاعری کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے لہٰذا اب کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس لفظ کو کسی اور کی تعریف کے لیے بھی برتے۔ یہ نکتہ بیان میں کیوں آیا اس کی وجہ بتاتے ہوئے انہوں نے لکھا:

''جدت طرازی اور ترقی پسندی کے نام پر ایک نئی آواز اٹھی ہے جو ابھی دھیمی ہے لیکن کسی وقت بھی نعرہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔بھارت کے ایک دانشور نے جس کو علم الاصنام سے خصوصی دلچسپی ہے جو''دھارلک''

لٹریچر سے بے حد متاثر ہے ایک طرح سے، ہندوازم کو (جو افراد کی ذہنی تخلیق ہے) مذہب پر (جو نزول آسمانی پر مبنی ہے) فوقیت دیتا ہے، جس کا نام مسلمانوں جیسا ہے، جس کا جزو آخر کسریٰ کے اس بد اندیش جیسا ہے، جس نے حضور ﷺ کے تبلیغی خط کو چاک کر کے اپنی دنیا اور عاقبت خراب کی تھی ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے "نعت" کے معنوں میں وسعت پیدا کرنا چاہیے اور نعت کا اطلاق ہر عظیم المرتبت شخص کی شان میں کہے ہوئے اشعار پر ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ اس تحریک کا شارح ہوتا ہے رام، لکشمن، اور دیگر اوتاروں کی مدح میں کہے گئے اشعار کو نعت قرار دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کے حوالے سے اشعار کو نعت کہنے کی اصطلاح کا استعمال (ساڑھے چودہ سو برس) سے جاری ہے تو اس کو وسعت دینے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی جبکہ توصیفی اشعار کے لیے "قصیدہ" جیسی صنف موجود ہے۔ اس قسم کے شوشہ چھوڑنا اور نعت کے حدود میں دخل اندازی کرنا مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کی سابقہ تحریک کا نیا حصہ ہے۔ قبل اس کے کہ ایسے کوئی بات سنجیدہ طریقہ سے مقبول ہو اس کی شدت سے مخالفت کرنا اور ایسے بے لگام لکھنے والوں کو مسلم صحافت سے دور کرنا از حد ضروری ہے"۔ (۱۰۹)

لفظ نعت چوں کہ صرف لفظ نہیں بلکہ ایک اصطلاح ہے اور اس لفظ کے لغوی معانی کے تمام لونی عکس مسلم تاریخ کے ہر عہد میں صرف حضور اکرم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات تک ہی پہنچتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کی اس لفظ سے جذباتی وابستگی کو ڈھیلا کرنے کے لیے جو مذموم کوشش کی گئی پروفیسر شفقت رضوی نے بروقت اس کوشش کا تعاقب کیا اور اس کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کیا۔ شفقت رضوی کی یہ تنقید تشریحی تنقیدی دبستان کا حصہ ہے۔

۹۔ سرودِ نعت، ابوالامتیاز ع۔س۔ مسلم:

ع۔س۔ مسلم کی اس کتاب میں کچھ تحریریں تو ایسی ہیں جو انہوں نے اپنی نعتیہ کتب کے دیباچوں کے طور پر لکھیں اور کچھ مصاحبے (انٹرویوز) ہیں جن میں نعت کے موضوع کے حوالے سے سوالات اٹھائے گئے اور ع۔س۔ مسلم نے ان کے جوابات دیے۔ ان تحریروں میں نعتیہ شاعری کی نزاکت، احتیاط شیشہ گری، ادبی حسن کی ضرورت اور موضوع کی عظمت کے پہلو اجاگر کیے گئے ہیں۔ شاعر کا اپنے موضوع کے تقاضوں سے آگاہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی تنقیدی بصیرت کام میں لا سکتا ہے۔ نعت گو شعراء کے لیے نعت کی عظمت اور اس کے حدود سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آفتاب احمد نقوی، شہید، نے سرودِ نعت کے مصنف سے یہ سوال کیا کہ "نعت کے حوالے سے آپ کی سوچ یا نظریہ کیا ہے؟" ع۔س۔ مسلم نے اس سوال کا جواب بڑی تفصیل سے دیا تھا۔ ہم اختصاراً کچھ نکات یہاں لکھتے ہیں:

☆ نعت کو رسولِ کریم ﷺ کے آئینۂ ذات اور صفات ہی میں آپؐ سے محبت اور عقیدت کا عکاس ہونا چاہیے۔

☆ رسولِ کریم ﷺ افضل البشر ہیں۔ مخلوق میں آپ بلند درجات کے حامل ہیں۔ ان درجات کی رفعت کا تصور محال ہے۔ ایسی صورت میں آپ ﷺ کے مدارج کی درجہ بندی ممکن نہیں۔

☆ بنابریں آپ کی سیرت و کردار کا مطالعہ فکرِ عمیق سے ہونا چاہیے۔

☆ محبت کا اظہار آپؐ کی اطاعت اور وفاداری سے مشروط ہے۔۔۔خود نعت گو کی شخصیت میں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا پرتو نظر آئے۔

☆ جب تک نعت گو کو مناسب سطح تک مقامِ مصطفےٰ ﷺ کا صحیح ادراک نہیں ہوگا، نعت گوئی خوبصورت الفاظ میں محصور ہو کر زورِ قلم کا اظہار رہ جائے گی۔(۱۱۰)

اسی طرح جب ع۔س۔ مسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ "آپ کے خیال میں نعت گو کو بطورِ خاص کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟" تو انہوں نے اس سوال کا جواب بھی بھرپور تحریر کی شکل میں دیا تھا۔ ہم اس سوال کے ضمن میں بھی، ع۔س۔ مسلم، کے چند نکات یہاں پیش کرتے ہیں:

☆ حضور ﷺ افضل البشر ہیں لیکن آپ بھی اپنے رب کے مکمل تابع، اطاعت گزار، وفا شعار، مطیع و فرماں بردار اور اس کے فضل و کرم کے محتاج و طلبگار ہیں۔ آپ کی طرف ایسی صفات کو منسوب کرنا جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہیں، اور آپ کی ذات محبوبی اور اللہ تعالیٰ یعنی اپنے خالق سے تعلقِ خاطر کو دنیاوی تصورِ عاشق و معشوق (نعوذ باللہ) سے بیان کرنا، نہ صرف آپؐ کے لیے سوءِ ادب ہے بلکہ انتہائی درجے کا شرک و بدعت ہے۔

☆ آپ محبوبِ رب ہیں۔ ہر صانع کو اپنی صنعت پیاری ہوتی ہے۔ بالخصوص وہ جو کاملیت کے درجے کی ہو۔

☆ مسلسل امتحان اور آزمائش سے گزرنے کے باوجود آپؐ نے تبلیغِ حق میں کوتاہی نہیں کی بلکہ اپنے اسوۂ حسنہ کی مثال پیش کی اور اپنے رب کی محبوبیت کا شرف حاصل کیا۔

☆ کامل بندگی و اطاعت کا یہ وہ مقام ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کی محبت میری محبت کے مترادف ہے اور آپ کی اطاعت میری اطاعت کے مترادف۔

☆ نعت گو کو، خودی کو، "انا" سمجھنے کے بجائے، خالق و بندے کی رضا کی اس خوش آمیزی کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

☆ سیرت کے یہ ٹھوس حقائق نعت گو کے پیش نظر رہیں۔ اسے فرہاد و مجنوں کی طرح صرف "عشق و محبت" کا رونا نہیں رونا چاہیے۔

☆ اطاعت کے بغیر محبت کا اظہار آپؐ سے روگردانی کے مترادف ہے۔

☆ حضرت حسان بن ثابتؓ کی حضور نبیءِ کریم ﷺ کی محفل میں پذیرائی اور بصیریؒ کے قصیدے کی مقبولیت، درست جہت اور اللہ اور اس کے رسول کے دربار میں شرف قبولیت کی دلیل ہے۔ یہ نکتہ بھی اسی تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔

☆ آپ کی محبت اور محبت کے عام تصور میں بہت فرق ہے۔ نعت میں اس فرق کی صحیح عکاسی ہونی چاہیے۔

☆ دعا، فریاد، طلب اور مانگ، اللہ کی ذات سے ہونی چاہیے نہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ذات سے۔

☆ اطاعتِ رسول اکرم ﷺ کے بغیر شفاعت کی امید رکھنا اور نعت میں رسماً شفاعت کے مضامین باندھنے کا عمل بھی

اصلاح طلب ہے۔ اس ضمن میں ع۔س۔ مسلم لکھتے ہیں:

''مشہور اعرابی جس نے حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ میں نے از راہِ عبادات وصدقہ وخیرات تو کوئی خاص اثاثہ جمع نہیں کیا، صرف آپ سے محبت رکھتا ہوں، اور جس کے جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت میں تو جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔ تو اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ مقدور بھر کوششِ عمل ہو پھر اعترافِ گناہ ہو، اور حضور کے ساتھ قلبی تعلقِ خاطر اور محبت بھی ہو، تو کون بد بخت ہے جو روزِ قیامت زمرۂ ابرار اور سایۂ رحمت و عاطفت سے بیگانہ رہنے کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو شخص اللہ کے حکم کے تحت قرآن وحدیث اور سنتِ رسول ﷺ پر تو عامل نہیں وہ اسی اللہ کے بندے اور اسی کے فرستادہ رسولؐ سے سفارش کی توقع کیسے کر سکتا ہے''۔(۱۱۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مقصد صرف بات کہنے سے نہیں پورا ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ بات کس طرح کہی گئی ہے اور شعر میں تو فنی تقاضے قدم قدم پر دامن گیر ہوتے ہیں۔ اگر تلفظ، بحر یا معانی کے وہ تقاضے پورے نہ ہوں، تو قول یا شعر کا تاثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے شاعر کو اس امر میں خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔''با محمدؐ ہوشیار'' کی تنبیہ کا تقاضا ہے کہ آدابِ نعت پہلے آئیں اور جسارتِ اظہار بعد میں ہو اور اس اظہار میں بھی جسارت سے زیادہ محبت، عقیدت اور اطاعت کے پہلو غالب ہوں''۔(۱۴۲)

شاعری میں جذبے کی بنیاد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شاعر کے القاءِ خیال کا مصدر ومنبع کیا ہے؟ اس کی آبیاری اگر سرچشمہ ایمان ویقین سے ہوتی ہے، تو شاعری سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور اگر یہ منبع محض خیال وخواب اور وہم کی کارگاہ ہے، تو پھر یہ وعیدِ باری تعالیٰ کے مطابق باعثِ ملامت وندامت ہے۔ دونوں طرح سے اس کی اہمیت اتنی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ شعراء کا تذکرہ مناسب سمجھا''۔(۱۴۳)

شعراء کے لیے عموماً اور نعت گو شعراء کے لیے خصوصاً اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ شاعری میں القاءِ خیال کا مصدر ومنبع کیا ہے؟ شعر کی تخلیق میں شاعر کا تنقیدی شعور کار فرما ہوتا ہے۔ نعت گو شاعر کے تنقیدی شعور میں ایمانیاتی چمک اور نعت کے موضوع کی رفعت کا احساس کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ ع۔س۔ مسلم نے اپنے تخلیقی منہاج میں ''خود تنقیدی'' کا عنصر ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے۔ ان کی تحریر میں خود تنقیدی یا خود احتسابی کی ایک مثال بالکل منفرد ہے۔ ہوا یوں کہ ع۔س۔ مسلم نے ایک نعت میں حسنِ مطلع کے طور پر ایک شعر کہا:

اے بخت کیا یاد مجھے میرے نبیؐ نے
بے اذن سعادت نہیں پائی یہ کسی نے

یہ شعر کہنے کے بعد ان کے احساس کی شدت نے ان پر جو کیفیات طاری کیں ان کا احوال شنیدنی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''شعر وارد ہونے کے بعد کئی روز و شب عجیب کرب و اضطراب، اندیشہ و کشمکش، پریشانی و تردد اور بے کلی و بے قراری میں گزرے، کسی پل چین نہ تھا، کیا مقدر نے واقعی یاوری کی ہے اور آپؐ نے، میرے محبوب نبیؐ نے مجھے یاد فرمایا ہے؟ زہے قسمت، روئے زمین پر مجھ جیسا خوش قسمت آج کون اور ہوگا؟ لیکن دوسرے ہی لمحے یہ خوف دامن گیر ہو جاتا، یہ کہیں شاعرانہ تعلی اور اس نسبت سے نہایت ہی بد بختانہ جسارت تو نہیں، کہ میں آپ ﷺ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر دوں جس کا بقید ہوش و خرد مجھے کوئی حواسی علم نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو جتنا استغفار کروں اور طالب عفو ہوں، کم ہے۔ اور تیسرا خدشہ یہ کہ ورود میں صرف شعر ہی ہو گیا، لیکن اذنِ حاضری کہاں ہے، اس کے تو دور دور تک امکانات نظر نہیں آتے، یہ تو دوہری بد بختی ہو گئی، یہ میں نے کیا کر دیا۔ کیا گھر سے نکل جاؤں، منہ چھپا لوں، گریباں چاک کر لوں، دیواروں سے سر پھوڑ لوں، لیکن مشیت سے کہاں فرار ہوگا۔۔۔ اگر نبیؐ نے یاد فرمایا ہے تو پھر میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟۔۔۔ اگر یہ شاعرانہ تعلی ہے، تو میں نے آپ کی ذات صدق مآب پر نعوذ باللہ بہتان باندھا۔ اب اس کا کفارہ کیا دوں، تاکہ راہِ راست پر آؤں؟ کیا اب حاضری نہیں ہوگی؟ وائے بد بختی میں تجھ سے اور اپنے ساتھ کیا سلوک کروں۔۔۔ چند روز اسی تذبذب اور کشمکش ذہن میں گزرے کہ ایک مختصر نجی نشست میں دوستوں کی فرمائش پر کہ تازہ نعت پیش کروں، میں نے یہی نعت پڑھ دی، مذکورہ شعر پر دل کا سارا خوف و تذبذب، اندیشہ و کشمکش کرب و اضطراب اور پریشانی و تردد موجوں کی طرح آنکھوں سے بہہ نکلا۔ ایک سخن فہم دوست نے شعر سنتے ہی کہا، بھائی! رختِ سفر باندھ لو تمہارا بلاوہ آ گیا ہے۔۔۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر ایسے اسباب پیدا ہو گئے۔۔۔ واقعتاً اُڑ کر درِ حضور پر پروانہ وار حاضر ہو گیا''۔(۱۱۴)

تنقیدی نظریات اور تنقیدی اسالیب تو بہت سے سامنے آئے لیکن ''خود احتسابی اور خود تنقیدی'' کی ایسی مثال مجھے کسی اور کتاب میں نہیں ملی۔ دراصل نعتیہ شاعری کے لیے جذبے کی پاکیزگی اور بیان کی سچائی دونوں بہت ضروری ہیں لیکن بیشتر نعت گو حضرات اس بات کا خیال نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ع۔س۔ مسلم کی قلبی کیفیات اور ذہنی کشمکش کا احوال اتنی تفصیل سے یہاں نقل کیا۔

ع۔س۔ مسلم کی تنقیدی آراء اور نعت شناسی کے نقوش دیکھتے ہوئے ان کی تنقید کو اصلاحی، جمالیاتی اور نظریاتی تنقیدی دبستانوں کا امتزاج قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ نعت کے جدید رنگ، جاذب قریشی:

جاذب قریشی کی یہ کتاب ان کے نو مضامین اور کچھ شعری تخلیقات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں ایک مضمون، جاذب قریشی کی نعت گوئی کے حوالے سے راقم الحروف کا ہے جس کا صرف اتنا ہی ذکر کافی ہے۔ جاذب قریشی کے نو مضامین کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قرطاس و قلم کی پرورش، نعتیہ شاعری کا ایک مختصر جائزہ

۲۔ سلام سے قرآن کی فریاد تک، مولانا ماہر القادری

۳۔ نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے، حنیف اسعدی

۴۔ شکستہ شاخ سے ہری کونپل تک، سرشار صدیقی

۵۔ ان کی دہلیز پر، ماجد خلیل

۶۔ حمد و نعت کی یکجائی، عبدالعلیم کے طالب

۷۔ نورانی موسموں کا سفر، شید اجبلپوری

۸۔ کم ہیں الفاظ ذکر طولانی، گہر اعظمی

۹۔ جنت کا گلاب، صبیح رحمانی

عبدالعلیم۔ کے۔ طالب، کی کتاب ''یا اللہ یا رسول'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے جاذب قریشی نے لکھا:

''یا اللہ یا رسول'' ایک ایسی کتاب ہے، جس میں حمد و نعت کو اس طرح لکھا گیا ہے جیسے یہ دونوں کسی ایک عظیم تصویر کے دو رخ ہیں جو الگ الگ بھی ہیں اور ایک ساتھ بھی ہیں۔ اس لیے کتاب کو توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ زبان و بیان کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ طالب صاحب نے کلاسیکی شاعری کو اپنے مطالعے میں رکھا ہے، جس کی بنیاد پر ان کے یہاں طرز اظہار میں کوئی کچا پن تو نہیں ہے لیکن کوئی جدت بھی نہیں ہے۔ پھر بھی اپنے موضوعات میں طالب صاحب نے حمد و نعت کے فرق کو ایک ایسی یکجائی اور ایک ایسی وحدت میں پیش کیا ہے، جو کم ہی پڑھنے میں آتا ہے۔ طالب صاحب کی حمدوں میں نعتیہ اشعار شامل ہیں اور ان کی نعتوں میں اللہ کی عظمت کا اظہار بار بار دکھائی دیتا ہے۔ ایسے چند اشعار دیکھیے:

مرے وجود کو دے کر درود کی دولت	رسول پاک کی نسبت کو مستند کر دے
میں ہوں ترے محبوب کی امت کا حوالہ	کعبہ بھی دکھا مجھ کو مدینہ بھی دکھا دے
تقلید میں جس شخص کی ہے ساری حقیقت	اللہ کا وہ ایک ہی ہمراز بہت ہے (۱۱۵)

ایک جگہ اے۔ کے۔ طالب، کے دو اشعار پیش کیے ہیں:

جدا نہ تیری نوازش سے ہو سکوں ہرگز
شکست ہو نہ سکوں مجھ کو وہ عدد کر دے
آزما اور مجھ کو اتنا آزما
بے وجود و بے عدم ہو جاؤں میں

ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے جاذب قریشی نے لکھا۔

''بے وجود و بے عدم ہو جانے کی دعا کرنا ایک تیسری حقیقت کو سامنے لاتی ہے کہ وہ اپنے وجود اور عدم دونوں کو پار کرنے کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول کی صفات میں تحلیل ہو جانا چاہتے ہیں کیوں کہ صرف اسی طرح

عدمیت اور بے وجودی کے حصار سے باہر نکلا جاسکتا ہے۔ طالب صاحب اپنے عقائد میں بہت حساس ہیں مگر جذباتی یا رومانی نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے علم اپنے تجربوں اور اپنے غور وفکر سے اللہ کی وحدت کے اور رسول کی رحمت کے اجالے سمیٹے ہیں۔ اللہ اور رسول کی یکجائی کا یہ اظہار دینی اور عملی سطحوں پر اعتبار کی قوت دیتا ہے جس کو طالب صاحب نے تخلیقی طور پر آگے بڑھایا ہے تا کہ حمد اور نعت کے فرق کے ساتھ اللہ اور ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے کا شعور بھی پیدا ہو اور دونوں کو ایک دوسرے سے الگ بھی نہ رکھا جاسکے"۔(۱۱٦)

شیدا چلپوری کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے جاذب قریشی نے لکھا:

''شیدا صاحب کے یہاں سبز گنبد کے مکیں کی دید بہت اہمیت رکھتی ہے کہ رسول اکرم سے ان کی عقیدتیں اور محبتیں کچھ اس طرح کی ہیں جیسے وہ لمحہ لمحہ ان کے سامنے موجود ہوں۔ وہ سرکارِ دو عالم کو یوں پکارتے ہیں کہ ان کی دستگیری کا انہیں پورا یقین ہو۔ نبی کریم کی عظمت کا احساس شیدا صاحب کے لیے ایک زندہ حقیقت رہا ہے جسے وہ دیکھتے بھی ہیں اور محسوس بھی کرتے ہیں اور جسے وہ پا بھی لیتے ہیں۔۔۔۔۔ان کے کچھ ایسے اشعار سنانا چاہتا ہوں جو رسول اکرم کے مختلف رخوں کو اظہار میں لاتے ہیں:

انساں کی حقیقت کو بتایا تونے — انسان کو انسان بنایا تونے
قربان ترے صاحبؐ لولاک لما — اللہ سے بندوں کو ملایا تونے
مٹی ظلمت ہوئی شمع رسالت کی درخشانی — لیا نامِ محمدؐ مٹ گئی تاریک ویرانی (۱۱۷)
محمد کیا ہیں خلاق دو عالم کی مشیت ہیں — وہ یکتائے زماں ہیں شاہکارِ دستِ قدرت ہیں

گہر اعظمی کی نعتیہ تخلیقات کے ضمن میں جاذب قریشی رقم طراز ہیں:

''رسولؐ پاک کی محبت اور سیرت محمدیؐ سے استفادہ کے بہت سے سلیقے گہر اعظمی کی نعتوں میں نظر آتے ہیں۔ گہر اعظمی کو یقین ہے کہ رسول اکرمؐ اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی سبب بنے ہیں۔

رب کائنات کا ساری خلقت پر احسان ہے کہ حضور اکرم آئے اور انسانی جسم کو صیقل کر کے روح کو آئینہ کر دیا ۔کسی مذہب یا کسی عقیدے کا ماننے والا ہو حضور کو مانتا ہے کہ وہ ہر عہد ہر زمانے میں انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ رہے ہیں اسی لیے انہیں محسن انسانیت کہا گیا کہ حضور کے آنے سے زمین و زمان، مکان و لامکان سبھی اجلے ہوگئے جو لوگ حیات طیبہ کو مدنظر رکھتے ہیں، زندگی میں ہر لمحہ ان کا اعتبار بڑھتا ہی جاتا ہے۔ گہر اعظمی نے حضور اکرم کی اہمیت اور ان کی عقیدت ومحبت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے کچھ مثال دیکھتے ہیں:

اقوال ان کے راہِ عمل میں ہیں بے مثال — اعمال ان کے سارے ہی جنت نظیر ہیں
جس نے عرب کی خاک کو کندن بنادیا — وہ کیمیائے اصل ہے قدموں کی ان کے دھول

شب معراج کی اک مختصر تفسیر یہ بھی ہے　　　زمیں عرش بریں پہنچی، فلک زیرِ نگیں ٹھہرا (۱۱۸)

جاذب قریشی نے نعتیہ شاعری میں اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے بیان کو ہمیشہ پسند کیا ہے کیوں کہ وہ معاشرتی زوال کو کمال کی منزل تک پہنچانے کی تمنا کے تحت شعرِ عقیدت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''گہر اعظمی کے نعتیہ اشعار کے درمیان سیرت طیبہ کے جو عکس چمکتے ہوئے ہم نے دیکھے ہیں ان کے حوالے سے اس بات کا ادراک کرنا اور اس نازک بات کو محسوس کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ گہر اعظمی نے حضور اکرم کو ہر اعتبار سے پوری دنیا کے مقابلے میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مقبول جانا ہے کہ گہر اعظمی کے یہاں حضور کی محبت وعقیدت کا یہی سبب تھا انہوں نے اپنی روز مرہ زندگی میں نعتیہ شاعری کے حوالے شامل کر کے انسانی رشتوں اور تعلقات کے درمیان رسول اکرم کی فکری وعملی مثالوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ کردار سازی کا بہترین اسلوب تخلیق پا گیا ہے۔ گہر اعظمی کے لفظ اور ان کا طرزِ نگارش سہل اور دلکش اس لیے بھی لگتا ہے کہ ان کے اشعار میں حضور کے لیے محبت کی وہ سادگی اور عقیدت کی وہ سچائی موجود ہے جس کو ماننے اور جاننے والوں کی دعائیں گہر اعظمی کے کشکول جاں میں آئینہ بن کر چمک رہی ہیں:

ان کی توصیف میں لکھوں کیوں کر　　　کم ہیں الفاظ، ذکر طولانی (۱۱۱)

جاذب قریشی کا انداز رومانی ہے اور ان کی تحریر پر اس کا بہت گہرا عکس ہے۔ جس کے باعث تاثراتی تنقید کے خدو خال واضح ہونے لگتے ہیں۔ کسی فن پارے کو اپنے وجود میں ضم کر کے پڑھنا اور پھر اس کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کرنا، تاثراتی تنقید کا طرۂ امتیاز ہے۔ جاذب بھی اپنی تحریروں کے آئینے میں، اس تنقدی دبستان کے نمائندہ نقاد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔

۱۱۔ نعت، حقیقت کے آئینے میں، محمد شفیق اختر:

اس کتاب میں مصنف نے نعت سے متعلق بڑے اہم مسائل کی نشاندہی کی ہے اور موضوع کے لوازمات کے حوالے سے بڑی کام کی باتیں کی ہیں۔ کتاب میں نعت کی مختلف جہتوں کے باب میں پانچ عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے:

۱۔ نعت کا لغوی مفہوم اور اس کے معنی

۲۔ نعت اور اس کا ارتقائی سفر

۳۔ نعتیہ شاعری میں قرآن وحدیث کے مضامین

۴۔ فن اور صنف نعت

۵۔ نعت پر ہندی تہذیب کے اثرات

کتاب کے صفحہ ۱۷۱ سے ۲۲۶ تک عربی، فارسی، اردو نعت، مختلف نعتیں اور رباعیات و مآخذ ہیں۔

''فن اور صنف نعت'' کا عنوان چوں کہ ہمارے موضوع (نقدِ نعت) سے متعلق ہے لہٰذا ہم اسی باب سے کچھ نکات اخذ کریں گے۔ مصنف ؒ نے اس باب کی ابتداء میں لکھا ہے:

''شاعری کا ذوق وشوق وہبی ہے کسبی نہیں ہے۔انسان یہ ذوق اپنی پیدائش سے ساتھ لاتا ہے اور تادمِ مرگ ساتھ رہتا ہے۔شاعری ہر کسی کا کام نہیں ہے۔یہ نہایت دقیق، کٹھن، مشکل اور نازک ہے۔اصناف سخن میں مشکل ترین صنف، صنفِ نعت ہے۔بظاہر تو یہ موضوع نہایت آسان، سیدھا اور سادا دکھائی دیتا ہے لیکن اس موضوع کو احسن طور سے نبھانا جوئے شیر کا لانا ہے، نعت چوں کہ توصیفِ رسول اللہ ﷺ ہے اس لیے نعت گو کا قرآن وحدیث سے کماحقہٗ آگاہ ہونا اور تاریخ اسلام پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ عشق رسول ﷺ سے سرشار ہونا نیز ادب واحترام، قلب ونظر کی طہارت، شیفتگی ووابستگی ایسے لوازمات ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں''۔(۱۲۰)

موضوع کی نزاکت اور نعتیہ شاعری کی نظافت کے لیے ضروری ہے کہ اسے حقیقت اور صداقت کا آئینہ بنایا جائے۔اس کام کے لیے شاعر کو صرف وہبی صلاحیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ علم وفن کے اکتساب میں محنت بھی کرنی چاہیے۔اس اہم نکتے کی طرف محمد شفیق اختر نے توجہ مبذول کرائی ہے:

''نعت کا ایک اہم اور خاص پہلو یہ ہے کہ مبالغے کی آمیزش سے قطعی طور پر اجتناب کیا جائے اور حقیقت واقعات نفس الامری اصلیت وراست گوئی کے خلاف کوئی مضمون بیان کرنا ناراضی رسول اکرم ﷺ ہے اس میں شک نہیں کہ حسن شعر کے لیے تخیل اور محاکات لازمی عنصر ہیں، ندرت اور مبالغہ آمیزی روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے بغیر شعر بے رنگ و بے کیف ہو کر رہ جاتا ہے مگر نعت گوئی میں تخیل کی جدت طرازی اور مبالغہ سے حسن آرائی کرنا نہ صرف شجرِ ممنوعہ ہے بلکہ برائیوں کی جڑ ہے۔نعت میں حقیقت و اصلیت اور راست گوئی کے خلاف کوئی مضمون بیان کرنا نعت کے چہرے پر گرد وغبار کی تہ دبیز کا جمانا ہے اور دروغ گوئی کے غلاف میں لپیٹنے کے مترادف ہے''۔(۱۲۱)

نعتیہ شاعری کے قدیم وجدید رنگ ظاہر کرنے کے لیے مصنف نے بتایا ہے کہ قدیم نعت میں زیادہ زور ولادت رسول اکرم ﷺ، غزوات، معجزات وغیرہ پر تھا۔اس لیے قدیم مذاق شاعری کے تحت زیادہ تر میلاد نامے، معراج نامے اور وفات نامے، منظوم ہوئے۔۱۸۵۷ء کے بعد یہ قدیم اسلوب آہستہ آہستہ ترک ہوتا دکھائی دیتا ہے(۱۲۲)۔

نعتیہ شاعری کے جدید رجحانات کے رواج کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں:

''ویسے تو یہ تقلیدی رنگ وآہنگ آج کے نعتیہ کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سیاسی ومعاشرتی اور سائنسی علوم کے تحت نعتیہ شاعری کے اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی ہوئی جس کا آغاز مولانا الطاف حسین حالی نے کیا۔حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے بیان نے اظہار اور اسلوب نے ایک نئی کروٹ بدلی جس سے حضور ﷺ کی پیغمبرانہ شان وشوکت کے ساتھ ساتھ آپ کا تذکرہ محسنِ انسانیت اور انسان کامل کے طور پر ہونے لگا کہ کس طرح آپ نے ضلالت وگمراہی کے معاشرے کو نور توحید سے منور کر دیا اور ایک وحشی قوم کو مہذب بنا دیا ایک نئی تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی۔یہ مضامین مسدس حالی میں دیکھے

سیرت وسوانح کی مستند اور صحت مند روایات کے حوالوں سے قلم بند کیا گیا۔آپ کے پیغامِ رسالت، مقصدِ رسالت اور بنی نوع انسان کے لیے آپ کی تعلیمات اور آپ کے کارہائے نمایاں کی طرف خاص توجہ دی گئی لیکن وابستگی وشیفتگی رسول اللہ ﷺ مکمل طور پر ساتھ رہی اور عشق رسول سے دامن بھرا رہا۔اس جدید اسلوب میں زبان وبیان کی شائستگی اور فن نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں۔اس دور میں نئی اصناف شعر، آزاد نظم، معرا نظم نے نعت کے ہیئتی دائرے کو وسیع کر دیا۔اس جدید دور میں معروف نعت گو شعراء میں ماہر القادری، احمد ندیم قاسمی، عبد العزیز خالد، مظفر وارثی، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، عاصی کرنالی اور قیوم نظر کے ہاں یہ جدید اسلوب نعت ہی کارفرما ہے"۔(۱۲۳)

نعتیہ شاعری کی نزاکت، نظافت اور رفعتِ موضوع کے لحاظ سے تنقیدی رائے رکھتے ہوئے جن موضوعات و اسالیب کا تذکرہ محمد شفیق اختر نے اپنی تحریر میں کیا ہے، اس کے ذیل میں کچھ شعراء کا نعتیہ کلام بھی انتخاب کے طور پر کتاب میں درج کر دیا ہے۔کہیں کہیں شعراء کی بے احتیاطیوں کا ذکر کر کے کچھ اشعار ایسے بھی لکھ دیئے ہیں جنکے مضامین اور اسالیب کی تکرار موضوع کی عظمت کے خلاف ہونے کے باعث لائق ترک ہے۔مثلاً عرفی کے مدح رسول ﷺ میں لکھے ہوئے قصیدے کا یہ شعر:

شاہدِ عصمت تلاش صحبت من کے کند
خونِ حیض ۔ دختر رز جوشد از لبہائے من

کیا اس سے زیادہ فحش اور گھٹیا شعر بھی ہو سکتا ہے؟"(۱۲۴)

علاوہ ازیں محمد شفیق اختر نے نعت کی تاثیر اور اسلامی معاشرے پر اس کے اثرات کا ذکر کر کے اپنی تحریر میں عمرانی تنقید کا نمونہ بھی دکھلایا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"نعت اپنی تاثیر سے بے عمل کو عمل کرنے کی طرف راغب کرتی ہے، جذبہ سرفروشی پیدا کر کے باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے اور عشق رسول میں مخمور رہ کر نیکی کے سمندر میں غوطہ زنی کا درس دیتی ہے، غیرت ایمانی پر زندہ رہ کر اسوۂ حسنہ کی تصویر بنا دیتی ہے۔مومن میدان بدر میں لڑتا، صلح حدیبیہ پر عمل کرتا، رات کو ضرورت مندوں کی مشکلیں حل کرتا اور صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا راہی دکھائی دیتا ہے"۔(۱۲۵)

محمد شفیق اختر کی مذکورہ کتاب میں تنقیدِ شعر کا جو انداز جھلکتا ہے اسے ہم تاریخی تنقید، جمالیاتی تنقید، اور عمرانی تنقیدی دبستانوں کا عکس کہہ سکتے ہیں۔ان کی تحریر میں عملی تنقید کے نمونے بھی ہیں۔

۱۲۔غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ، سید صبیح الدین رحمانی:

شاعری کے ضمن میں تنقیدی نظریات اچھی شعری تخلیقات کی اصولوں پر مبنی تحسین کے ذریعے بھی سامنے آتے رہے ہیں۔اردو میں غالب کی شاعری، فنی کمال اور شعری جمال کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے فنی نگار خانے

میں نقادوں نے شعرِ عقیدت کے نقوش بھی بنگاہِ استحسان دیکھے اور ان میں پائی جانے والی شعری اقدار کی پرکھ کا کام بھی کیا۔ نقدِ شعر کا عمل، اچھی شاعری کے نمونوں کی روشنی میں بھی سامنے آتا رہا ہے۔ سید صبیح الدین رحمانی کی مرتب کردہ، درجِ بالا کتاب بھی اسی تنقیدی جہت کی مثال ہے۔ اس کتاب میں صبیح رحمانی نے، نعت رنگ میں شائع ہونے والے دس مضامین شامل کیے ہیں:

۱۔ غالب کا نعتیہ کلام، ضیاء احمد بدایونی

۲۔ غزلیاتِ غالب میں نعت کی جلوہ گری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

۳۔ غالب! حضورِ رسالت مآب ﷺ میں، پروفیسر شفقت رضوی

۴۔ غالب کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری

۵۔ غالب کے فارسی کلام میں نعت، ادیب رائے پوری

۶۔ غالب کی ایک نعتیہ غزل، پروفیسر محمد اقبال جاوید

۷۔ غالب کی اردو شاعری میں مضامینِ نعت کا فقدان، عزیز احسن

۸۔ غزلیاتِ غالب کی زمینوں پر نعت گوئی، ڈاکٹر عاصی کرنالی

۹۔ قدسی کی غزل پر غالب کی تضمین، پروفیسر سید وزیر حسن

۱۰۔ عظمتِ رسول ﷺ خطوطِ غالب میں، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

ان مضامین میں بھی بیشتر غالب کی فارسی نعتیہ شاعری کا تذکرہ ہوا ہے۔ اردو میں چوں کہ غالب کی کوئی نعت نہیں ملتی، البتہ کچھ اشعار ان کی غزلوں میں نعتیہ ہو گئے ہیں اس لیے ان کا ذکر ہی ان مضامین میں ہوا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے قاری اساس تنقیدی روش پر چلتے ہوئے غالب کی غزلوں میں نعتیہ مضامین کی جھلک دیکھی ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے سچ کہا ہے:

> ''سخت اصولوں سے پرکھا جائے تو غالب کو ''نعت گو'' شعراء کے حلقے میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ انھوں نے اس صنف پر باقاعدہ طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ ان کی غزلوں میں چیدہ چیدہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فارسی میں ایک غزل ایسی ہے جسے نعتیہ غزل کہا جاسکتا ہے۔ باوجود اس کے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے توحید اور آں حضرت ﷺ کی رسالت کے قائل تھے اور ان دونوں امور کو ایمان اور شفاعت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دو معاملوں میں یقین کی منزل پر تھے ایک:
>
> شعرِ غالب نبود وحی و نگوئیم ولے   تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے ہست
>
> (غالب کے اشعار وحی تو نہیں ہیں اور نہ ہم کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ کی قسم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشعار الہام ہیں) اور دوسرے:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند　　　واسطے جس شہ کے غالب گنبدِ بے در کھلا (۱۲۶)

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری نے بھی اس شعر کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ یہ شعر درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''غزل کا یہ مقطع جس میں خالص نعت کا مضمون نظم ہے، دیدنی اور قابلِ داد ہے۔ صنعتِ تضاد کے حسین استعمال سے قطع نظر معنوی اعتبار سے بھی غالب کا یہ نعتیہ شعر کافی خوب صورت اور دل آویز ہے۔ واقعہ معراج کی بلیغ تلمیح اور اس واقعہ کے سہارے آسمان کے لیے گنبدِ بے در کی ترکیب، گنبد کے تلازمے کے بہ طور ''کھلا'' لفظ کا استعمال اور اس برگزیدہ ہستی کی امت میں ہونے کا بجا افتخار اور اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا شاعر کا ایقان و اتقان۔۔۔ان سبھی عناصر نے مل جل کر غالب کے اس شعر کو نعت کا درۃ التاج بنا دیا ہے''۔(۱۲۷)

ڈاکٹر کشفی کا مضمون ''غزلیاتِ غالب میں نعت کی جلوہ گری'' قاری اساس تنقیدی دبستان کے رنگ کا حامل ہے۔ غالب کے اردو دیوان میں نعت کے عنوان سے کوئی شعر موجود نہیں ہے لیکن بعض غزلوں میں نعتیہ اشعار بھی آ گئے ہیں۔ ڈاکٹر کشفی کے مطالعے میں غالب کی غزل کے کچھ ایسے پہلو آئے ہیں کہ غزل کی ایمائیت کے باعث، ان شعروں میں نعتیہ آہنگ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''نبی اکرم ﷺ سے مسلمان کا رشتہ بہت سادہ، بہت پیچیدہ، بہت ہمہ جہت ہے۔ وہ ہمہ جہت رشتہ بھی زندگی کی واحد جہت بن جاتا ہے۔ روح کی وادیوں میں آپ کا نام گونجتا رہتا ہے۔ کبھی صلوٰۃ و سلام میں، درود کے تسلسل میں، کبھی اسم گرامی خود ہی درود بن جاتا ہے۔

رکھتے ہوئے قدم مری آنکھوں پہ کیوں دریغ　　　رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے　　　سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

اوپر جو شعر درج کیے گئے ہیں ان میں حضرت ختم المرسلین ﷺ کا کوئی نام استعمال نہیں کیا گیا ہے لیکن معنوی قرائن، لامحدود کی طرف سفر، شعر کا خیال اور شاعر سے ہماری واقفیت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں۔ ''ورق تمام ہوا''......غالب نے یہ شعر تجمل حسین خاں کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا مگر یہ ملبوسِ شعری، خاں صاحب کے قد سے کہیں بڑا تھا اور یوں زبانِ خلق نے اس شعر کو نعت کا شعر بنایا۔ اسی غزل کا ایک اور شعر تو آپ نے ذکرِ رسولِ اعظم ﷺ کی محفلوں میں اکثر مقررین کی زبان سے سنا ہوگا:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

بے چارے تجمل حسین خاں اس شعر کا مصداق کب ہو سکتے تھے، اسی لیے ہمارے اجتماعی ذوقِ شعری نے اس شعر کو خراجِ تحسین کا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچا دیا اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیے گا کہ شاعر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر اس کے مکمل معانی منکشف نہیں ہوتے۔(۱۲۸)

ڈاکٹر کشفی نے ''اجتماعی ذوقِ شعری'' کے حوالے سے جو بات کی ہے اسے پروفیسر شفقت رضوی نے کچھ تفصیل

سے لکھا ہے۔ تنقیدی دبستانوں میں قاری اساس تنقیدی دبستان نسبتاً جدید ہے۔ ڈاکٹر کشفی اور پروفیسر رضوی نے اس تنقیدی دبستان کا ذکر کیے بغیر تقریباً وہی نظریہ پیش کیا ہے جو ''قاری اساس تنقیدی دبستان'' کے سربرآوردہ نقادوں کا ہے۔ قبل اس کے کہ میں پروفیسر شفقت رضوی کے خیالات، ان کے اپنے الفاظ میں نقل کروں، قمر جمیل نے قاری اساس تنقید کی تفہیم کے لیے جو کچھ کہا ہے وہ نقل کردوں، تاکہ مسئلے کی نوعیت سمجھنے میں سہولت رہے۔ قمر جمیل نے لکھا:

> ''1970 کے قریب مغربی تنقید میں ایک نئی قوت ابھرنی شروع ہوئی اور وہ قوت قاری کی اہمیت ہے۔ یہ تنقید سمجھتی ہے کہ قاری کی اہمیت معنی کی اہمیت کے باعث ہے۔ یہ تنقید مصنف کو رد کرتی ہے اور معنی کی ذمہ داری قاری پر ڈالتی ہے۔ معنی کو متعین کرنے کی ذمہ داری قاری کی ہوتی ہے۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متن کو حقیقتاً قاری ہی موجود بناتا ہے''۔ (۱۲۹)

پروفیسر شفقت رضوی نے غالب کا ایک فارسی شعر لکھا:

تا تو بہ عزم حرم ناقہ فگندی بہ راہ
کعبہ ز فرشِ سیاہ مردمک احرام شد

اس شعر کا مطلب اور اس کے مفہوم میں نعت کے عنصر کے حوالے سے پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

> ''جب حضورﷺ نے حرم کا ارادہ کر کے اپنی اونٹنی کو چلایا تو کعبہ نے اپنے فرش سیاہ سے آنکھ کی پتلی کا کام لیا اسے احرام بنا کر آپؐ کے استقبال کے لیے بڑھا۔
>
> اس شعر میں ایسا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسے حضورﷺ سے متعلق سمجھا جائے۔ اس نوع کے اشعار کے سلسلہ میں کئی امور کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔
>
> پہلا امر یہ کہ غزل کا مجموعی مزاج کیا ہے۔ اگر اکثر اشعار مجاز کے مضامین سے ہٹ کر ہیں تو ایسے شعر کو مجاز کا نہ سمجھا جائے۔
>
> دوسرے الفاظ خود رہنمائی کرتے ہیں۔ شعر مجموعی تاثر مستعمل الفاظ کا مرہونِ منت ہوتا ہے جس سے اہل ذوق بآسانی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ محولہ بالا شعر خود کہہ رہا ہے کہ کعبہ کا احرام باندھ کر پیش قدمی کرنا کسی محبوب مجازی یا دنیاوی شخصیت کے لیے نہیں ہو سکتا یہ کیفیت دنیا کی معزز ترین شخصیت کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتی ہے اور ایک مسلمان شاعر کے قلم سے لکھے جانے کے بعد معزز ترین شخصیت کے تعین میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔
>
> تیسری بات پڑھنے والے کا ذوق اور اس لمحہ کی کیفیت ہے جس میں اس نے شعر پڑھا یا سنا ہے۔ پاکیزہ ذہن لوگ شریفانہ خیالات رکھتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اس کے مطابق سمجھتے ہیں لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ الفاظ ان کے خیال کی تائید کر رہے ہوں''۔ (۱۳۰)

شفقت رضوی کے درج بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ وہ قاری اساس تنقیدی نقطۂ نظر سے شعر کی تفہیم کے قائل ہیں۔ غالبؔ کے اشعار کی ایک سے زیادہ شرحیں بھی اسی لیے وجود میں آئی ہیں کہ اس کے دیوان کو ہر شارح نے اپنے

طریق قراءت، اپنے خاص ماحول، زبان و بیان کی تفہیم کے ذاتی نقطۂ نظر اور غزل کی ایمائیت کے تناظر میں پڑھا ہے۔ ڈاکٹر کشفی نے جو غالب کی غزلوں میں نعت کی جلوہ گری دیکھی ہے وہ بھی اسی پس منظر کی رہینِ منت ہے۔

''غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ'' کے مطالعے سے ہم نے جو چند تنقیدی اشارے پائے، ان کی روشنی میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

[۱] غالب کی نعتیہ شاعری فارسی میں ہے

[۲] اردو میں غالب کی غزلوں میں معدودے چند اشعار ایسے ہیں جنہیں شعرِ عقیدت کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے

[۳] نقادوں نے غالب کی غزلوں میں نعتیہ شاعری کے کچھ رموز دیکھے ہیں

[۴] غالب کی عام شاعری کی طرح نعت کے ضمن میں بھی قاری اساس رجحان کے تحت اشعار کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے

باایں ہمہ، غالب کے کلام کے اس خورد بینی مطالعے سے نعتیہ شعری دنیا کو ایک یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شعر فہمی کے معاملے میں ''قاری اساس تنقیدی دبستان'' کا سکہ بیٹھ گیا اور کچھ اکتشافی تنقید کا لطف دوبالا ہوا۔ ہم نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں تشریحی تنقید Descriptive Criticism، قاری اساس تنقید Reader's Oriented\Response Criticim، اور جمالیاتی تنقید Aesthetic Criticism کے ساتھ ساتھ اکتشافی تنقیدی دبستان کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔

۱۳۔ نعت نگر کا باسی (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفیؒ کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)، سید صبیح رحمانی:

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ادب کے ایک استاد، ایک محقق، ایک نقاد اور ایک شاعر تھے۔ بڑی بات یہ کہ انہوں نے نہ صرف نعتیہ تخلیقات کی طرف توجہ دی بلکہ نعتیہ شاعری کی تحسین اور اس کے فروغ میں بھی خاطر خواہ حصہ لیا۔ دنیائے نعت میں انہوں نے ہی لسانیاتی مباحث چھیڑے اور انہیں مقبول بنایا۔ ڈاکٹر موصوف نے، نعت کہہ کر بھی اسلامی معاشرے میں، تخلیقی سطح پر، ایک مکمل عملی مثالیہ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ ظاہر ہے یہ مثالیہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ ستودہ صفات کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی تنقید میں تاثراتی تنقید، جمالیاتی تنقید اور قاری اساس تنقید کے اثرات نمایاں ہیں۔

سید صبیح الدین صبیح رحمانی نے ڈاکٹر کشفی کی شاعری اور ان کی تنقید نگاری کے حوالے سے کچھ مضامین ''نعت رنگ'' میں شائع کیے تھے۔ پیشِ نظر کتاب میں وہی مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں دس مضامین ہیں:

۱۔ نعت نگر کا باسی، سید صبیح الدین رحمانی

۲۔ نعت اور آدابِ نعت گوئی، افاداتِ کشفی کی روشنی میں، پروفیسر محمد اقبال جاوید

۳۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی نعت شناسی، پروفیسر شفقت رضوی

۴۔ ''نسبت' احساس اور لطافت کا مرقع، عزیز احسن

۵۔ میں خود تو کچھ نہیں مری نسبت ہے آپؐ سے، پروفیسر محمد اکرم رضا

۶۔ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

۷۔نسبت، ایک جائزہ، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

۸۔ایک صاحب الرائے نعت شناس، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

۹۔''نعت اور تنقیدِ نعت'' ایک جائزہ، پروفیسر واصل عثمانی

۱۰۔نعت اور تنقیدِ نعت، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ

علاوہ ازیں، نذرِ ابوالخیر کشفی، کے عنوان سے جعفر بلوچ کی ایک نظم بھی شاملِ کتاب ہے۔

ہم چوں کہ اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ کر رہے ہیں اس لیے نعتیہ تخلیقات اور اسی ضمن میں تنقیدی تحریروں کے مطالعے پر مبنی تحریروں کا جائزہ لینا بھی ہمارے دائرۂ مطالعات میں آتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اسی لیے ہمارے انتخاب کا حصہ بنی ہے۔

پروفیسر محمد اکرم رضا کی تحریروں میں تنقیدی بصیرت، لطافتِ بیان اور نظافتِ احساس کے ساتھ 'تاثراتی تنقید' بھی عملی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کشفی کی شعری اقدار کی پرکھ کے لیے بھی پروفیسر موصوف نے وہی انداز اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''محبوبِ دوعالم ﷺ سے نسبت کے سبب سے محبِ صادق کو اپنے محبوب کی ہر ادا عزیز ہوتی ہے اور یہاں تو وہ محبوب ہے جس کی ہر ادا اس کے خالق کو بھی محبوب ہے اور جس کی اداؤں کے تذکرے قرآنِ کریم کے نورانی متن سے ابھرتے ہیں۔ عشاق کو اس سرزمین سے پیار ہوتا ہے جہاں ان کا محبوب رہتا ہے۔۔۔۔۔سید ابوالخیر کشفی کے ہاں اسی نسبت مدینہ طیبہ کی جلوہ کاری بڑی وضاحت کے ساتھ ملتی ہے۔ انھوں نے شہرِ مدینہ سے محبت و وارفتگی کے خوب صورت نظائر پیش کیے ہیں۔۔۔
>
> مدینہ شہر نہیں ہے مری تمنا ہے — مدینہ ایک اشارہ ہے روشنی کی طرف
> مدینہ ایک کنایہ ہے زندگی کے لیے — مدینہ صوت و صدا کے بغیر حسنِ کلام
> مدینہ حسنِ سماعت کو اک پیام بھی ہے — مدینہ خستہ دلوں کے لیے سلام بھی ہے
> روشن ہے میرے خواب کی دنیا مرے آگے — تعبیر بنا گنبدِ خضریٰ مرے آگے
> افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے — ہے خواب گہہِ شاہِ مدینہ مرے آگے
>
> حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت کا شرف رکھنے والے سید کشفی مدینہ طیبہ کی فضاؤں میں کیا کچھ محسوس کر رہے ہیں اس کا اندازہ متذکرہ بالا اشعار سے بخوبی ہو رہا ہے''۔(۱۳۱)

ڈاکٹر کشفی کی ایک کتاب ''نعت اور تنقیدِ نعت'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ہم نے بھی اس مقالے میں اس کا تعارف پیش کیا ہے۔ پروفیسر واصل عثمانی نے اس کتاب میں شامل مضامین کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں شامل ایک مضمون ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' پر رائے دیتے ہوئے واصل عثمانی لکھتے ہیں:

> ''مقالہ، جس کا عنوان ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' ہے، نہایت مدلل، جامع اور فکر انگیز ہے اس

مقالے میں لفظ بیان۔ زبان اور علم کلام جیسے موضوعات پر ایک بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحث ہے۔ جس کی تفہیم کے لیے تحمل و تفکر کے علاوہ ایک سریع الفہم ذہن کی ضرورت ہے ورنہ انسانی زندگی۔ معرفت الٰہی۔ حب نبی ﷺ اور ان کا روزمرہ کار حیات سے ربط و تسلسل سمجھنا ناممکن ہوگا۔ الفاظ کی تاثراتی قوت اور ان کا مناسب استعمال محاورات کی نزاکت۔ تشبیہات و استعارات کی اہمیت و افادیت پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ مقالہ فلسفیانہ خیالات اور منطقی استدلال پر مبنی ادب کا وہ شہ پارہ ہے جو نعتیہ ادب میں ایک نادر مثال کی طرح ہمیشہ حوالے کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ ادب کے طالب علم کو عموماً اور نعت گو شعراء کو لازماً اس کا مطالعہ بڑی توجہ سے کرنا چاہیے"۔ (۱۳۲)

واصل عثمانی، ایک اور مضمون کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"دوسرے مضامین "نعت کے عناصر" اور "نعت کے موضوعات" بھی بڑے دلچسپ معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں جن میں نعت کے موضوعات اور گھسے پٹے خیالات اور انداز کو بار بار دہرانے والے شعراء کو مخاطب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ نعت میں مروجہ الفاظ اور انداز تخاطب اختیار کرنے سے قبل ان کے معانی و مطالب پر بھی غور کرنا چاہیے صرف اندھی تقلید سے نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوتا اور کوئی خاص تاثر و کیفیت کی نمو نہیں ہوتی۔ "کالی کملی والے"۔ "داتا کے بھکاری"، "خواہش وصل"، "حلقہ گیسو"، جیسے الفاظ نعت میں استعمال کرنا۔ ناروا اور نامناسب ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اور حضرت جبریل کی تحقیر کسی طور سے بھی جائز نہیں۔ نعت کی حدود کو بلاوجہ وسیع کرنے کی کوشش اور موضوعات میں اضافہ کرنے کی بے جا خواہش ایسے ہی مضامین نظم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جس سے اسلامی نقطہ نگاہ اور شریعت کے بنیادی اصولوں پر زد پڑتی ہے، مثلاً شافع روز حشر کو اگر مالک روز حشر نظم کر دیا جائے تو یہ حدود خداوندی میں داخل ہو جانے کے مترادف ہوگا۔ شاعر اسی وقت اس غلو سے بچ سکتا ہے جب اسے حضور اکرم ﷺ کی حقیقی عظمتوں کا دھیان ہو اور یہ کہ حضور ﷺ کی ذات با برکات، اللہ اور انسان کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ (۱۳۳)

ڈاکٹر کشفی کے نعتیہ اشعار پر، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی رائے ان الفاظ میں رقم ہوئی ہے:

"نعت ان [کشفی] کا ذوق بھی ہے اور وجہ قرار بھی، ان کے بقول "نعت ایک تجلی مسلسل ہے" اس لیے یہ تمنا ان کے وجدان کا حصہ ہے کہ مسلسل نعت کہی جائے اور ہمہ وقت سنی جائے تا کہ لمحات زندگی اس کی تجلیات میں بسر ہوتے رہیں۔ کشفی صاحب کی کہی ہوئی نعتوں میں شعوری انقیاد بھی ہے اور وجدانی خود رفتگی بھی، کس یقین کے ساتھ پکارتے ہیں:

امکان مرے تیری نبوت کا ثمر ہیں
تو مطلع امکان بشر سید عالم

اک اسم محمد ﷺ کے سوا لوح ابد پر
دیوار و در و بام حرم کچھ نہیں لکھتے

ہر صدا حشر کے میدان میں پتھر ہوگی نغمہ مُرسَل آخر ہی سنائی دے گا" (۱۳۴)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے کشفی کے نعتیہ آہنگ میں تبلیغ دین کی خواہش اور ان کے لفظوں میں ایمانی حرارت محسوس کرتے ہوئے لکھا:

"قرآن کریم اور سیرت پاک میں بہ صراحت موجود ہے کہ جس طرح سیرت پاک ﷺ کو اپنا لائحہ عمل بنانا ضروری ہے اس طرح اس لائحہ عمل کو عام کرنا بھی لازمی ہے۔ ایک محب رسول کو عامل کے ساتھ ساتھ داعی ہونا بھی واجبی [واجب] ہے۔ اسلام اور آپ کی ذات فاخرہ ایک تحریک ہے جسے پھیلا [نا] اور آپ کے پیغام کو دوسری اقوام میں عام کرنا ایک صاحب اسلام کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کا بڑا واضح تصور کشفی صاحب کے یہاں موجود تھا۔ اس کے بغیر رسول اکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ دعوت الی الخیر امت مسلمہ کا تشخص ہے اور یہی اختصاص اسے دیگر اقوام سے ممتاز بناتا ہے۔ اس کی معنویت یہ ہے کہ انسان کو اللہ نے دوسرے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ ابن خلدون نے اسے [اس کی] اپنے مقدمہ میں بڑے اچھے انداز میں صراحت کی ہے۔ اسی تصور کو کشفی صاحب نے ایک نظم میں یوں پیش کیا ہے:

قلم کے ساتھ اپنے علم و دانش سے
محمد مصطفیٰؐ کے نور کو نغموں سے پھیلاؤں
ترے دین مبیں کو وسعتِ عالم میں پھیلاؤں
عمل میرا نشانِ راہ منزل ہو
مرا بچہ رسول اللہ کا نقشِ قدم بن کر
ہماری نا تمامی کو مٹا ڈالے

مذکورہ نظم میں کشفی صاحب کا جذبہ صادق موج زن ہے۔ ایک طرف انھیں اپنے فریضہ دعوت کا جہاں احساس ہے، وہیں اس کا بھی شدت سے احساس ہے کہ نقوشِ مقدسہ کی پوری طرح تکمیل نہیں ہو پا رہی ہے۔ اللہ سے دعا گو ہیں کہ ہماری ناتمام خواہشات کا اتمام ہمارے بیٹوں اور آنے والی نسل سے ہو، احساس ناکامی کا یہ انداز کس قدر حسین ہے بلکہ یوں کہیے کہ ایمانی اضطراب ہے"۔ (۱۳۵)

ڈاکٹر شبیر احمد قادری نے ڈاکٹر کشفی کے تنقیدی منہاج پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"ڈاکٹر سید کشفی عقیدتی احساسات کو بھرپور انداز سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تنقیدی استخراجات سے زیر مطالعہ موضوع کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ شخصیت کا اس کی تخلیقی و تحقیقی کاوشوں کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی سعی خیر کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں یہ مطالعات تجزیاتی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ زمانی اور مکانی حوالے کیا ہیں۔ وہ نعتیہ ادب کا مطالعہ اس کے سماجی محرکات کی روشنی میں کرنے کے قائل ہیں"۔ (۱۳۶)

ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ نے نعتیہ ادب کی تنقیدی سرگرمیوں کے حوالے سے ڈاکٹر کشفی کی شخصیت میں ایک عجیب

دھیما پن محسوس کیا اور اس کو ایک تشبیہ سے واضح کرتے ہوئے لکھا:

"ایم کام کی آڈیٹنگ کی کلاس میں پروفیسر نے ایک انگریز مصنف کا آڈیٹر کے متعلق یہ ضرب المثل جملہ دہرایا کہ:

"Auditor is a watch dog not a blood hound" تو ڈاکٹر کشفی مجھے اس قسم کے ایک مذہبی تنقیح نگار نظر آئے جنھوں نے اپنا مزاج نعت رسول ﷺ کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بنا رکھا ہے اور ارباب قلم کو متنبہ کرنا اپنا فریضہ تصور کیا ہے۔ مگر کسی کی سرزنش کے لیے اپنے دست حق پرست میں تنبیہ الغافلین کا عصا نہیں اٹھا رکھا"۔ (۱۳۷)

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے چوں کہ افادات کشفی کی روشنی میں بات کی ہے اس لیے ان کے کسی جملے کو لکھنے کا مطلب خود ڈاکٹر کشفی کی تحریر کا اعادہ کرنا ہوگا۔ بہر حال پروفیسر اقبال جاوید کا انتقادی رجحان "تاثراتی تنقیدی دبستان" کی طرف ہے۔

"نعت نگر کا باسی" ایک ایسی کتاب ہے جس کا موضوع "تنقید" ہے۔ "نعتیہ شاعری" اور "نعتیہ شاعری پر تنقید" اس کتاب میں ڈاکٹر کشفی کے شعرِ عقیدت پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور ان کے منہاجِ تنقید پر بھی۔ اس لیے اس کتاب میں ،تجزیاتی تنقیدی دبستان، جمالیاتی تنقیدی دبستان، تاثراتی تنقیدی دبستان اور عمرانی تنقیدی دبستان کے رجحانات سے تشکیل پاتے ہوئے فکری زاویے نظر آتے ہیں۔

۱۴۔ نعت میں کیسے کہوں، پروفیسر محمد اقبال جاوید:

پروفیسر اقبال جاوید ایک حساس اور لطیف جذبات کے حامل نقاد ہیں۔ ان کی تنقید کا نفس مضمون تو اہم ہے ہی ان کی تحریر میں جاذبیت کا عنصر بہت ہے۔ اقبال جاوید کی تنقید، تاثراتی تنقیدی دبستان سے وابستہ لگتی ہے۔ پیش نظر کتاب میں انہوں نے پانچ ابواب قائم کیے ہیں:

- نعتیہ نثر پارے......شبلی سے شورش تک
- نعت کیا ہے؟
- آدابِ نعت گوئی
- نعت......اشعار کے آئینے میں
- نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ

نعت کیا ہے؟ کے زیرِ عنوان مولف کتاب نے ۹۲ جملے لکھے ہیں۔ ہر جملہ نعت کی کسی صفت کے اظہار کا آئینہ ہے۔ چند جملے پیشِ خدمت ہیں:

"حب رسول ﷺ کا دل کی گہرائیوں میں اتر جانا، اساسِ نعت، گنبدِ خضریٰ سے دوری کا احساس، گدازِ نعت اور اسوہ رسول ﷺ کا چراغ زندگی بن جانا، مقصودِ نعت ہے"۔

''نعت، کفار کی لسانی گستاخیوں کے جواب کے لیے وجود میں آئی تھی''۔

''نعت، رفعتِ ذکرِ محمد ﷺ کے اعلانِ ربانی کا ایک دلنواز تسلسل ہے''۔

''نعت، ایک جمالیاتی اسلوب ہے، جو محبت اور احترام کے بہار آفریں سنگم پر لو دیتا ہے''۔

''نعت، قلبِ مومن کی آرزو اور حیاتِ مومن کی آبرو ہے''۔(۱۳۸)

''آدابِ نعت گوئی'' کے زیرِ عنوان، مولفِ کتاب نے ۳۱۳ نثر پارے منتخب کیے ہیں۔صوفی محمد افضل فقیر کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

''نعت کے سوتے صفائے باطن سے پھوٹتے ہیں۔ایک مرقعِ معصیت کلمہ گو بھی نعت لکھے گا تو فضائے نعت میں سانس لیتے وقت، فکری طور پر باطن کی موج تو رکسی نہ کسی صورت ضرور محسوس کرے گا جس طرح سیل اشک بلا تردد اپنی روانی کی خاطر آنکھوں کا رخ کرتا ہے اسی طرح محرکِ نعت، دیدہ و دل کو تطہیر عطا کرتا ہوا الفاظ و معانی کو پیکرِ یک رنگی میں ڈھال دیتا ہے''۔(۱۳۹)

''نعت......اشعار کے آئینے میں'' کا عنوان قائم کر کے مختلف شعراء کے ۹۲، اشعار دیئے ہیں۔مثلاً

''کیا فکر کی جولانی ، کیا عرض ہنر مندی
توصیف پیمبر ہے توفیق خداوندی
(محمد افضل فقیر)

فقط حصولِ سعادت کا اک بہانہ ہوا
کسی سے نعت پیمبر کا حق ادا نہ ہوا
(انور مسعود)

ثبوت، اخلاص کا لاؤ اگر دعویٰ ہے الفت کا
یہ کیسی عاشقی ہے جس پہ دھوکا ہو بغاوت کا
خوشامد ، بے اطاعت، نعت گوئی ہو نہیں سکتی
عمل، زنگار ہے آئینۂ حبِ رسالت کا
(آسی ضیائی)(۱۴۰)

''نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ''، اس عنوان کے تحت پروفیسر اقبال جاوید نے نعتیہ شاعری کی نزاکتوں کا ذکر کرتے ہوئے شعراء کو کچھ پر خلوص مشورے دیئے ہیں۔مثلاً

''سچی نعت گوئی کے لیے مقامِ نبوت اور شانِ رسالت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔توحید کے تقاضوں سے مکمل آگاہی بھی چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ مدحت نگار، نعت کو غزل کی آشفتہ مزاجی اور قصیدے کی مبالغہ آرائی سے بچالے جائے، کیوں کہ غزل اور قصیدے کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں، یہاں ہر مبالغہ، خیال آفرینی اور ہر مستانہ لغزش حسن ہے۔جبکہ نعت کی ایک دینی حیثیت ہے، اس لیے یہاں قلم قلم پہرے ہیں

اور دیکھنے والی نظروں کو دیکھنا بھی چاہیے اور ٹوکنا بھی کہ کہاں کہاں عقیدت نے عقیدے کے آ بگینے کو مجروح کیا ہے، کیوں کہ عقیدہ بہرنوع بالاتر ہے۔ حضورﷺ ہم مسلمانوں سے صرف خراجِ عقیدت نہیں، بلکہ خراجِ اطاعت بھی لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ یاد رہے کہ سچا اتباع ہی محبت کی واحد دلیل ہے"(۱۴۱)

اس تحریر کے ذریعے، نعت کے تخلیقی تقاضوں کے ساتھ ساتھ حضورﷺ کی محبت کے اظہار کا سلیقہ اور اخلاص کا قرینہ بھی سکھانے کی سعی کی گئی ہے۔

پروفیسر اقبال جاوید کا اندازِ بیان رومانوی ہے۔ ان کا طریقِ نقد "تاثراتی" ہے اور اصلاحی وتشریحی دبستانِ تنقید کی جھلکیاں بھی ان کے طرزِ تحریر سے نمایاں ہیں۔ کتاب میں شامل دوسرے لوگوں کے نثر پارے اور اشعار بھی نعت کی اہمیت کو جمالیاتی سطح پر اجاگر کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اس لیے جمالیاتی تنقیدی دبستان اس پوری کتاب پر حاوی نظر آتا ہے۔

۱۵۔ قافلۂ شوق کے مسافر، پروفیسر محمد اکرم رضا:

پروفیسر محمد اکرم رضؔا کی اس کتاب میں ۷ انتقیدی مضامین ہیں، جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال۔ ایوانِ نعت میں

۲۔ حضرت احمد رضا خاں محدث بریلوی، کارواں سالارِ نعت، فنی وتحقیقی جائزہ

۳۔ مہرِ عالم تابِ نعت، سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۴۔ خطیبِ اسلام، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ

۵۔ عہد آفریں نعت گو، حفیظ تائب

۶۔ گلزارِ مدحت کی بہارِ لازوال۔ محمد اعظم چشتی

۷۔ عارف عبدالمتین۔ نعت حضورﷺ کے حوالے سے شاعرِ بے مثال

۸۔ راسخ عرفانی۔ ایک منفرد نعت گو

۹۔ جادۂ شوق کا مسافر۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی

۱۰۔ کاروانِ نعت کا ممتاز رکن۔ راجہ رشید محمود

۱۱۔ ساغرِ کوثر کا تمنائی۔ قمر یزدانی

۱۲۔ خواجہ عابد نظامی اور فیضانِ کرم

۱۳۔ سید ابوالخیر کشفی کا نذرانۂ مدحت

۱۴۔ سید صبیح الدین رحمانی۔ توصیفِ حضورﷺ سے نعت رنگ کی ادارت تک

۱۵۔ مسدس کی ہمہ گیری اور انور جمال کی مدحت نگاری

۱۶۔ منفرد اور سر بلند نعت گو۔ عبدالغنی تائب

۱۷۔ خیرات مدحت کا تمنائی۔ محمد اقبال نجمی

عنوانات سے ہی تنقید نگار کا انداز بیان رومانوی لگ رہا ہے۔ اسلوبِ تنقید جاننے کے لیے ایسے شاعروں کے کلام پر تنقیدی رائے سے اقتباس دینے کی کوشش کریں گے جن کا تذکرہ پہلے، اس مقالے میں نہ آیا ہو۔ اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کی نعتیہ شاعری کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عظمتِ سرورِ کونین ﷺ نعت گو شعراء کا مقصودِ اول ہے۔ مدحت نگار اپنی جملہ ادبی و شعری صلاحیتوں کا ارمغان حضور ﷺ کی نذر کرتے نہیں تھکتے۔ یہی کیفیت اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی کی ہے۔ ان کی نعتیں ان کے وارداتِ قلب کی روداد ہیں۔ ان میں عشق وعقیدت کی فراوانی بھی ہے اور طبع رسا کی جولانی بھی، پاکیزگی فکر کی بلند پروازی بھی ہے اور مجوریٔ طیبہ میں تڑپنے والے دل کی بے قراری بھی۔ عنایات مصطفوی ﷺ پر اظہار امتنان وتشکر بھی ہے اور نعت گوئی کی سعادت عطا ہونے پر احساس اعزاز مقدر بھی۔ گلبار لفظوں کا شکوہ بھی ہے اور معطر معطر جذباتِ شوق کا بانکپن بھی۔ ان کی شاعری میں دروِ ذات، کربِ ملت سے یوں ہم آہنگ ہو گیا ہے کہ اس کی بدولت ان کی عظمت فن مسلم سے مسلم تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ عظمتِ سرورِ کونین ﷺ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

پست و بالا میں نہ ہے خورد و کلاں میں امتیاز ۔۔۔ شفقت و احسان ہے عادت رسول اللہ کی

مرغ سدرہ بھی ہے چپ جبریل بھی خاموش ہیں ۔۔۔ سمجھیں کس تشبیہ سے عظمت رسول اللہ کی (۱۴۲)

کی صبح ازل اس نے ترے نور سے روشن ۔۔۔ ہستی تری آئینہء لولاک لما ہے

راسخ عرفانی کی نعت نگاری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''راسخ عرفانی بیک وقت غزل اور نعت کے میدان میں رفعتِ فکر وفن کا جادو جگا رہے ہیں۔ بالخصوص نعت کے میدان میں ان کے افکار وتخیلات کی تازگی اس کا اعلان ہے کہ اگر دلوں میں عشق وعقیدت رسولِ خدا ﷺ کی قندیل صحیح معنوں میں فروزاں کر لی جائے تو پھر عمر کی گزرتی ہوئی ساعتیں شاعر کے قلم کی روانی کو کبھی بھی زوال آشنا نہیں ہونے دیتیں۔ جب ممدوح وہ ذات گرامی ہے کہ جس کا ذکرِ عنبر بار ہر قسم کی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔ ازل سے بھی پہلے اور ابد سے بھی آگے تو پھر اس ممدوح آدم و بنی آدم سے عقیدت کا رشتہ رکھنے والے کس طور کسی فکری کمزوری یا فنی لغزش سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ عقیدت کا گلزار بہار آفریں ہو تو پھر خزاں کا وہاں کیا گزر۔ جناب راسخ عرفانی کے قلم نے ہر لحظہ ہر آن ان کے مسلسل سرگرم عمل ہونے کا احساس دلایا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں:

جس در سے رحمتوں کو ملتی ہے بھیک راسخ ۔۔۔ گھر بار کو بھلا کر اس در کا ہو گیا ہوں (۱۴۳)

راسخ میں اک مؤذنِ دینِ رسولؐ ہوں　　　میری صدا ہے گنبدِ بے در سے بھی بلند (۱۴۳)

نعتیہ شاعری میں عجزِ بیاں کی بہت سی مثالیں ہیں۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے، راسخ عرفانی کے کلام میں عجز کی کیفیات محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے:

''راسخ عرفانی ایک بڑے شاعر ہوتے ہوئے اس حقیقت سے بہرہ ور ہیں کہ سلطان مدینہ ﷺ کی مدحت و ثنا کا حق کون ادا کرسکتا ہے۔ جو رب بے مثال کا بے مثال شہکار ہو جو ہر ایک قلب غمزدہ کا قرار ہو جس کے مدحت سرا خدا و ملائکہ ہوں ۔۔۔ جو صاحبِ قرآن ہی نہیں اپنی سیرت مطہرہ کے لحاظ سے عین قرآن ہو۔۔۔ اس کی ثنا میں شاعر کا قلم کس حد تک آگے بڑھ سکتا ہے کیوں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ

لا یمکن الثناءُ کما کان حقہ　　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس مرحلہ پر پہنچ کر راسخ عرفانی کے قلم سے جو صداقتیں پھوٹتی ہیں اس کی ایک جھلک دیکھیے:

توصیف مصطفےٰؐ کی کرامت زہے کرم　　　پھیلا ہے بزم بزم میں کیف و سرورِ فن

عاجز جہاں تھا سعدیؒ و حسانؓ کا سخن　　　بے جا ہے اس مقام پر ناز و غرورِ فن

حیراں ہوں میں کہ نعت کے زمرے میں کیا لکھوں　　　بے بس سا ہوگیا ہے قلم بھی حضورِ فن (۱۴۴)

راسخ کٹھن ہیں مدحِ محمد ﷺ کے مرحلے　　　طبعِ رسا سے دور ہیں انوارِ طورِ فن

سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کے بیان میں راسخ عرفانی نے کیسی خوشبو بکھیری ہے اس کا ذکر اکرم رضا نے اس طرح کیا ہے:

''راسخ عرفانی نے بعض مقامات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ قدسیہ کو اس طور بیان کیا ہے کہ اس میں جمالِ مصطفوی کی لمعہ افشانیاں بھی جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ سیرت نگاری کے حوالے سے ان کا اندازِ فکر ملاحظہ کیجیے:

کفر کی دھند میں ایمان کا سورج چمکا　　　کس تب و تاب سے ایمان کا سورج چمکا

مٹ گیا سارے قبیلوں کا تفاوت یکسر　　　وحدتِ قوم کی پہچان کا سورج چمکا

روئے عالم پہ مساوات کی کرنیں پھیلیں　　　عدل و انصاف کی میزان کا سورج چمکا

بنی ورودِ مبارک سے جنتِ ارضی　　　وہی زمین جو بنجر تھی آپ سے پہلے (۱۴۵)

برہنہ سر تھیں قبائل کی عزتیں راسخ　　　دریدہ حسن کی چادر تھی آپ سے پہلے

پروفیسر محمد اکرم رضا نے مسدس کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس صنف کا شعری ملبوس ہر صنف سخن کے قدِ زیبا پر موزوں نظر آتا ہے۔ (۱۴۶) پھر انہوں نے مسدس حالی، محشر رسول نگری کی تصنیف ''فخرِ کونین ﷺ'' اور محسن کاکوروی کے مسدس کا حوالہ دیتے ہوئے، انور جمال کی تصنیف ''لولاک لما'' کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''لولاک لما'' میں انور جمال نے مسدس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔۔۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی تفسیر انور جمال کے قلم عقیدت رقم سے ملاحظہ کیجیے:

جذبوں میں جوش دل میں تمنا دھنک میں رنگ　　　برگ گلاب و نور چراغ و شرار سنگ

موجیں ہوا پرند بھنور مچھلیاں نہنگ　　　الفاظ صوت گفتگو مضراب جلترنگ

پنہاں نظر سے تھا جو ہویدا کیا گیا　　　سب کچھ اسی کے واسطے پیدا کیا گیا

''لولاک لما'' میں شاعر نے شاعری کے نام پر اپنے جذبات بے کراں کو عقیدت رسول ﷺ کی زبان بخشی ہے۔(۱۴۷)

انور جمال کی شاعری کی انفرادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا:

''انور جمال نے نعت رسولؐ کے حقیقی خدوخال کو فکر کی وسعتوں میں سموتے ہوئے آپ کے حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت کو بھی حاصل شاعری بنایا ہے۔اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے جمال جہاں آفریں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو غزل گو شعراء کے روایتی محبوب کی حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے۔وہ انسان کامل جو کائنات کے جملہ محاسن کا مجموعہ اور بلند ترین خصائل واوصاف کا مرقع ہو اور جس کے لافانی سیرت و کردار کے افق سے روح حیات کی تابانیاں پھوٹ رہی ہوں۔بادہ خوار غالب نے ایک غزل کے مطلعے میں کہا تھا:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی　　　قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

غالب کے اسی شعر کے پیش منظر میں انور جمال کی نعتیہ مسدس کا بند پیش نظر ہے:

جلوہ ہے وہ صفات خدائے غفور کا　　　وہ عبدہٗ کی شکل میں پیکر ہے نور کا

چمکا ہے جس کے دم سے مقدر ظہور کا　　　جس کے قدم کی خاک بھی سرمہ ہے طور کا

راتوں کی ضو دنوں کا اجالا اسی سے ہے　　　دنیا میں روشنی کا حوالہ اسی سے ہے

اب انور جمال کے قلم سے سیرت و کردار مصطفوی ﷺ کا اظہار دیکھیے:

ذہنوں کو سوچ، سوچ کو دانائی بخش دی　　　مردوں کو جان، جاں کو مسیحائی بخش دی (۱۴۸)

سینوں کو دل دلوں کو توانائی بخش دی　　　غربت کو فقر، فقر کو دارائی بخش دی

افلاس کو وقار عطا کردیا گیا　　　مفلس کو افتخار عطا کردیا گیا

پروفیسر محمد اکرم رضا نے عبدالغنی تائب کو منفرد اور سربلند نعت گو قرار دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''تائب کے جملہ شعری محاسن اپنی جگہ،لاریب انہوں نے جس حسین انداز سے عصر حاضر کو عظمت رسول خدا کا پیغام دینے کے لیے آپؐ کے کردار اور سیرت مطہرہ کے مختلف زاویوں کو اجاگر کیا ہے۔اس نے ان کی شاعری کا حسن ہی دوچند نہیں کر دیا بلکہ بے شمار تاریک دلوں کو سیرت حضور کی ضیا بخشنے کا اہتمام بھی کر دیا جائے[ہے]۔اب ہم دیکھتے ہیں عبدالغنی تائب کس حسین انداز میں کثافت آلودہ دلوں کی[کو] لطافت عشق مصطفےٰ ﷺ مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہوں[ہیں]:

اے باعث آبادی ء بزم گل و لالہ　　　محبوب مجھے آپ کی سیرت کا حوالہ

ہم دوشِ ثریا ہے کیا اہلِ زمیں کو انسان کو ہے آپ نے پستی سے نکالا
ہر افق پر ہے مثالِ مہر و مہ جس کا وجود قائد انسانیت کو رہنما رکھتا ہوں میں
دل نشیں تھے اس قدر اطوارِ ختم المرسلیں ہورہے تھے لوگ جان و دل سے قائل دیکھ کر
دامن انسانیت پہ داغ تھا جن کا وجود بن گئے انسان وہ انسانِ کامل دیکھ کر (۱۴۹)
آؤ کرلیں شاہراہِ زندگی کو تابناک ہادیٔ کامل کے اوصاف و شمائل دیکھ کر

عبدالغنی تائب کی شعری کائنات میں شوق کی فراوانی کا تذکرہ وہ یوں کرتے ہیں:

''اہلِ نظر کا کہنا ہے کہ اگر نعتیہ شاعری وفورِ شوق سے محروم ہو جائے، تو محض نظم گوئی بن جاتی ہے۔ وفورِ شوق کا امڈتا ہوا نور، مدحت نگاری کے انوار لٹاتا، محروم دلوں میں مرادوں کی شمعیں جگمگاتا، قلم کی نوک سے محبوب خدا کی محبت کے گلزار کھلاتا اور نعت کو محض لفاظی کی تہمت سے نکال کر حاصل ادب عالیہ بناتا ہے۔ بلا شبہ عبدالغنی تائب اس سعادت سے بہرہ ور ہیں اور سعادت خاص سے بہرہ ور ہونے میں ان کی کسی شعوری کاوش یا لاشعوری جد و جہد کا دخل نہیں بلکہ یہ فقط اور فقط ممدوح کائنات کی بندہ نوازی ہے، جس کی چشم کرم سے فیضیاب ہونے کے لیے ہر دور مناجاتوں کا کاسہ اٹھائے پھرتا ہے اس وفورِ عشق عقیدت اور کمال ذوق و شوق نے عبدالغنی تائب کی مدحت نگاری سے کس طور خراج نیاز لیا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

وارفتگیٔ شوق کو منزل ہو اب نصیب لرزیدہ پا کو طیبہ نگر تک رسائی دے
ابتدائے عشق پیغمبر شعورِ ذات ہے انتہائے شوق ہے بس آپ ہی کا نقشِ پا
مجھ کو دی ہاتفِ غیبی نے نویدِ بخشش آپ سے عشق و عقیدت کا جو رشتہ دیکھا (۱۵۰)
اوج پر اس کے مقدر کا ستارا چمکا جس کو بھی پڑھتے ہوئے ان کا قصیدہ دیکھا

محمد اقبال نجمی کی نعتیہ شاعری میں گنبدِ خضریٰ سے ان کا والہانہ عشق جھلکتا ہے۔ محمد اکرم رضا نے ان کے اسی وصف کو اجاگر کرنے کے لیے لکھا ہے:

''محمد اقبال نجمی کے دل میں بھی یہی جذبہ محبتِ حضور ﷺ شمع بن کر ضوبار ہے۔ یہ جذبہ مچلتا ہے تو دل میں گنبدِ خضریٰ کو دیکھنے کی تمنا جاگ اٹھتی ہے۔ شہرِ رسول ﷺ کی زیارت کی آرزو حاصلِ حیات بننے لگتی ہے۔ ان کے لیے گنبدِ خضریٰ کا ہر نظارا ایمان آفریں ہے اور شہرِ رسول ﷺ کی ہر جھلک جمالِ آگہی ہے تصورات کے دوش پر سفر کرتے ہوئے محمد اقبال نجمی کے قلم سے تمناؤں کی صد رنگی دیکھیے:

دل میں طیبہ کے تصور سے اجالا دیکھوں منزلِ شوق پہ اپنا میں سفینہ دیکھوں
ایک امید لیے کب سے جئے جاتا ہوں خوبیٔ بخت سے اس نور کا جلوہ دیکھوں (۱۵۱)
دردِ ہستی کا مداوا بھی میں ایسے چاہوں لطف فرماتا ہوا رشکِ مسیحا دیکھوں

نعتیہ سانیٹ پر محمد اکرم رضا نے تبصرہ کیا ہے:

''محمد اقبال نجمی نے حصولِ سعادت کے لیے نعتیہ سانیٹ لکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصافِ حسنہ اور سیرت و کردار کے حوالے سے عصرِ حاضر کو نور آفریں پیغام دینے کی کوشش کی۔ نعتیہ سانیٹ بجائے خود ایک ایمانی ترکیب ہے جو ہمیں یہ احساس بخشتی ہے کہ جب شاعر کا دل حبِ مصطفیٰ ﷺ اور اس کا قلم جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے آبدار ہو تو پھر نوکِ خامہ سے لفظوں کی جگہ ستارے پھوٹتے ہیں۔ تراکیب واستعارات کے نام پر انوار کی رم جھم کا سماں نظر آتا ہے اور شاعر ورطہ حیرت میں کھو جاتا ہے کہ کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ محمد اقبال نجمی بھی اسی کیفیت سے دوچار ہیں انہیں فکر و نظر کی شادمانی اور رحمتِ خداوندی کی ارزانی کا گمان گزرتا ہے اور ان کے قلم سے نعتیہ سانیٹ کا زمزمہ ابھرنے لگتا ہے:

مل گیا پیغام مجھ کو کھل گئے دل کے گلاب
تھا شجر عمرِ رواں کا کب سے بے برگ و ثمر
مل گئیں شادابیاں جب ہوگئی ان کی نظر
شوق کی تنویر سے روشن ہوئے ہیں میرے خواب
آسماں پر چھا رہے ہیں رحمتِ حق کے سحاب
میں کہ تھا اک خشک پتا کردیا مجھ کو ہرا
ہے تمنا ان کی چاہت میں کروں خود کو فنا
مجھ کو لے آغوش میں ان کے کرم کا ماہتاب
دیدۂ پر شوق نے منظر سہانے پا لیے
اس عرب کے چاند کا ہم کو اجالا مل گیا
ان کی نعت مل گئی سارے خزانے پا لیے
ان کے در پر آگئے ہم کو سویرا مل گیا
نصرتیں ہی نصرتیں ہیں اور دامن تنگ ہیں
رحمتیں ہی رحمتیں ہیں اور دامن تنگ ہیں (۱۵۲)

نعتیہ ہائیکو کے ضمن میں بھی محمد اکرم رضا نے اپنی رائے دی ہے:

''ہائیکو اگرچہ جاپان سے درآمد ہوئی مگر ہمارے بعض ایجاد پسند شعراء نے اسے اردو زبان کا جامہ عطا کر کے اپنی فکر آفرینی کے ظہور کا ذریعہ بنا دیا۔ محمد اقبال نجمی نے معاصر شعراء پر سبقت حاصل کرتے ہوئے ''نعتیہ ہائیکو'' کی صورت میں جدید لہجہ میں نعت حضور ﷺ پیش کرنے کی انتہائی مستحسن کاوش کے ذریعہ ایک دنیا کو چونکا دیا۔ انہوں نے محض جدیدیت کی دھن میں یہ ہیئت اختیار نہیں کی بلکہ ان کے قلب و جاں میں پنہاں وفورِ شوق نے ہائیکو کی سمت سفر شروع کر دیا۔ محمد اقبال نجمی کی ہائیکو میں غزل کا وقار نظر آتا ہے ان کی نعتیہ ہائیکو جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں سے آباد نظر آتی ہے۔

آقائے دوعالم ﷺ کی سیرت و کردار اور جمالِ جہاں افروز کے گل ولالہ اس شان سے مہکائے ہیں کہ ان کی خوشبو تازیست عشاقِ حضور ﷺ کے مشامِ عقیدت کو معطر کرتی رہے گی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کتنی صدیاں گزر گئیں لیکن　　　تیری جانب ہی ہے ٹکتا پایا

آدمیت کو ارتقا کے لیے

شوق میرا ہے بس یہی نجمی　　　رحمتوں کے حصار میں رہنا

مغفرت کی بہار میں رہنا

اب جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے نعتیہ ہائیکو میں محمد اقبال نجمی کا حسنِ قلم دیکھیے:

جب وہ نازِ بشر شب اسریٰ　　　اپنی معراج انتہا پر تھا

عشق پر حسن کی نوازش تھی

میں سراپا حضور کا پڑھ کر　　　جب درود و سلام کہتا ہوں

رحمتوں کا نزول ہوتا ہے (۱۵۳)

یہ ہے وہ دھنک رنگ تنقیدی منہاج جو تاثرات کی لہر اور احساس کے بحرِ بے کراں میں موجزن ہو کر قرطاس پر بکھرا اور پروفیسر محمد اکرم رضا کی جمالیاتی تنقید اور تاثراتی تنقید کی بنیاد بنا۔ محمد اکرم رضا جتنا اچھا تنقیدی ذوق رکھتے ہیں اتنے ہی اچھے الفاظ میں حسن کاری کے ساتھ اپنے خیالات اور تاثرات قلم بند کرنے پر قادر بھی ہیں۔

۱۶۔ تاجدارِ ملکِ سخن، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ فاضلِ بریلوی۔ شخصیت، شوکتِ فکر و فن، نعت گوئی، تحقیق و تنقید، پروفیسر محمد اکرم رضا:

اس کتاب کا تعارف اس کے نام اور اس کے ساتھ دی گئی تفصیلات سے ہو جاتا ہے اس لیے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس میں کیا ہے۔ کتاب ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہم نمونہ صرف ''قصیدہ اور فکرِ رضا کی بلند پروازی'' کے زیر عنوان لکھی ہوئی تنقیدی رائے سے اقتباس پیش کر کے، مصنف کے تنقیدی اسلوب پر بات کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اردو میں قصیدہ نے فارسی سے اثر قبول کیا۔ قصیدہ اگر چہ ایک مشکل صنف سخن ہے مگر اہل ہمت نے اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کر کے اس صنفِ سخن کو بھی قبولیتِ عام کی سند عطا کر دی۔ محمد رفیع سودا، ذوق اور غالب نے اپنے اپنے انداز میں قصیدہ نگاری کا مظاہرہ کیا ایسے عالم میں امیر مینائی، کرامت علی شہیدی اور محسن کاکوروی کے قصائد محبت رسول ﷺ کی مہک لے کر ابھرے۔ بالخصوص محسن کاکوروی کے قصیدۂ لامیہ　سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
>
> قصیدہ گوئی کے میدان میں فاضل بریلوی نے بھی اپنی صلاحیتوں کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں اپنے آپ کو شاعر منوانے کے لیے نہیں بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمام اصنافِ سخن فقط مدحتِ مصطفیٰ کے لیے وجود میں آئی ہیں۔ قصیدہ نور، قصیدہ معراج، قصیدہ مرصعہ (حروف تہجی)، قصیدہ و نعت در صفت

حمیت وغیرہ۔ان قصائد کا مطالعہ کریں تو واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس میدان میں بڑی اولوالعزمی اور شدتِ بیان کے ساتھ اپنی قادر الکلامی اور خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔اس احساس کے ساتھ کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں (۱۵۴)

اس کے بعد پروفیسر محمد اکرم رضا نے احمد رضا خاںؒ کے قصیدۂ معراجیہ، قصیدۂ نور، قصیدۂ سلامیہ اور قصیدۂ مرصیہ کے محاسن گنائے ہیں۔قصیدۂ معراجیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''قصیدۂ معراج کو احمد رضا خاں کے شہرہ آفاق قصائد میں شمار کیا جاتا ہے۔یہ قصیدہ آپ کی جودتِ فکر، بلندیِ طبع رسا اور تخلیقی خوبیوں کا منہ بولتا شاہکار ہے۔قصیدہ 67 اشعار پر مشتمل ہے جبکہ اعلیٰ حضرت نے اسے فقط دو تین گھنٹوں کی کاوش سے رقم کیا تھا۔۔۔قصیدۂ معراجیہ کی ندرتِ فکر، جودتِ طبع اور فکری رفعت کو دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ نجانے کتنا عرصہ صرف ہوا ہوگا۔اس قدر روانی تسلسل اور پاکیزگی فکر کہ ذہن اور سماعت اس کے حسن معنوی میں گم ہو جاتے ہیں۔۔۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے (۱۵۵)

قصیدۂ نور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ قصیدہ 59 اشعار پر مشتمل ہے۔یہ نورانی قصیدہ کیا ہے نور و نکہت کی اترتی ہوئی کہکشاں ہے۔جب جب قاری آگے بڑھتا ہے، اس کے افکار کی انوارِ نبوت کی جگمگاہٹ عطا ہونے لگتی ہے۔سلاست و روانی، بے مثال تراکیب کی ارزانی، ہر لحہ ابھرتی ہوئی رحمتِ یزدانی، تشبیہات و تراکیب کی پرنور طغیانی، تمہید مختصر مگر داستانِ عقیدت طولانی، الفاظ دم بخود، افکار خیدہ سر، جذبات عشق و عقیدت کے حسن سے جلوہ ریز، صنائع بدائع کا پرنور طوفانِ بلاخیز، حسن ہی حسن، ظاہری بھی اور باطنی بھی، فکری بھی اور عصری بھی۔یہ قصیدہ زبان زدِ عام ہے۔حصولِ سعادت کے لیے چند اشعار رقم ہیں:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
اے رضا یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا (۱۵۶)

اسی طرح انہوں نے احمد رضا خاں کے قصیدۂ سلامیہ پر لکھا ہے:

"یہ وہ قصیدہ ہے جو بظاہر سلام کی ہیئت لیے ہوئے ہے لیکن اس کے اندر کمال کی اثر انگیزی اور تاثر آفرینی ہے۔یوں لگتا ہے کہ جیسے شاعر نے اپنے دل و دماغ کی تمام تر رعنائیاں اور عشق و عقیدت کی جملہ پہنائیاں بارگاہِ مصطفوی میں نذر کردی ہیں۔اس میں کمال کا حسنِ تغزل پوشیدہ ہے۔ایک ایک شعر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی تفسیر ہے۔۔۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم　　نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام (۱۵۷)

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں　　شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

ان اقتباسات سے "جمالیاتی تنقید" کا دروبست جھلکتا ہے۔

۱۸۔سوءِ ادب فی حسنِ ادب،ع۔ء۔بخار علیگ:

بُخار علیگ کی اس مختصر کتاب میں صرف دو مضامین ہیں۔ایک مضمون نعتیہ شاعری میں در آنے والے عامیانہ مضامین اور ہندی اثرات کے زیرِ اثر اپنائے جانے والے نسوانی لہجے کی خرابیوں کے بیان کے لیے مختص ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"اردو نعت گوئی میں فرضی عورتوں کی طرف سے حضور اکرم ﷺ سے فرضی محبت اور والہانہ دیوانگی کی حد تک عشق کے اظہار کی کیفیت اردو شاعری میں بلکہ خصوصاً شاعری میں ہندی شاعری کے مشرکانہ شعور اور طرز ادائیگی داخل ہوگئی ہے۔اس نے جہاں اردو ادب کو نقصان پہونچایا ہے وہاں اردو نعتیہ شاعری کو الحاد و شرک کی حدوں تک پہونچادیا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تنہا ہندی ادب نے نعتیہ شاعری کو ملحدانہ راستے پر ڈالدیا ہے۔بلکہ اس میں شیعیت،رجعت،الوہیت وغیرہ جیسے بے شمار نظریات شامل کر دیئے گئے ہیں۔لہٰذا مسلمان شعراء کو ہندو ادیبوں کو خوش کرنے اور اسلامی عقائد میں پیوند لگانے سے گریز کرنا چاہیے ورنہ وہ اپنی ادبی کاریگری دکھانے کے شوق میں دین و دنیا دونوں تباہ کر بیٹھیں گے۔(۱۵۸)

بخار علیگ نے اس مضمون میں کچھ اشعار بھی دیئے ہیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے۔مثلاً

"طیبہ کے بانکے رنگیلے میاں مو ہے چاند سا مکھڑا دکھا جانا

میں برہا کی دیوانی تڑپت ہوں،ذرا آجانا ذرا آجانا

اب ذرا غور کیجئے بانکے رنگیلے الفاظ کن لوگوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔اگر یہ الفاظ اپنے اندر مذموم معنی [نہیں] رکھتے ہیں تو پھر "رنگیلا رسول" لکھنے والا واصلِ جہنم کیوں کیا گیا۔اس کے قاتل نے جامِ شہادت کیوں پیا۔۔۔ایک اور صاحب کی جراءت مندانہ پرواز دیکھئے:

بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں گئے برباد

بوڑھے پن میں حرص بڑھی تھی کیا قضا نے یاد

بھولی بھالی میں ہوں ناری۔۔۔۔ پیت گلے کا ہار

موری نیا نجھدھار

''بالا پن اور چڑھتی جوانی دونوں برباد گئے تو بوڑھے پن میں حرص و جوانی یاد آئے تو موت کا بلاوا آ گیا'' آخر شاعر لڑکپن اور چڑھتی جوانی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ سے کیا چاہتا ہے؟''۔(۱۵۹)

شرک کی نشاندہی کرتے ہوئے کچھ شعر نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں:

''محمدؐ کے رخ سے نقاب اٹھ گیا ہے　　　تجلیٔ حق سے حجاب اٹھ گیا ہے

اس شعر نے شاعر کو شرک کی کونسی منزل پہ پہونچا دیا ہے۔ دو شعر اور ملاحظہ ہوں:

سب کہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ روا نہیں　　　نورِ خدا رسولِ خدا ہے خدا نہیں

اے واعظو! یہ بات میں کیا جانتا نہیں　　　لیکن غضب تو یہ ہے کہ جی مانتا نہیں

اب ان اشعار پر سر دھنئے۔ جی تو بہت سی باتوں کو نہیں مانتا۔ اللہ اور رسول کی بات مانئے یا اپنے جی کی۔ انسان کے انہیں فیصلوں پر اللہ کے فیصلے ہوتے ہیں''۔(۱۶۰)

بعد ازاں بخار علیگ نے شبلی نعمانی کے اشعار نقل کر کے اپنا موقف واضح کیا ہے:

''ہجرت کے موقع پر شبلی نے جو منظر کشی کی ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جبکہ آمادۂ شر ہو گئے کفار قریش　　　لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر

کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز　　　گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور

اک فقط حضرتِ بو بکرؓ تھے ہمراہِ رکاب　　　ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظورِ نظر

رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ جاتے تھے　　　کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں　　　تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر

نیم جاں خوفِ عدو، ترکِ غذا، سختیٔ راہ　　　ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر

شبلی کے ان اشعار میں صرف ہجرت کا بیان ہے۔ ان میں کوئی شاعرانہ کمال نظر نہیں آتا۔ پیرایہ بیان صاف اور سادہ ہے۔ شبلی کی نعتیہ شاعری کو اسی پیمانہ پر جانچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شبلی کی نظر میں وصفِ نبی کا مقصود ان مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب و شوق کے بعد بھی اگر اسوۂ رسول کی کوئی جھلک کردار میں نظر نہ آ سکے تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہار مندی سے تعبیر کریں گے''۔(۱۶۱)

بخار علیگ کی یہ چھوٹی سی کتاب، جس میں صرف ایک مضمون نعتیہ شاعری سے متعلق ہے، نعت کے مضامین کے مذموم پہلو اور مطلوب اسلوب کی نشاندہی کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔ بخار علیگ نے اشعار کے نمونے پیش کر کے ان پر جو تبصرے کیے ہیں وہ عملی تنقید کے نمونے تو ہیں ہی، ان مختصر تبصروں میں تشریحی تنقید (Judicial/Legislative Criticism) کی روح بھی کارفرما ہے۔

۱۹۔ جادۂ رحمت کا مسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی:

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کی مرتب کردہ اس کتاب میں ہندو پاک کے معروف نقادانِ ادب کے بیس مضامین اور ۷ مختصر آراء و تاثرات، شامل ہیں۔ ہر ناقد نے صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری کے محاسن کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی مرحوم کے منظوم نذرانۂ تحسین پر کتاب کا اختتام ہوا ہے۔ افسر ماہ پوری نے ''جادۂ رحمت کا مسافر'' کے زیر عنوان، صبیح کے نعتیہ کلام پر رائے دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صبیح رحمانی حقیقی معنوں میں ایک وہبی و فطری نعت گو شاعر ہیں۔ ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور توانائیوں کا بھرپور اظہار ان کی نعتوں میں ہوا ہے۔ نادرہ طرازی اور تازہ کاری ان کے فکر و فن کی امتیازی علامت ہے۔ وہ اپنے علم و فضل کے زور پر نعت نہیں کہتے بلکہ اپنے سچے جذبہ عقیدت و ارادت سے نعت نگاری کرتے ہیں۔ محسن انسانیت ان کی زندگی و بندگی کے مرکز و محور ہیں اور حمد و نعت گوئی ان کا وسیلہ نجات و مغفرت۔ رسول اکرم ﷺ سے ایسی بے پناہ وابستگی و شیفتگی جواں سال شعراء میں راقم کو کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی۔۔۔۔۔ انہوں نے قدیم و جدید دونوں اسالیب میں اپنے ایمان و ایقان کا فنکارانہ اظہار کیا ہے، جس سے ان کی رعنائی و دلربائی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری مین نئی لفظیات اور ایمائیت و رمزیت سے بھی کام لیا ہے اور اس طرح اپنی نعتوں کو تازگی، ندرت اور جدت سے ہم کنار کیا ہے''۔ (۱۱۶۲)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، رقم طراز ہیں:

''صبیح رحمانی کی نعت، زبان، بیان، اسلوب اور فکر و فن کی بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی زبان صاف، سادہ، عام فہم، بامحاورہ، روزمرہ کے مطابق ہے۔ اس میں نہ تو عربی اور فارسی کے ثقیل الفاظ اور مشکل تراکیب ہیں اور نہ ہندی کے نامانوس الفاظ اور جملے ہیں، جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہو۔ الفاظ و تراکیب جس طرح فہم کے لیے آسان ہیں، اسی طرح زبان کے لیے ان کا تلفظ سہل ہے۔ ان کی نعت میں تشبیہات و استعارات کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن ایسے جن کے سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ نہ پیچیدہ اور دور از فہم تلمیحات ہیں، جو ہیں وہ واضح، سادہ اور فہم کے لیے انسان [آسان] ہیں۔ ان کی نعت سادہ و پرکار ہے۔ دلکش ہے۔ بہ کثرت اشعار سہل ممتنع کی خوبیوں سے متصف ہے۔ صبیح رحمانی کی اکثر نعتیں مرصع ہوتی ہیں۔ لباس اور تاج کی طرح مرصع۔ لباس یا تاج نگینوں کا بنا نہیں ہوتا، ان میں چند نگینے جڑے ہوتے ہیں۔ وہی چند ہیرے اور نگینے لباس اور تاج کو جگمگا دیتے ہیں۔ اس طرح صبیح رحمانی کی نعت میں چند شعر ایسے ضرور ہوتے ہیں جنھیں نگینوں سے تشبیہ دی جائے۔ یہی چند نگینے خاتم نعت کی آبرو ہوتے ہیں اور پوری نعت کی شان و رفعت کا فیصلہ کر دیتے ہیں''۔ (۱۱۶۳)

شفیق الدین شارق نے صبیح رحمانی کی نعتوں کے حوالے سے لکھا:

''یہ نعتیں اپنے اندر ادب بھی رکھتی ہیں، شعریت بھی اور وہ تمام داخلی لوازم بھی جو خارجی عوامل سے مل کر خوبصورت اور دل پذیر تخلیقی اسلوب بناتے ہیں۔ جادہ رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبیح رحمانی نعت خوانی سے نعت گوئی کی طرف آئے ہیں۔ شاید یہ بھی ایک وجہ ہو کہ اس نعتیہ شاعری میں لفظ و آہنگ کا امتزاج ہے۔ یہی نہیں بلکہ جہاں افکار و جذبات اپنے طول و عرض میں رواں ہیں وہاں حب نبی ﷺ کی بھی ایک شفاف گہرائی موجود ہے۔ چنانچہ مدحت لکھنا اس شاعر کا خالص اندر کا تقاضا ہے۔ ایک گہری طلب ہے۔ شہر نبی ﷺ کے موسم میں رہنے کی تمنا ہے۔ ملت کے گمشدہ کو بازیاب کرنے کی تڑپ ہے۔ چلچلاتی دھوپ میں سکون بخش اور جاں نواز سائبان کی تلاش ہے۔ جہاں تک شاعر کے ظاہر کی بات ہے تو انسانیت کے سب سے بڑے معمار کی ثناء میں طبع رواں شاعری کی کسی ایک فارم کی اسیر نہیں ہے۔ طرزِ اظہار میں تنوع ہے۔ طویل، درمیانی اور مختصر بحریں، دلکش ردیف قافیے، بے قید نظمیں، پرتاثیر اندازِ بیان۔ نرم نرم سا لہجہ، باغ و بہار کیفیتیں، توانا شاعری، ان سب نے مل کر صبیح رحمانی کی نعتوں کو دلکش بنادیا ہے:

نظر آتے ہیں پھول سب کے سب	حرف نعت رسول سب کے سب
ان کی تقلید کر کے سیکھے ہیں	رہبری کے اصول سب کے سب
آپ کے فلسفے کے بعد حضورؐ	فلسفے ہیں فضول سب کے سب
مہر و ماہ و نجوم و کاہکشاں	پائے اقدس کی دھول سب کے سب
مقتدی تھے امام اقصیٰ کے	انبیا و رسول سب کے سب
شعر جو نعت کے کہے ہیں صبیح	کاش وہ ہوں قبول سب کے سب

۔۔۔نعت گو شعراء کو عمومی طور پر تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو صرف دماغ سے کہتے ہیں۔ دل کی دھڑکن سنائی نہیں دیتی۔ دوسرے وہ جو صرف دل سے کہتے ہیں۔ دماغ کا عمل دخل نہیں ہوتا اور تیسرے وہ جن کے یہاں دماغ اور دل دونوں ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جس کے لیے دل دھڑکتا ہے دماغ بھی اسی کو سوچتا ہے اور جس کو دماغ سوچتا ہے دل بھی اسی کے لیے دھڑکتا ہے۔ الحمدللہ! صبیح رحمانی آخرالذکر شعراء میں شامل ہیں''۔ (۱۶۴)

صبیح رحمانی کے نعتیہ مجموعے ''خوابوں میں سنہری جالی ہے'' پر بھارت کے ایک محقق اور عالمِ دین مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی نے لکھا:

''خوابوں میں سنہری جالی ہے'' کے مطالعے کے بعد صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اس اعتراف میں تامل کی گنجائش نہیں رہتی کہ موصوف کی شاعری میں فنی نزاکتوں کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ پرانے مفاہیم کو نئے لب و لہجے سے آراستہ کر کے نعتیہ شاعری کو نیا رنگ و آہنگ عطا کرنے والوں کی صف میں خود کو شامل کرنے کی کوشش و کاوش میں کامیاب بھی ہیں۔ اس انداز کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پر روشنی لکھوں	مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعتِ نبی لکھوں

قلم کی پیاس بجھتی ہی نہیں مدحِ محمدؐ میں ۔۔۔۔ میں کن لفظوں میں اپنا اعترافِ تشنگی لکھوں
صبیح ان کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی ۔۔۔۔ کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ (۱۶۵)

''جادۂ رحمت کا مسافر'' کے مضامین میں زیادہ تر، صبیح رحمانی کے شعری فن میں حسن کاری کے عنصر کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اس لیے ان میں جمالیاتی تنقیدی دبستان کے اثرات نمایاں ہیں۔

۲۰۔نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ، پروفیسر شفقت رضوی:

پروفیسر شفقت رضوی صاحب نے، کتابی سلسلے ''نعت رنگ'' کے پندرہ شماروں کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ کیا ہے جو ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک شائع ہوئے۔اس کاوش پر خود پروفیسر صاحب کا کہنا ہے:

> ''میں ان گہر ہائے نایاب کو چننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں جو ''نعت رنگ'' کی کتاب نمبر ا سے ۱۵ تک میں بکھرے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔یہ دعویٰ نہیں کہ ہمارا تجزیہ اور ہماری رائے مستند، معتبر اور آخری سمجھی جائے، ہماری تحریر کا بڑا مقصد یہ دکھانا ہے کہ جس معاشرے میں مادی فوائد کی حرص میں زندگیوں سے کھیلا جاتا ہے وہاں ان اہلِ خیر کو فراموش نہ کیا جائے جن کی فکر اور تحریر پر حضور ﷺ کی محبت اور عقیدت کا سایہ ہے۔صحیح معنوں میں یہی دولت ایمان سے سرشار ہیں اور شکر گزار بھی:
>
> دولتِ عشقِ نبی ﷺ سینے میں ہے ۔۔۔۔ پاس ایماں ہے خدا کا شکر ہے
>
> (صبیح رحمانی)''۔(۱۶۶)

اس کتاب کا تعلق براہِ راست نعت کی تنقید سے تو نہیں ہے لیکن نعت سے متعلق ان تحریروں سے ضرور ہے جن میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے تنقیدی آراء دی گئی ہیں یا تحقیقی مطالعات پیش کئے گئے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی نے نعت رنگ کے لکھاریوں کے مضامین کے حوالے دے کر تحسین یا اس کے برعکس رائے دی ہے۔انہوں نے دوسرے اہلِ قلم کے خطوط یا مضامین کے ذریعے زیرِ تبصرہ مضمون کی تحسین یا اس کے برعکس رائے بھی نقل کر دی ہے۔مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق، ہم اس کتاب کے چند گوشے دیکھتے ہیں۔آفتاب احمد نقوی کے مضمون ''تخلیقِ پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری'' (مطبوعہ نعت رنگ شمارہ ۱) پر پروفیسر شفقت رضوی نے اپنی رائے اس طرح رقم کی:

> ''آفتاب احمد نقوی نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا جس کی وسعتیں بے پایاں ہیں۔یہ ایک مضمون یا مقالے میں نہیں سمیٹا جا سکتا۔یہ ایک بسیط مقالے کا عنوان بن سکتا ہے۔مضمون نگار نے اپنی قدرتِ اظہار سے دریا کو کوزے میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے اس سے ایک بسیط و بلیغ مقالہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ایک مشکل اور بسیط موضوع کو چھیڑنا اور مختصر تحریر میں اس کے مختلف پہلوؤں کا اشارہ کرنا بھی ایک وضعِ کمال ہے''۔(۱۶۷)

مدیرِ نعت رنگ نے شمارہ ۱۱ میں حکیم محمود احمد برکاتی اور حمایت علی شاعر کی نظموں پر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی سے ''مختصراً تاثراتی'' مضمون لکھوایا اور مذکورہ نظموں سے قبل اسے شائع کر دیا۔اس مضمون میں ان دونوں نعتیہ نظموں کی تشریح وتعبیر تھی۔شفقت

رضوی نے لکھا:

''ان دونوں نظموں پر تاثرات حاصل کرنا اس دور کا صحافتی فیشن بن گیا ہے۔ غالباً ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ مدیر۔مرتب، قارئین کی ذہنی سطح سے مطمئن نہیں ہوتے وہ پڑھنے والوں کو تاثرات یا تبصرے کی بے ساکھی فراہم کرنا ضروری سمجھتے ہیں''۔(۱۶۸)

نعت رنگ میں رشید وارثی کا ایک مضمون ''اردو نعت میں ادب رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' شائع ہوا۔اس مضمون میں رشید وارثی نے کچھ اشعار نقل کر کے ان میں استعمال ہونے والے الفاظ پر نکتہ چینی کی تھی، پروفیسر رضوی نے اسی مضمون کی بنیاد پر اپنی رائے کا اظہار کیا:

آدمی کو لباسِ تمدن دیا　　　　اس نے بابِ جہالت میں تحریف کی

وہ (رشید وارثی) لفظ ''تحریف'' کو معنوی اعتبار سے منفی اور مذموم قرار دے کر اس کے استعمال پر معترض ہیں۔حضور کو ''عالم کون کا راج دلارا'' کہنا ان (رشیدوارثی) کی نظر میں مناسب نہیں۔

جو دعا دل سے مری نکلی وہ پوری ہوگئی　　　　مجھ سے عاصی کو بھی (تخلص) کب خفا اس نے کیا

''اس شعر میں کہا گیا ہے کہ شاعر صاحب کی تمام دعائیں شرفِ ایجاب کو پہنچیں۔اس طرح نعوذ باللہ حضور نے شاعر کو خفا نہیں کیا۔یہاں فقط خفا آپ کی اطاعت ورحمت اور آپ کی رضائے پاک کے منافی اور سوءِ ادب ہے''۔(۱۶۹)

ان مثالوں کے بعد شفقت رضوی نے لکھا:

''مضمون، موضوع، وسعت معلومات اور طرز استدلال کے اعتبار سے لائق غور ہے۔اس قسم کی بے احتیاطی یوں تو قدیم اور جدید شعرا دونوں کے کلام میں ہے لیکن دورِ جدید کے شعرا کے ہاں رجحان کچھ زیادہ ہے کیوں کہ زبان پر عبور نہ ہونے، الفاظ کے معنے نہ سمجھنے، ان کے جائز استعمال سے واقف نہ ہونے اور سب سے بڑھ کر جدت طرازی کے شوق میں بے اعتدالیاں عام ہیں''۔(۱۷۰)

مبین مرزا کا ایک مضمون بعنوان ''لفظ ''نعت'' کا استعمال، ایک توجہ طلب مسئلہ''، نعت رنگ کی زینت بنا۔اس مضمون کا تعارف کراتے ہوئے شفقت رضوی نے لکھا:

''مبین مرزا کی تحریر سے معلوم ہوا کہ کوئی صلاح الدین پرویز صاحب ہیں جو رسالہ ''استعارہ'' چھاپتے ہیں۔انھوں نے ''ہندی گیتوں کے اسلوب میں لکھی گئی اپنی نظم اپنے رسالہ میں چھاپی جس کا ذکر جیلانی کامران نے ماہنامہ ''علامت'' کے ادبی زاویے میں کیا۔یہ نظم سری کرشن جی کی تعریف میں ہے اس کا عنوان ''نعت'' ہے۔جیلانی کامران نے اس نظم کے عنوان کی تعریف کی ہے۔بلکہ اپنے موقف کے استحکام کے لیے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ''اگر نعت کے لفظیات کا اطلاق سری کرشن پر ہو تو سری کرشن کو عظیم پیغمبروں میں شامل کر کے خدا کے رب العالمین ہونے کی صفت کا اقرار ہوتا ہے''۔(۱۷۱)

مبین مرزا کا کہنا تھا کہ لفظ ''نعت'' ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق صرف اور صرف ''حضور اکرم ﷺ'' کی توصیف وثنا پر ہوتا رہا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ انہوں نے لکھا:

''نعت صدیوں سے مختص ہے خاص تعریف وتوصیف کے لیے.......یہ اب لفظ نہیں ہے ''اصطلاح'' ہے اس فرق کو غالبًا نہ تو صلاح الدین پرویز جانتے ہیں نہ جیلانی کامران......اور غالبًا یہ بھی نہیں جانتے کہ لفظ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں لیکن اصطلاح کا ایک مسلمہ پہلو ہوتا ہے۔ لفظ کے معنوں میں تبدیلی یا توسیع ہوتی ہے۔ اصطلاح میں نہیں ہوتی''۔(۱۷۲)

شفقت رضوی نے غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا:

''جہاں تک مرزا صاحب سمجھتے ہیں یہ لسانی بحث ہے نہ ادبی بحث۔ اصل مسئلہ ہے افترا پردازی، دل آزاری، جھوٹی انا کی تسکین۔ کم ظرفی کے ساتھ اپنی اہمیت بڑھانے کا......اس بارے میں ہمارا خیال ہے کہ سمجھداری کا تقاضہ ہے کہ ایسے افراد کو نظر انداز کر دیا جائے۔ انھیں معمولی سے معمولی توجہ کا مستحق نہ سمجھا جائے تا کہ وہ اس احساس کمتری میں کہ کوئی ''گالی کو بھی نہیں پوچھتا'' اپنی موت آپ مرجائیں''۔(۱۷۳)

مذکورہ موضوع پر ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے بھی لکھا تھا۔ پروفیسر شفقت رضوی نے بحث سمیٹتے ہوئے لکھا:

ڈاکٹر پاریکھ نے ''انگریزی نژاد قادیانی تحریک'' کے خدوخال پیش کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ امت مسلمہ میں رخنے ڈالنے کی ایسی کوششیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور اب اس کا تازہ رنگ ''استعارہ'' اور ''علامت'' ہے۔ یا صلاح الدین پرویز اور جیلانی کامران ہیں......ہم اس بارے میں اظہارِ رائے سے قاصر ہیں''۔(۱۷۴)

نعت رنگ کے چودھویں شمارے میں بھارت کے ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی کا مضمون ''اردو زبان میں نعت گوئی'' کے عنوان سے چھپا تھا۔ اس مضمون میں شعراء کی لغزشیں ظاہر کی گئی تھیں۔ اس مضمون کے بارے میں پروفیسر شفقت رضوی نے اس طرح اپنی رائے رقم کی:

''ڈاکٹر صاحب نے متعدد اشعار نقل کر کے ان میں لفظی یا معنوی معائب کی نشان دہی کی ہے۔ یہ سلسلہ مضمون کے اختتام تک جاری ہے۔ اس مضمون میں زبان اور بیان کے اہم پہلوؤں سے بحث کی ہے جو شاعر اور نقاد دونوں کے نکتہ نظر سے اہم ہیں۔ خاص طور سے شاعروں کو ان معائب سے بچنا چاہیے جو بیان ہوئے ہیں''۔(۱۷۵)

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کے مضمون ''اردو نعت کے موضوعات'' میں ایک شعر کی عدم تفہیم کے احساس کے زیرِ اثر شفقت رضوی نے لکھا:

''کتاب احوال النبی'' کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔۔۔ایک مصرع کی توجیہ محل نظر ہے۔

وقت آیا جب تولا[تولد] کا قریب　　　　یک تجلی نور کی ہوئی اے حبیب

صبح دم ظاہر ہوا وہ بے نظیر   تھی ربیع الاول کی دوسری ، روز پیر

مضمون نگار لکھتے ہیں "آخری مصرع پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے "دوشنبہ" کا ترجمہ "دوسری روز" کردیا پھر ردیف و قافیہ کی مناسبت سے "پیر" لکھ دیا۔ جس کی وجہ سے اس مصرع کے معنی مبہم ہوگئے"۔ حالاں کہ مصرع میں ابہام بالکل نہیں، مفہوم بالکل صاف ہے، شاعر کہہ رہا ہے "جس صبح وہ بے نظیر شخصیت ظاہر ہوئی وہ ربیع الاول کی دوسری تھی اور روز پیر تھا، اس میں ہمیں ابہام نظر نہیں آتا البتہ مضمون نگار کی سخن فہمی پر سوالیہ نشان پڑ گیا ہے"۔(۱۷۶)

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مضمون نگار کا اعتراض "دوسری روز" پر تھا اور وہ کہنا یہ چاہتا تھا کہ دوسری ربیع الاول نہیں بلکہ بارھویں ربیع الاول تھی!......شفقت رضوی یا تو مضمون نگار کے منشا کو نہیں سمجھ سکے یا انہیں بھی یہی گمان تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو ہوئی تھی!..........شعر کے عروضی نقص کی طرف دونوں (ڈاکٹر یحییٰ نشیط اور پروفیسر شفقت رضوی) نے دھیان نہیں دیا یعنی "ربیع الاول" کے بجائے "رَبِی الاول"، اور دوسری کے بجائے "دسری" پڑھا جارہا ہے!

مذکورہ کتاب میں چوں کہ پروفیسر شفقت رضوی نے مختلف الجہات موضوعات پر لکھی ہوئی تحریروں کے حوالے سے اپنی تنقیدی رائے رقم کی ہے اس لیے اس تنقید کو ہم کسی ایک دبستانِ تنقید سے وابستہ نہیں کر سکتے۔ پروفیسر رضوی نے نہ صرف شاعری پر کی جانے والی تشریحی و جمالیاتی تنقیدی آراء کا معروضی محاکمہ کیا ہے بلکہ تحقیقی مواد پر بھی اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ اس طرح پروفیسر شفقت رضوی کی تنقید میں فکری و نظریاتی تنقید کے ساتھ ساتھ دانشورانہ سچائی کا عنصر غالب آ گیا ہے۔ نعتیہ شاعری کو علمی بنیادوں پر پرکھنے کا کام ایسے ہی جراءت مندانہ اور بے لاگ تنقیدی تبصروں کے ذریعے آگے بڑھ سکتا ہے۔

۲۰۔ دلیلِ آفتاب، مطالعاتِ نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ترتیب و تدوین عمران نقوی:

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مضامین کا مجموعہ "دلیلِ آفتاب" ان کی شہادت کے بعد ان کے چھوٹے بھائی عمران نقوی نے مرتب کیا۔ اس مجموعے کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول کی تفصیل کچھ یوں ہے:

نعت......تمہیدی مباحث، محرکاتِ نعت، فنِ نعت نگاری (لوازمات)، قرآنِ حکیم میں نعتِ رسول ﷺ کا انداز، حدیث رسول ﷺ میں نعت کا انداز، سیرت نگاری......ایک جائزہ، الہامی کتب میں بیانِ سیرت، اردو نعت......آغاز سے لمحۂ موجود تک، برصغیر میں فارسی نعت، تخلیقِ پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری، غیر مسلم شعراء......سرورِ کائناتؐ کی بارگاہ میں، پنجابی شاعری میں نعت کا ارتقاء، پنجابی نعت میں مدینۃ الرسول کا ذکر، پاکستان میں نعت نمبروں کی روایت، چند مزید نعت نمبر۔

حصہ دوم کی تفصیل یہ ہے:

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت نگاری، مولانا حسن رضا بریلوی......عندلیب باغِ حجاز، مولانا ظفر علی خان ......دربارِ

رسالتمآب میں، حفیظ جالندھری اور شاہنامہ اسلام، آفتابِ نعت ...... حفیظ تائب، محمد یار فریدی...... بلبل بستان رسالت، ماہر القادری اور نعت سرورِ کونینؐ، طفیل ہوشیارپوری...... مداح رحمتِ یزداں، حفیظ تائب کی پنجابی نعت، حروفِ غیر منقوط کا شعری اعجاز، یزدانی جالندھری کا آہنگِ ثناء، قمر یزدانی کی نعتیہ شاعری، سید محمد امین علی نقوی کا اسلوب نعت، ''جان جہاں'' پر ایک نظر، ع۔س۔ مسلم کی ''زمزمہ سلام'' اور'' زمزمہ درود''، ثنا خوانِ رسولؐ...... محمد علی ظہوری، ریاض حسین چودھری...... اقبال کی زمین سے حرم کی زمین تک، شہرِ محبت کا راہی...... ذکی قریشی، طفیل دارا کی ''لاشریک''...... ایک تجزیہ، شوکت ہاشمی کے نعت نذرانے، کلیدِ فردوس...... نعتیہ ادب میں ایک دل نواز اضافہ اور ندیم نیازی کا رنگِ مدحت۔

فنِ نعت نگاری (لوازمات) کے زیرِ عنوان ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے جن ذیلی عنوانات کے تحت گفتگو کی ہے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔عشقِ رسول،۲۔قرآن اور حدیث کا مطالعہ،۳۔آداب اور احترام،۴۔مضامینِ نعت،۵۔حقیقت نگاری،۶۔طریقۂ اظہار، ۷۔اندازِ خطاب،۸۔چند دوسرے لوازمات۔

مؤخر الذکر عنوان کے تحت ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے مجید امجد کے افکار نقل کیے ہیں جو ان کی دانست میں اس موضوع پر ''حرفِ آخر'' کی حیثیت رکھتے ہیں:

> ''فنِ شعر کے لحاظ سے اس کمال کے لیے کمال سخن وری اور نفسِ مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگہی درکار ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمو دیتا ہے۔ یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ احترام کا تقاضا یہ ہے کہ مدح مرتبہ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو جب تک زبان و بیان کے رموز جس طرح کہ وہ کلام الٰہی سے منکشف ہیں، شاعر کی نگاہ میں نہ ہوں اس کا بیان نا تمام اور اظہار نارسا ہے۔ نعت ان ذی فضیلت لوگوں کا منصب ہے جن کی عمر عزیز معانی قرآن کو پرکھنے اور اسوۂ رسول ﷺ کو اپنانے میں صرف ہوئی ہو اور جو اس روحانی سفر کے دوران پیش آنے والے مقامات کو شعری اظہار کی منزلوں تک پہنچا سکیں''۔(۱۷۷)

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے کچھ شعراء کے نعتیہ کلام پر بھی اپنی تنقیدی رائے رقم کی ہے۔ یزدانی جالندھری کے شعرِ عقیدت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''یزدانی جالندھری کی نعت میں دور حاضر کی جھلکیاں اور پھر شاعر کا دربار رسالت مآب میں التجا و استغاثہ بھی اس کے خلوص کا مظہر ہے۔ وہ حالات کی نارسائیوں اور اخلاقی اور ملی اقدار کی رسوائیوں پر چپ نہیں رہ سکتے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو جہاں کے حضور بڑی ہی دردمندی اور پرسوزی کے ساتھ التجا کرتے ہیں:

> ہم تو گر گر رہ گئے ہیں پستیوں کے غار میں — آپ کی چشم کرم یا مصطفیٰ درکار ہے
> جو دکھی انسانیت کے درد و غم کا ہے علاج — طیبہ و بطحا کی وہ خاک شفا درکار ہے
> رحمت للعالمیں، یا رحمت للعالمیں — امت مرحوم پر پھر چشم رحمت چاہیے

ملتِ بیضا کا حالِ زار ہے ناگفتنی　　　اس طرف بھی اک نگاہِ لطف و رافت چاہیے　　　(۱۷۸)

یزدانی جالندھری نے نعت میں تبلیغی پہلو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''نعت کے ابتدائی دور میں اسے ایک تحریک کے طور پر قبول کیا گیا اور اس سے تبلیغ دین اور اصلاح احوال کا کام لیا گیا۔ یزدانی جالندھری کی نعت بھی اسی حوالے کی نعت ہے۔ وہ اپنے قاری کو نبی ﷺ کریم سے محبت کا سبق دیتے ہوئے معاشرے کو اس کی اصلاح کا درس بھی دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہی وہ طریقہ ہے، جس سے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اکملیت پیدا ہوتی ہے:

نعت محبوب خدا لب پہ سجائے رکھنا　　　دل میں حب شہِ کونین بسائے رکھنا
آل و اصحاب نبیؐ جس سے ہوئے تھے ضوگیر　　　اپنے سینوں میں وہی شمع جلائے رکھنا
اسوہ سرور دیں میں ہے فلاح دارین　　　راہبر اس کو بہر گام بنائے رکھنا
زائرانِ حرمِ پاک! یہ ہے شرطِ ادب　　　منہ ہی تنہا نہ جھکے، دل بھی جھکائے رکھنا

شہِ کونین کا اسوہ جو شمعِ رہنما ٹھہرے　　　فلاح و فوز کی منزل ہمارے زیرِ پا ٹھہرے
بھٹک سکتا نہیں ہے کاروانِ ملتِ بیضا　　　محمد مصطفیٰؐ جب رہنما و پیشوا ٹھہرے

۔۔۔۔۔ یزدانی جالندھری کی نعتیہ شاعری، زبان و بیان کی لطافتوں، الفاظ کی نزاکتوں، نو بہ نو ردیفوں، صنائع بدائع کے استعمال، مضامین کے تنوع اور ادب و احترام رسالت کے حوالے سے آج کے دور کی وہ معیاری نعت ہے، جس میں نعتیہ روایت بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے اور دورِ حاضر کی مثبت جدت نگاری بھی تابناکی کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ یوں یزدانی نعت کے مختلف ادوار کے حوالے سے ایک ایسے سنگم پر کھڑے ہیں جس سے آج بہت سے شاعر اکتساب فیض کر کے نعت کے نئے دور میں کامیابی کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں''۔ (۱۷۹)

اردو نعت کے انتقادی سرمائے میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی تنقید کو تاثراتی تنقید کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ جمالیاتی تنقیدی دبستان کے اثرات بھی ان کی تحریروں سے نمایاں ہیں، اس لیے اس دبستانِ نقد کو بھی ملحوظ خاطر رکھ سکتے ہیں۔

۲۔ نقدِ نعت اور پاسِ شریعت:

نعتیہ ادب میں شرعی اصولوں کی طرف رہنمائی کرنے والی کتابیں بہت ہیں۔ ہم نے صرف چار کتب کا انتخاب کیا ہے، جن میں تقریباً وہ تمام مسائل زیرِ بحث آ گئے ہیں جن کے ذریعے نعتیہ شاعری کے لیے شرعی اصول بندی ہو سکتی ہے۔

☆ شمائم النعت (تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ)، ڈاکٹر سراج احمد قادری:

ڈاکٹر سراج احمد قادری کی اس کتاب میں درج ذیل، دس مضامین ہیں:

۱۔ آدابِ نعت گوئی کے اساسی پہلو

۲۔ نعت گوئی کا تقدس اور اس کی تنقیدی قدریں

۳۔ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری کا پس منظر

۴۔ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کا تعارف

۵۔ جناب طاہر لاہوری کی نعتیہ شاعری (ایک خصوصی مطالعہ)

۶۔ حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی نعتیہ شاعری (ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)

۷۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا سرمایہ ءکلام

۸۔ ''الاستمداد'' رضا بریلوی کا مجموعہ کلام

۹۔ حضرت رضا بریلوی کی مضمون آفرینی

۱۰۔ نعت گوئی تنقید، تفہیم وتجزیہ

مؤخر الذکر مضمون میں ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے کچھ فتاوی کا حوالہ دیا ہے۔ وہ فتاوی، نعتیہ شاعری پر شرعی گرفت کی بہترین مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً رام پور سے معشوق علی صاحب نے کچھ اشعار درج کیے اور اعلیٰ حضرت سے ان کے مافیہ (Content) کے ضمن میں سوال کیا۔ اشعار درج ذیل ہیں:

اٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں — احد میں میم کو ضم کر کے صلی اللہ کہتے ہیں
ظہور ہو کر کے دنیا میں یہ فرمایا کہ بندہ ہوں — تو سب ناسوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں
ہوئے ممکن سے جب واجب نبی ملکوت میں پہنچے — وہاں سب دیکھ احمد کو ظہور اللہ کہتے ہیں
جو پہنچا مرتبہ جبروت میں مسجود عالی کا — تو اس جسم مطہر کو وہ نور اللہ کہتے ہیں
الست مرتبہ لاہوت سمجھو ذات احمد کا — سب اس رتبہ میں آنحضرت کو عین اللہ کہتے ہیں
خدا فرمائے گا محشر میں بخشا لو تم اب احمد — گنہ گاران امت کو شفیع اللہ کہتے ہیں
نزول از تا عروج حضرت کا لکھا ہے حقیقت سے — خدا پہچان لو سب سے حسن اللہ کہتے ہیں

اعلیٰ حضرت کا جواب ملاحظہ ہو:

> ''ان اشعار کا پڑھنا حرام، سخت حرام ہے۔ ان میں بعض کلمہ ءکفریہ ہیں اگرچہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں اور بعض موہم کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے۔ ردالمختار میں ہے۔ مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع ۔ہاں بعض جیسے شعر چہارم وششم ایہام کفر سے خالی ہیں۔ پھر ششم میں مصرع دوم ''گنہ گاران امت الخ'' کو حضرت عزت کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں۔ اور چہارم میں مسجود کا لفظ مناسب نہیں''۔ (۱۸۲)

اعلیٰ حضرت کا جواب ایسے شعراء کے لیے تنبیہ (Warning) کا حکم رکھتا ہے جو شریعت سے متصادم خیالات کو شعری جامہ پہناتے ہیں۔ڈاکٹر سراج احمد قادری نے صحیح کہا ہے:

''حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ نے مذکورہ بالا اشعار پر جرح و تعدیل فرمائی اور ایک ایک شعر اور لفظ کا حکم بیان فرمایا۔صاف ستھری تنقید اسی کو کہتے ہیں'' (۱۸۳)

جودھ پورسے قاضی محمد عبدالرحمٰن نے ایک شعر لکھ کر سوال کیا۔شعر یہ تھا ؎

نعتِ خیرالبشر نہ ہو جائے
دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

یہ شعر درج کر کے سائل نے استفسار کیا:

''کیا حضور یہ مطلع نعت میں ٹھیک ہے؟ اس کا قائل یہ کہتا ہے کہ آپ کے دیوان میں بھی اس قسم کا شعر ہے، مگر وہ دیوان میں دکھاتا نہیں اور خاکسار کے پاس دیوان ہے نہیں۔لہٰذا مستکلف ہوں کہ اس میں جو کچھ امر حق ہو جواب سے سرفراز فرمائیں؟

الجواب: یہ مطلع باطل و ناجائز ہے کہ اس میں نعتِ اقدس سے ممانعت ہے اور نعت اقدس اعظم ﷺ فرائض ایمان سے ہے۔اس سے ممانعت کس حد تک پہونچتی ہے اگر تاویل کی جگہ نہ ہوتی تو حکم بہت سخت تھا۔فقیر کے دیوان میں اصلاً کوئی شعر اس مضمون کا نہیں و له الحمد و هو تعالیٰ اعلم'' (۱۸۴)

نعتیہ شاعری میں خیال کی بنت میں حال کے پہلو کو اجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے امام احمد رضا خاں کا ایک واقعہ لکھا:

ایک حافظ صاحب جو حضور پرنور امام اہل سنت قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرضِ اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔اجازت عطا ہوئی۔سنانا شروع کیا۔درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں کھانا پینا، سونا سب موقوف ہو گیا ہے۔کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیٰحدہ نہیں ہوتی۔اعلیٰ حضرت قبلہؒ نے فرمایا حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقع ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں، اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان و ما یکون کا کوئی ذرہ نہ چھپایا اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیئے'' (۱۸۵)

یہ ہے وہ پہلو جو نعتیہ ادب کے نقاد کے پیشِ نظر ہونا ضروری ہے۔نعت گو کو تو اس کا دھیان رکھنا لازمی ہے ہی۔

۲۲۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں، رشید وارثی:

رشید وارثی کے بیشتر وہ مضامین جو ''نعت رنگ'' میں شائع ہو چکے تھے، اس کتاب میں شامل ہیں۔یہ کل

دس مضامین ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اردو نعت نگاری میں ذم کے پہلو

۲۔اردو نعت میں شانِ الوہیت کا استخفاف

۳۔اردو نعت میں تلمیحات کا غیر محتاط استعمال

۴۔اردو نعت میں ادبِ رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں

۵۔اردو نعت میں انبیائے سابقین کی رفعت شان کا استقصار

۶۔مدینہ منورہ کو یثرت کہنے کی ممانعت

۷۔اردو میں شاعرانہ تعلی

۸۔اردو نعت میں صلعم کا استعمال اور اس کے مضمرات

۹۔اردو نعت میں ضمائر کا استعمال

۱۰۔کلامِ رضا میں مناقبِ اہلِ بیت اطہار (علیہم السلام) کی جلوہ گری

ان مضامین کے عنوانات سے مترشح ہے کہ شریعت کی روشنی میں شعرِ عقیدت کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔رشید وارثی کا ذکر ہمارے مقالے میں کئی جگہ آچکا ہے اس لیے یہاں صرف کتاب کے تعارف کے لیے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

اس محسنِ اعظم کے یوں تو (شاعر) پہ ہزاروں احساں ہیں
قربان مگر اس احساں کے، احساں بھی کیا تو جتایا نہیں

رشید وارثی نے لکھا:

> احسان جتانا رذائل اخلاق میں آتا ہے اور رذائل وہ اخلاقِ ذمیمہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور ان سے بچنے کا اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے بصورتِ دیگر وہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں............
>
> یہ معیارِ سخاوت ہے حدودِ فہم سے بالا وہ سب کچھ دے کے بھی احسان جتلایا نہیں کرتے
>
> حالانکہ احسان جتانے جیسے مذموم فعل کی ہم اپنے کسی شریف النفس دوست سے بھی توقع نہیں کرتے۔کجا کہ (نعوذ باللہ) ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ایسی مذموم بات کہی جائے"۔(۱۸۶)

رشید وارثی کا تنقیدی اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے مسئلہ زیرِ غور پر وضاحت سے لکھتے ہیں، پھر بغیر تخلص اور نام ظاہر کیے، کسی شاعر کا شعر لکھتے ہیں۔بعد ازاں اس شعر پر شرعی نقطہ نظر سے اپنی رائے دیتے ہیں۔ایک شعر لکھتے ہیں:

تری دلنوازی کی کیا بات ہے نبوت ہے خاص اور رحمت ہے عام

اس شعر کے دوسرے مصرعے کو رشید وارثی محلِ نظر جانتے ہیں کیوں کہ اس میں نبوت کو خاص کہا گیا ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت عام ہے۔ رشید وارثی لکھتے ہیں:

> مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ 'حضرت آدم علیہ السلام کی الوٗت [باپ ہونا] اور حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) کی نبوت سب کو عام ہے'۔(۱۸۷)

نعت گوئی یا خودستائی:

درجِ بالا عنوان کے تحت رشید وارثی نے ایک شعر لکھا ہے:

جہاں کسی کا تخیل نہ جا سکے (تخلص)

میں لاکھ مرتبہ اس لامکاں سے گزرا ہوں

اس شعر کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> اس اظہارِ تفاخر میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کون سا پہلو ہے؟ رہوارِ تخیل کی اس بے لگامی کو حق و صداقت سے کیا نسبت؟ کیا کوئی اہلِ ایمان اس اندازِ فکر کو بارگاہِ اصدق الصادقین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں نذرانۂ عقیدت سے تعبیر کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔(۱۸۸)

رشید وارثی کی تنقید تشریحی تنقید (Judicial/Legislative Criticism) کے دائرے میں آتی ہے۔ ان کی تنقید میں شعر کی بنت، شعری جمالیات، عروضی جانکاری کے ساتھ شعر کو پرکھنے کا داعیہ بالکل نہیں ہے۔ رشید وارثی کو نظریاتی اور یک رخی تنقید کا داعی قرار دیا جا سکتا ہے۔

۲۳۔ نعت اور آدابِ نعت، کوکب نورانی اوکاڑوی:

نعت رنگ میں شائع ہونے والی تنقیدی تحریروں کی روشنی میں خطوط کے ذریعے اپنی رائے دینے اور نثری تحریروں کی شرعی طور پر گرفت کرنے کا بیڑا، مولانا کوکب نورانی نے اٹھایا۔ انہوں نے نعت رنگ کے تقریباً ہر دوسرے شمارے میں خط لکھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ''نعت اور آدابِ نعت'' انہی خطوط پر مبنی کتاب ہے۔ اسی عنوان کے تحت کتاب میں ایک جامع مضمون ہے۔ اس مضمون کا ایک اقتباس درجِ ذیل کیا جاتا ہے:

> رسولِ کریم ﷺ کے لیے ''محمد'' (ﷺ) نام عطا فرما کر رب قدیر نے واضح پیغام دیا ہے کہ اس ہستی کی تخلیق ہی تعریف اور خوبی کے لیے ہوئی ہے........... قابلِ تعریف کی تعریف نہ کرنا بخل، ناقدری اور ناشکری ہوگا........... وہ شعراء جو حمد و نعت کہنے کی شرائط و آداب سے واقف نہیں، حمد و نعت کہتے ہوئے غزل کے محبوب والی بے باکی برت جاتے ہیں اور حمد و نعت میں کہے گئے اپنے کلام کو شاید الہامی سمجھتے ہیں اور بالائے تنقید و تنقیص جانتے ہیں''(۱۸۹)

مکتوب ہشتم میں نعت رنگ شمارہ ۱۱ کے مشتملات پر گفتگو کی گئی ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا نے لکھا تھا:

"شاعر تمام تر خطرات وخدشات سے دامن بچاتے ہوئے ادب واحترام اور عجز و نیاز کو اپنا وسیلہ بنائے رکھتا ہے کیوں کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کی خطائیں بھی رحمت طلبی کا بہانہ بن جائیں گی اور اس کی مستانہ وار لغزشیں بھی عشق و سرمستی کے نام پر مقبولِ بارگاہِ نبوت ٹھہریں گی" (۱۹۰)

اس تحریر کے حوالے سے مولانا کوکب نورانی نے لکھا:

"اس اقتباس میں 'مستانہ وار لغزشوں' کے حوالے سے میری فہم نے پروفیسر صاحب کے مدعا کو نہیں پایا۔ 'با مصطفیٰ (ﷺ) ہشیار باش' کا فرمودہ ذہن میں ہے۔ پروفیسر صاحب وضاحت فرمائیں تو معلوم ہو کہ عشق رسول ﷺ کی سرشاری میں کسی لغزش مستانہ سے ان کی مراد کیا ہے اور اس کی کیا گنجائش ہے؟....." (۱۹۱)

اسی طرح ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد نے جو کچھ لکھا، اس کا لب لباب یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ذات کو الوہیت میں مدغم نہ کیا جائے۔ "دونوں کو ایک کر دینا شرک فی الصفت ہے" (۱۹۲)۔ شرک فی الصفت کے ضمن میں مولانا موصوف نے کچھ سوالات اٹھائے:

ڈاکٹر آزاد صاحب نے لکھا کہ "دونوں کو ایک کر دینا شرک فی الصفت ہے"۔ ڈاکٹر صاحب بتائیں کہ "دونوں کو ایک" کس نے اور کہاں کیا ہے؟ اور کس نے اسے روا جانا ہے؟ شرک فی الصفت کی "تعریف" بھی ڈاکٹر صاحب ضرور بتائیں اور تعریف لکھتے ہوئے اپنی بیان کی ہوئی بات نہ بھولیں "جامعیت و مانعیت تعریف کے لازمی اجزا ہیں"۔ (۱۹۳)

مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں:

"ہم اہل سنت و جماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے انبیاء اولیاء، بلا شبہ اللہ سبحانہ کی عطا سے روحانی قوتوں اور خصوصی طاقتوں والے ہوتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور اختیارات سے مخلوق کی مدد کرتے ہیں..... بخاری شریف، کتاب المغازی میں حدیث شریف ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے شرک کا خوف نہیں، ہاں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ دنیا کی زیادہ رغبت رکھنے لگ جائے گی۔ اس ارشاد نبوی کے برعکس آج "شرک" کے فتوے یوں برسائے جاتے ہیں جیسے ہر طرف شرک ہی کا دور دورہ ہو" (۱۹۴)

اس اقتباس سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کوکب نورانی اپنے مسلک کے دفاع میں پیش پیش ہیں............ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، نعتیہ شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے مسالک کی جنگ چھڑنے کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے۔ اعتدال پسندی اور برداشت کسی میں نہیں۔ رئیس احمد نعمانی کے معیارات کے مطابق بریلوی مسلک کے شعراء شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور بریلوی مسلک کے علماء کے نزدیک دیوبندی مسلک راہِ راست پر نہیں ہے۔ اس لیے نقاد کا کام ہے کہ کسی ایک طرف جھکاؤ ظاہر کیے بغیر، جذباتی انداز سے گریز کرتے ہوئے اپنی رائے قلم بند کرے۔

کوکب نورانی اوکاڑوی کا منہاج نقد تشریحی ہے۔

۲۴۔نعت گوئی اوراس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین:

کوکب نورانی کی شدت پسندی کے مقابلے میں پروفیسر عبداللہ شاہین کی شدت پسندی یہ ہے کہ وہ ہراس شاعر کو جسے اللہ رب العزت نے ،نعتِ رسولِ مقبول ﷺ لکھنے کے صلے میں شہرتِ دوام بخش دی ہے، لائق گردن زدنی جانتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''ساتویں صدی ہجری میں جب تصوف اور بدعت نے زور پکڑلیا تھا، اہل تصوف نے اسلاف کے منہج اور مدح کے طریقے سے یکسر خلاف، نبی ﷺ کی شان اقدس میں ایسے قصیدے لکھنے شروع کردیئے جن میں نبی ﷺ کوالوہیت کے درجے پر فائز کرنے کی کوشش کی گئی اور آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کردیا گیا۔اس رسم بد کی ابتدا محمد بن سعید بوصیری کے ہاتھوں ہوئی جو ۶۹۵ھ میں اسکندریہ میں ہلاک ہوگیا تھا۔اس نے نبی ﷺ کے متعلق قصیدے لکھے جن میں سے دو بہت مشہور ہوئے۔ایک قصیدہ ہمزیہ اور دوسرا قصیدہ میمیہ۔ان میں سے مؤخر الذکر کو بہت شہرت حاصل ہوئی.........اس کے مرنے کے بعد اس کے اسی جیسے فاسد العقیدہ پیروکاروں نے جھوٹ اور افترا کی بنیاد پر اس کا نام ''قصیدۂ بردہ'' رکھ دیا''۔(۱۹۵)

پروفیسر عبداللہ شاہین اپنے نام کے ساتھ بڑے فخر سے ''ایوارڈیافتہ'' لکھتے ہیں۔لیکن انہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جانب سے کسی کو انعام مل جانے پر شبہ بھی ہے اور غصہ بھی۔وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اچھی شہرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کسی کو ملتی ہے، جس کا اشارہ سورۂ مریم کی آیت نمبر ۹۶ میں دیا گیا ہے(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام، عنقریب پیدا کردے گا ان کے لیے رحمٰن [دلوں] میں محبت)۔

تصوف کو لعن طعن کرنے والے شاہین صاحب کی رائے کے برعکس امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے دیکھیے:

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی [وہ] گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے۔انہیں کا طریقہ زیادہ صاف ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں۔بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی عقل وحکمت کو جمع کرلیا جائے اور واقفانِ شریعت کے اسرار و علم کو ملایا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہوسکے، تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیوں کہ صوفیاء کی تمام حرکات و سکنات، چاہے ظاہری ہوں، چاہے باطنی، مشکوٰۃ نبوّت ہی سے مستنیر ہیں''(۱۹۶)

تصوف ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن پروفیسر شاہین نے جس نفرت آمیز لہجے میں صوفیاء کرام کا ذکر کیا ہے اس کے جواب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے اقتباس دینا پڑا۔

شدت پسندی نے مسلمانوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عقلِ سلیم اور روحانی بصیرت عطا فرمائے (آمین)۔پروفیسر موصوف نے کچھ صائب باتیں بھی کی ہیں لیکن جذباتیت نے ان کی تنقید کی خوبیوں پر بھی پانی پھیر دیا ہے۔

پروفیسر عبداللہ شاہین کی کتاب میں کچھ باتیں بڑی صائب ہیں جن کا حوالہ نہ دینا ان کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ مثلاً انہوں نے بہت سے اشعار نقل کر کے ان میں پیش کیے جانے والے خیال کو شریعت سے متصادم بتایا ہے۔ ہم بھی ان اشعار کی روشنی میں یہی کہتے ہیں اور ان کی رائے کو مبنی بر حقیقت جانتے ہیں۔ ایسے تمام اشعار جن میں ڈھکے چھپے الفاظ میں نبی ﷺ کو ''اللہ'' کہا گیا ہو، وہ اشعار تو حوالے کے طور پر بھی لکھتے ہوئے خوف آتا ہے۔ بہر حال ان اشعار کے ضمن میں، پروفیسر عبداللہ شاہین، کی رائے سے ہمیں صد فی صد اتفاق ہے۔ وہ تمام اشعار شرک کے دائرے میں آتے ہیں۔(۱۹۷)

اسی طرح پروفیسر عبداللہ شاہین نے فلمی گیتوں کی دھنوں پر پڑھی جانے والی نعتوں پر اعتراض کیا ہے۔ ہم بھی ان نعتوں کو حضور اکرم کی مدح کے بجائے قدح کے درجے میں رکھتے ہیں۔(۱۹۸)......لاریب، ایسی شاعری، مذموم ہے ایسی شاعری کا تو ذکر بھی قرطاس و قلم کی حرمت کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

پروفیسر عبداللہ شاہین نے اپنی کتاب میں جہاں اعتدال کی راہ اپنائی ہے، وہاں ان کا تنقیدی منہاج ''تشریعی'' (Judicial/Legislative Criticism) ہوگیا ہے۔

باب ہفتم میں تیسرا نکتہ اس عنوان کے تحت بیان کیا جانا تھا کہ نقدِ نعت کے عمل میں کن کن تنقیدی دبستانوں کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں۔ تو اس ضمن میں عرض ہے کہ ابھی تک نعتیہ ادب کا تنقیدی سرمایہ اتنا نہیں ہے کہ تنقید نگاروں کی نگارشات کی روشنی میں واضح طور پر دبستانوں کی تقسیم کی جاسکے۔ ویسے بھی شاعری کی تنقید کے حوالے سے ایسی تحریریں زیادہ سامنے آتی ہیں جن میں نقاد کا س تاثر جھلکتا ہو۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ تحریریں تاثراتی تنقید کا نمونہ ہوتی ہیں۔ یہی کچھ نعتیہ ادب کی تنقید میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں بھی سب سے زیادہ تنقیدی آراء تاثراتی تنقیدی دبستان (Impressionistic Criticism) کے زیرِ اثر لگتی ہیں۔

نعتیہ شاعری کو پرکھتے ہوئے چوں کہ اس کا مافیہ (Content) زیادہ زیرِ بحث آتا ہے، اس لیے بیشتر نقادوں کا انداز، تشریعی تنقید یا Judicial/Legislative Criticism سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

عام شاعری کی طرح نعتیہ تنقدی عمل میں بھی کہیں کہیں نقادوں نے شعرِ عقیدت کے تخلیقی حسن کو اجاگر کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ نقدِ شعر کے مشرقی معیارات کو پیش نظر رکھ کر صنائع بدائع کا ذکر بھی ہوا ہے۔ زبان کی صفائی اور بیان کی سلاست پر بھی بات ہوئی ہے۔ لہٰذا ایسی تنقیدی تحریروں کو ہم ''جمالیاتی تنقید'' یا Aesthetical Criticism کے دبستان سے وابستہ قرار دے سکتے ہیں۔

ناقدینِ ادب کی تحریروں میں، شاعری کے حوالے سے، تشریحاتی رجحان ہمیشہ غالب رہا ہے۔ یعنی نقاد پہلے یہ بتاتا ہے کہ کسی شعر کے اس نے کیا معانی سمجھے، اس کے بعد اس کی تعریف یا مذمت کرتا ہے۔ نعتیہ ادب کے

انتقادی سرمائے میں بھی ایسی تحریروں کی کمی نہیں جو شعر کے متن کی اس طرح تشریحات کرتی ہیں۔ چنانچہ تشریحاتی دبستان یا Descriptive Crticisim کے زیرِ اثر لکھی ہوئی تنقید بھی دنیائے نعت میں رواج پا رہی ہے۔

ناقدین کسی ایک شاعر کے اسلوب اور خیال کو کسی دوسرے شاعر کے کہے ہوئے اشعار کی روشنی میں بھی دیکھتے ہیں اور خیال کی بنت کے اچھے پہلوؤں کو سراہتے ہیں یا پہلے سے بیان میں آئے ہوئے انداز سے کم تر بتاتے ہیں۔ یہ تنقیدی عمل تقابل اور موازنے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ نعت کی دنیا میں بھی یہ تنقیدی رجحان پایا جاتا ہے۔ چنانچہ نعتیہ ادب کے تنقیدی سرمائے میں ایسی تحریروں کی بھی کمی نہیں ہے جو تقابلی تنقید یا Comparative Ctiricism کے دبستان کے ذیل میں رکھی جا سکیں۔

علیٰ ہٰذ القیاس، ہر تنقیدی تحریر میں مختلف دبستانوں کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ہم نے جن تحریروں کے حوالے دیئے ہیں ان میں بہت سی تنقیدی آراء پر رومانی تنقید(Romantic Criticism)، قاری اساس تنقید(Reader Oriented/Response Criticism)، ساختیاتی تنقید (Strutctural Criticism)، اور اسلوبیاتی تنقید (Stylistic Criticism) کے اثرات، واضح طور پر، محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ نظریاتی تنقید تو ہمیشہ ادب کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ نعت میں نظریاتی تنقید کی شرح سب سے زیادہ ہے۔

یہ بات بھی لائقِ تحریر ہے کہ تاثر کے اظہار اور احساسات کے ابلاغ کے لیے نہ تو شاعر کسی علم کی حدود کا پابند ہوتا ہے اور نہ ہی نقاد ان حدود کی پاسداری کر سکتا ہے۔ جس طرح شاعری کے علمی ابعاد بے کنار ہیں اسی طرح تنقید کے بھی علمی ابعاد بے کنار ہیں۔ جتنے شعر کہے، پڑھے، سنے اور سنائے گئے ہیں ان کے سامعین کی تعداد ہر عہد میں بڑھتی گئی ہے اور اشعار کی تفہیم کا عمل ہر فرد کے لیے مختلف رہا ہے۔ ہر عہد میں شعر کے معانی بدل جاتے ہیں۔ شاعر کے حیطۂ خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کا شعر کس کے ذہن میں کونسے معانی پیدا کردے گا، یا کیسا تاثر قائم کرے گا! ادبِ لطیف، بالخصوص شاعری کے معاملے میں علم کی بنیاد حقیقت پر مبنی ہونے کے باوجود حقیقت کے ادراک میں تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ یہاں حقیقت (Reality) لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی جسے انگریزی میں Transitional Reality کا نام دیا جاتا ہے۔ شاید ایسے ہی تاثراتی ادب کو علم جان کر یاس یگانہ چنگیزی نے یہ شعر کہا تھا ؎

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی (۱۹۹)

بہرحال جوں جوں نعتیہ ادب کی تخلیقی رفتار تیز ہوگی، تنقیدی سرگرمیاں بھی تیز ہوں گی۔ ابھی تو نعتیہ ادب کی باقاعدہ تنقید کا دور شروع ہی ہوا ہے۔ آغاز خوش آئند اور امید افزا ہے!

باب ہفتم: ماخذ

۱۔جمیل نظر،مقدمہ وسحر دساحری (قارئین ادب کی عدالت میں)،شیوا اکیڈمی،کراچی،س۔ن،ص ۴۶

۲۔ایضاً ص۴۸

۳۔ایضاً ص۴۸

۴۔ایضاً ص۵۰

۵۔ایضاً ص۵۰

۶۔ایضاً ص۵۱

۷۔ایضاً ص۵۱

۸۔ایضاً ص۵۴

۹۔ایضاً ص۵۴

۱۰۔ایضاً ص۵۵

۱۱۔ایضاً ص۵۸

۱۲۔ایضاً ص۶۰

۱۳۔ایضاً ص۶۱

۱۴۔ایضاً ص۶۲

۱۵۔ایضاً ص۶۲

۱۶۔ایضاً ص۶۲

۱۷۔غفور شاہ قاسم،پاکستانی ادب،شناخت کی نصف صدی،ص۱۷۲

۱۸۔ایضاً ص۱۷۲

۱۹۔ایضاً ص۱۷۳

۲۰۔ایضاً ص۱۷۵

۲۱۔ایضاً ص۱۷۶

۲۲۔امیر حسنین جلیسی،بت خانہ شکستم من،ص۱۵۵

۲۳۔ایضاً

۲۴۔ایضاً

۲۵۔ایضاً

۲۶۔ایضاً

۲۷۔ایضاً

۲۸۔ایضاً

۲۹۔ایضاً

۳۰۔سرشار صدیقی،اساس،ص۱۱۹

۳۱۔حکیم نثار احمد علوی،سخنوران کاکوری،میخانہ ادب،۱۔ایچ،۸۔۲۲،ناظم آباد،کراچی،س۔ن۔ص ۳۳۱

۳۲۔ایضاً ص۳۳۶

۳۳۔ایضاً ص۳۳۶

۳۴۔ایضاً ص۳۳۷

۳۵۔ایضاً ص۳۳۹

۳۶۔امین راحت چغتائی، ردِ عمل، بک سینٹر، حیدر روڈ، راولپنڈی کینٹ، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۲۶۵

۳۷۔ایضاً ص۲۶۶

۳۸۔ایضاً ص۲۶۷

۳۹۔ایضاً ص۲۷۱

۴۰۔ایضاً ص۲۷۲

۴۱۔ایضاً ص۲۷۳

۴۲۔ایضاً ص۲۷۳

۴۳۔ایضاً ص۲۷۷

۴۴۔ایضاً ص۲۷۸

۴۵۔تحسین فراقی، جستجو، ص۱۰۷

۴۶۔ایضاً ص۱۱۱

۴۷۔ایضاً ص۱۱۲

۴۸۔قمر یزدانی، ولائے رسول ﷺ، ص۲۵

۴۹۔ایضاً ص۱۳

۵۰۔اقبال عظیم، زبورِ حرم، ص۱۶

۵۱۔ایضاً ص۱۷

۵۲۔ایضاً ص۱۵

۵۳۔ایضاً ص۱۸

۵۴۔منظر عارفی، اللہ کی سنت، ص۱۲

۵۵۔رئیس احمد نعمانی، فروغِ نوا (مجموعہ نعت)، ص۱۱

۵۶۔ایضاً ص۱۱

۵۷۔ایضاً ص۱۵

۵۸۔ایضاً ص۲۲

۵۹۔سید وحید اشرف کچھوچھوی، اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، ص۱۲

۶۰۔ایضاً ص۱۲

۶۱۔ایضاً ص۲۷

۶۲۔ایضاً ص۲۰

۶۳۔ایضاً ص۳۳

۶۴۔ایضاً ص۴۱

۶۵۔ ایضاً ص ۴۲

۶۶۔ ایضاً ص ۸۰

۶۷۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر، نعت کے چند شعرائے متقدمین، ص ۲۷

۶۸۔ ایضاً ص ۵۲

۶۹۔ ایضاً ص ۱۱۱

۷۰۔ ایضاً ص ۱۱۲

۷۱۔ ایضاً ص ۱۲۲

۷۲۔ ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، نعت اور تنقید نعت، ص ۵۵

۷۳۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۲۷۹

۷۴۔ نعت اور تنقید نعت، ص ۴۷

۷۵۔ ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص ۱۶۳

۷۶۔ ایضاً ص ۱۶۳

۷۷۔ ایضاً ص ۱۷۵

۷۸۔ نعت اور تنقید نعت، ص ۱۳۹

۷۹۔ ایضاً ص ۱۰۵

۸۰۔ ایضاً ص ۱۳۶

۸۱۔ ایضاً ص ۱۵۰

۸۲۔ ایضاً ص ۱۰۰

۸۳۔ ایضاً ص ۹۸

۸۴۔ ایضاً ص ۲۱۹

۸۵۔ ایضاً ص ۲۱۹

۸۶۔ ایضاً ص ۲۲۲

۸۷۔ ایضاً ص ۲۲۷

۸۸۔ ایضاً ص ۲۳۲

۸۹۔ گوپی چند نارنگ، ادبی تنقید اور اسلوبیات، ص ۱۷

۹۰۔ کلیات میر، دیوان اول، ج اول، ص ۲۲۲

۹۱۔ راجا رشید محمود، شاعرانِ نعت، ص ۹۳

۹۲۔ محمد حیات چغتائی، ترتیب و انتخاب، فن نعت کی نئی جہات (نعت پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب)، مکتبہ الہام، بہاول پور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴

۹۳۔ ایضاً ص ۳۷

۹۴۔ ایضاً ص ۴۵

۹۵۔ ایضاً ص ۳۷

۹۶۔ ایضاً ص ۴۵

۹۷۔ایضاً ص ۴۶

۹۸۔ادیب رائے پوری، نعتیہ ادب میں تنقید اور مشکلاتِ تنقید، ص ۹۳

۹۹۔ایضاً ص ۴۷

۱۰۰۔ایضاً ص ۸۰

۱۰۱۔ایضاً ص ۹۴

۱۰۲۔ایضاً ص ۶۸

۱۰۳۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری، ص ۸۷

۱۰۴۔ایضاً ص ۹۲

۱۰۵۔ایضاً ص ۱۰۲

۱۰۶۔ایضاً ص ۱۰۲

۱۰۷۔پروفیسر شفقت رضوی، اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، ص ۱۱۸

۱۰۸۔ایضاً ص ۱۱۹

۱۰۹۔ایضاً ص ۱۱۹

۱۱۰۔ابوالامتیاز ع۔س۔مسلم، سرودِ نعت، ص ۱۱۶

۱۱۱۔ایضاً ص ۱۲۰

۱۱۲۔ایضاً ص ۹۷

۱۱۳۔ایضاً ص ۱۰۰

۱۱۴۔ایضاً ص ۱۲۹

۱۱۵۔جاذب قریشی، نعت کے جدید رنگ، ص ۵۵

۱۱۶۔ایضاً ص ۵۷

۱۱۷۔ایضاً ص ۶۰

۱۱۸۔ایضاً ص ۶۴

۱۱۹۔ایضاً ص ۶۸

۱۲۰۔محمد شفیق اختر، نعت، حقیقت کے آئینے میں، ص ۱۲۳

۱۲۱۔ایضاً ص ۱۳۸

۱۲۲۔ایضاً ص ۱۵۶

۱۲۳۔ایضاً ص ۱۵۶

۱۲۴۔ایضاً ص ۱۳۵

۱۲۵۔ایضاً ص ۶۲

۱۲۶۔سید صبیح الدین رحمانی، غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ، ص ۶۶

۱۲۷۔ایضاً ص ۶۸

۱۲۸۔ایضاً ص ۴۸

۱۲۹۔قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، ج اول، ص ۱۳۷

۱۳۰۔ غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ، ص ۶۴
۱۳۱۔ سید صبیح الدین رحمانی، نعت نگر کا باسی، ص ۱۱۲
۱۳۲۔ ایضاً ص ۱۴۴
۱۳۳۔ ایضاً ص ۱۴۶
۱۳۴۔ ایضاً ص ۱۱۹
۱۳۵۔ ایضاً ص ۱۲۳
۱۳۶۔ ایضاً ص ۱۲۸
۱۳۷۔ ایضاً ص ۱۵۰
۱۳۸۔ پروفیسر اقبال جاوید، نعت میں کیسے کہوں، ص ۲۷
۱۳۹۔ ایضاً ص ۱۱۸
۱۴۰۔ ایضاً ص ۱۶۱
۱۴۱۔ ایضاً ص ۱۶۸
۱۴۲۔ پروفیسر محمد اکرم رضا، قافلہ شوق کے مسافر، ص ۱۶۷
۱۴۳۔ ایضاً ص ۱۵۶
۱۴۴۔ ایضاً ص ۱۵۸
۱۴۵۔ ایضاً ص ۱۶۱
۱۴۶۔ ایضاً ص ۲۲۱
۱۴۷۔ ایضاً ص ۲۲۳
۱۴۸۔ ایضاً ص ۲۲۵
۱۴۹۔ ایضاً ص ۲۳۰
۱۵۰۔ ایضاً ص ۲۳۶
۱۵۱۔ ایضاً ص ۲۳۸
۱۵۲۔ ایضاً ص ۲۴۰
۱۵۳۔ ایضاً ص ۲۴۲
۱۵۴۔ پروفیسر محمد اکرم رضا، تاجدارِ ملکِ سخن، ص ۱۲۸
۱۵۵۔ ایضاً ص ۱۲۹
۱۵۶۔ ایضاً ص ۱۳۰
۱۵۷۔ ایضاً ص ۱۳۴
۱۵۸۔ ع۔ و۔ بخار علیگ، سوء ادب فی حسن ادب، ص ۳۴
۱۵۹۔ ایضاً ص ۳۴
۱۶۰۔ ایضاً ص ۴۱
۱۶۱۔ ایضاً ص ۴۲
۱۶۲۔ ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، جادۂ رحمت کا مسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ)، ص ۵۱

۱۶۳۔ایضاً ص۵۳

۱۶۴۔ ص۹۲

۱۶۵۔ایضاً ص۱۱۱

۱۶۶۔پروفیسر شفقت رضوی،نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ،ص۱۱

۱۶۷۔ایضاً ص۳۵

۱۶۸۔ایضاً ص۵۸

۱۶۹۔ایضاً ص۱۹۵

۱۷۰۔ایضاً ص۱۹۸

۱۷۱۔ایضاً ص۳۲۳

۱۷۲۔ایضاً ص۳۲۳

۱۷۳۔ایضاً ص۳۲۳

۱۷۴۔ایضاً ص۳۲۴

۱۷۵۔ایضاً ص۳۴۱

۱۷۶۔ایضاً ص۲۴۸

۱۷۷۔عمران نقوی،دلیل آفتاب،مطالعات نعت،ڈاکٹر آفتاب نقوی،ص۲۷

۱۷۸۔ایضاً ص۴۱۲

۱۷۹۔ایضاً ص۴۱۵

۱۸۰۔ایضاً ص۴۴۶

۱۸۱۔ایضاً ص۴۴۷

۱۸۲۔ڈاکٹر سراج احمد قادری،شمائم النعت،ص۱۹۴

۱۸۳۔ایضاً ص۱۹۵

۱۸۴۔ایضاً ص۱۹۵

۱۸۵۔ ص۱۹۶

۱۸۶۔رشید وارثی،اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ،شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں،ص۵۰

۱۸۷۔ایضاً ص۱۵۲

۱۸۸۔ایضاً ص۲۵۹

۱۸۹۔کوکب نورانی اوکاڑوی،نعت اور آدابِ نعت،ص۴۲۶

۱۹۰۔ایضاً ص۱۴۳

۱۹۱۔ایضاً ص۱۴۳

۱۹۲۔ایضاً ص۲۶۳

۱۹۳۔ایضاً ص۲۶۳

۱۹۴۔ایضاً ص۲۶۵

۱۹۵۔پروفیسر عبداللہ شاہین،نعت گوئی اور اس کے آداب،ص۲۷

۱۹۶۔ سرگزشتِ غزالی (ترجمہ المنقذ) مترجم: مولانا حنیف ندوی، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۴۱

۱۹۷۔ نعت گوئی اور اس کے آداب، ص ۲۰۶

۱۹۸۔ ایضاً ص ۲۱۸

۱۹۹۔ یگانہ چنگیزی، مرزا یاس یگانہ لکھنوی، کلیات یگانہ، مرتبہ: مشفق خواجہ، (اکادمی بازیافت، کراچی) پہلی اشاعت: جنوری ۲۰۰۳ء ص ۵۰۲

بابِ ہشتم

مذکورہ مباحث کی روشنی میں تنقیدِ نعت کے مجوزہ اصول

یہ آخری باب (بابِ ہشتم) اس مقالے میں چھڑنے والی بحث کا خلاصہ ہوگا۔ اس میں ہم نعتیہ ادب میں شعری، شرعی اور تاریخی عوامل کی روشنی میں کچھ تنقیدی اصول بندی کی کوشش کریں گے۔ اس باب کے مباحث، درج ذیل چار عنوانات کے تحت حوالۂ قرطاس کیے جائیں گے:

۱۔ شعری معیارات کی پرکھ کے اصول

۲۔ شرعی معیارات کی پرکھ کے اصول

۳۔ تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول

۴۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے

شعری معیارات کی پرکھ کے اصول:

جیسا کہ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے بتایا ہے:

"when we are considering poetry we must consider it primarily as poetry and not as another thing" (۱)

"شاعری کو بنیادی طور پر محض شاعری کی حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیے کسی اور شے کی حیثیت سے نہیں"۔

یعنی شاعری کی پرکھ اور جانچ کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسے محض شاعری کے اصولوں کی روشنی میں پڑھا، سمجھا اور پرکھا جائے، کسی دوسرے فن، نظریئے یا حالات و واقعات کی روشنی میں نہ دیکھا جائے۔

یہاں یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نعتیہ شعری سرمایہ بھی بنیادی طور پر "شاعری" کی شکل میں ہونے کے باعث، محض شاعری کے طور پر پرکھا جائے گا۔ گویا نعتیہ شاعری کو جانچنے کے کام کا آغاز اسی نقطے سے ہوگا کہ جو شاعری "نعت" کے نام پر لکھی گئی ہے آیا وہ شعری اقدار کی روشنی میں "شاعری" کہلانے کے قابل بھی ہے کہ نہیں۔ اگر وہ شاعری کے طے شدہ اصولوں پر ہی پوری نہیں اترتی تو اس کا ذکر یا تو ہونا ہی نہیں چاہیے اور اگر اس کا ذکر بہت ہی ضروری ہے تو اس شاعری کے معائب بھی لکھ دینا چاہیے تاکہ پتہ چل سکے کہ نقاد نے فنِ شاعری سے متصادم شاعری کو کچھ تحفظات کے ساتھ پرکھنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

نعت کو پرکھنے کا پہلا اصول جب یہ طے ہوا کہ اسے "شاعری" کے طور پر قبول کرتے ہوئے اس کی تحسین کی جائے یا اس کے برعکس رائے دی جائے، تو اس مرحلے پر شاعری کے موٹے موٹے اصول بھی معلوم ہونے چاہئیں، مثلاً شاعری میں لفظوں کے صحیح استعمال کا اصول، عروضی اوزان و بحور کے اصول، اصنافِ سخن کی ہیئت کے تقیدات کے مسائل، صنائع بدائع کے جائز حد تک استعمالات کا پہلو، اچھی شاعری کے معیارات اور شعری جمالیات کے اصول وغیرہ وغیرہ۔ اس عمل میں تنقید کے چار پہیئے "Four wheels" کام میں لائے جائیں گے، یعنی تقابل (Comparison)، تجزیہ (analysis)،

امتیاز (discrimination) اور تعینِ قدر (evaluation)۔(۲)

اب ہم اختصار کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ مختلف علمی وظائف کی کتنی اور کیسی نگہداری کی جائے:

ا۔لفظوں کا صحیح استعمال:

تلفظ:

باب چہارم میں ہم نے ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کی رائے دی تھی، اس کا اقتباس یہاں بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

''نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر ہشت پہلو الفاظ کے ہیروں سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔نعت کے الفاظ میں : ا۔خلوص، ۲۔گہری معنویت، ۳۔تہ داری، ۴۔عظمت، ۵۔عشق، ۶۔فکر، ۷۔روانی، ۸۔ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع ضروری ہے''۔(۳)

کلیم عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

''بقول انگریزی نقاد، 'کولرج' کہ 'شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے'۔میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کہی ہوئی بات بھی نئی ہوگئی''۔(۴)

لفظ کے استعمال کا سلیقہ کسی بھی شاعری کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔لفظوں کے استعمال میں سب سے اہم مسئلہ ان کے تلفظ کا ہوتا ہے۔شاعری میں اوزان و بحور کی پابندی میں لفظوں کی حرکات کا درست یا نادرست مظاہرہ ہوتا ہے جس کو چھپایا نہیں جاسکتا۔لفظوں میں مستعمل حروف کی حرکات شعری سانچوں میں اپنی اصل ہیئت اور سکون یا حرکت کو واضح کردیتی ہیں۔یہاں سکون کو حرکت یا حرکت کو سکون سے نہیں بدلا جاسکتا۔نثر میں لفظ کے تلفظ کی نشاندہی، اعراب لگائے بغیر ممکن نہیں ہوتی لیکن نظم میں لفظ کا تلفظ شعر کی خواندگی ہی سے طے ہوجاتا ہے۔ادب چوں کہ لفظوں ہی کا بہترین استعمال سکھاتا ہے یا لفظوں کے بہترین استعمال کا متقاضی ہے، اس لیے اشعار میں لفظ کے تلفظ کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے۔ادب میں لفظوں کو عوامی سطح پر بولے جانے والے (غلط العوام) لفظوں کو استعمال کرنے کے بجائے لغت کی سند کے دائرے میں برتا جاتا ہے، یا برتا جانا چاہیے۔مثلاً عوام ''برف'' فتح با، سکون ثانی و سوم کے بجائے فتح را یعنی را پر زبر کے ساتھ بولتے ہیں۔لیکن اس لفظ کے صحیح تلفظ میں را ساکن ہے، اس لیے شعر میں یہ اسی طرح استعمال ہوگا بصورتِ دیگر نقاد کو اس کی نشاندہی کرنی ہوگی۔شاعر بھی ضرورتِ شعری کے تحت اگر غلط استعمال کرتا ہے تو اسے اپنے دفاع کے لیے اس بات کی وضاحت کرنی ہوگی۔علیٰ ہٰذالقیاس سارے الفاظ اسی اصول کے تحت لکھے جائیں گے۔

معنیٰ:

لفظوں کے معانی کا علم بھی شاعر کو ہونا چاہیے۔ نقاد کو اس سے بھی زیادہ معنی فہم ہونا چاہیے۔ لغت میں ہر لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے شعر میں متعین معانی کا پابند تو نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ معانی کے کسی بھی لونی عکس کا پابند نہو۔ زبان کسی شاعر کی انفرادی کوشش سے معانی میں تبدیلی نہیں کرتی ہے۔ یہ الگ بات کہ شاعر نے اپنے آپ کو اتنا منوالیا ہو کہ کہہ سکے:

"سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا (۵)
مستند ہے میرا فرمایا ہوا"

لیکن یہ بات میر یا میر جیسے مرتبے پر پہنچنے والے شاعر ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہر ما، شما، لفظوں کو اپنی مرضی سے نہیں برت سکتا۔ چنانچہ نعت گو شعراء کو بھی لفظوں کے لغوی اور مرادی معانی کے تمام عکس سامنے رکھنے چاہئیں۔ نقاد بھی اسی کسوٹی پر نعتیہ اشعار کو پرکھے گا۔ کیوں کہ نعت میں لفظوں کے معانی قطعیت کے ساتھ طے ہونا ضروری ہیں۔ یہاں ابہام یا ذومعنویت کے عناصر بہت خطرناک نتائج مرتب کر سکتے ہیں۔

عروض:

ہماری کلاسیکی یا روایتی اصناف سخن مثلاً غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، مسدس، مسمط، مخمس، ترجیع بند وغیرہ، صنفی ھیت کے علاوہ عروضی اوزان و بحور کی بھی پابند ہوتی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر شاعر عروض داں ہو۔ لیکن ہر شاعر کا موزوں طبع ہونا بہر حال لازمی ہے۔ ورنہ وہ بے وزن اشعار کہے گا اور خود اپنا مذاق اڑوائے گا۔ نقاد کے لیے اشعار کی موزونیت جاننے کا فطری ہتھیار تو اس کا وجدان ہے، لیکن عروضی حوالے سے اشعار کو پرکھنے کے لیے علم عروض کی شدبد بھی ضروری ہے۔

اصناف سخن کی ھیت:

شاعر اپنے طبعی میلان کے تحت کسی متن کو شاعری کے مختلف ظروف یعنی ھیئتوں میں ڈھالتا ہے۔ اصناف سخن کی شناخت مختلف ھیئتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً غزل، جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں اور ہر شعر اپنی معنیاتی اکائی کا غماز ہوتا ہے۔ قصیدہ، جس کا مطلع غزل کے مانند ہوتا ہے اور ہر شعر بھی غزل سے مشابہ ہوتا ہے کیوں کہ اس میں قافیہ اور ردیف (اگر شعر، مردف ہو تو) کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ قصیدے کی زبان پرشکوہ (بھاری بھرکم الفاظ سے لبریز) ہوتی ہے کیوں کہ اس میں شاعر اپنی علمی لیاقت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کے مانند ہوتا ہے۔ یعنی مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ بھی ہوتا ہے اور اگر ردیف موجود ہے تو بیت کے دوسرے مصرعے میں ردیف کی تکرار بھی لازمی ٹھہرتی ہے۔ رباعی کے اوزان کا ایک الگ جہان ہے۔ اس کے لیے چوبیس بحریں مقرر ہیں اور متن میں فلسفیانہ گہرائی بھی ضروری ہے، جس کی پابندی ہر شاعر نہیں کرتا۔ مسدس کے چھ مصرعوں کی جو ترتیب مقرر ہے وہی ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں شاعر پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی صنف سخن کو استعمال کرتے ہوئے اس کے ھیئتی تقاضے جانے اور

برتے۔نقاد بھی انہی اصولوں کے تحت اس شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھے گا۔

دیگر شعری اصناف مثلاً نظمِ معریٰ، نظمِ آزاد، سہ مصرعی یا ثلاثی، ہائیکو، آزاد غزل، نثری نظم، وغیرہ وغیرہ۔ان میں سے ہر صنف کے کچھ اصول ہیں، خاص ردم RHYTHM اور ہر صنف کی تخلیقی جمالیات ہے، اس لیے پہلے تو شاعر کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں کا خیال رکھے، بعد ازاں نقاد کی ذمہ داری ہے کہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں اور شعری جمالیات کی روشنی میں ایسی شاعری کا جائزہ لے جن میں یہ اصناف برتی گئی ہیں۔نقاد کے لیے ایسی شاعری پہلے شاعری ہوگی۔نقاد اس شاعری کے موضوع (نعت) کو معنوی وسعتوں کے ساتھ تنقیدی عمل سے گزارنے کا کام بعد میں انجام دے گا۔

صنائع بدائع کے استعمالات کا جائزہ:

شاعری میں حسن پیدا کرنے کے لیے خیال کو اچھے سے اچھے اور انتہائی موزوں الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کوشش میں شاعر کبھی لفظوں کی تکرار اور کبھی صوتی ہم آہنگی کے لیے کچھ صنائع بدائع کا استعمال بھی کرتا ہے۔صنائع بدائع کے بالقصد استعمال سے کچھ الفاظ میں حسن تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن اشعار میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے۔تاہم محتاط کاوش، شعری حسن میں اضافے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔اس لیے نقاد کا کام ہے کہ وہ نقدِ شعر میں شاعر کی ایسی کاوشوں کو بھی فن کی کسوٹی پر پرکھے جن میں صنائع بدائع کا استعمال ہو۔تاہم نقاد کا فرض ہے کہ صرف صنائع بدائع کے استعمال کی مصنوعی فضا پیدا کرنے والے شعراء کو یہ بھی بتاتا چلے کہ ان کی مصنوعی حسن پیدا کرنے کی کوشش سے شعریت کا کتنا نقصان ہوا ہے۔جدید عہد خیال کی ترسیل میں ندرت پیدا کرنے کا ہے، صنائع بدائع کے اظہار کا نہیں۔لہٰذا کسی شاعر کے کلام میں غیر ضروری طور پر صنائع بدائع تلاش کر کے وقت ضائع کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔پھر صنائع بدائع کا وقوف نہ رکھنے والے شعراء کے کلام میں غیر ضروری طور پر صنائع بدائع کا حسن تلاش کرنا، کارلا حاصل ہے۔ایسی کاوشوں سے یہ تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ نقاد علمِ بدیع و بیان سے بہرہ مند ہے لیکن تنقید کا فریضہ ادا نہیں ہوتا۔آج کا کوئی شاعر بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی شعری کاوشوں کو کوئی نقاد صرف صنائع بدائع کی کسوٹی پر پرکھے۔

شعری جمالیات:

اچھے اور برے اشعار میں امتیاز کرنے کی غرض سے نقاد کے لیے لازمی ہے کہ شعری جمالیات کا گہرا شعور حاصل کرے۔ورنہ وہ تنقید کے وظائف میں جن چار پہیوں (تقابل، تجزیہ، امتیاز اور تعیین قدر) کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک کا بھی استعمال نہیں کر سکے گا اور اس کی تنقیدی کاوش ناکام قرار دی جائے گی۔

معائبِ سخن سے گریز:

شاعر کے لیے معائبِ سخن سے بچنا بھی ضروری ہے مثلاً اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عیب تنافر کیا ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟ تعقید کسے کہتے ہیں اور اس کی موجودگی سے شعر میں کیسی کراہیت پیدا ہو جاتی ہے؟ شترگربہ کیا ہوتا ہے اور اس عیب سے شاعری میں کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟ ایطا کسے کہتے ہیں اور اس سے بچ کر شعر کہنا کتنا ضروری ہے؟ معائبِ سخن کی فہرست

خاصی لمبی ہے۔اگر ہر عیب کا ذکر کیا جائے اور اس کی تفصیل مثالوں کے ساتھ بیان کی جائے تو یہ مقالہ غیر ضروری طوالت کا شکار ہو جائے گا۔لہٰذا صرف اتنا کہہ کر ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ نعت گو شاعر کو بھی معائبِ سخن سے بچنا چاہیے اور نقاد کو بھی ایسے عیوب شاعری میں دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہنا چاہیے۔کیوں کہ نقاد کی خاموشی اور مبہم تحسین سے مستقبل کے شعراء کے لیے ایسے عیوب کی تکرار کی راہ ہموار ہو جائے گی،جس کا ازالہ ممکن نہیں ہوگا!بالخصوص ایسی صورت میں کہ کسی لفظ کے معنوی پھیلاؤ میں "مدح" اور "قدح" کی دونوں صورتیں جمع ہو رہی ہوں۔ایسے لفظوں کا استعمال تو از روئے قرآن ممنوع ہے۔"راعنا" کے بجائے "انظرنا" کا لفظ استعمال کرنے کے قرآنی حکم سے ہم پہلے ہی آگاہی حاصل کر چکے ہیں۔

شعری معیارات کے حوالے سے بات سمیٹتے ہوئے مجھے ڈاکٹر ریاض مجید کی ایک تحریر یاد آ گئی،جس کا اقتباس یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے:

"نعت محض ایک موضوع نہیں ایک فنی کل (whole) ہے۔ایک ایسی تخلیقی اور نامیاتی وحدت،جس میں خیال،لفظ،اسلوب،ہیئت،آہنگ اور دوسرے اسلوبیاتی وسائل اور شعری محاسن،ایک موثر فنی اکائی کی طرح تخلیق یاب ہوتے ہیں۔نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرکزی و محوری موضوع آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت کا اظہار اور آپ کی شخصیتِ ستودہ صفات کا تذکار ہے۔اس موضوع سے ہزاروں مضامین نے جنم لیا"۔(۶)

۴ شرعی معیارات کی پرکھ کے اصول:

نعت کے مافیہ (content) یا متن (text) کی اہمیت ہر قسم کی شاعری کے مافیہ سے زیادہ ہے۔نعت کے نفسِ مضمون کے فکری رشتے قرآن و حدیث سے بڑے گہرے ہیں۔اس لیے قرآن و حدیث کے مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالتے کے ہنگام استنادی شان کو برقرار رکھنا اور متن کا شعری حسن بھی برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔تاریخ اسلام کے مستند حوالوں کو شعری پیکر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔اس موقع پر اپنے جذبات،اپنی خواہشات اور اپنے مذہبی تعصبات کو قابو میں رکھتے ہوئے راہِ مستقیم پر چلنا اور وادیِ نعت سے سرخرو گزر جانا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سچائی کا عنصر ہر سطح پر برقرار رہ سکے۔

شرعی معیارات،نعتیہ شعری سرمائے کو پرکھنے کے لیے سراجِ منیر کا حکم رکھتے ہیں۔ان کا شعور قرآن و حدیث،آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین،عہدِ نبوی کے شعراء کے کلام اور تاریخ کے بلاتعصب مطالعے سے پیدا ہو سکتا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا یجمع اللہ ھٰذہِ الامۃ علیٰ الضلالۃ ابدا" (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا)"۔(۷)

اس حدیث کی روشنی میں امت کے سوادِ اعظم اہلِ سنت والجماعت کی مستند روایات اور صحاح ستہ اور احادیث و سیَر کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے اور نقاد کے لیے بھی تا کہ دینی شعور کی روشنی میں شعری اقدار پرکھی

جاسکیں کھرے خیال کو کھوٹے خیال سے ممیّز کیا جاسکے۔اہلِ سنت والجماعت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کا اندازِ فکر خاصی حد تک (بلکہ ضروری حد تک) معروضی ہوتا ہے۔وہ نہ تو کسی ولی اللہ کو برا جانتے ہیں اور نہ ہی کسی صحابیِ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔انہیں تمام ازواجِ مطہرات سے بھی محبت ہے اور وہ اپنے تعصب کی بنا پر اولادِ رسول ﷺ کی تعداد کو قصداً گھٹانے کی جسارت بھی نہیں کرتے۔الحمد للہ! یہی طبقہ نعتیہ شاعری سے زیادہ شغف بھی رکھتا ہے۔

شاعری میں جذبہ اور احساس ہی شعر کا جزو بن کر اس کا حسن بڑھاتا ہے۔نعتیہ شاعری میں جذبے اور احساس کے ارتعاشات کو شعری پردے پر ابھارنے کا عمل انتہائی سچائی اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔
جدید عہد نے نعتیہ مضامین کو بڑی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ان موضوعات میں کیا کیا شامل ہے؟ اس طرح کی کوئی فہرست بنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن ہم اس مسئلے کو چند احساساتی اور فکری ابعاد (dimensions) کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔مثلاً

۱۔حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے جمالِ صوری کے حوالے سے بھی شعر کہے جاسکتے ہیں
۲۔حضورِ اکرم کے اسمائے مبارکہ کی معنوی تنویر سے بھی اشعار میں جگمگاہٹ پیدا کی جاسکتی ہے
۳۔حضورِ اکرم ﷺ کے جمالِ معنوی یعنی سیرت و اسوۂ مقدسہ کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے
۴۔شاعر،حضورِ اکرم ﷺ کی الفت اور آپ کی اتباع کی آرزو کا اظہار بھی کرسکتا ہے
۵۔حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کا ذکر بھی جزوِ نعت بن سکتا ہے
۶۔حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی کسی ادا کا ذکر بھی نعت کی زینت بن سکتا ہے
۷۔حضورِ اکرم ﷺ کا تعلق مع اللہ بھی نعت سے مترشح ہوسکتا ہے۔(ایسے تعلق کو صوفیا کرام نبی ﷺ کی جہتِ ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر نبی ﷺ کی ولایت کو ان کی جہتِ نبوت سے افضل جانتے ہیں۔۔۔لیکن یہ بڑا نازک معاملہ ہے)۔
۸۔نبی ﷺ کا تعلق مع الخلق بھی نعت کا موضوع ہے۔دراصل یہی نبوت کی غرض و غایت ہے۔نبی ہی تو خلق کو خالق سے متعارف کرواتا ہے اور خالق کے احکامات سے آگاہ کرتا ہے
۹۔نبی ﷺ کی ذات کی عظمت کے حوالے سے بھی نعت میں روشنی پیدا کی جاسکتی ہے
۱۰۔نبی ﷺ کے معجزات کے ذکر سے بھی نعت لکھی جاسکتی ہے
۱۱۔نبی اکرم ﷺ کا اپنے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تعلق کا اظہار بھی نعت ہے
۱۲۔نبی ﷺ کا اپنے اہل بیت یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق کا ذکر بھی مدحِ رسول ﷺ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔
۱۳۔نبی ﷺ کا اپنی آل کے ساتھ تعلق بھی نعت کا موضوع ہے

۱۴۔ نبی ﷺ کے اقوال یعنی حدیثِ پاک کے حوالوں سے بھی نعت مزین ہوسکتی ہے

۱۵۔ نبی ﷺ کے اعمال کے ملفوظی اظہار کو بھی نعت کہا جاتا ہے

۱۶۔ نبی ﷺ کے ایسے معاملات بھی نعت کا جزو بن سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی، تب بھی آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کے ایسے رویئے یعنی ''سکوت'' کو اصطلاحاً ''تقریر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے

۱۷۔ حضورِ اکرم ﷺ کے غزوات کا ذکر بھی نعت ہے

۱۸۔ حضورِ اکرم کے خطبات کے منظوم اظہار کو بھی نعت کہتے ہیں

۱۹۔ حضورِ اکرم ﷺ کی بزم آرائی کے ذکر کو بھی نعت کہتے ہیں

۲۰۔ شاعر کی طرف سے اپنے غم کا استغاثے کی شکل میں اظہار بھی نعت ہے

۲۱۔ امت کی طرف سے استغاثہ پیش کرنے کا عمل بھی نعت ہے

۲۲۔ شفاعت طلبی کی التماس بھی نعت ہے

۲۳۔ خواب میں حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کی آرزو کا شعری اظہار بھی نعت ہے

۲۴۔ حضورِ اکرم سے نسبت رکھنے والے اشخاص، اصحاب، ازواج اور اشیاء کا ذکر بھی نعت ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال یا تاریخی حوالوں سے بات بالکل سچی ہو اور بیان میں اعتدال رہے

۲۵۔ ہر اس خطے کا ذکر بھی نعت بننے کا متحمل ہوسکتا ہے، جس میں حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیوی میں قدم رنجا فرمایا

۲۶۔ مدینہ منورہ کا ذکر، اس تک رسائی کی آرزو اور اس شہر کی فضیلتوں کا بیان، سب نعت ہے

۲۷۔ گنبدِ خضریٰ کا تذکرہ بھی نعت ہے اور مسجدِ نبوی کا حوالہ بھی نعت ہے

۲۸۔ شاعر اپنے احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہوئے حبِ رسول ﷺ کا اظہار کرے تو وہ بھی نعت ہی ہے

غرضیکہ اس موضوع کے ہزار ہا زاویے ہیں۔ شاعر کے احساسات، اس کے قلبی احوال، ہجرِ نبوی کا اظہار، مدینہ طیبہ سے دوری کے احساس کا شعری مرقع، مدینہ پہنچ جانے پر اپنے نصیب پر رشک اور حیرت و استعجاب میں ڈوب جانے کی کیفیت کا اظہار وغیرہ، سب ہی کچھ تو نعت کا موضوع بن جاتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ بیان میں اعتدال ہو، اظہار میں سچائی ہو، تلمیحات کا پس منظر بالکل درست اور مستند ہو۔ یعنی تلمیحات میں اشارتی بیان کی وضاحت قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ کرام اور تاریخ کے واقعات میں موجود ہو۔ اس طرح بیان کی سچائی کے شرعی تقاضے پورے کیے جائیں۔ اس سلسلے میں شاعر کے لیے موضوع اور من گھڑت روایات اور احادیث کی آگہی ضروری ہے تاکہ وہ کسی غلط بات کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ نہ بن سکے۔ نقاد کے لیے یہ سب جاننا بہت ضروری ہے۔

شاعروں کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اگر وہ براہِ راست حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطبہ کریں تو اس میں قرآنِ کریم کی ہدایات کو پیشِ نظر رکھیں۔ قرآن کریم میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے کے ساتھ، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو O (۸)

امتناعی نکات:

نعت کے اشعار کی شعری ہئیت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زاویوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً

ا۔ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے منافی کوئی خیال شعر میں نہیں باندھنا چاہیے۔ اس نکتے کی تفہیم کے لیے ایک صوفی صافی دل شاعر رزی جے پوری کا ایک شعر نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں:

محمدؐ کو خدا کہنا، خدا کو مصطفا کہنا (۹)
یہ ہے ترکِ مدارج، شرک ہے، الزام و تہمت ہے

☆ حضورِ اکرم ﷺ، اللہ رب العزت کے بندے ضرور ہیں لیکن اللہ کی تمام مخلوقات میں صرف آپ ﷺ کی ذات افضل ہے۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسی صورت میں کسی اور کو آپ ﷺ کا ہم مرتبہ یا ہم رتبہ ظاہر کرنا۔ کسی خاص صفت میں نبی ﷺ کا شریک قرار دینا۔ صریحاً شرک فی النبوت ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات ہی صرف وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ صرف حضورِ اکرم ہی کی ذات ''معصوم عن الخطاء'' ہے۔ حضورِ اکرم کے قرابت دار، اصحاب اور ازواج سب ''محفوظ عن الخطاء'' ہیں۔ یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے۔

☆ محض عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے خیال سے کسی فلمی گانے کی طرز پر نہ تو شعر کہے جائیں اور نہ ہی اس گانے کی دھن اپنائی جائے۔

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مطالبہ نہ کیا جائے کہ'' آپ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لا کر ہماری حالتِ زار ملاحظہ فرمائیں''۔ کیوں کہ اسلام میں آپ ﷺ کی بعثتِ ثانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ استغاثہ، بحدِ اعتدال پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ انبیائے سابقین کی ذات سے حضورِ اکرم کی ذاتِ اقدس کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہیں ان انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو نہ نکلے۔ اس ضمن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

☆ کسی صحابی یا آپ کے کسی رشتہ دار امتی کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کی کامیابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کی کوشش ظاہر ہو۔ یا یہ ظاہر ہو کہ اگر وہ صحابی نہیں ہوتے تو دین پھیلتا ہی نہیں۔ تمام اصحاب النبی ﷺ،

ازواج النبی ﷺ اور بنی ﷺ کے ہاشمی قرابت دار، امت کے لیے محترم ضرور ہیں لیکن حضور ﷺ کے صرف خادم اور امتی ہیں۔

☆ معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے فلک الافلاک کی سیر کرائی تھی۔ اسی بات کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ معراج کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں اور تفاسیر میں معراج کی روایت صحیح احادیث کی روشنی میں بھی ملتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ "اللہ نے حضورِ اکرم ﷺ کو دیدار کے لیے طلب فرمایا تھا" بڑی بھاری غلطی اور ظلم ہے کیوں کہ اللہ کی شان "البصیر" کا استخفاف ہوتا ہے۔

☆ معجزات کے بیان میں بھی صرف حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کا خیال پیش کیا جائے، کسی صحابی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کسی معجزے کا تصور پیش کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

☆ نعتیہ اشعار میں اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور نبی علیہ السلام کے قرابت داروں کا ذکر مناقب کے اشعار کی صورت میں آتو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ ان اشعار سے حضور ﷺ ہی کی عظمت ظاہر ہو۔ ان حضرات میں سے کسی کا بھی حسنِ سیرت و کردار، کرامت، اور حسنِ معنوی، صرف اور صرف حضورِ اکرم ﷺ کی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کے علاہ کچھ نہیں۔

۱۴ - تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول:

☆ تاریخی واقعات کو بھی اپنے تعصب کی نذر نہیں کیا جانا چاہیے۔ حقائق کسی کے توڑنے مروڑنے سے چھپتے نہیں ہیں، البتہ ان کوششوں سے تفرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تاریخ میں کذب و دروغ کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے شاعر کو چاہیے کہ قرآن وسنت اور احادیث کی مستند روایات، آثار اصحاب النبی ﷺ کے مستند احوال کے سامنے کسی ایسی روایت کو شاعری کا حصہ نہ بنائے جس میں غیر محسوس طور پر "کذب" کی آمیزش ہو۔ اس بات کی تفہیم کے لیے ایک مثال پیش کرنی ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے اور بہت لوگوں نے بغیر تحقیق یہ بات باور کرلی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلندی پر نصب بت کو توڑنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ درایت کی رو سے بھی غلط ہے اور روایت بھی اس کی بالکل غلط ہے۔ علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے بروایت سنن ابی داؤد لکھا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور تھے لیکن علی بن ابی طالب نہیں بلکہ نواسہ، رسول ﷺ، حضرت بی۔ بی۔ زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے:

"فحمل علی بن ابی العاص علیٰ عاتقه یعنی آپ ﷺ نے علی بن ابی العاص کو اپنے کاندھے پر اٹھایا"۔ (۱۰)

رحمۃ اللعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے:

"فتح مکہ کے دن بھی علی سبطِ رسول، نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے" (۱۱)

یہ تو صرف ایک مثال ہے تاریخ میں بے احتیاطیوں اور قصداً داخل کی جانے والی روایتوں کی وجہ سے آج امت میں انتشار ہے۔اس لیے شاعر کو ہر بات تحقیق کر کے اپنے شعر میں تلمیح کے طور پر اختیار کرنی چاہیے۔شاعر کے ذہن میں تاریخ اور حدیث کے متون کا فرق بھی رہنا چاہیے۔جہاں تاریخ کا اندراج حدیث سے متصادم ہو، وہاں حدیث کو ترجیح دینا ضروری ہے۔اس لیے کہ حدیث کے متون کی چھان پھٹک تاریخ کے متون سے کہیں بہتر طور پر ہوئی ہے اور حدیث کی پرکھ کا کام کسی ایک فرد نے نہیں صلحاء کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیا ہے۔جبکہ تاریخ کسی ایک فرد کی کوشش سے لکھی جاتی ہے۔اس کی استنادی شان حدیث کے مقابلے میں بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے ایک علاحدہ علم ''اسماء الرجال'' موجود ہے۔اس کے برعکس مورخ کی سیرت پر کوئی محاکمہ نہیں کیا جاتا ہے۔اس کے بیان کو بغیر تقابلی جائزے کے صحیح سمجھنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

شعری، شرعی، تاریخی اعتبار سے کمزور اور غیر ممکن الوقوع خیالی باتوں کی شعری مثالیں:

شعراء اور نقادانِ فن کی توجہ مبذول کروانے کی غرض سے چند ایک ایسی مثالیں پیش کر دینا ضروری ہے جن کی شعری بنت، قرآن، حدیث یا تاریخی سند سے متصادم ہے:

قرآن کے صریح بیان سے متصادم شاعری کی مثال:

ا۔ واقعہء معراج:

اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ جس واقعے کو خیالی شاعری کے ذریعے روحِ قرآن کے خلاف شعری بنت میں لایا گیا ہے، وہ واقعہء معراج ہے۔اس کی بے شمار مثالیں نعتیہ ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے صاف بیان فرمایا ہے:

> ''(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں''۔(۱۲)

اس کے علاوہ سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔نہ درماندگی ہوئی چشمِ (مصطفےٰ ﷺ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔(۱۳)

ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تفسیرِ مظہری کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماوا وغیرہا۔۔۔۔۔ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان

آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں"۔(۱۴)

آیاتِ قرآنی کے ترجمے اور کچھ تفسیری حاشیئے سے سفرِ معراج کی غرض وغایت واضح ہو جاتی ہے۔لیکن ہمارے شعراء اس سفر سے عجیب وغریب باتیں منسوب کر کے اپنے اشعار کو چٹخارے دار بنانے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔مثلاً:

"کچھ اس انداز سے بختِ شبِ معراج چمکا ہے (۱۵) (۱۵)
اجالا تو اجالا ہے، اندھیرا بھی اندھیرا ہے
جو پردہ مدتوں سے درمیاں تھا آج الٹا ہے
محمدؐ عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے
تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے"

درج بالا بند میں پہلے تین مصرے ہلال جعفری کے ہیں۔ان مصرعوں میں بیان کی صفائی بھی ہے اور اعتدال بھی لیکن قمر جلالوی کے جس شعر پر یہ تین مصرے لگائے گئے ہیں وہ معراجیہ ادب میں انتہائی رکیک شعر ہے۔حیرت ہے کہ قمر جلالوی نے جو غلطی کی تھی اس کو تضمین نگار نے خوبی جانا اور اس مبتذل شعر کی تضمین کر دی!

قمر جلالوی کا یہ شعر غزل کا محاکاتی بیان لیے ہوئے ہے اور رومانوی انداز کی شاعری کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔اس شعر میں نہ تو معراجِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غرض وغایت کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ ہی واقعاتی صداقت کا پہلو سامنے رکھا گیا ہے۔یہاں تو ہر عیب سے پاک خالق کو اپنے مقدس اور پاکیزہ بندے اور رسول ﷺ سے ملتے ہوئے ایسے دکھایا گیا ہے کہ اس کی تشریح کرنے میں دینی حمیت اور غیرتِ ایمانی مانع ہے۔پھر اپنے رب سے ایسی بات بھی منسوب کر دی گئی ہے جو ہر قرینے سے "کذب" کے زمرے میں آتی ہے۔قمر جلالوی کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ یہ قول، اللہ تعالیٰ کا قول بن کر سامنے آیا ہے۔۔۔۔ ع "تمہارا گھر ہے۔۔۔الخ"۔

یہ تو ایک مثال ہے۔معراج کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں بے شمار اشعار ایسے مل جائیں گے جن میں اللہ رب العزت کو حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کا تمنائی ظاہر کیا گیا ہے۔گویا [معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ زمین پر چلتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس ضمن میں بڑے بڑے جغادریوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔علامہ قابل گلاؤٹھوی کا ایک شعر ہے جس کی تضمین ہلال جعفری نے کی:

"عرش پر نور کی قندیل سے چلتا ہے پتہ
عبد و معبود کی تشکیل سے چلتا ہے پتہ
آمدِ حضرتِ جبریل سے چلتا ہے پتہ
شبِ معراج کی تفصیل سے چلتا ہے پتہ

اپنے ہی حسن کے خود طالب دیدار ہیں آپ" (۱۶)

اس تضمین کے دوسرے مصرعے میں "تشکیل" کا لفظ "عبد و معبود" کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ تشکیل کے معنی ہیں شکل بنانا، صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا، بنانا، مرتب کرنا، شکل دینا۔ (اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ)۔ معراج کے حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کی ملاقات کو تشکیل کا نام دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ خیر یہ تو لسانی مسئلہ ہے۔ قابل گلاؤٹھوی نے "اپنے ہی حسن کے خود طالب دیدار ہیں آپ" کہہ کر معراج کے واقعے کو عجیب رنگ دیدیا۔ اب ذرا غور فرمائیے:

☆ "آپ" کی ضمیر اگر حضور اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے، تب تو یہ مطلب ہوگا کہ حضور ﷺ کا حسن ہی اللہ تعالیٰ کا حسن بھی ہے اور آپ ﷺ اپنے ہی حسن کی طلب میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس طرح سوچنے سے دو نکتے زیر غور آئیں گے:

☆ حضور ﷺ کا حسن اصل ہے اور [نعوذ باللہ من ذالک] اللہ تعالیٰ کا حسن فروع۔

☆ معراج پر جناب رسالت مآب ﷺ اپنی مرضی سے تشریف لے گئے تھے۔

اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی بات اس لیے کہ اللہ کا وجود "واجب" ہونے کے بجائے "ممکن" ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اور دوسری بات واقعات معراج کے صریح خلاف ہے۔ پتہ نہیں شاعر کو "شب معراج کی تفصیل سے" کیا پتہ چلا تھا؟

قمر یعنی جیسے بالغ نظر شاعر نے جب معراج کی تلمیح کو متن شعر بنایا تو عجیب بات کہہ گیا:

"موسیٰ اللہ کے جلووں کے تمنائی تھے
اُنؐ کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے" (۱۷)

اس شعر میں اللہ کو نعوذ باللہ دیدار محبوب، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محروم جان کر یہ خیال نظم کر دیا گیا ہے کہ "اللہ بھی ان کے دیدار کا تمنائی ہے"۔ اس طرح اللہ کی دو صفات کی نفی ہو گئی۔ "البصیر" اور "الصمد"۔ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ تمنا کرنا محتاجوں کا کام ہے، اللہ کا نہیں۔

قرآن کریم کے واضح اعلان سے انحراف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

"اَنَا بَشَرٌ زمانہ تم کو سمجھے، ہم نہ سمجھیں گے (۱۸)
بنائے کن فکاں تم، وجہ تخلیق جہاں تم ہو"

اس شعر کا متن، سورۂ حٰمٓ السجدہ، کی درج ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ..." (اے نبیؐ ان سے کہیے کہ بس میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا بتایا جاتا ہے بذریعہ وحی مجھے کہ بس تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو ایک ہی ہے)۔ (۱۹)

محولہ بالا شعر میں حضور اکرم ﷺ کی بشریت سے انکار کے لیے شاعر نے قرآن کے الفاظ دہرانے کے بعد اپنا

موقف بیان کیا ہے۔اللہ مرحوم شاعر کی غلطی معاف فرمائے (آمین)!

حدیثِ قدسی سے انحراف کی مثال:

حدیثِ قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے جو قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاوت قرآنِ پاک کی طرح کی جاتی ہے۔لیکن اس حدیث کا ''متن'' اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔یعنی:

''حدیثِ قدسی وہ کلام ہے جس کے الفاظ تو رسولِ اکرم ﷺ کے ہوں اور اس کے معانی الہام یا خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلائے ہوئے ہوں''۔(۲۰)

اس وضاحت کے بعد یہاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی جاتی ہے:

''کُنتُ کَنزًا مَخفِیًّا فَاَحبَبتُ عَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقتُ الْخَلْق'' (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو خلق کو پیدا کیا میں نے)''۔(۲۱)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے ''چھپا ہوا خزانہ'' کے الفاظ آئے ہیں۔اس حدیث کا علم ہمارے شعراء کو بھی ہے۔لیکن بعض شعراء، حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کو درجہ الوہیت پر فائز دیکھنے اور دکھانے کی آرزو رکھتے ہیں۔اسی لیے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے ان کی تمنا بھی پوری ہو جائے اور نبی علیہ السلام کو، براہِ راست ''الٰہ'' کہنے کی تہمت سے بھی بچ سکیں۔ایسی ہی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

''آپؐ سے ظاہر ہوا ہے حسنِ ربِ ذوالجلال (۲۲)
کنت کنزاً کا خزانہ آپؐ ہیں بس آپؐ ہیں''

اس شعر میں شاعر نے ''کنت کنزاً کا خزانہ'' کہہ کر ''اللہ رب العزت'' کے بجائے نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کو مخاطب کیا ہے۔نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین باندھنا کوئی مستحسن عمل نہیں ہو سکتا۔اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حدیثوں کی صحیح روایت کے بجائے خیالی مضمون باندھنے کی مثال:

بخاری، مسلم، بیہقی، ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے آپ ﷺ کے ''دونوں شانوں کے درمیان بلند گوشت تھا''، یہ مہرِ نبوت تھی۔(۲۳)

ان روایتوں کے برعکس شاعر نے مہرِ نبوت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

سرکارؐ کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی (۲۴)
سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی

ظاہر ہے یہ تخیلاتی شعر ہے اور حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے۔

خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی مثال:

ایسے اشعار پیش کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عندلیب شادانی کا عام شاعری پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔وہ لکھتے ہیں:

"معاد کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی تعیین کسی نے نہیں کی...... ہمارے شعراء خصوصاً چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلاد محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جور و ستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔ پھر قیامت قائم کی۔ حشر و نشر کے سامان ہوئے۔ خدائی دربار سجایا اور داورِ محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔ چوں کہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی 'امت' کے افراد ہیں۔ اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں"۔ (۲۵)

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے غزل کے ایسے اشعار پر طنز کیا ہے، جو حشر میں عاشق کی فریاد پیش ہونے پر محبوب کے تجل ہونے کے تخیلاتی مضامین کے حامل تھے۔ ایسے مضامین باندھنا روایتی غزل گوؤں کا بھی شعار رہا ہے اور جدید دور میں بھی کہیں کہیں یہ مضامین نظر آجاتے ہیں۔ اس کے باوجود غزل میں تخیلاتی شاعری کرنا، واقعاتی حوالے سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، بہت زیادہ معیوب نہیں ہوتا۔ لیکن نعت ایک مقدس صنفِ سخن ہے۔ یہاں بیان کی صداقت لازمی ہے۔ چاہے وہ لمحاتی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ شعر گوئی کے وقت جو کیفیت شاعر پر غلبہء عشقِ رسول ﷺ کی طاری ہو جائے وہ بھی لمحاتی صداقت کے ذیل میں آتی ہے۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کے اظہار کو بھی صداقت ہی کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ تاہم اس لمحاتی کیفیت کو اسی دنیاوی زندگی کا عکاس ہونا چاہیے۔ حشر و نشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔ ایسی باتوں پر عاقبت میں گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ درج ذیل اشعار پر ذرا غور فرمائیے:

"دفن کر کے جب مرے احباب آقا ﷺ چل دیے
آکے جلووں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آکر پلایا شکریہ
عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار
ڈھک کے پردہ اپنے دامن میں چھپایا شکریہ
سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لے کر چل دیے
میں ترے صدقے مجھے آکر چھڑایا شکریہ
شکریہ کیوں کر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ ﷺ
کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ (۲۶)

درج بالا اشعار خالصتاً تصوراتی واقعات پر مبنی ہیں۔ شاعر کا اس دنیا سے رخصت ہو کر لحد میں چلے جانا اور وہاں حضورﷺ کا جلوہ افروز ہونا۔ شاعر کا یوم حشر حضور اکرمﷺ کے دستِ مبارک سے کوثر کا پیالہ پینا۔ شاعر کے عیبوں کی ستر پوشی کرنا۔ شاعر کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہو جانا اور حضور اکرمﷺ کا شاعر کو فرشتوں کے چنگل سے چھڑانا۔ حضور اکرمﷺ کا شاعر کو اس سخت گھڑی میں سہارا دینا اور جنت میں لے جا کر اپنے پڑوس میں جگہ عطا کرنا۔۔۔ کیا یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟۔۔۔ جواب نفی میں ہی ہوگا!۔۔۔ پھر ان احوال کو اس طرح بیان کیوں کیا گیا کہ شاعر پر گزرے ہوئے واقعات معلوم ہوں؟۔۔۔ اس کی وجہ شاعر کی نفسی کیفیت ہے اور کچھ نہیں۔ ہوسکتا ہے شاعر نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ شاعر نے اپنے احوال کا تصوراتی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو!۔۔۔ بہر کیف، کچھ بھی ہو، بیان میں صداقت کا عنصر قطعی نہیں ہے۔ شاعر ابھی اسی دنیائے آب وگل میں ہے تب ہی تو شاعری کر رہا ہے۔۔۔ اور اس دنیا میں یہ تمام احوال پیش آنا ممکن نہیں۔

ان تمام اشعار میں کوئی قرینہ نہ تو خواب کا ہے اور نہ ہی شاعر کی تمنا کا اظہار ہوا ہے۔ اگر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا تو صیغہء مستقبل میں بات کرتا اور درخواست کرتا ہوا نظر آتا کہ آقاﷺ! مجھے آپ کی ذاتِ والا صفات سے ایسی ایسی عنایات کی توقع ہے! اے کاش ایسا ہو جائے!

تمام اشعار میں شاعر حضورﷺ سے براہِ راست مخاطب ہے اور عنایاتِ خسروانہ پر آپﷺ کا ''شکریہ'' ادا کر رہا ہے۔ شکریہ نعمتیں حاصل ہو جانے کے بعد ادا کیا جاتا ہے۔۔۔ اور یہاں یہ تمام نعمتیں ابھی شاعر کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہیں۔۔۔ ایسی صورت میں شاعر نے غیر ارادی طور پر حضور اکرمﷺ کا شکریہ ادا کر کے اپنے لہجے کو [نعوذ باللہ] طنزیہ بنالیا۔ کیوں کہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں، اکثر و بیشتر اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر طنزاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے۔ ہم تو صرف ظاہر پر حکم لگا سکتے ہیں۔ حدیث شریف ہے **''نحن نحکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر''** (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمے دار ہے، یعنی باطن سے اللہ واقف ہے)۔

اس موقع پر ایک بات اور صاف کرتا چلوں۔ بعض لوگ صوفیانہ شطحیات کے اظہار میں بے باک ہوتے ہیں۔ شطحیات کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے سرِ دلبراں دیکھی تو وہاں لکھا ہے:

> ''شطحیات: جمع ہے شطح کی۔ یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی وشوق وغلبہء حال میں بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سِرّ کی جانب ان میں اشارہ ہوتا ہے۔ گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔ اس قسم کے کلمات کے متعلق مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روش یہ ہے کہ انھیں نہ رد کرتے ہیں نہ قبول، تاوقتیکہ سمجھ نہ لیں''۔(۲۷)

شاہ سید محمد ذوقیؒ کی درجِ بالا عبارت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم شاعر کے اشعار کو نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی رد کرنے کی جسارت کرتے۔۔۔ لیکن یہ معاملہ کائنات کی سب سے بڑی اور بعد از خدا بزرگ ہستی جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

کے حوالے سے نہ صرف بیان ہوا تھا بلکہ مشتہر بھی ہوا (کسی کتاب کی طباعت کا مرحلہ بقائم ہوش و حواس، ہی پیش آتا ہے) اس لیے ہم پر لازم ہو گیا کہ اس کی طرف کچھ تنقیدی اشارے کر دیں تا کہ کتاب پڑھنے والوں اور عوامی سطح پر ان اشعار کو دہرانے والوں پر حقیقتِ حال کھل جائے۔ شعراء بھی اپنی شاعری میں ایسی باتوں کے اظہار سے گریز کریں اور نقادانِ فن بھی ایسے معاملات میں چوکنے رہیں۔

ایک شاعر نے حضورِ اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے غم کی کیفیت کا خیالی بیان شعروں میں ڈھالا ہے اور ان کو دلاسہ دینے کے لیے حضور ﷺ کی صداؤں کا بار بار آنا ذکر کیا ہے۔ ان صداؤں کا سنا جانا ممکن تو تھا لیکن یہ کسی مستند حدیث میں مذکور نہیں۔ ثانیاً ان صداؤں میں جو تمنائیں اظہار پذیر ہوئی ہیں وہ مزاجِ نبوت سے متصادم ہیں۔ عجیب بات کہ شاعر نے تخیلات کی دنیا سجاتے ہوئے اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ وہ لکھتا ہے:

"کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں زہرا جو زارزار (۲۸)
آتی تھیں مصطفیٰؐ کی صدائیں یہ باربار
بیٹی! مرے کلیجے کے ٹکڑے، ترے نثار
نورِ نگاہ میرے نواسوں سے ہوشیار
مہلت ملے تو دونوں کی شادی رچائیو
دولھا دلھن کو میری لحد پر بھی لائیو

افسوس! حضورِ اکرم ﷺ کے امتی شاعر، مزاجِ رسالت سے آگاہ نہیں ہو سکے! انہیں نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ناممکن الوقوع باتوں کا صدور نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کا یہ مقام بھی قطعی نہیں ہے کہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی خواہشات کا اظہار فرمائیں اور وہ بھی کب، جب اس دنیا سے پردہ فرما جائیں! بھلا ننھے معصوم بچوں کی شادی کا خیال قرینِ قیاس ہو سکتا ہے؟ لاریب ہٰذا بہتان العظیم!

اصل حقیقت کیا تھی؟ ۔۔۔ حضورِ اکرم ﷺ نے پردہ فرمانے سے چند یوم قبل حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دیدی تھی کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ سے ملیں گی! الخصائص الکبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی نے حدیث بیان کی ہے:

"طبرانی وبیہقی رحمہا اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض میں بلایا اور ان سے راز کی کچھ دیر باتیں فرمائیں اور وہ رونے لگیں اس کے بعد ان سے کچھ دیر اور راز میں باتیں فرمائیں اور وہ ہنسنے لگیں پھر میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پہلی مرتبہ تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے اور مجھے خبر دی کہ کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس کے

بعد نبی آیا اور اس نے نصف عمر اس کے ساتھ گزاری اور نصف عمر اس کے بعد گزاری اور فرمایا: اے بیٹی! مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت مصیبت میں تم سے اعظم نہیں ہے تو تم صبر میں ادنیٰ عورت نہ ہونا۔ اور دوسری مرتبہ جو مجھ سے راز میں گفتگو کی تو اس میں مجھے خبر دی کہ میں آپ کی اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی اور فرمایا تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو بجز اس کے جو مریم بنتِ عمران رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتی ہو، اس بنا پر میں ہنس پڑی"۔ (۲۹)

اس مستند روایت کی موجودگی میں نہ تو یہ ممکن ہے کہ حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ایسے بین کیا ہو جیسے شاعر نے لکھا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی پیاری بیٹی کو اس کے بچوں کی شادی کرنے اور ان کی دلہنوں کو اپنی لحدِ مبارک پر لانے کی تلقین فرمائیں۔ بچوں کی شادی کا شوشہ تو خود شاعر نے اپنی ذہنی اختراع سے چھوڑا ہے۔ ورنہ حضور ﷺ نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اولاد کے سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا چھوڑ دیں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاطمہ کا وصال ۱۱ ہجری میں ہو گیا۔ پھر ایسی خواہشات [بچوں کی شادی] کا اظہار زبانِ نبوت سے کروانا کس قدر قبیح اور لائقِ گرفت فعل ہے اس کا اندازہ راسخون فی العلم ہی کو ہو سکتا ہے۔

۳۔ مسئلۂ امتناعِ نظیر:

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے "ملأ اعلیٰ پر حضور ﷺ کا اسم مبارک"۔ اس عنوان کے تحت ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ ہم وہ حدیث من وعن یہاں پیش کرتے ہیں:

"حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ نے "صغیر" میں اور ابو نعیم اور ابنِ عساکر رحمہم اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے التجا کی "اے رب! بہ حق محمد ﷺ مجھے بخش دے"۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟" عرض کیا: "جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرشِ اعلیٰ کے ستونوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام نامی تیرے اسم گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ و محترم ہو گا"۔

ربِ عظیم نے فرمایا: "اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو"۔ حدیثِ قدسی ہے۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے "لولاک لما خلقت الافلاک"۔ اس حدیثِ قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ ہے وجود با جود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا"۔ (۳۰)

گو بعض علماء نے اس حدیثِ قدسی پر کلام بھی کیا ہے تاہم نفسِ مضمون پر بیشتر کا اتفاق ہے۔ راقم الحروف نے عربی، فارسی اور اردو کے بیشتر شعراء کے ایسے اشعار دیکھے ہیں جن میں حضورِ اکرم ﷺ ہی کو حصر کے ساتھ "وجہِ وجودِ

کائنات'' لکھا ہے۔ یہاں موقع نہیں ہے ورنہ ایسے سیکڑوں اشعار نقل کیے جا سکتے ہیں۔ شعراء، ادباء، مغازی نویسوں، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں کے اجماعی مسئلے کو اردو کے ایک شاعر، بیدؔم وارثی نے صوفیانہ شطح کے تحت ایک شعر لکھ کر متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی۔ قوال حضرات نے اس شعر کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میں نے وہ شعر بیدؔم وارثی کے دیوان میں نہیں پایا۔ ہوسکتا ہے کسی اور نے ان سے منسوب کر دیا ہو۔ بہر حال وہ شعر منسوب بیدؔم وارثی ہی سے ہے۔ رشید وارثی نے وہ شعر اپنے مضامین میں نقل کیا ہے۔ شعر ہے:

بیدؔم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات (۳۱)
خیر النساءؓ، حسینؓ و حسنؓ، مجتبیٰؓ علیؓ

اس شعر میں حدیثِ قدسی کے برعکس حضور اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو ''مقصودِ کائنات'' قرار دیا گیا ہے۔ جو میرے خیال میں ''شرک فی النبوت'' کی مثال ہے۔ رشید وارثی نے اپنی کتاب ''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' کے صفحات ۳۴ سے ۳۹ تک اس مسئلے پر اپنا موقف بیان کیا ہے اور اس شعر کی تائید میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن اپنی تحریر میں نہ تو مذکورہ بالا مفہوم کی کوئی حدیث ہی پیش کر سکے اور نہ ہی اس شعر سے ملتا جلتا شعر ہی انہیں حوالہ دینے کے لیے میسر ہوا۔ حد ہے کہ انہوں نے اپنا بھی کوئی شعر نقل نہیں کیا۔

اس کے برعکس ان کی کتاب میں جا بجا اس حقیقت کا اظہار ہوا ہے کہ ''مقصودِ کائنات'' صرف اور صرف حضورِ اکرم ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۹ پر وہ لکھتے ہیں:

> ''باعثِ تخلیقِ کائنات، فخرِ موجودات، مظہرِ شانِ کبریا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "انک لعلیٰ خلق عظیم"۔ (۳۲)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ رشید وارثی نے بیدؔم وارثی کے شعر کی تعریف و توصیف میں اور اس کے نفسِ مضمون کی صحت ظاہر کرنے میں زورِ قلم صرف تو کر دیا لیکن خود ان کے لاشعور میں حقیقتِ محمدیہ ﷺ ٹھیک ٹھیک بیٹھی ہوئی ہے اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں مقصودِ کائنات صرف حضور علیہ السلام کو جانا اور لکھا ہے۔

راقم الحروف کو اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۸۲۰ء میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ رہی ہے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے علامہ اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کی شرح میں لکھا ہے:

> ''برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے اختلافی مسائل کھڑے کر دیئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمۃ للعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا نام محمد اسمٰعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کر رہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نئے جہان پیدا کر سکتا ہے نئے رحمتِ عالم بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کے لیے مشکل نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اس طرح ہر جہان کے لیے ایک الگ رحمتِ عالم ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآنِ نبی ِکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی جملہ عالموں کی رحمت

قرار دیتا ہے۔اس لیے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمتِ عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان چاہے لاکھوں ہوں رحمتِ عالم سب کے لیے صرف ایک ہی ہے۔جس کو خود خالقِ کائنات نے رحمۃ للعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔(۳۳)

غالبؔ نے بھی مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ''امتناعِ نظیر'' لکھی تھی۔حالی نے یادگارِ غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔وہیں غالبؔ کا یہ شعر بھی درج ہے:

''منشا ء ایجاد ہر عالم یکیست
گردو صد عالم بود خاتم یکیست (۳۴)

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلۂ امکانِ نظیر سے جوڑا تو روح کانپ گئی۔حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے ''خاتم النبیین'' کا منصب حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات کی یکتائی کا مظہر ہے۔بحوالہ حدیثِ قدسی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات ہی کو مقصودِ کائنات ٹھہراتی ہے۔ان شواہد اور اجماعِ امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔اس لیے اس طرح کے خیالات سے شعراء، علماء اور سیرت نگاروں کو اجتناب کرنا چاہیے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب یا ان کے قرابت داروں کی محبت لاکھ ابھارے، عقیدہ درست رہنا ضروری ہے۔حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام کو بڑھا کر اللہ کے مرتبے پر پہنچانا بھی گمراہی ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کے مرتبے کے برابر کسی اور کا مرتبہ ماننا بھی گمراہی ہے۔نبی کریم کی شانِ یکتائی پر جس بات سے بھی حرف آتا ہو، وہ مرتبۂ رسالت کے استخفاف کا باعث ہوگی۔اس لیے ہر نعت گو شاعر کا فرض ہے کہ ایسے خیالات منظوم کرنے سے اجتناب کرے اور ہر نقاد کا فرض ہے کہ ایسے خیالات جس بیت یا نظم میں نظر آئیں ان پر قرینے سے تنقید کرے۔

ل۔الفاظ کے استعمال میں احتیاط:

الفاظ کے استعمال میں عام بول چال میں بھی بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔شاعری تو کام ہی الفاظ کے استعمال کا ہے۔اس لیے اس فن کی آبیاری کے لیے شاعر میں الفاظ کو پرکھنے کی صلاحیت ہونا چاہیے۔الفاظ تو الفاظ ان کی شعر میں بُنت بھی درست ہونا ضروری ہے ورنہ بات کچھ کی کچھ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔مولوی نجم الغنی رامپوری نے بحر الفصاحت میں لکھا ہے:

''ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا اور اس نے پڑھنا شروع کیا۔جیسے ہی کہ پیش مصرعِ مطلع کا پڑھا: ع اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا
فرمایا کہ تو عروض جانتا ہے؟ اور شعر کے وزن و تقطیع سے باخبر ہے؟ عرض کیا کہ مجھے یہ چیزیں معلوم نہیں۔فرمایا کہ اگر عروض داں ہوتا تو تیری گردن مروا دیتا۔

شاعر بیچارہ گھبرا گیا کہ کیا خطا واقع ہوئی۔ مہربانی سے آگے طلب کر کے فرمایا کہ جب اس مصرع کی تقطیع کریں تو اس طرح وزن ہوگا:

اے تاج دو ''مستفعلن'' لت بر سرت ''مستفعلن'' از ابتدا ''مستفعلن'' تا انتہا ''مستفعلن''۔

''لت برسرت'' بدیُمن اور بدفال ہے۔ شاعر کو ایسی چیزوں سے خبردار رہنا چاہیے''۔(۳۵)

جہانگیر بادشاہ کے لیے جو قصیدہ پڑھا گیا تھا اس میں لفظ غلط نہیں تھا صرف یہ عیب تھا کہ تقطیع میں ''لت برسرت'' آتا تھا جس کا مطلب ہے ''تیرے سر پر لات''۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاعری میں نہ صرف لفظوں کا درست استعمال بڑا ضروری ہے بلکہ لفظوں کی ایسی تشکیل سے بھی بچنا ضروری ہے جن کی تقطیع کی جائے تو بات کچھ کی کچھ بن جائے۔

مجھے لفظوں کے غلط استعمال کی بہت سی مثالیں ملی ہیں لیکن ان مثالوں کو جمع کرنے سے مقالہ بیجا طوالت کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے چند باتیں عرض کر کے اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

اللہ کے ذاتی نام کے غلط تلفظ کی مثال:

قمر عینی لکھتے ہیں:

''[میں نے] لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر ا لٰ نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی ع اللہ کو ا لٰ نہیں اللہ کہا (۳۶)

مجھے بھی اس بات پر اصرار کرنا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ذاتی نام کو مخفف نہیں کرنا چاہیے، چاہے شعری ضرورت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس فعلِ قبیح سے بچنا لازمی ہے۔ اللہ کا لفظ پانچ حرفی ہے (بروزن مفعول) اور اس کا ہر لفظ پورا پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے کسی طور چار حرفی (بروزن فعلن) بنا کر نہیں لکھنا چاہیے۔

''کبریا'' کا بے محل استعمال:

کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ''اللہ'' کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شعراء نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ''کبریا'' کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔ حالانکہ یہ صرف صفت ہے اسمِ صفت نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔ سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

۱۔ وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔(۳۷)

۲۔ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ص اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔(۳۸)

قرآن کریم کی درج بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو نہیں۔ اللہ کے لیے ''اکبر''

بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ کہا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی ''کبریا'' کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔ حالانکہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی بزرگی، عظمت، شان وشوکت، جاہ وجلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے جو اس لفظ کے بالکل درست استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

''میر ناچیز مشتِ خاک اللہ

ان نے یہ کبریا کہاں پائی'' (۳۹)

ان حقائق کی روشنی میں ''کبریا'' کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

میٹھے نبی ﷺ:

ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضورِ اکرم کے لیے میٹھے نبی ﷺ کی ترکیب استعمال کی۔ میٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔ افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کے بجائے ذم کا پہلو ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں لفظ ''راعنا'' کے استعمال کی ممانعت کے ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ''ذومعنی'' ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔ اس لیے میٹھے نبی ﷺ کہنا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔ پہلے مطلع ملاحظہ فرمائیں:

''عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی ﷺ کا روضہ

ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی ﷺ کا روضہ'' (۴۰)

جس نعتیہ غزل کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بارہ اشعار ہیں۔ اس طرح ''میٹھے نبی ﷺ'' کی ترکیب تیرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اب لفظ ''میٹھے'' کے وہ استعمالات ملاحظہ فرمائیے جو افراد کے لیے ہوں تو کیا معانی دیتے ہیں:

میٹھا: ۱۔ (کنایۃً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان متتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا (فرہنگِ آصفیہ)

۲۔ میٹھا ٹھگ: میٹھی میٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بددیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو میٹھا تیلیا (ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، میٹھے والا (پلیٹس؛ فرہنگِ آصفیہ؛ مخزن المحاورات)۔

۳۔ میٹھی چھری: ۱۔ (مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور بباطن دشمن ہو، ظاہر میں خوشنما اور اصل میں مضرت رساں۔ (۴۱)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ''میٹھا'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جنابِ رسول اللہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روحِ قرآن کے منافی ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے از حد گریز کی ضرورت

ہے۔

مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا استعمال:

حضور اکرم ﷺ کے ورودِ مسعود سے قبل جو شہر "یثرب" کہلاتا تھا وہ آپ ﷺ کی آمد کے بعد "مدینۃ النبی ﷺ" ہوگیا۔ اس لیے نعت گو شعراء کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ پھر اس لفظ کے معانی بھی اچھے نہیں ہیں۔ بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کو "یثرب" کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس موضوع پر رشید وارثی کی کتاب میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان "مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (۴۲)

قرآن کریم میں سورۂ احزاب [۳۳] کی آیت نمبر ۱۳ میں لفظ یثرب، منافقین کے قول کے طور پر آیا ہے:

> وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰٓاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ (اور جب کہ ان (منافقوں) کی ایک پارٹی (یعنی اوس بن قبطی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا۔ اے یثرب والو! (یہاں) یہاں تمہارے قیام کا کوئی موقع نہیں۔ (۴۳)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیری حاشیے میں لکھا:

> بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا: یہ طابہ ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ یثرب کا لفظ ثَرَبَهٗ، یَثْرِبُهٗ اور ثَرَّبَهٗ اور ثَرَّبَ عَلَیْهِ اور اَثْرَبَهٗ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ یَفْعَلُ اور تَفْعِیْل اور افعال سے ہوتا ہے) اور ثرب ہو یا اثراب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور مُثَرِّب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس۔ (۴۴)

نبی اکرم ﷺ کو شہنشاہ کہنا:

بخاری شریف میں "باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ" کے تحت ایک حدیث آئی ہے:

> "قال قال رسول اللہ ﷺ اخنی الاسماء یوم القیٰمۃ رجل تسمی ملک الاملاک" (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اس شخص کا ہوگا جو "ملک الاملاک" کہلاتا ہوگا۔ ملک الاملاک کے معنی "شاہانِ شاہ" لکھے ہیں۔ (۴۵)

اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان:

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ وعلیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انہیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پا سکتا۔ امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطحیات کے ذیل میں رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

"قریبِ حضرتِ محبوبؐ داور ہوتے جاتے ہیں

بقا اب آپ سلمانؓ و ابوذرؓ ہوتے جاتے ہیں" (۴۶)

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعراء کو بھی مشورہ دیا جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔ نقادانِ فن بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

روزِ جزا کی پرسش سے بے خوفی:

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے روزِ جزا اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صدقِ صدا اللہ کے "اذن" پر منحصر ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے:

"مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ، بَعْدِ إِذْنِهِ ط" "نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے" (۴۷)

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے ناامیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ قیامت سے امت کے گناہگار بے خوف ہو جائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شعری تضمین کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیشِ خدمت ہے:

"گنہ کا غم نہیں حافظ ، خطا کا غم نہیں حافظ

ہلالِ اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ

یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ

مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ

کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر" (۴۸)

شاعرانہ تعلی:

شعری ادب میں شاعرانہ تعلی کا پایا جانا ایک معمول کی بات ہے۔ لیکن نعت میں تعلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس شعری وادی میں داخل ہونے والوں کو یہاں کے تقدس کا احساس ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اس لیے یہاں بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار میں عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم نے شاعرانہ عجز کے کچھ نمونے اپنے مقالے میں پیش کر دیے ہیں اس لیے یہاں ان اشعار کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ بعض نعت نگاروں نے اس مقدس صنفِ سخن کی تخلیق کے حوالے سے بھی تعلی کے مضامین باندھنے کی جسارت کی ہے۔ اس سلسلے میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو توفیقِ مدحِ مصطفےٰ ﷺ حاصل ہونے پر کچھ فخر کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض شعراء کے یہاں تعلی کا ویسا ہی شاعرانہ غزا اٹپکتا ہے جیسا کہ غالب کے درجِ ذیل شعر سے مترشح:

"ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ

شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما"

(اے غالب، ہم تو اس مقام و مرتبے (شاعر ہونے) پر راضی نہ

تھے۔خود شاعری نے یہ خواہش کی کہ وہ ہمارا فن بن جائے)۔ (۴۹)

رشید وارثی کی کتاب میں "اردو نعت اور شاعرانہ تعلی" کے عنوان سے ایک بھر پور مضمون موجود ہے۔لیکن اس میں انہوں نے شعری مثالیں دیتے ہوئے شعراء کے نام حذف کر دیئے ہیں۔بہر حال اس موضوع پر ان کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔رشید وارثی نے تخلص حذف کر کے ایک شعر نقل کیا ہے، جسے یہاں مثال کے طور پر مع ان کے تبصرے کے پیش کیا جاتا ہے:

"خود بینی و خود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے،اس کا اندازہ تعلی پر مبنی اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے:

(تخلص)شرف ملا ہے یہ نعتِ رسول ؐ سے (۵۰)

جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے"

اعجاز رحمانی کا ایک شعر ہے:

"کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجازؔ ہے (۵۱)

کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے"

اس شعر پر ذرا غور فرمائیے کہ شاعر موصوف نے خود کو صحابی اور شاعرِ رسول ﷺ،حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برابر ظاہر کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے کیسے اچھے،معتبر،بڑے،قادر الکلام اور عظیم شعراء،آپ ﷺ کی مدحت میں مصروف ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی مدح سرائی کی توفیق مل جانا ایک بہت بڑی سعادت ہے لیکن کسی شاعر کو اس دربار میں اس طرح کی تعلی کی جسارت قطعی نہیں کرنی چاہیے۔شاعر نعتیہ شاعری کر کے پیرو حسانؓ ضرور ہو گیا ہے لیکن حضرت حسانؓ کا ہم مرتبہ نہ ہوا ہے،نہ ہو سکتا ہے۔اس شعر میں "آپ ﷺ" کی ضمیر کو "مخاطب" سمجھا جائے تو بات انتہائی درجہ گستاخی آمیز ہو جاتی ہے۔کیا حضور اکرم اپنی مدح کے سلسلے میں کسی شاعر کے محتاج ہیں؟۔۔۔کیا خالقِ کائنات نے ان کی توصیف قرآن میں کچھ کم بیان کی ہے؟۔۔۔کیا حضرتِ حسانؓ نے کبھی کوئی تعلی آمیز شعر کہا تھا؟۔۔۔سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔پھر ایک ادنیٰ شاعر کو ایک عجمی زبان میں کچھ نعتیہ اشعار کہہ لینے پر ایسے ہی بغلیں بجانی چاہئیں؟۔۔۔بہر حال دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ رب العزت شاعر کو توبہ کی توفیق بخشے (آمین)۔

خلاصہء کلام:

اس مقالے کے کل آٹھ باب ہیں۔الحمد للہ ان سطور کے ساتھ ہی وہ آٹھ ابواب مکمل ہو گئے! آخری باب میں

ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ نعتیہ شاعری کی تنقید کے لیے کچھ اصول مرتب کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ہم نے مختصراً کچھ اصول بھی لکھ دیئے اور جن باتوں سے نعتیہ شاعری میں معائب پیدا ہوتے ہیں حتی الوسع ان کا بھی احاطہ کرنے کی سعی کی۔ محاسنِ سخن کا تفصیلی ذکر بھی کیا جاسکتا تھا۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لیے یہ کام نقادوں پر چھوڑنا پڑا، ورنہ مثالوں ہی سے مقالے کا حجم بہت بڑھ جاتا۔ اچھی شاعری کا آدرش رکھنے والے نقاد، خود ہی محاسنِ سخن کی روشنی میں اشعار کی تحسین کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں معائبِ سخن کی نشاندہی کے لیے جو چند اشارے ہمارے مقالے میں آئے ہیں مستقبل کے نقاد ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی آراء کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس مقالے میں شاعری کے معائب کی صورت حال بھی تکمیلیت کے درجے کی نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جس طرح سوچنے والے ذہن ان گنت ہیں اور شعراء لاتعداد، اسی طرح کلام میں محاسن پیدا ہونے کے امکانات اور معائب کے درآنے کے احتمالات بھی حدو شمار سے بالا ہیں۔ اس لیے نقاد کو، پیشِ نظر متن (Text) پر ہر زاویئے سے غور کرنا چاہیے۔ تنقیدی دبستانوں میں سے جس تنقیدی دبستان سے بھی نقاد کی ذہنی مناسبت ہو، اسی دبستان کے اصولوں کو تنقید میں برت سکتا ہے۔ تنقیدی دبستانوں کا تفصیلی ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ البتہ ہم نے نقادوں کی تنقیدی آراء کو دبستانوں کی حدود میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ ہوسکتا ہے مستقبل میں کوئی باہمت اور باصلاحیت ناقد نعتیہ شعری سرمائے کو مختلف تنقیدی زاویوں سے پرکھنے کا کام زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دے سکے!

نقاد کے لیے معروضیت شرطِ اول ہے:

نقاد کے لیے اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ شاعری پرکھتے ہوئے انتہائی معروضیت (Objectivity) سے کام لے۔ یہ نہ ہو کہ کسی شناسا یا بااثر شاعر کی نعتیہ شاعری اس کو ہر عیب سے پاک نظر آئے اور کسی اور کی شاعری میں اسے صرف کیڑے نظر آئیں۔ اسے تو ہر حال میں کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ہی کہنا پڑے گا۔ نعتیہ شاعری کو اگر قرآن و حدیث، تاریخ و سیَر کے مضامین سے مطابقت کی میزان پر تولا جاتا ہے تو یہ پیمانہ ہر شاعر کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں کسی بزرگ، کسی ولی اور کسی قطب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ البتہ بعض معاملات کو ''شطحیات'' کے ذیل میں رکھ کر دیگر شعراء کو اس شطح آمیز شاعری کے مافیہ (Content) کو اپنانے سے گریز کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نقاد صرف شعر کے متن (Text) پر بات کرے، شاعر کی ذات پر گفتگو کرنے کا اسے قطعی حق نہیں ہے، نہ محاسن شخصیت بیان کرنے کی غرض سے، نہ عیب چینی کے خیال سے۔

☆☆☆

باب ہشتم: مآخذ و منابع:

۱۔ Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book Foundation, Islamabad, First Edition 198,) page 21.

۲۔ Ibid Page 11

۳۔ حرف حرف خوشبو، ص ۱۸

۴۔روشنی ہی روشنی،ص ۲۳

۵۔کلیاتِ میر تقی میر

۶۔ریاض مجید،ڈاکٹر،نعت..... ''موضوعِ محض'' سے ''معجزۂ فن'' تک،مشمولہ نعت رنگ ۲۲،کراچی،ستمبر ۲۰۱۱۔ص ۱۱

۷۔امام حاکم،المستدرک،ج اول،ص ۱۱۵

۸۔القرآن ۲:۴۹

۹۔رزمی جے پوری،جواہر النعت،(فیڈرل بی ایریا،کراچی)۱۹۸۱ء،ص ۶۲

۱۰۔حبیب الرحمٰن صدیقی،علامہ،کاندھلوی،''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت،حصہ اول''،(الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ،مکان نمبر ۳۔ے۔اے،بلاک نمبر ۱،ناظم آباد،کراچی)س۔ن۔ص ۲۲۳

۱۱۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری،رحمۃ للعالمین ﷺ،ج دوم،(مکتبہ اسلامیہ،اردو بازار لاہور)جون ۲۰۰۶ء،ص ۹۵

۱۲۔القرآن ۱:۱۷

۱۳۔القرآن النجم آیات ۱۶ تا ۱۸

۱۴۔پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن،ج پنجم،۲۵

۱۵۔ہلال جعفری،کشکولِ ہلال،(بزم شعر و ادب،اسلام آباد)،ستمبر ۲۰۰۰ء،ص ۲۴۰

۱۶۔ایضاً ص ۲۳۸

۱۷۔قمر یزدانی،ولائے رسول ﷺ،(کتاب ساز پبلی کیشنز،راولپنڈی کینٹ)اشاعت اول رجب المرجب ۱۴۲۳ھ،ص ۸۹

۱۸۔بقا نظامی عظیم آبادی،شہپرِ جبرئیل،(مطب المرکز شفا،فیڈرل بی ایریا،کراچی)جنوری ۱۹۹۲ء،ص ۱۰۹

۱۹۔القرآن ۶:۴۱

۲۰۔احادیثِ قدسیہ،مکتبہ رحمانیہ(اردو بازار،لاہور)س۔ن۔ص ۱۴

۲۱۔ظہور الحسنین شاہ،سید،ظاہر یوسفی تاجی،(ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی،مشن روڈ،کراچی)۱۹۶۲ء،ص ۵۱ + ذوقی۔ سرِّ دلبراں

۲۲۔شہپرِ جبرئیل،ص ۸۲

۲۳۔جلال الدین سیوطی،امام،الخصائص الکبریٰ فی معجزات الوریٰ،ج اول(مکتبہ اعلیٰ حضرت،دربار مارکیٹ،لاہور)۲۰۰۶ء،ص ۱۸۰

۲۴۔غوث متھراوی،بلاوہ،(ڈیفنس اتھارٹی فیز فائیو،ایکس ٹینشن،کراچی)نومبر ۱۹۹۲ء،ص ۵۵

۲۵۔عندلیب شادانی،ڈاکٹر،دورِ حاضر اور غزل گوئی،(شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور)۱۹۵۱ء،ص ۷۹

۲۶۔عطار،محمد الیاس،مغیلانِ مدینہ،(مکتبۃ المدینہ،شہید مسجد،کھارادر،کراچی)س۔ن۔ص ۴۱

۲۷۔شاہ محمد ذوقی،سرِّ دلبراں،(محفل ذوقیہ،نارتھ کراچی)طبع پنجم ۱۴۱۸ھ،ص ۲۳۲

۲۸۔نسیم امروہوی،مسدسِ نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسول کریمؐ،(ناشر سید علی امروہوی،فیڈرل بی ایریا کراچی)س۔ن۔ص ۸۷

۲۹۔الخصائص الکبریٰ،ج دوم،ص ۵۸۶

۳۰۔ ایضاً ج اول ص ۵۱

۳۱۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء، ص ۳۱۱

۳۲۔ ایضاً ص ۴۹

۳۳۔ ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر، شرح جاوید نامہ، (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور) س۔ ن۔ ص ۱۷۷

۳۴۔ حالی، مولانا الطاف حسین، یادگارِ غالب، (خزینہء علم وادب، اردو بازار، لاہور) ۲۰۰۲ء، ص ۸۰

۳۵۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ دوم، (مجلس ترقی ادب، لاہور) طبع دوم دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۸۵

۳۶۔ قمر یزدنی، ولائے رسول ﷺ، ص ۲۴

۳۷۔ القرآن ۴۸:۱۰

۳۸۔ القرآن ۳۷:۴۵

۳۹۔ اردو لغت، (اردو لغت بورڈ، کراچی)

۴۰۔ مغیلانِ مدینہ، ص ۳۵

۴۱۔ اردو لغت

۴۲۔ اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۱۷

۴۳۔ القرآن ۱۳:۳۳

۴۴۔ تفسیر مظہری، جلد نہم، ص ۲۲۵

۴۵۔ صحیح بخاری

۴۶۔ شہپرِ جبرئیل، ص ۱۲۵

۴۷۔ القرآن ۳:۱۰

۴۸۔ کشکولِ ہلال، ص ۲۳۱

۴۹۔ غالب، کلیاتِ غالب (فارسی) مع شرح، (مکتبہ دانیال، لاہور) ۲۰۰۴ء، ص ۲۳

۵۰۔ اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۵۶

۵۱۔ اعجاز رحمانی، چراغ مدحت، (قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی، نارتھ کراچی) ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۸

☆☆☆

کتابیات:

☆القرآن الکریم

☆تراجم وتفاسیر:

۱۔ابن عباس رضی اللہ عنہ،تفسیر ابن عباس،جلد دوم،مترجم:مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی،فرید بک سٹال،اردو بازار،لاہور،۲۰۰۵ء

۲۔ابوالاعلیٰ مودودی،تفہیم القرآن، ج:سوم،ادارۂ ترجمان القرآن،لاہور

۳۔..................جلد:پنجم

۴۔امیر محمد اکرم اعوان،اسرار التنزیل،ادارۂ نقشبندیہ اویسیہ،دار العرفان،مَنارہ،ضلع:چکوال

۵۔ثناءاللہ،قاضی ثناءاللہ عثمانی پانی پتی،تفسیر مظہری،جلد:۸،خزینہ علم وادب،اردو بازار،لاہور،

۶۔..................جلد۹

۷۔..................جلد۱۱

۸۔رضا،احمد رضا خاں بریلویؒ،ترجمہ قرآن:کنز الایمان،تفسیر:نور العرفان،مفتی احمد یار خاں نعیمی،پیر بھائی کمپنی،اردو بازار،لاہور

۹۔..................،ترجمہ قرآن،کنز الایمان،تفسیر:مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین،مرادآبادی

۱۰۔سیماب اکبرآبادی،وحی منظوم(منظوم ترجمہ قرآن)،سیماب اکاڈمی پاکستان،نارتھ کراچی،کراچی

۱۱۔شبیر احمد عثمانی،مولانا،تفسیر عثمانی،سعودی عرب

۱۲۔شبیر احمد،مولانا سید،ترجمہ قرآن،قرآن آسان تحریک،لاہور

۱۳۔شفیع،مولانا مفتی محمد شفیعؒ،معارف القرآن،جلد:۳،ادارۃ المعارف،کراچی

۱۴۔فواد عبدالباقی،محمد،المعجم المفہرس،لالفاظ القرآن الکریم،بیروت

۱۵۔کرم شاہ،پیر محمد کرم شاہ الازہری،ضیاءالقرآن،جلد:۳ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،لاہور

۱۶۔..................جلد:۴

۱۷۔..................جلد:۵

۱۸۔محمد جوناگڑھی،مولانا،ترجمہ قرآن،تفسیر احسن البیان(اردو)حافظ صلاح الدین یوسف،دارالسلام،ریاض،سعودی عرب

☆کتب احادیث:

۱۹۔ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ،جلد:۲بخاری شریف،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور

۲۰۔..................جلد:۳

۲۱۔ابوعیسیٰ،امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی،جامع ترمذی شریف،جلد:۲،مترجم:مولانا ناظم الدین،مکتبۃ العلم،اردو بازار،لاہور

۲۲۔احسن احمد بن میجر عبدالشکور،مولانا،احادیث قدسیہ،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور

۲۳۔حاکم، امام حاکم،المستدرک،جلد اول

۲۴۔ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمریؒ،امام،مشکوٰۃ شریف،جلد:۲،مکتبہ رحمانیہ،اردو بازار،لاہور

☆عام کتب

الف

۲۵۔ابرار کرتپوری، ورفعنا لک ذکرک، مرکز علم ودانش، نئی دہلی، بھارت، س۔ن

۲۶۔ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، مترجم مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، طبع یازدہم، دسمبر ۲۰۰۱ء

۲۷۔ابوالحسن محمد منظور فیضی، مقامِ رسول ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اکتوبر ۲۰۱۰ء

۲۸۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

۲۹۔ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء

۳۰۔ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، طبع ثانی: ۱۹۸۷ء

۳۱۔احتشام حسین، سید، تنقیدی نظریات، لکھنؤ یونیورسٹی، بھارت، س۔ن

۳۲۔اختر بجنوری، مضراب جاں، مکتبہ مظہر فروغ ادب، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۶ء

۳۳۔اختر عالم، سید، حقیقتِ محمدیہ ﷺ، ملیر توسیعی کالونی، کراچی، ۱۹۷۶ء

۳۴۔اختر لکھنوی، سرکار ﷺ، قلم نشاں پاکستان، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۱۹۹۵ء

۳۵۔اختر محمد مسعود، صلوا علی الحبیب ﷺ، مخزنِ حمد و نعت، آئیڈیل ٹاؤن، سرگودھا روڈ، فیصل آباد، بار اول: فروری ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ

۳۶۔ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، شرح جاوید نامہ، (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور) س۔ن

۳۷۔ادیب رائے پوری، نعتیہ ادب میں تنقید و مشکلاتِ تنقید، مدحت پبلیشرز، کراچی، ۱۹۹۹ء

۳۸۔ادیب، ڈاکٹر سید لطیف حسین، تذکرۂ نعت گویانِ بریلی، ۳۰۷۔پھول والان بریلی (بھارت)، بار اول: ۱۹۸۶ء

۳۹۔ارشاد علی خاں، پروفیسر، جدید اصولِ تنقید، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

۴۰۔ارم سلیم، اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء

۴۱۔اسحٰق، قاری محمد اسحٰق ملتانی، مستند نعتیہ کلام، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان، محرم الحرام ۱۴۳۱

۴۲۔اسحاق قریشی، ڈاکٹر پروفیسر محمد اسحاق قریشی، برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، مرکز معارف اولیاء، محکمہ اوقاف، حکومتِ پنجاب، شوال: ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء

۴۳۔اسمٰعیل انیس، چراغِ عالمیں، مکتبہ شہزاد اقبال، لانڈھی ٹاؤن، کراچی، ۱۴۰۵ھ

۴۴۔اسمٰعیل میرٹھی، کلیاتِ اسمٰعیل میرٹھی، مرتبہ: محمد اسلم سیفی، مکتبہ عالیہ، لاہور، طبع دوم: ۱۹۹۳ء

۴۵۔اشفاق، ڈاکٹر سید رفیع الدین، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۶ء

۴۶۔اظہر کمال، محمد اظہر کمال، حرفِ عقیدت، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، س۔ن

۴۷۔اعجاز رحمانی، آسمان رحمت، کل پاکستان حلقہ ادب، گلشن اقبال، کراچی، ۲۰۰۵ء

۴۸..................، چراغِ مدحت، قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی، نارتھ کراچی، ۱۹۹۶

۴۹۔اعظم چشتی، نیر اعظم، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء

۵۰۔افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، کلیاتِ حالی، شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی، ج: اول، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء

۵۱۔افسر صدیقی امروہوی، سرمایہ تغزل، صوفی عبدالرشید، نیو کراچی، کراچی، ۱۹۸۳ء

۵۲۔ اِفضال احمد انور، ڈاکٹر، اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ (مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، تکمیل: ۲۰۰۷ء (غیر مطبوعہ مخزونہ نعت ریسرچ سینٹر، کراچی)

۵۳۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ شیخ محمد اقبال، جاوید نامہ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۵۴۔ اقبال جاوید، پروفیسر، نعت میں کیسے کہوں، نعت ریسرچ سینٹر بیا ۵۰، سیکٹر ۱۱۔ اے، نارتھ کراچی، کراچی، جنوری ۲۰۰۹ء

۵۵۔ ....مخزنِ نعت، علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۹ء

۵۶۔ ....تیرا وجود الکتاب، ۸۸، سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، ۲۰۰۱ء

۵۷۔ اقبال عظیم، زبورِ حرم، نعت ریسرچ سینٹر، نارتھ کراچی، کراچی، اشاعتِ دوم: ۲۰۱۰ء

۵۸۔ اکرم رضا، پروفیسر محمد اکرم رضا، قافلہء شوق کے مسافر، فروغِ ادب اکادمی، ۸۸۔ بی سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ، ۲۰۰۷ء

۵۹۔ ....، تاجدارِ ملکِ سخن، المدینہ دارالاشاعت، لاہور، س۔ن

۶۰۔ امیر حسنین جلیسی، بت خانہ شکستم من، ادبی معیار پبلی کیشنز، صدر کراچی، اشاعتِ اول: جنوری ۱۹۸۳ء

۶۱۔ امیر کیکاؤس بن سکندر بن قابوس، قابوس نامہ، مترجم میاں محمد افضل، شاہکار بک نمبر ۴۷، لاہور، س۔ن

۶۲۔ امین راحت چغتائی، محرابِ توحید، بک سینٹر، راولپنڈی، طبع دوم: ۲۰۰۹ء

۶۳۔ ....، ردِ عمل، بک سینٹر، حیدر روڈ، راولپنڈی کینٹ، طبع اول ۲۰۰۶ء

۶۴۔ ایاز صدیقی، ثنائے محمد ﷺ، گلگشت، ملتان، اشاعتِ ثانی: ۲۰۰۰ء

۶۵۔ این میری شمل، شہپرِ جبریل، مترجم: ڈاکٹر محمد ریاض، گلاب پبلیشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء

۶۶۔ آرزو، نصیر آرزو، نورِ حرا، پاکستان رائٹرز فیڈریشن، کراچی، س۔ن

۶۷۔ ....شہریار آرزو، ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۸ء

۶۸۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۶۹۔ آزاد، مولانا مولوی محمد نعیم الحق، حیات الشعراء، بلدیہ میر پور خاص، بار اول ۱۹۶۹ء

۷۰۔ آصف بشیر چشتی، شہرِ نعت، فیصل آباد ڈویژن کے شعراء کرام کی نعتوں کا انتخاب، مجلسِ معین ادب، چشتیہ دربار، فیصل آباد، س۔ن

۷۱۔ ....خلدِ نعت، اکائی، امین پور بازار، فیصل آباد، ۲۰۰۹ء

۷۲۔ آفتاب کریمی، قاب قوسین، اقلیمِ نعت، کراچی، ۲۰۰۵ء

۷۳۔ آفتاب کریمی، ممدوحِ خلائق، اقلیمِ نعت، کراچی، ۲۰۰۸ء

۷۴۔ آلوسی، محمود شکر آلوسی، بلوغ الارب، ج: چہارم، ترجمہ: پیر محمد حسن، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، بار اول: مارچ، ۱۹۶۸ء

ب

۷۵۔ بخار علیگ، ع۔ ء، سوءِ ادب فی حسنِ ادب، تعمیرِ ادب، النور سوسائٹی، منصورہ گلستانِ مصطفیٰ، کراچی، ۱۹۸۵ء

۷۶۔ بقا نظامی عظیم آبادی، شہپرِ جبریل، مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۵ر جنوری ۱۹۹۲ء

۷۷۔ بیدم وارثی، دیوانِ بیدم، علی ہجویری پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۳ء

ت

۷۸۔ تابش دہلوی، تقدیس، ادب گاہ، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۵ء

۷۹۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، جستجو، یونیورسل بکس، اردو بازار، لاہور، بار دوم: ۱۹۸۷ء

۸۰۔ تعظیم علی نقوی، سید، شایاں بریلوی، تاریخ شعرائے روہیلکھنڈ، نارتھ ناظم آباد، کراچی، جلد اول، ۱۹۹۱ء

۸۱۔ تنویر پھول، انوارِ حرا، حرا فاؤنڈیشن پاکستان، گلشنِ فاروق، نارتھ کراچی، کراچی، ۱۹۹۷ء

ج

۸۲۔ جاذب قریشی، نعت کے جدید رنگ، بھوپال انٹرنیشنل فورم، کراچی، س۔ن

۸۳۔ جعفر بلوچ، بیعت، الفیصل اردو بازار، لاہور، اشاعتِ دوم: ۲۰۰۱ء

۸۴۔ جلال الدین سیوطی شافعی، امام، الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ، مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور، بار سوم: جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۶ء

۸۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم: ۱۹۸۵ء

۸۶۔..................، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، ج سوم، طباعت دوم: اپریل ۲۰۰۸ء

۸۷۔ جمیل نظر، ایقان، جمیل نظر فاؤنڈیشن، ایف بی ایریا، کراچی، ۱۹۹۴ء

۸۸۔..................، مقدمہ سحر و ساحری (قارئینِ ادب کی عدالت میں)، شیوا اکیڈمی، کراچی، س۔ن

۸۹۔ جمیل نقوی، ارمغانِ جمیل، الیٹ پبلیشرز لمیٹڈ، سائٹ، کراچی، ۱۴۰۵ھ

۹۰۔ جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ عالیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن

ح

۹۱۔ حافظ عبد الغفار حافظ، ارمغانِ حافظ، اقلیمِ نعت، کراچی، اشاعتِ ثانی ۲۰۰۲ء

۹۲۔ حافظ لدھیانوی، نشیدِ حضوری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ

۹۳۔ حالی، خواجہ الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، کتب خانہ کتب خانہ علم و ادب، دہلی، بھارت، س۔ن

۹۴۔..................، یادگارِ غالب، خزینہ علم و ادب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء

۹۵۔ حامد امروہوی، جوئبارِ بخشش، محلہ سادو، امروہہ، بھارت، اشاعتِ ثانی ۲۰۰۴ء

۹۶۔ حبیب الرحمٰن صدیقی، علامہ، کاندھلوی، "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول"، (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔۷۔اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن

۹۷۔ حسرت موہانی، تذکرۃ الشعراء، مرتبہ: شفقت رضوی، ادارۂ یادگارِ غالب، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۹ء

۹۸۔ حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر، جادۂ رحمت کا مسافر (صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ) آفتاب اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۱ء

۹۹۔ حسن زیدی، محمد، کیفِ دوام، منزل پبلیکیشنز، اسلام آباد،

۱۰۰۔ حسن عسکری، محمد، مجموعہ حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴

۱۰۱۔ حفیظ تائب، طاقِ حرم، القمر انٹرپرائزز، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۱۰۲۔ حفیظ تائب، وہی یٰسین وہی طٰہٰ، القمر انٹرپرائزز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۰۳۔..........، کلیاتِ حفیظ تائب، القمر انٹرپرائزز، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۱۰۴۔ حلیم، عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۱۹۸۸ء

۱۰۵۔ حمید، سید حمید الدین، احمد، گلہائے عقیدت، اقلیم نعت، کراچی، اشاعت ثانی، ۲۰۰۱ء

۱۰۶۔ حنیف اسعدی، آپ ﷺ، اقلیم نعت، کراچی، ۱۹۹۶ء

۱۰۷۔ حیٔ، عبدالحیٔ، مولانا حکیم سید، گلِ رعنا، تذکرہ شعرائے اردو، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم، ۱۳۷۰ھ

۱۰۸۔ حیات، محمد حیات چغتائی، فنِ نعت کی نئی جہات (ڈاکٹر طاہر تونسوی کے تنقیدی مضامین کا انتخاب)، مکتبہ الہام بہاولپور، ۲۰۰۶ء

۱۰۹۔۔ حیرت الٰہ آبادی، منارۂ نور، بزمِ عبرت، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۹ء

خ

۱۱۰۔ خادمی اجمیری، نور و نکہت، بزمِ فروغِ ادب، حیدرآباد، ۱۹۸۵ء

۱۱۱۔ خاطر غزنوی، سلسلہ انوار کا، سنڈیکیٹ آف رائٹرز، پشاور، ۱۹۹۶ء

۱۱۲۔ خاکی، عبدالعزیز خاکی، ذکرِ صلے علیٰ، تنظیم استحکام نعت، کراچی، جولائی ۱۹۹۴ء

۱۱۳۔ خالد، عبدالعزیز خالد، منحمنا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع دوم: ۱۹۷۵ء

۱۱۴۔ خاور قریشی، دیوارِ شب، بزمِ قومی ادبیات (بقا) معظم آباد، کراچی، ۱۹۹۸ء

ذ

۱۱۵۔ ذوقی، شاہ سید محمد ذوقی، سرِّ دلبراں، محفلِ ذوقیہ، ناظم آباد کراچی، کراچی، طبع پنجم: ۱۴۱۸ھ

ر

۱۱۶۔ رشید حسن خاں، انتخابِ کلامِ ناسخ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، پہلی اشاعت ۱۹۹۶ء

۱۱۷۔ رشید، عبدالرشید فاضل، پروفیسر، سلسلہ دروسیات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۱۶، میکلوڈ روڈ، لاہور، طبع ثانی ۱۹۹۰ء

۱۱۸۔ رشید محمود، راجا، شاعرانِ نعت، مدنی گرافکس، نیوانارکلی، لاہور، اشاعتِ اول: ۲۰۰۳ء

۱۱۹۔ .... حدیثِ شوق، بازار جج محمد لطیف، اندرون ٹکسالی گیٹ، لاہور، اشاعت دوم: ۱۹۸۶ء

۱۲۰۔ .... نعت کائنات، جنگ پبلیشرز، لاہور، اشاعتِ اول: ۱۹۹۳ء

۱۲۱۔ رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل ۲۰۱۰ء

۱۲۲۔ رضا، احمد رضا خاں بریلوی، حدائقِ بخشش، مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی، س۔ن

۱۲۳۔ رئیس احمد نعمانی، فروغِ نوا، مجلسِ مطالعاتِ فارسی، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲، اشاعتِ اول: ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۱۲۴۔ ریاض حسین چودھری، کشکولِ آرزو، القمر انٹرپرائزز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء

۱۲۵۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی، لاہور، بار اول: ۱۹۹۰ء

س

۱۲۶۔ ساجد رضوی، عکسِ خورشید، لطیف آباد، حیدرآباد، ۱۹۹۰ء

۱۲۷۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۹ء

۱۲۸۔ سبطین شاہجہانی، شاہ محمد سبطین، قلزمِ انوار، حلقۂ جعفری رحمانی چشتی صابری، پاکستان، اسلام آباد، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۱۲۹۔ سجاد باقر رضوی، تہذیب و تخلیق، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۷ء

۱۳۰۔ سجاد سخن، حاضری و حضوری، ادارہ فکرِ نو، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۸ء

۱۳۱۔ سجاد، سید، آبِ حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، نئی مطبوعات، ۹۔ سرکلر روڈ، لاہور۔ بار اول: مارچ ۱۹۶۶ء

۱۳۲۔ سراج احمد بستوی، ڈاکٹر، مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری، کانپور یونیورسٹی، کانپور، بھارت، ۱۹۹۷ء

۱۳۳۔ سراج احمد قادری، ڈاکٹر، شمائم النعت، ادب کدہ۔ محلہ بنجریا پچھمی، خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر، بھارت، اشاعت اول: جنوری ۲۰۰۹ء

۱۳۴۔ سرشار صدیقی، اساس، اثاثہ ناشرینِ ادب، کوئٹہ، ۱۹۹۰ء

۱۳۵۔ سرو سہارنپوری، زخمہ دل، القمر انٹر پرائزز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۳۶۔ سعدی، شیخ سعدی شیرازی، بوستان، مترجم: مولانا قاضی سجاد حسین، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن

۱۳۷۔ سعید وارثی، ورثہ، بزمِ وارث، شاہ فیصل کالونی، کراچی، ۱۹۸۷ء

۱۳۸۔ سلام، عبدالسلام ندوی، شعر الہند، حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ (بھارت) طبع چہارم: ۱۹۴۹ء

۱۳۹۔ سلیمان منصور پوری، قاضی محمد، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج دوم، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء

۱۴۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰

۱۴۱۔ سہیل غازی پوری، حمد و نعت، شعری دائرہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۲۰۰۰ء

۱۴۲۔ سیماب اکبرآبادی، ساز حجاز، سیماب اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۲ء

ش

۱۴۳۔ شاہ حاتم، حیات و کلام، ذوالفقار، غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۶۴ء

۱۴۴۔ شاہ نصیر، مرتبہ: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۴۵۔ شاہین، پروفیسر عبداللہ شاہین، نعت گوئی اور اس کے آداب، دار السلام، ۳۶ لوئر مال، لاہور، س۔ن

۱۴۶۔ شبلی نعمانی، مولانا، شعر العجم، حصہ اول، ملک نذیر احمد، تاج بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، س۔ن

۱۴۷۔ شفقت رضوی، پروفیسر، نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ، مہر منیر اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۴ء

۱۴۸۔ ....، اردو میں نعت گوئی، چند گوشے، جہانِ حمد پبلی کیشنز، لیاقت آباد، کراچی، ۲۰۰۲ء

۱۴۹۔ شفیق اختر، محمد، نعت، حقیقت کے آئینے میں، لٹریری کونسل پاک شمع اسکول اینڈ کالج، دوحہ، قطر، اشاعتِ دوم: ہندوستان، ممبئی ۲۰۰۵ء

۱۵۰۔ شفیق بریلوی، ارمغانِ نعت، مرکز علوم اسلامیہ، گارڈن، کراچی، (نقشِ ثانیہ ترتیبِ نو:) ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

۱۵۱۔ شوق، مرزا شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، مرتبہ: رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۹ء

۱۵۲۔ شوکت زریں چغتائی، ڈاکٹر، اردو نعت کے جدید رجحانات، بزمِ تخلیقِ ادب پاکستان، کراچی 75300، اشاعت: ۲۰۱ء

۱۵۳۔ شہزاد مجددی، تحیت، دار الاخلاص، لاہور، ۱۴۳۱ھ

۱۵۴۔ شیدا جبلپوری، زادِ راہ، راشد عزیز، بفرزون، کراچی، ۱۹۸۵ء

۱۵۵۔ شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں، گلشن بے خار، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۳ء

ص

۱۵۶۔ صابر دہلوی، مرزا قادر بخش، تذکرہ گلستانِ سخن، ج: اول، مرتبہ: خلیل الرحمان داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء

۱۵۷۔ صبیح الدین رحمانی، سید، غالب اور ثنائے خواجہ ﷺ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی،

۱۵۸۔ .... نعت نگر کا باسی، (ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی نعت گوئی و نعت شناسی کا ایک جائزہ)، اقلیمِ نعت، کراچی، ۲۰۰۸ء

۱۵۹۔ .... جادۂ رحمت، ممتاز پبلیشرز، کراچی، بار اول، ۱۹۹۳ء

۱۶۰۔ .... ایوانِ نعت، ممتاز پبلیشرز نیو اردو بازار، کراچی، دسمبر ۱۹۹۳ء

۱۶۱۔ صدیق کلیم، نئی تنقید، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷

۱۶۲۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۶۳۔ صہبا اختر، اقراء، مکتبہ ندیم، کورنگی، کراچی، ۱۹۸۱ء

ط

۱۶۴۔ طاہر قریشی، محمد طاہر قریشی، فہرستِ کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر، نعت ریسرچ سینٹ، کراچی، بار اول ۲۰۰۹ء

۱۶۵۔ طاہر القادری، میلادِ مصطفیٰ ﷺ، منہاج القرآن، لاہور

ظ

۱۶۶۔ ظہور الحسنین شاہ، سید، ظاہر یوسفی تاجی، (ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹۶۲ء

ع

۱۶۷۔ عارف عبدالمتین، بےمثال، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۵ء

۱۶۸۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر، اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، اقلیم نعت، کراچی، ۲۰۰۱ء

۱۶۹۔ .... تمام و ناتمام، سید قمر زیدی، ملتان، بار اول ۱۹۹۴ء

۱۷۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، اشاعت چہارم ۱۹۹۴ء

۱۷۱۔ عبدالحق، شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، جلد: دوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۵ء

۱۷۲۔ عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی، مقدمات عبدالحق، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو مرکز، لاہور، پہلا پاکستانی ایڈیشن: ۱۹۶۴ء

۱۷۳۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، اشارات تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۱۷۴۔ عبداللہ عباس ندوی، عربی میں نعتیہ کلام، میزان ادب، مکتبہ ایوب پیکجز، کراچی، ۱۹۷۸ء

۱۷۵۔ عزیز صابری، جواہر النعت، بزمِ یوسفی، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۹۸۱ء

۱۷۶۔ عطا محبوب الٰہی، چرخِ اطلس، الحمد پبلی کیشنز، چوک انارکلی، لیک روڈ، لاہور، س۔ن

۱۷۷۔ عطار، محمد الیاس، مغیلانِ مدینہ، (مکتبہ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی) س۔ن

۱۷۸۔ علی اصغر حکمت، جامی، عبدالرحمٰن نور الدین جامی، مترجم: عارف نوشاہی، رضا پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء

۱۷۹۔ عمران نقوی، دلیلِ آفتاب، مطالعاتِ نعت، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شفیق پبلی کیشنز، لاہور، اشاعتِ اول: جون ۲۰۰۱

۱۸۰۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، دورِ حاضر اور غزل گوئی، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۵۱ء

غ

۱۸۱۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، غزلیاتِ فارسی، مرتبہ: وزیر الحسن عابدی، مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۶۹ء

۱۸۲۔ ....، کلیات غالب (فارسی، متن، لغت، ترجمہ، شرح، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی)، مکتبہ دانیال، لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۸۳۔ ....، قصائد و مثنویات فارسی، باہتمام: غلام رسول مہر، مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء

۱۸۴۔ غزالی، امام، سرگزشت غزالی (ترجمہ المنقذ) مترجم: مولانا حنیف ندوی، علم و عرفان پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۸۵۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب شناخت کی نصف صدی، ریز پبلی کیشنز، سکستھ روڈ چوک، مری روڈ، راولپنڈی، اگست، ۲۰۰۰ء

۱۸۶۔ غفور، عبدالغفور قمر، انتخاب نعت، ، ج دوم، ڈاکٹر توحید، ای۔۱۹، فیز ۴، ایل سی سی ایچ ایس، لاہور کینٹ، ۱۹۹۷ء

۱۸۷۔ غوث متھراوی، بلاوہ، (ڈیفنس اتھارٹی فیز فائیو، ایکس ٹینشن، کراچی) نومبر ۱۹۹۲ء

۱۸۸۔ غوث میاں، خواتین کی نعتیہ شاعری، حضرت حسان حمد و نعت بک بینک پاکستان، کراچی، ۲۰۰۲ء

ف

۱۸۹۔ فدا خالدی دہلوی، م۔ ص، بزم یوسفی، فیڈرل بی ایریا، کراچی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۱۹۰۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر، اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: نومبر ۱۹۷۲ء

۱۹۱۔ ....، اردو کی نعتیہ شاعری، آئینہ ادب، چوک انارکلی، لاہور، ۱۹۷۴ء

۱۹۲۔ فیروز شاہ، محمد، باوضو آرزو، چنڈی اسلام آباد سوسائٹی، راولپنڈی، ۲۰۰۴ء

۱۹۳۔ فیضان نظر، بزم نور، تلک چاڑی، حیدرآباد، ۱۹۸۴ء

ق

۱۹۴۔ قاآنی، قصائد قاآنی، آقا بیدار بخت، ملک نذیر احمد تاج بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۵ء

۱۹۵۔ قمر جمیل، جدید ادب کی سرحدیں، قمر پلازہ، گلشن اقبال، کراچی، فروری ۲۰۰۰ء

۱۹۶۔ قمر یحییٰ، ولائے رسول، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی، باراول: ۲۰۰۲ء

۱۹۷۔ قمر وارثی، شمس الضحیٰ، بزم ارباب سخن پاکستان، اورنگی، کراچی، ۱۴۰۷ھ

۱۹۸۔ ....، کہف الورٰی، دبستان وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء

۱۹۹۔ ....(مرتب) جمال اندر جمال، دبستان وارثیہ، کراچی، جولائی ۱۹۹۸ء

۲۰۰۔ ....(مرتب) مہکا مہکا حرف حرف، دبستان وارثیہ، کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۰۱۔ قمر یزدانی، مہر درخشاں، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

ک

۲۰۲۔ کشفی، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر، نعت اور تنقید نعت، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۰۹ء

۲۰۳۔ کوکب نورانی اوکاڑوی، نعت اور آداب نعت، مہر منیر اکیڈمی (انٹرنیشنل)، سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، دسمبر ۲۰۰۴ء

۲۰۴۔ کلیم الدین احمد: Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book Foundation, Islamabad, First Edition 1998,)

گ

۲۰۵۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، (بھارت)، ۱۹۹۳ء

۲۰۶۔ ....، ادبی تنقید اور اسلوبیات، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

۲۰۷۔ گوہر، ڈاکٹر سید شمیم، نعت کے چند شعرائے متقدمین، خانقاہِ حلیمیہ ابوالعلائیہ، ۱۲۷۔ چک نیا حجرہ، الٰہ آباد، (بھارت) اکتوبر ۱۹۸۹ء

ل

۲۰۸۔ لطیف اثر، صحیفہ نور، وقاص اکیڈمی، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۲ء

م

۲۰۹۔ ماجد خلیل، روشنی ہی روشنی، دبستانِ وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۱ء

۲۱۰۔ مبارک مونگیری، ذکرِ ارفع، مبارک مونگیری میموریل اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۴ء

۲۱۱۔ سرور کیفی، نقشِ جمال، فروغِ ادب، کندن اسٹریٹ، کراچی، ۱۹۹۶ء

۲۱۲۔ مسعود اختر، محمد، صلوا علی الحبیب ﷺ، مخزنِ حمد و نعت، فیصل آباد، ۱۴۳۰ھ

۲۱۳۔ مسلم، ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم، سرودِ نعت، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۲۱۴۔ مظہر الدین، حافظ مظہر الدین، جلوہ گاہ، حریم ادب، راولپنڈی، طبع دوم: ۲۰۰۹ء

۲۱۵۔ ....، تجلیات، حریم ادب، راولپنڈی، بار چہارم: ۲۰۰۹ء

۲۱۶۔ ....، بابِ جبریل، حریم ادب، راولپنڈی، بار دوم: ۲۰۰۹ء

۲۱۷۔ معین الرحمن، ڈاکٹر سید، مجموعہ مطالعاتِ عبدالحق، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۲۱۸۔ مقبول نقش، حرفِ ثبات، ہم سخن رائٹرز، گلشن اقبال، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۱۹۔ ممتاز حسن، خیر البشر ﷺ کے حضور میں، ادارۂ فروغ اردو، لاہور، بار اول: جنوری ۱۹۷۵ء

۲۲۰۔ منظر عارفی، اللہ کی سنت، سخن پبلی کیشنز (ادبی تنظیم)، شارہ فیصل کالونی، کراچی، اشاعتِ اول: جنوری، ۲۰۰۹ء

۲۲۱۔ منور بدایونی، کلیاتِ منور، جہانِ حمد پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۸ء

۲۲۲۔ منیر سیفی، مثال، کاغذی پیرہن، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء

۲۲۳۔ مہر وجدانی، تجلیات، غضنفر اکیڈمی پاکستان، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۹ء

۲۲۴۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، دیوانِ اول، ج اول، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، مجلس ادب لاہور، طبع دوم: جون ۱۹۸۶ء

۲۲۵۔ میرزا مقبول بیگ بدخشانی، وڈاکٹر عبدالغنی، ارمغانِ عقیدت، پیکیجز، لاہور، س۔ن

ن

۲۲۶۔ ناصر، سعادت خاں، تذکرۂ خوش معرکہ زیبا، مرتبہ مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول: ۱۹۷۰ء

۲۲۷۔ ناظم، بشیر حسین، جمالِ جہان فروز، ماڈرن بک ڈپو، میلوڈی مارکیٹ، اسلام آباد، اشاعتِ دوم: ۱۹۹۸ء

۲۲۸۔ نثار احمد علوی، حکیم، سخنورانِ کاکوری، میخانہ ادب، ایچ ۸۔ ۲۲، ناظم آباد، کراچی، س۔ن

۲۲۹۔ نثار احمد نثار، ڈاکٹر، نور الہدیٰ محمد ﷺ، بزمِ یارانِ سخن، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۳۰۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ اول، مرتبہ قدرت نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۹۹ء

۲۳۱۔ ....، بحر الفصاحت، حصہ دوم، (مجلس ترقی ادب، لاہور) طبع دوم دسمبر ۲۰۰۶ء

۲۳۲۔نسیم امروہوی، مسدس نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسول کریمؐ، (ناشر سید علی امروہوی، فیڈرل بی ایریا کراچی) س۔ن

۲۳۳۔نصیر الدین، پیر نصیر الدین، دیں ہمہ اوست، مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ، اسلام آباد، ۱۴۲۸ھ

۲۳۴۔نظامی عروضی سمرقندی، چہار مقالہ، ترجمہ مطبوعہ لاہور

۲۳۵۔نظر لکھنوی، لمعاتِ نظر، محمد تابش صدیقی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۲۳۶۔نعیم تقوی، بصیرت، مجلس افکار اسلامی، کراچی، ۱۹۷۸ء

۲۳۷۔نعیم، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری، بریلی بھارت، ۱۹۹۹ء

۲۳۸۔.................. اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ادارۂ تحقیقاتِ امام رضا انٹرنیشنل، کراچی، ۲۰۰۸ء

۲۳۹۔نیاز بے نیاز، دیوانِ شاہ نیاز بریلوی، تنظیم خدام سلسلہ عالیہ نیازیہ، کراچی، ۱۳۸۹ھ

۲۴۰۔۔نیاز فتحپوری، انتقادیات، حصہ اول و دوم، نگار پاکستان، ماہنامہ، کراچی، سالنامہ دسمبر ۹۹۵ء

و

۲۴۱۔وجیہ الدین احمد خان، مولانا، قادری مجددی، مسلکِ ارباب حق، جامع العلوم فرقانیہ، رام پور (بھارت) بار دوم: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۲۴۲۔وحید اشرف، ڈاکٹر سید، کچھوچھوی، اردو زبان میں نعت گوئی کا فن اور تجلیات، اربابِ حلقۂ ذکر سلسلہ اشرفیہ، بڑودہ (بھارت)، بار اول: ۲۰۰۱ء

۲۴۳۔وحید الدین فقیر، سید، روزگارِ فقیر، ج: ۱، لائن رٹ پریس، فریر روڈ، کراچی،

۲۴۴۔وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور جدید تنقید، انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی، اشاعتِ اول: ۱۹۸۹ء

۲۴۵۔وسیم فاضلی، روشنی کا سفر، فاضلی پبلیکیشنز، ناظم آباد، کراچی، ۲۰۰۴ء

۲۴۶۔وقار صدیقی اجمیری، حرف حرف خوشبو، فرید پبلیشرز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۸ء

۲۴۷۔.................. نقشِ کفِ پا، بزمِ تزئینِ ادب، شمالی ناظم آباد، کراچی، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

۲۴۸۔وقار عظیم، تنقیدِ آزاد اور اس کا مخصوص مزاج، آبِ حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ، مرتبہ سید سجاد، نئی مطبوعات، سرکلر روڈ، لاہور، بار اول: ۱۹۶۶ء

ہ

۲۴۹۔ہلال جعفری، توشہ ہلال، مرتب: جنید آزر، باہتمام: حافظ نور احمد قادری، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

۲۵۰۔.................. کشکول ہلال، (بزم شعر و ادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء

ی

۲۵۱۔یگانہ چنگیزی، مرزا یاس یگانہ لکھنوی، کلیات یگانہ، مرتبہ: مشفق خواجہ، (اکادمی بازیافت، کراچی) پہلی اشاعت: جنوری ۲۰۰۳ء

۲۵۲۔یوسف ورک، چودھری محمد یوسف ورک قادری، فہرست کتب، نعت لائبریری شاہدرہ، لاہور، طبع دوم: اکتوبر ۲۰۰۶ء

رسائل/کتابی سلسلے/دائرۃ المعارف/لغات:

رسائل اور کتابی سلسلے:

الف

۲۵۳۔ماہنامہ ''الاحسن''، کراچی، (نعت نمبر)، مدیراعلیٰ: مولانا مفتی زرولی خان، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

۲۵۴۔الرشید، لاہور، ماہنامہ، (مدیر) عبدالرشید ارشد (نعت نمبر ۱) ۱۹۹۰ء

۲۵۵۔..................۱۹۹۱ء، (نعت نمبر ۲)

۲۵۶۔اوج، لاہور، مجلّہ (گورنمنٹ کالج، شاہدرہ)، ترتیب وتدوین، پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی۔ج: اول ۹۳۔۱۹۹۲ء

۲۵۷۔اوج، لاہور، مجلّہ (گورنمنٹ کالج، شاہدرہ)، ترتیب وتدوین، پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ج: دوم ۹۳۔۱۹۹۲ء

۲۵۸۔ایوانِ نعت، کتابی سلسلہ ۱، (مرتبین) وقار مصطفیٰ اور ملک فاروق احمد، مکتبہء ایوانِ نعت، باراول: مارچ ۱۹۸۸ء

ب

۲۵۹۔''بصیر''، ماہنامہ، کراچی، رسولؐ پاک نمبر، مدیراعلیٰ، ظفر حمید دھلوی، ستمبر ۱۹۷۲ء

۲۶۰۔''بیاض'' ماہنامہ، نعت نمبر، لاہور، مجلسِ ادارت: خالد احمد، عمران منظور، جلد ۸ اور ۹، دسمبر ۲۰۰۰ء اور جنوری ۲۰۰۱ء،

ح

۲۶۱۔حمد ونعت، ماہنامہ، ایڈیٹر: شہزاد احمد، کراچی: جلد ۱، جولائی ۱۹۹۰ء

۲۶۲۔..................جلد ۱، شمارہ ۳، اگست ۱۹۹۰ء

۲۶۳۔..................جلد ۶، شمارہ ۸۔۹، فروری۔مارچ، ۱۹۹۶ء

۲۶۴۔..................شمارہ ۱۰۔۹، اپریل۔مئی، ۱۹۹۶ء

خ

۲۶۵۔خاتونِ پاکستان، رسولﷺ نمبر، مدیر: شفیق بریلوی، ربیع الاول شریف ۱۳۸۲ھ مطابق اگست ۱۹۶۲ء

۲۶۶۔خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۱) مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)، اپریل ۲۰۰۷ء

۲۶۷۔خوشبوئے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳) مدیر: ڈاکٹر محمد مشرف انجم، سرگودھا (پاکستان)، حفیظ تائب نمبر، جون ۲۰۰۸ء

د

۲۶۸۔دنیائے نعت، کتابی سلسلہ، نمبر ۳، مرتب: عزیز الدین خاکی، مارچ ۲۰۰۴ء

س

۲۶۹۔سفیرِ نعت، کتابی سلسلہ، چوتھی کتاب، مرتب: آفتاب کریمی، کراچی، ستمبر ۲۰۰۳ء

۲۷۰۔سفیرِ نعت، کتابی سلسلہ، پانچویں کتاب، مرتب: آفتاب کریمی، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

۲۷۱۔''سیارہ'' ماہنامہ، لاہور، عبدالعزیز خالد نمبر، مدیر مسئول: فضل من اللہ، ناشر: نعیم صدیقی، شمارہ ۵، مئی ۱۹۶۹ء

۲۷۲۔سیارہ ڈائجسٹ، رسولﷺ نمبر، مدیراعلیٰ، سید قاسم محمود، جلد: ۲۰، شمارہ ۵، نومبر ۱۹۷۳ء

ش

۲۷۳۔ماہنامہ شام وسحر، نعت نمبر، (نقشِ ثانی) مدیرِ اعلیٰ شیخ صفدر، مدیراعزازی: خالد بٹ، مدیر معاون: سجاد حیدر جلد ۸، شمارہ ۱۔۲، لاہور،
جنوری۔فروری، ۱۹۸۲ء

۲۷۴۔..................نعت نمبر۳، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر، مدیر اعزازی: خالد بٹ، مدیر معاون: سجاد حیدر، جلد۹، شمارہ ۱۔۲، جنوری۔فروری ۱۹۸۳ء

۲۷۵۔..................نعت نمبر۴، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر علی: مدیر اعزازی: خالد شفیق، مدیر معاون: سجاد حیدر، لاہور، جنوری۔فروری، ۱۹۸۵ء

۲۷۶۔..........نعت نمبر۵، مدیر اعلیٰ شیخ صفدر علی: مدیر اعزازی: خالد شفیق، مدیر معاون: سجاد حیدر، لاہور، جنوری۔فروری، ۱۹۸۶ء

۲۷۷۔شہرِ نعت، کتابی سلسلہ، نمبر۴، مدیر اعلیٰ ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فیصل آباد، فروری تا نومبر ۲۰۰۹ء

ص

۲۷۸۔صریرِ خامہ، قصیدہ نمبر، مدیرہ علیا: ریحانہ طلعت خان، شعبہء اردو، جامعہ سندھ، ۶۸۔۱۹۶۷ء

۲۷۹۔صریرِ خامہ، نعت نمبر، مرتب: حمایت علی شاعر، مجلّہ: سندھ یونیورسٹی، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

ع

۲۸۰۔سہ ماہی ''عقیدت''، سرگودھا (پاکستان)، (تبصرہ نمبر) مرتب و مبصر: شاکر کنڈان، ستمبر ۲۰۰۷ء

ق

۲۸۱۔ماہنامہ قرطاس، نعت نمبر، مدیر: محمد امین الدین، ناگپور، بھارت، جون ۲۰۰۵ء

ک

۲۸۲۔ماہنامہ کاروانِ نعت، مدیر: محمد ابرار حنیف مغل، اردو بازار، لاہور

م

۲۸۳۔ماہِ نو، ماہنامہ، سیرت رسول ﷺ نمبر،، مدیر: ظفر قریشی، شمار بابت جولائی۔اگست ۱۹۶۳ء

۲۸۴۔ششماہی ''متاعِ امیر'' (میلادِ مصطفےٰ ﷺ نمبر)، مدیر اعلیٰ: محمد امیر نواز امیرؔ، شمارہ: ماہ اپریل ۲۰۰۵ء تا جون ۲۰۰۵ء

۲۸۵۔ششماہی ''متاعِ امیر'' (معراج رسول ﷺ اور انوارِ نعت خصوصی شمارہ)، مدیر اعلیٰ: محمد امیر نواز امیرؔ، شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵ء

۲۸۶۔نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ، سہ ماہی ''مدحت''، مدیر سرور حسین نقشبندی، لاہور، شمارہ: ۲، جون تا ستمبر ۲۰۱۰ء

۲۸۷۔نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ، سہ ماہی ''مدحت''، مدیر سرور حسین نقشبندی، لاہور خصوصی شمارہ (حفیظ تائب نمبر) شمارہ ۳، اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۱ء

۲۸۸۔سہ ماہی ''مفیض''، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجمی، شمارہ ۲۳، ۲۰۰۵ء،

۲۸۹۔سہ ماہی ''مفیض''، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجمی، شمارہ ۱۱۔۱۲، ستمبر۔دسمبر ۱۹۹۳ء، عارف عبدالمتین نمبر

۲۹۰۔سہ ماہی ''مفیض''، گوجرانوالہ پاکستان، نعت نمبر، جلد ۱۵، مدیر اعلیٰ: محمد اقبال نجمی، شمارہ ۲۷، ۲۰۰۸ء، نعت تبصرہ نمبر

۲۹۱۔...................شمارہ ۱۰۔۱۱، اپریل۔مئی ۱۹۹۶ء

ن

۲۹۲۔ماہنامہ نعت، لاہور، مدیر راجا رشید محمود۔ مسلسل اشاعت از ۱۹۸۸ء تا ایں دم۔

۲۹۳۔نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی شمارہ ۱، تنقید نمبر، اپریل ۱۹۹۵ء

۲۹۴۔نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی، شمارہ ۲، جنوری ۱۹۹۶ء

۲۹۵۔نعت رنگ، (کتابی سلسلہ) مدیر: سید صبیح رحمانی، کراچی، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۹۶ء

۲۹۶۔..................، شمارہ ۴، مئی ۱۹۹۷ء

۲۹۷۔..................، شمارہ ۵، فروری ۱۹۹۸ء

۲۹۸۔..................، شمارہ ۶، ۱۹۹۸ء

۲۹۹۔..................، شمارہ ۸، ستمبر ۱۹۹۹ء

۳۰۰۔..................، شمارہ ۹، مارچ ۲۰۰۰ء

۳۰۱۔..................، شمارہ ۱۰، اپریل ۲۰۰۰ء

۳۰۲۔..................، شمارہ ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء

۳۰۳۔..................، شمارہ ۱۲، اکتوبر ۲۰۰۱ء

۳۰۴۔..................، شمارہ ۱۳، دسمبر ۲۰۰۲ء

۳۰۵۔..................، شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۲ء

۳۰۶۔..................، شمارہ ۱۵، مئی ۲۰۰۳ء

۳۰۷۔..................، شمارہ ۱۶، فروری ۲۰۰۴ء

۳۰۸۔..................، شمارہ ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء

۳۰۹۔..................، شمارہ ۱۸، دسمبر ۲۰۰۵ء

۳۱۰۔..................، شمارہ ۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء

۳۱۱۔..................، شمارہ ۲۰، اگست ۲۰۰۸ء

۳۱۲۔..................، شمارہ ۲۱، س۔ن

۳۱۳۔..................، شمارہ ۲۲، ستمبر ۲۰۱۱ء

۳۱۴۔نقوش رسول ﷺ نمبر، مدیر: محمد طفیل، لاہور: ادارۂ فروغ اردو، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء

۳۱۵۔نگار پاکستان، (اصناف شاعری نمبر) مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ۳۲، رگارڈن مارکیٹ، کراچی نمبر ۳، سالنامہ ۱۹۶۷ء

۳۱۶۔نگار پاکستان، (مسائل ادب نمبر) مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ۳۲، رگارڈن مارکیٹ، کراچی نمبر ۳، سالنامہ ۱۹۶۸ء

دائرۂ معارف/لغات

۳۱۷۔دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد ۲، دانش گاہ پنجاب، لاہور، س۔ن

۳۱۸۔اردو لغت، اردو لغت بورڈ، کراچی

۳۱۹۔المنجد (عربی لغت)

۳۲۰۔فیلنز اردو انگریزی ڈکشنری

۳۲۱۔پینگوئین انگلش ڈکشنری

۳۲۲۔نوراللغات، نورالحسن نیر